چونکا دینے والی خوفناک کہانیوں کا انتخاب

ماہنامہ

ڈر ڈائجسٹ

کراچی

FEB 2020

- کالا جادو
- خونی کہانی
- پہاڑوں کی قسم
- لاسٹ ڈنر
- خونی گڑیا

وقار عظیم
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

شکیل نیازی 20
خونی آتما
آسیبی کہانیاں پڑھنے والے باذوق لوگوں کے لیے جسم پر کپکپی طاری کرتی..... کہانی

محمد قاسم رحمان 41
مکافات عمل
قبر میں دفنائی لڑکی کی سانسیں طویل عرصہ تک چلتی رہیں، اچنبھے میں ڈالتی خوفناک کہانی

مونا شہزاد 53
زومبی
ایک عجیب الخلقت..... بلا..... کی داستان حیرت جو کہ زندہ انسانوں کا خون پیتی تھی

مظہر الحق علوی 64
موت کی سرگوشی
ایک ایسے..... شخص کی داستان حیرت جو مرنے کے بعد تابوت..... سے نکل آیا تھا

شہزاد خان 86
کالا جادو
دل و دماغ پر..... سکتہ طاری کرتی اپنی نوعیت کی..... تھرا دینے والی..... حقیقت

صبا رمضان 97
خونی کہانی
بھلا خدا کے کلام..... سے بھی بڑھ کر کوئی طاقتور ہو سکتا ہے..... سبق آموز..... کہانی

ثنا اے شیخ 104
دسواں ستون
سو سال پہلے..... بنگال کی سرزمین پر وقوع پذیر ایک..... دہشت ناک..... قصہ

ایم الیاس 126
خطرناک وحشی
خوفناک و دہشتناک اور خونچکاں بھونچکاں کہانیوں کے متلاشی قارئین کیلئے خونی کہانی

خلیل جبار 149
آسیبی ڈھانچہ
دل کی دھڑکن..... تہہ و بالا کرتی رات کے اندھیرے میں جنم لینے والی ڈراؤنی کہانی

رضوان علی سومرو 155
حقیقت
ایک ضدی جن کی ہٹ دھرمی جس کی وجہ سے گھر والے پریشان تھے، ناقابل فراموش کہانی

فرح انیس 187
جنون
آسیبی دنیا کی ناقابل یقین خونی ڈراؤنی دل کو دہشت کرتی لرزہ براندام کرتی کہانی

عائشہ افضل 201
خونی گڑیا
ایک عام سی گڑیا..... کی کارستانی جس نے گھر اور گھلے والوں کو..... حیران کر ڈالا تھا

ایس امتیاز احمد 171
لاسٹ ڈنر
کھانے کا شوق..... کبھی کبھی..... انسان کو موت کی دہلیز تک بھی..... پہنچا دیتا ہے

فیصل ندیم ساحل 195
خوف نگر
قسمت کا مارا اگر سات سمندر پار بھی چلا جائے تو سکون نہیں ملتا، ایک سبق آموز کہانی

عثمان غنی خان 206
پہاڑوں کی قسم
اکثر انسان مستی اور خرمستی کی وجہ سے موت کو گلے لگا لیتا ہے دل فگار تحیر انگیز کہانی

مرزا صہیب اکرام 228
نامکمل سوال
آسیبی دنیا میں تہلکہ مچاتی اور خوف کے گرداب میں ڈبوتی ہوئی..... عجیب..... کہانی

ادارہ 234
قوس قزح
قارئین کے بھیجے گئے اشعار جنہیں قارئین بڑے ذوق و شوق سے پڑھتے ہیں.....

راشد نذیر طاہر 238
جان لیوا
ایک نادیدہ اور پراسرار ہستی کی ہولناک روداد دلوں کی دھڑکنیں تیز کرنے والا سلسلہ

ایڈیٹر و پبلشر آصف علی نے سٹی پریس تالپور روڈ کراچی سے چھپوا کر شائع کیا۔

خط و کتابت کا پتہ: ماہنامہ ڈرڈائجسٹ نورانی آرکیڈ نیو اردو بازار کراچی: 32744391

Pakistanipoint

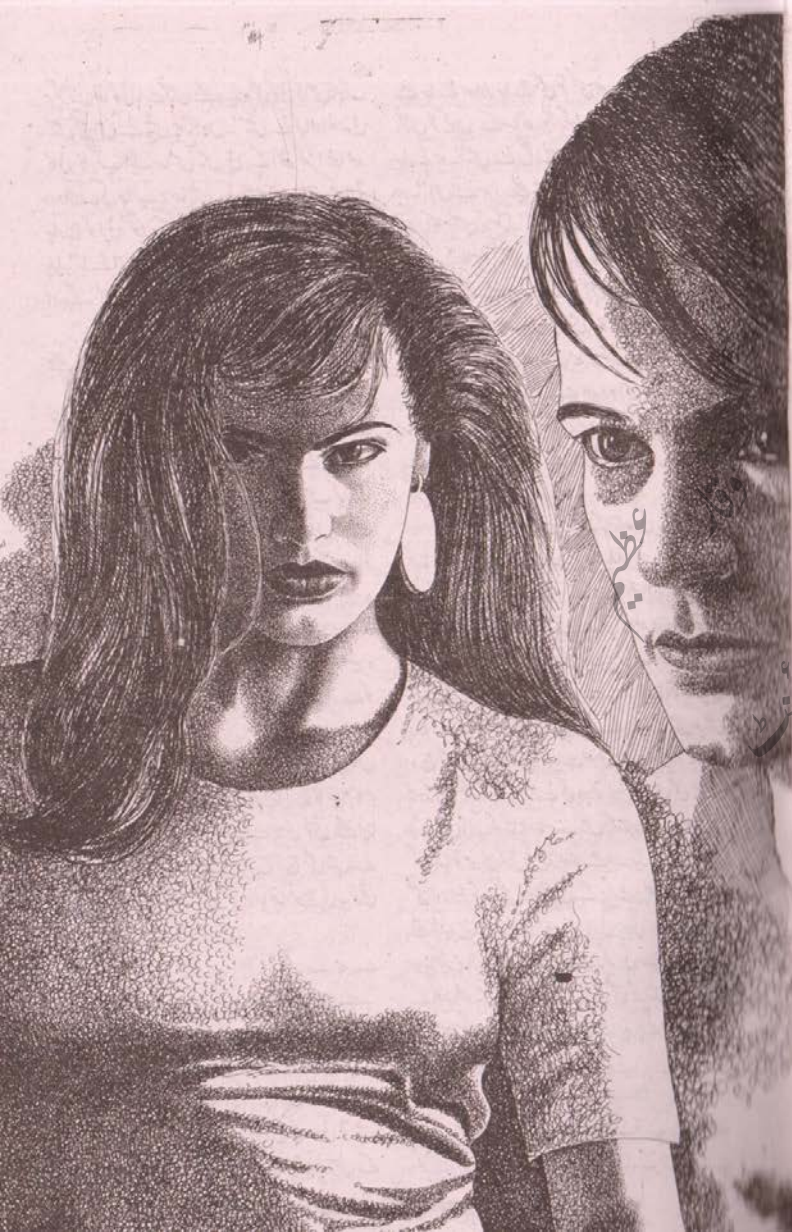

خونی آتما

شکیل نیازی-میانوالی

خوبرو حسینہ کے جسم سے بوتل کے لگتے ہی حسینہ کی فلک شگاف چیخ سنائی دی اور ایک دھوئیں کی لہر بوتل میں گھستی چلی گئی اور اچانک بوتل کا منہ خود بخود بند ہوگیا ایسا کیوں ہوا۔

آسیبی کہانیاں پڑھنے والے باذوق لوگوں کے لئے جسم پر کپکپی طاری کرتی..... کہانی

بے وقوف، بور، فیلیر، یہ تین الفاظ ملتے ہیں تو پتا ہے لوزر اور لوزر کا دوسرا نام ہے۔ ''جمی ڈورن (Jaime Dorn) یعنی میں، بہت سے لوگوں کے لئے اپنی تعریف کرنا ذرا مشکل کام ہوتا ہے مگر میں ان لوگوں میں سے ہرگز نہیں ہوں میں اول درجے کا لوزر تو ہوسکتا ہوں مگر جھوٹا اور برا کبھی نہیں رہا تھا۔ اس وقت تک تو نہیں جب تک وہ میری زندگی میں کسی طوفان کی طرح آ گئی اور اس طوفان نے میری زندگی میں کسی طرح ہلچل مچائی یہ بتانے سے پہلے میں آپ کو اس طوفان سے پہلے اپنی زندگی کی ایک جھلک دکھلاتا ہوں۔

☆.....☆.....☆

الارم کی زوردار آواز نے مجھے جھنجھوڑ کے رکھ دیا میں نے کمبل کو اپنے کانوں کے گرد کس کے لپیٹا مگر میری یہ کوشش بھی بیکار گئی آواز اب بھی میرے کانوں میں کسی سائرن کی طرح گونج رہی تھی میں نے کمبل سے سر نکالا اور بیڈ کے ساتھ منسلک ٹیبل سے الارم کلاک اٹھانے کی کوشش کی مگر گھڑی اب بھی میری پہنچ سے دور تھی میں نے بازو کو اور لمبا کر کے گھڑی تک پہنچنے کی کوشش کی اور اسی کوشش میں میں دھڑام سے زمین پر جا گرا اور میری آنکھ کے گرد تارے ناچ گئے اور نیند ہوا ہوگئی میں اپنے کندھے کو سہلانے لگا مگر جب میں نے گھڑی کو دیکھا تو درد بھی ہوا ہوگیا کیونکہ ساڑھے سات بج چکے تھے اور مجھے آفس 8 بجے ہر حال میں پہنچا تھا کیونکہ 8 بجے باس کے ساتھ میٹنگ تھی، میں جلدی سے واش روم گیا اور نہا کے باہر آیا تو پندرہ منٹ گزر چکے تھے، کمرے سے باہر نکلا تو میں نے دیکھا میری گرل فرینڈ علیزہ مجھے کھا جانے والی نظروں سے گھور رہی تھی اس کا یہ روپ مجھے ہمیشہ ڈرا دیتا تھا۔ ''کیا آج ناشتہ ملے گا۔'' میں نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

''ہوں..... ٹیبل پر کافی کا کپ پڑا ہے.....'' اس نے سرد آواز میں کہا۔ ''اور بریڈ.....''

''ختم ہوگئے.....'' اس نے لاپروائی سے کہا۔

''مگر کیسے ابھی کل ہی تو میں ایک پیکٹ لایا تھا۔

''تو کس بیوقوف نے تمہیں ایک پیکٹ لانے کو کہا تھا میں نے ہمیشہ تمہیں کہا ہے دو پیکٹ لایا کرو۔'' اس نے غصے سے کہا۔ ''مگر ہم دو ہی تو کھانے والے ہیں ہمارے لئے تو ایک ہی کافی ہے۔''

''یعنی تمہارے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ سارے بریڈ میں کھا جاتی ہوں حالانکہ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میں ڈائٹ پر رہتی ہوں۔'' علیزہ نے چلا کے کہا تو میں گھبرا گیا اور جلدی سے بولا۔ ''میرے کہنے کا یہ مطلب

ہرگز نہیں تھا کوئی بات نہیں مجھے ویسے بھی کوئی خاص بھوک نہیں تھی اس لئے میں چلتا ہوں۔'' میں نے کہا اور ٹھنڈی کافی کا کپ ایک سانس میں پی کے اُٹھ کھڑا ہوا اور دروازے کی جانب بڑھا میں نے جیسے ہی دروازہ کھولا تو جارج کو اپنی منحوس مسکراہٹ کے ساتھ کھڑے ہوئے پایا۔ ''ہائے اس قدر لیٹ میں تو سمجھا تھا تم آفس جا چکے ہوگے۔'' اس نے مسکرا کے کہا۔

''ہاں بس جا ہی رہا ہوں.....'' میں نے کہا تو پیچھے سے علیزہ کی آواز آئی۔

''جارج تم آگئے شکر ہے میں بہت بور ہو رہی تھی اور نہیں تو تمہارے ساتھ وقت ہی اچھا کٹ جائے گا۔'' اس نے جارج سے یوں گلے مل کے کہا جیسے صدیوں بعد آج ملے ہوں، میں نے گلا صاف کر کے انہیں اپنی موجودگی کا احساس دلایا، ورنہ وہ دونوں تو مجھے یکسر نظر انداز کر چکے تھے۔ ''تم ابھی تک گئے نہیں جاؤ کہیں باس تمہیں غصے سے فائر ہی نہ کر دے۔'' علیزہ نے مجھے گھور کے کہا اور جارج کا ہاتھ پکڑ کے اسے اندر لے گئی جارج نے جاتے جاتے مجھے آنکھ ماری اور علیزہ نے دھڑام سے دروازہ بند کر دیا اور میں بند دروازے کو دیکھتا رہ گیا۔

میری انگلیاں تیزی سے کمپیوٹر کے کی بورڈ پر چل رہی تھیں اور گیارہ بجے تک میں نے اپنا آج کا تمام کام کر دیا تھا، میری زندگی میں سب سے بڑی خوشی مجھے اپنا کام ختم کر کے ملتی تھی اور ہمیشہ کی طرح آج بھی میں نے اپنا کام بہت ہی کم وقت میں ختم کر لیا تھا مگر میری یہ خوشی نہایت کم وقت کے لئے ہی رہی۔

''ہائے جمی کیسے ہو.....؟'' آرتھر نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کے کہا۔ ''ٹھیک ہوں بولو کیا کام ہے۔'' میں نے بے زاری سے کہا۔ ''یہ فائلز لو اور انہیں کلیئر کرو میں ایک کام سے باہر جا رہا ہوں لنچ کے بعد واپس آؤں گا تب تک یہ ضرور مکمل کر لینا۔'' آرتھر نے کہا۔

''دیکھو آرتھر بات ایک دو دن کی ہوتی تو میں ضرور کر لیتا مگر تم ہر دوسرے روز ہی اپنا کام مجھ پر ڈال کے چلے جاتے ہو اور جاتے بھی تم کسی ضروری کام کے لئے نہیں لڑکیوں کے ساتھ لنچ کرنے اور انجوائے کرنے جاتے ہو۔'' میں نے تلخ لہجے میں کہا۔ ''تم کہنا کیا چاہتے ہو۔'' اس نے سرد لہجے میں کہا۔ ''یہی کہ میں اب مزید تمہارا کام نہیں کر سکتا۔'' میں نے دوٹوک لہجے میں کہا۔

''کام تو تمہیں کرنا پڑے گا میرے کہنے پر نا سہی تو کسی اور کے کہنے پر کرو گے۔'' اس نے مسکرا کے کہا اور چلا گیا تھوڑی دیر بعد باس کی بیٹی آندھی کی طرح میرے کیبن میں داخل ہوئی اور فائل میری ٹیبل پر پٹخ دی۔

''یہ آرتھر کی فائل ہے اور وہ اس وقت میرے ساتھ باہر جا رہا ہے اسے مکمل کرو سمجھے۔'' اس نے غصے سے کہا۔ اور اتنی ہی تیزی سے باہر نکل گئی اور اس کے پیچھے کھڑا آرتھر میرا منہ چڑھا رہا تھا۔

شام کے بعد میں روزانہ باقاعدگی سے جم جایا کرتا تھا اور کئی سالوں سے جم جا رہا تھا اب آپ سوچ رہے ہوں گے کہ اب تک تو میں نے بہترین باڈی بلڈر بن چکا ہوں گا مگر ایسا ہرگز نہیں ہے میں جم ضرور جاتا تھا اور باقی نوجوانوں کی طرح مجھے بھی ایک پرفیکٹ باڈی چاہئے تھی مگر میں ہیوی ویٹ اٹھانے سے ہمیشہ ڈرتا تھا اور پانچ Kg سے زیادہ کوئی وزن اٹھانے کے بارے میں، میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا، اگر بات صرف اتنی ہوتی تو میں جم چھوڑ دیتا مگر جم نا چھوڑنے کی وجہ کوئی اور ہی تھی جو اس وقت میں آپ کو بتانا مناسب نہیں سمجھتا، جم کے بعد میں گھر آیا تو میری گرل فرینڈ اوندھے منہ بیڈ پر پڑی سو رہی تھی اور بیئر کی بوتلیں اور چپس کے پیکٹ ہر طرف بکھرے تھے شاید یہاں پر کافی زوردار پارٹی ہوئی ہوگی میں نے سوچا اور جھاڑو اٹھا کے پہلے پورے گھر کی صفائی کی اور اس کے بعد مجھ میں اتنی ہمت نہیں بچی تھی کہ میں اپنے لئے کھانا بنا سکوں، بعد میں دھڑام سے بیڈ پر گرا اور لیٹتے ہی مجھے گہری نیند نے آ جکڑا۔

☆.....☆

تو میری اب تک کی زندگی کے آپ نے جو چند گوشے پڑھے۔ انہیں پڑھ کے آپ کے منہ سے بے

ساختہ نکلا ہوگا۔ ''لوزر.....'' کوئی بات نہیں میں نے آپ کی بات کا ذرا بھی برا نہیں منایا اور حقیقت تو یہ ہے کہ اب مجھے اپنے بارے میں ایسے الفاظ سننے کی ایک عادت ہی ہوگئی ہے میں مزید آپ کو انتظار نہیں کرواؤں گا اب میں آپ کو اس دن کے بارے میں اور پھر آنے والے اس اگلے بہت سے دنوں کے بارے میں بتاتا ہوں جب میری اس بورنگ لائف میں وہ کسی طوفان کی طرح آتی۔

سنڈے کا دن تھا اور ڈور بیل کی آواز سے میری آنکھ کھلی تو میں اٹھ کے بیٹھ گیا اور ایک لمبی جمائی کے بعد میں کاہلی سے اٹھا اور بنا سلیپر پہنے پاؤں کو تقریباً گھسیٹتا ہوا دروازے کی جانب بڑھا تو میں نے دیکھا گھر میں خاموشی تھی تو اس کا مطلب تھا کہ علیزہ گھر پہ نہیں تھی یقیناً وہ جارج کے ساتھ گھومنے باہر گئی ہوگی میں نے دروازہ کھولا تو سامنے کوریئر والا کھڑا تھا۔ ''سر آپ کا پارسل۔'' لڑکے نے ایک چھوٹے سائز کا پارسل نکالا۔ ''کیا تم لوگ سنڈے کو بھی کام کرتے ہو۔'' میں نے جمائی کو روکنے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے کہا۔ ''جی ہاں چند ماہ سے کسٹمرز کی سہولت کے لئے اب سروس سنڈے کو بھی آن رکھنے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔'' لڑکے نے مسکرا کے کہا۔ ''یعنی اب لوگوں کا سنڈے کو بھی آرام برباد کرو گے۔'' میں نے منہ بنا کے کہا تو وہ مسکرا کے رہ گیا۔ میں نے اس سے پارسل لیا اور اندر چلا آیا میں نے وہ پارسل کھولا تو اس میں ایک لیٹر اور ایک فائل تھی میں نے اس لیٹر کو کھولا اور پڑھنا شروع کیا۔

''ڈیئر جمی امید ہے تم خیریت سے ہوگے، مگر میں ٹھیک نہیں ہوں، بہت بیمار ہوں، برین ٹیومر اپنی آخری اسٹیج میں کھڑا ہے اور زندگی شاید چند دن کی رہ گئی ہے۔ فائل میں میری میڈیکل رپورٹس ہیں، کیوں کہ میں جانتا ہوں کہ ہم دونوں کے درمیان اب اعتبار کا رشتہ نہیں رہا، میں دن دنیا سے جانے کے لئے گویا تیار کھڑا ہوں اور میں چاہتا ہوں کہ میں آج تک جن جن لوگوں کا مقروض ہوں ان کا ادھار لوٹا دوں، مانا ہم میں کوئی لین دین نہیں ہے اور نہ ہی دوست ہیں مگر ماضی میں تو تھے شاید اس لئے تمہیں آخری بار دیکھنا چاہتا ہوں۔''

فقط تمہارا مخلص

(پری ایلن)

اس خط کو پڑھ کے میں ماضی کی ان باتوں میں کھو گیا جنہیں میں کب کا دفنا چکا تھا۔

☆.....☆.....☆

میں ٹرین کے ذریعے کورسیکا پہنچا یہ وہ ٹاؤن تھا جہاں میرا بچپن لڑکپن اور جوانی کے چند سال گزرے تھے۔ میں اسٹیشن سے ٹیکسی لے کر اس شخص کے گھر جا پہنچا، جس سے میں زندگی بھر نا ملنے کی دعا کیا کرتا تھا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ یوں مجھے کبھی ملنے کے لئے بلائے گا۔ خط پڑھ کے مجھے سمجھ ہی نہ آیا کہ مجھے اس سے ملنے کی دعوت پر خوش ہونا چاہئے یا نہیں، اسے شاید میرے آنے کا زیادہ یقین نہیں رہا تھا، اس لئے اس نے اپنی میڈیکل رپورٹس مجھے بھیجی تھیں، حقیقت تو یہ ہے اگر وہ رپورٹ اور بیماری کا نہ بتاتا اور صرف ملنے کی خواہش کا اظہار کرتا تو میں تب بھی اس سے ملنے ضرور آتا، شاید میں اب بھی دل کے کسی کونے میں اس سے ایک ملاقات کا خواہش مند تھا۔ یہی وجہ تھی کہ میں اس کے گھر کے سامنے موجود تھا گھر دیکھ کے میرے ہونٹوں پر کرب ناک مسکراہٹ دوڑ گئی، آٹھ سالوں میں اس ٹاؤن میں کافی چیزیں بدل گئی تھیں مگر یہ گھر بالکل ویسے تھا جیسے میں اس گھر کو اپنے بچپن سے دیکھتے ہوئے آ رہا تھا، میں نے ڈور بیل کا بٹن پریس کیا تو تھوڑی دیر بعد ایک اجنبی صورت نظر آئی، حلیہ سے وہ کوئی سرونٹ لگتا تھا۔ ''فرمایئے.....'' اس نے مجھے خالی خالی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''میں جمی ڈورن ہوں، میری ایلن سے ملنے آیا ہوں۔'' میں نے خود کو آنے والے حالات کے لئے مضبوط بناتے ہوئے کہا۔

''سوری یہ اب ممکن نہیں.....'' اس نے طویل سانس لے کر کہا۔ ''کیوں کیا وہ کہیں گئے ہوئے ہیں، میرا مطلب اسپتال وغیرہ؟''

''نہیں..... آپ نے آنے میں تھوڑی دیر کر دی، وہ ایک گھنٹہ پہلے ہی فوت ہو گئے ہیں۔'' اس نے کہا تو

میرے سر پر گویا پہاڑ گر گیا میں دیوار کا سہارا لے کر بیٹھ گیا کیوں کہ کھڑا رہنا میرے لئے ممکن نہیں رہا تھا۔

''سر آپ ٹھیک تو ہیں۔'' اس نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کے کہا۔ تو میں نے اشارے سے اسے جواب دیا تو وہ سر ہلا کے خاموش ہو گیا، میں عموماً لوگوں کے مرنے پر نہیں روتا کیونکہ میرا نظریہ ہے کہ رونے سے کچھ بھی نہیں بدلے گا سوائے خود کو ہلکان کرنے کے مگر نہ جانے آنسو کہاں کہاں سے نکل کے میرے گالوں کو تر کر رہے تھے، اس وقت ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی اور مجھے یوں محسوس ہو رہا کہ آسمان بھی آج میری بے بسی پہ رو رہا تھا، میں یہاں آنے سے پہلے آٹھ سال تک مسلسل ہر روز اس شخص کے سوالوں کے جواب ڈھونڈتا تھا اور شاید اسے بھی پتہ تھا کہ اس کے کسی سوال کا میرے پاس کوئی جواب نہیں اس لئے وہ بھی میری صورت دیکھنے کا روادار نہیں تھا میں ایک دم سے اٹھا اور اندر داخل ہوا ایک کمرے میں چند افراد ایک بیڈ کے گرد کھڑے تھے ان میں ایک ڈاکٹر بھی تھا میں نے بیڈ پر پڑے بیری کے وجود کو دیکھا تو مجھے یقین ہی نہ آیا کہ یہ وہی بیری ہے جسے زندگی کو اپنے ڈھنگ سے جینے کا قرینہ تھا اس کا وجود اب ہڈیوں کے بے جان جسم میں تبدیل ہو چکا تھا مجھے اس کا وہ مخصوص قہقہہ آج بھی یاد تھا جسے سن کے مجھ جیسا بور انسان بھی ہنس دیا کرتا تھا۔ مجھ سے یہ سب زیادہ ٹائم برداشت نہ ہوا اور میں آنسو صاف کر کے تیزی سے مڑا تو اس ملازم نے جس نے مجھے بیری کی موت کے بارے میں بتایا تھا مجھے آواز دے کے روکا اور پھر مجھے ایک کمرے میں لے گیا۔

''سر بیری کو آپ کے آنے کی بہت امید تھی وہ بڑی شدت سے آپ کے منتظر تھے مگر جب انہیں محسوس ہوا کہ وہ کسی بھی وقت موت کی آغوش میں جا سکتے ہیں تو انہوں نے ایک چیز مجھے سونپی تا کہ وہ چیز میں آپ کے حوالے کر سکوں۔'' میں نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا تو اس نے وہاں موجود الماری سے ایک شفاف رنگ کی بوتل نکالی، بوتل لکڑی کے کاک کی مدد سے بند تھی اور اس بوتل میں ایک رول شدہ کاغذ تھا۔ ''یہ آپ کی ہے میرا فرض ادا ہوا۔ اگر آپ جانا چاہیں تو میں آپ کو ہرگز نہیں روکوں گا۔'' ملازم نے کہا تو میں نے بوتل اس کے ہاتھ سے لے لی اور جلدی سے واپس جانے کے لئے مڑا کیوں کہ میں اس کے سامنے رونا نہیں چاہتا تھا۔

مجھے کچھ ہوش نہیں تھا کہ میں نے واپسی کا سفر کیسے طے کیا مجھ میں اتنی ہمت بھی نہیں تھی کہ اور نہیں تو کم از کم جنازے تک ہی رک جاتا مگر شاید میں اپنے ماضی سے پیچھا چھڑانا چاہتا تھا اس لئے میں وہاں سے جلد ہی نکل آیا میں گھر پہنچا اور اپنے روم میں جا کے لیٹ گیا شام کا وقت ہو رہا تھا کہ اچانک مجھے بوتل کا خیال آیا جس میں ایک کاغذ تھا وہ کاغذ یقیناً ایک لیٹر تھا جو میرے لئے تھا مگر بیری نے اس میں کیا لکھا ہوگا میرے لئے کوئی میسج کا بہت سے گلے شکوے اس میں کچھ بھی لکھا ہو سکتا ہے شاید کچھ ایسا لکھا ہو جسے پڑھ کے میری نیند ہی جاتی رہے، میں نے سوچا اور پھر اسے کھولنے کا ارادہ ترک کر دیا اور سو گیا۔

☆.....☆.....☆

صبح خلاف توقع میری آنکھ جلد ہی کھل گئی میں نے گھڑی پر نظر دوڑائی تو چھ بج رہے تھے، میں اٹھا اور فریش ہو کے باہر آیا تو میری نظر ٹیبل پر رکھی اس بوتل پر پڑی جس کو کھولنے کا ارادہ میں نے رات کو کینسل کر دیا تھا۔ میں انتہائی زور لگا کے بوتل کے مضبوط سے کاک کا ڈھکن کھولا اور اپنی انگلی نکال کر اس لیٹر کو باہر نکالا اور اسے کھول کے پڑھنے لگا۔

''ڈیئر جمی۔

یہ لیٹر اگر تم پڑھ رہے ہو تو اس کا مطلب ہے کہ میں اس دنیا میں نہیں ہوں اور یہ اچھی بات ہے کیونکہ میں چاہتا تھا تم اس لیٹر کو میرے مرنے کے بعد ہی پڑھو، میں تم سے کہنا چاہتا ہوں کہ تم میرے اور میری بہن کے اس دنیا میں واحد دوست تھے، حالانکہ تم جانتے تھے کہ ہم عام بچوں جیسے نہیں ہیں مگر پھر بھی تم نے ہم سے دوستی کی پھر ہم آہستہ آہستہ بڑے ہوتے گئے اور پھر وقت کے بدلنے کے ساتھ ساتھ ہمارے جذبات بھی بدلنے لگے اور شاید رشتے بھی اور پھر سب کچھ بدلنے سے چیزیں غلط ہو گئیں اور انجام کار تباہی ہوئی اور سب کچھ جیسے ختم ہو گیا اور جانتے ہو ان سب کے ذمہ دار تم ہو کیونکہ یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے اس بوتل میں تمہارے لئے ایک تحفہ ہے اور تمہیں تو یاد ہوگا میرے تحائف ہمیشہ ڈراؤنے ہوتے تھے اور تمہارے ہاتھ میں یہ لیٹر ہے تو اس کا مطلب ہے کہ وہ آپ کے پاس بوتل کی قید سے آزاد ہو چکی ہے اور اس کی آزادی تمہاری بربادی ہے، ڈیئر جمی تم نے جو کہا اس کی سزا ملنے کا وقت آ گیا ہے۔ بیڈ لک..... میرے دوست۔

میں نے طیش کے عالم میں لیٹر کو مروڑ کے پھینک دیا۔ ''کمینہ بیری، اس کی سوچ اب بھی ویسی ہی تھی۔ وہ اب بھی ان سب چیزوں کے لئے مجھے گناہ گار مانتا ہے جو میں نے کی ہی نہیں، مجھے خود پر غصہ آ رہا تھا کہ آخر میں اس کی باتوں میں آ کے اس سے ملنے ہی کیوں گیا جب ہم میں دوستی رہی ہی نہیں تھی تو مجھے وہاں کسی صورت نہیں جانا چاہئے تھا اور اب وہ ہمیشہ کی طرح نہ جانے کون سا نفسیاتی وار کر کے مجھے مرنے کے بعد سرپرائز دینا چاہتا تھا وہ میرے ساتھ ہمیشہ ہی ایسا کرتا تھا اور غلطی میری تھی میں بچپن سے اس کی شعبدہ بازی کو سپورٹ کرتا چلا آیا تھا اور وہ اگر اپنے شعبدوں کے تجربات مجھ پر ہی کیا کرتا تھا اور میرے نزدیک وہ شعبدہ باز ہونے کے ساتھ ساتھ انسانی نفسیات کو بھی خوب سمجھتا تھا اور یہی بات تھی کہ وہ مجھے ہمیشہ سرپرائز کر دیا کرتا تھا اب یہ بوتل اور لیٹر میری سمجھ سے باہر تھا شاید وہ مرنے سے پہلے میری زندگی اجیرن کرنے کے لئے کوئی نفسیاتی عمل کر گیا تھا اگر ایسا تھا تو میرے نزدیک وہ بہت بڑا بے وقوف تھا کیونکہ پہلی بات تو اب میں بچہ نہیں رہا تھا اور دوسری بات اب میرے نظریات بالکل بدل چکے تھے اب میں وہ جمی ڈورن نہیں رہا تھا جو دقیانوسی باتوں پر یقین کر لیا کرتا تھا۔

''کیسے ہو جمی.....؟'' میرے کان میں سرگوشی ہوئی تو میں اچھل پڑا میں نے گھبرا کے ارد گرد دیکھا مگر دور دور تک کسی ذی روح کا نام و نشان نہ تھا۔

''ک.....کون ہے.....؟'' میں نے اپنی آواز کی لرزش پر قابو پاتے ہوئے کہا کیوں کہ میری چھٹی حس مسلسل مجھے کسی انجانے خطرے کا احساس دلا رہی تھی۔

''میں وہ ہوں جسے تم نے ابھی ابھی اس بوتل سے نکالا ہے۔'' آواز دوبارہ سنائی دی تو میرا رنگ فق ہو گیا کیونکہ آواز اس بار اتنی واضح تھی کہ کسی شک کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی تھی۔ ''کہ کہ.....کون ہو تم.....'' میں نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔ ''تمہاری احسان مند.....'' آواز دوبارہ میرے کان کے پاس گونجی تو میں گھبرا کے کمرے سے باہر نکلا اور تیزی سے چلتا ہوا بس اسٹاپ کی طرف بھاگا۔ ''بھاگنا فضول ہے۔'' آواز میرے کانوں میں پڑی تو میں نے اپنے قدم اور تیز کئے اور اسٹاپ پر موجود بس میں سوار ہو گیا اور تیزی سے ایک سیٹ پر بیٹھ گیا۔ ''مجھ سے ڈرو مت میں تمہاری دشمن ہرگز نہیں۔'' میرے کان میں سرگوشیانہ آواز گونجی۔

''مجھ سے دور رہو۔'' میں نے کانپ کر کہا۔ ''او بھائی اور کتنا دور ہو کے بیٹھوں۔'' ساتھ والی سیٹ پر بیٹھے ایک آدمی نے کہا۔ ''سوری میں آپ سے بات نہیں کر رہا تھا میں نے کہا اور اپنے مطلوبہ اسٹاپ پر اتر گیا اور اپنے دفتر کی جانب تیز قدموں سے بڑھا مگر میرا دماغ میرے قدموں سے کہیں زیادہ تیز چل رہا تھا، میرے دماغ میں ایک ہی بات گونج رہی تھی وہ یہ کہ بیری نے انتقام لینے کے لئے مجھ پہ کوئی بلا مسلط کر دی ہے انہیں سوچوں کی بھیڑ میں الجھا دفتر میں داخل ہوا اور سیدھا اپنے کیبن میں بیٹھ کے تیزی سے کام کرنے لگا۔ شاید میں اس چیز کو بیکسر نظر انداز کر کے اسے اپنے دماغ سے نکالنا چاہتا تھا مگر میری ہر کوشش ناکام جاتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی کیوں کہ میں اس آواز کو اپنے ذہن سے نہیں نکال پا رہا تھا۔

''کیا کر رہے ہو.....'' آواز آئی تو میں بری طرح کانپ گیا۔ ''ارے بھائی کیا ہو گیا ڈر کیوں گئے تمہیں باس بلا رہے ہیں۔'' میں نے سر اٹھا کے دیکھا تو ایک کولیگ دانت نکال کر کہہ رہا تھا میں نے اپنے ماتھے سے پسینہ صاف کیا اور باس کے کیبن کی طرف بڑھا۔

''کیا میں اندر آ سکتا ہوں۔'' میں نے دروازے سے جھانک کے کہا۔

"ہاں ہاں آجاؤ تمہارا ہی انتظار کررہا تھا۔" باس نے تپے ہوئے لہجے میں کہا۔

"کیوں کیا ہوا سر.....؟" میں نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "پہلی بات تم سے کس نے بیٹھنے کو کہا۔ کھڑے ہوجاؤ۔" باس نے بات کے آخر میں چلا کے کہا تو میں گھبرا کے اٹھ کھڑا ہوا۔

"کیا تم نے یہ اسائنمنٹ تیار کی ہے ہر جگہ پر غلطی اور تم نے ٹوٹل اماؤنٹ تو ملین کے بجائے بلین کردی۔" باس نے حلق کے بل چیختے ہوئے کہا۔

"سوری سر کلیریکل مسٹیک (Clarekal Mistake)" میں نے کانپ کے کہا۔

"کیا کہا کلیریکل مسٹیک (Clarekal Mistake) واٹ داف..... (What the Fu.....)" باس کے منہ سے غصے میں گالی نکلتے نکلتے رہ گئی۔

"اسے اپنی بے عزتی مت کرنے دو....." وہی سرسراتی آواز میرے کانوں میں گونجی۔ "چپ کرو۔" میں نے اسے آواز دے کر مخاطب کرکے کہا۔

"کیا کہا.....؟ تم نے؟" باس نے حیرت اور غصے کے ملے جلے تاثرات سے کہا۔ "نہیں سر آپ سے نہیں کہہ رہا۔" میں نے جلدی سے کہا۔ "دفع ہوجاؤ اس سے پہلے کہ میں تمہیں فائر کردوں۔" باس نے حلق کے بل چیخ کے کہا۔ "تم اسے کہو کہ یہ تم پر چلانے کے بجائے اپنی بگڑی بیٹی کو لگام دے۔" سرسراتی آواز میرے کانوں میں پڑی۔ "تم ابھی تک کھڑے ہو؟" باس چلایا۔

"سر مجھ پہ غصہ نکالنے کے بجائے اپنی بیٹی پر توجہ دیں۔ جو آئے روز ڈریسز کی طرح بوائے فرینڈز بدلتی ہے اور پھر ان کے بوائے فرینڈز کا کام مجھے کرنا پڑتا ہے کیوں کہ وہ کولیگ حضرات تو آپ کی بیٹی کے ساتھ ڈیٹ میں مصروف ہوتے ہیں....." میں نے جب یہ سب کردیا اس کے بعد مجھے اپنے الفاظ کی شدت کا اندازہ ہوا۔

"سوری سر یہ میں نے نہیں کہا شاید کسی نے مجھ پر جادو کردیا ہے یہ الفاظ میں نے اپنی مرضی سے ہرگز نہیں کہے بلکہ یہ کہلوائے گئے ہیں۔" میں نے رونی صورت بنا کے کہا۔ باس مارے غصے کے سرخ تو پہلے ہی تھا اب کالا ہوگیا تھا اس نے چلا چلا کے واچ مین کو بلایا اور میں نے اس کے آنے سے پہلے ہی وہاں سے بھاگ نکلنے میں عافیت جانی، جب میں کیبن سے باہر آیا تو مجھے سامنے آرتھر اور باس کی بیٹی بیلی آتے نظر آئے۔

"ہائے جمی یہ میرا تھوڑا سا کام ہے نمٹا دینا۔" آرتھر نے مسکراتے ہوئے ایک فائل میری طرف بڑھائی تو میرے کان میں وہی آواز گونجی اور پھر دوسرے ہی لمحے اس آواز کی ہدایت کے مطابق میں نے قریبی میز پر رکھا کمپیوٹر کا کی بورڈ اٹھایا اور اسے گھوما کے کسی بیٹ کی طرح آرتھر کے منہ پر دے مارا، دوسرے ہی لمحے آرتھر کا منہ پھر گیا اور ہوا میں کی بورڈ کے بٹن کے ساتھ ساتھ آرتھر کے دانت بھی بکھر گئے اور وہ کسی کٹے شجر کی طرح زمین پر آن گرا، بیلی اور آفس کا عملہ ہکا بکا یہ منظر دیکھتا رہ گیا۔ وہ سب مجھے یوں خالی خالی نظروں سے دیکھ رہے تھے جیسے وہ سب مارے حیرت کے صدمے کی کیفیت سے دو چار ہوگئے ہوں، دوسرے ہی لمحے مجھے ہوش آیا تو میں نے ان کی حیرت سے فائدہ اٹھانے کی سوچی اور وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا۔

☆.....☆.....☆

میں ہانپتا کانپتا اپنے اپارٹمنٹ میں داخل ہوا، میں سردیوں میں بھی مارے خوف کے پسینے سے شرابور تھا، مجھے علیزہ کے کمرے میں سے ہنسنے کی آوازیں آرہی تھیں، شاید اسے میرے آنے کا علم نہیں ہوا ہوگا کیوں کہ بیرونی دروازہ لاک نہیں تھا اور میں خاموشی سے اندر آگیا تھا میں جانتا تھا کہ اندر کیا چل رہا ہے مگر میں نے ویسے اپنی آنکھیں اور کان بند کرلئے جیسے میں ہمیشہ سے کرتا تھا۔ اب کئی لوگ اسے میری کمزوری سمجھ رہے ہوں گے مگر اس خاموشی کے پیچھے بھی ایک وجہ تھی وہ یہ کہ میری گرل فرینڈ بہت خوبصورت تھی اور اکثر لوگ مجھ سے کہتے تھے کہ تم اس معاملے میں لکی رہے ہو اور مجھے اس بات کا ہمیشہ خوف سوار رہتا تھا کہ اگر میں نے اس کے ساتھ روک ٹوک یا سختی کی تو وہ مجھے چھوڑ کے چلی جائے گی اور اس خوف نے مجھے اس کی

ہر زیادتی برداشت کرنے کی ہمت دی تھی میں اپنے کمرے میں گیا اور تیزی سے دروازہ بند کرکے لمبے لمبے سانس لینے لگا۔ "تمہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں....." وہی منحوس آواز ایک بار پھر میرے کانوں میں گونجی اور میں نے اپنے ہاتھوں کو سختی کے ساتھ کانوں پر رکھ لیا اور پیروں کے بل بیٹھ گیا۔ "تم جانتے ہو ساتھ والے کمرے میں کیا ہورہا ہے؟" آواز میرے کانوں پر ہاتھ رکھنے کے باوجود میرے کان کے پردوں سے ٹکرائی تو میں یوں اٹھ کھڑا ہوا جیسے مجھے کرنٹ لگا ہو، میں نے تیزی سے میز پر رکھے ہینڈ فری اٹھائے اور انہیں کانوں میں لگا کے میوزک فل لاؤڈ کردیا۔

"تمہاری دوست اپنے یار کے ساتھ رنگ رلیاں منا رہی ہے۔" آواز میوزک کو کراس کرتی ہوئی ایک بار پھر میرے کانوں میں پڑی تو میرا دل دیوار میں سر مارنے کو چاہا میں نے ہینڈ فری اتار کے پھینکے اور میز کی دراز سے سلیپنگ پلیز نکال کے پانچ کے قریب ایک ساتھ منہ میں ڈالے اور پانی کا گلاس چڑھا لیا۔

"میں شاید بہت تھک چکا ہوں، اس لئے مجھے ایسا محسوس ہورہا ہے کہ کوئی مجھ سے بات کررہا ہے۔" میں نے ہڑبڑا کے خود سے کہا۔

"تمہیں ابھی جانا چاہئے ساتھ والے کمرے میں اور اس کتیا کا منہ توڑ دینا چاہئے۔ جسے تمہاری عزت کا ذرہ بھی پروا نہیں۔" آواز کسی..... سیسہ کی طرح ایک بار پھر میرے کانوں میں اتری۔ "تم کچھ بھی نہیں ہوا بس میرا وہم ہو، میں نے دانت پیس کے کہا۔ "ہرگز نہیں میں حقیقت ہوں اس لئے تمہیں نقشہ دکھایا ہے۔ تم ابھی کے ابھی جاؤ گے اور اسے سبق سکھاؤ گے۔" غصے بھری آواز آئی۔ "اب میں تمہاری کوئی بکواس نہیں سنوں گا۔" میں نے نفرت بھرے لہجے میں کہا۔

"تم سنو گے..... تمہیں سننا پڑے گا تم اسے سبق سکھاؤ گے یہ میرا حکم ہے۔" بھاری بھرکم آوازیوں گونجی جیسے بہت سے لوگ مل کے بول رہے ہوں یہ آواز سنتے ہی نہ جانے مجھے کیا ہوا کہ میں اٹھ کھڑا ہوا اور چلتا ہوا اس کمرے کے دروازے پر پہنچا، دروازہ لاک نہیں تھا اور یہ ڈھٹائی کی حد تھی، میں نے ایک جھٹکے سے دروازہ کھولا اور اندر کا ماحول دیکھ کے مجھے ذرہ بھی حیرت نہیں ہوئی اندر کا ماحول میری توقع کے عین مطابق تھا، علیزہ اور اس کا دوست جارج انتہائی قابل اعتراض حالت میں تھے۔ "یہ کیا بدتمیزی ہے تمہیں ڈور ناک کرکے آنا چاہئے تھا۔" علیزہ نے بیڈ کی چادر سے اپنے جسمانی نشیب وفراز کو چھپاتے ہوئے کہا۔

میں نے اسے مخاطب کیے بنا جارج کے منہ پر ایک زوردار مکا رسید کیا، جارج کو شاید اس حملے کی ذرہ بھی توقع نہیں تھی، اس لئے ایک ہی مکے میں وہ ڈھیر ہوگیا اور میں نے اسے گھسیٹ کے گھر سے باہر پھینک دیا، علیزہ مجھ پر مسلسل چلا رہی تھی، میں نے اسے بھی دھکے دے کر اپارٹمنٹ سے باہر نکال دیا وہ مجھ پر مسلسل چلائے جارہی تھی۔

"خاموشی سے اسے لے کر یہاں سے دفع ہوجاؤ اور اگر دوبارہ اپنی شکل دکھائی تو جان سے جاؤ گی۔" میں نے دھاڑتی ہوئی آواز میں کہا تو وہ یوں یک دم سہم کے چپ ہوگئی جیسے یک دم کسی ٹیپ ریکارڈر کا سوئچ نکال دیا جائے، میں نے ڈور لاک کیا اور اپنے کمرے کی جانب بڑھا مگر مجھے شدید قسم کا چکر آیا اور میں زمین پر گر گیا، شاید سلیپنگ پلیز نے اپنا اثر دکھانا شروع کردیا تھا۔

☆.....☆.....☆

میری آنکھ کھلی تو میں نے خود کو فرش پر لیٹا پایا میری آنکھوں میں ابھی تک دھند چھائی ہوئی تھی اور سر بری طرح سے بھاری تھا شاید یہ سلیپنگ پلیز کی ہیوی ڈوز کا نتیجہ تھا مجھے وقت کا کوئی اندازہ نہیں تھا، شاید میں 24 گھنٹے سے زیادہ بے ہوشی کی کیفیت میں رہا تھا، میں لڑکھڑاتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا، فریج سے جوس کی بوتل نکال کے اسے منہ لگا لیا، میں نے لمحوں میں بوتل کو خالی کیا شاید مجھے بے حد بھوک اور پیاس لگی تھی اس لئے جوس پی کے جسم میں کچھ توانائی محسوس ہوئی تو میں نے سکھ کا سانس لیا مگر میرا سکون نہایت عارضی ثابت ہوا۔

"میرے خیال میں اب تمہاری حالت پہلے سے بہتر ہے۔" وہی منحوس آواز ایک بار پھر میرے کانوں سے ٹکرائی تو میں اچھل پڑا اور خوف نے ایک بار پھر میرے

دل میں گھر کرلیا میں اسے جواب دینے کے بجائے جلدی سے اپارٹمنٹ سے باہر آیا اور تیز تیز چلنے لگا، شام ڈھل چکی تھی اور آسمان پر تارے چمکنے لگے تھے۔ ''تم شاید مجھ سے بات نہیں کرنا چاہتے۔'' آواز ایک بار پھر میرے کانوں سے ٹکرائی مگر میں بدستور تیز قدموں کے ساتھ چلتا رہا مجھے سامنے کسینو کا بورڈ نظر آیا تو میں جلدی سے اس میں گھس گیا۔ ''تو کیا تم یہاں جوا کھیلنا چاہتے ہو۔'' آواز آئی مگر میں اسے نظر انداز کر کے ایک تاش کی بازی والی ٹیبل پر بیٹھ گیا جہاں پہلے ہی تین آدمی موجود تھے، میں بھی ان میں شامل ہوگیا۔ پہلی بازی میں بری طرح سے ہار گیا۔ ''کیا میں تمہاری مدد کروں۔'' آواز آئی۔ ''مگر میں اسے آن دیکھ کے اگلی بازی میں مصروف ہوگیا۔ مگر اس بار بھی نتیجہ وہی نکلا اس کے بعد میں نے پے در پے بازیاں لگائیں مگر مات ہر بار مقدر ٹھہری، آخر کار میری جیب میں صرف 80 ڈالر بچے تو میں نے انہیں بھی جھونکنے کا فیصلہ کیا۔

''دیکھو میں تمہیں ان کے پتوں کے بارے میں بتا چکی ہوں۔'' آواز میرے کانوں میں پڑی تو مجھے بے اختیار ہنسی آگئی تو باقی کھیلنے والے مجھے یوں گھورنے لگے جیسے میں صدمے کی وجہ سے پاگل ہونے والا ہوں۔

''ہاں کیوں نہیں نیکی اور پوچھ۔'' میں نے طنزیہ انداز میں کہا تو وہ لوگ مجھے خود سے باتیں کرتا دیکھ کے تاسف سے سر ہلانے لگے جیسے انہیں میرے پاگل ہونے کا یقین آنے لگا ہو دوسرے ہی سے وہ آواز میرے کانوں میں پڑی اور اس نے مجھے سامنے بیٹھے لوگوں کے پتوں کے بارے میں بتایا تو میں اس کے بتائے ہوئے پتوں کے کھیلا تو حیرت انگیز طور پر میں جیت گیا۔ ''شاید یہ ایک اتفاق تھا۔'' میرے دل نے کہا اس کے بعد نئی بازی لگ چکی تھی، پتے بٹ چکے تھے اس آواز نے ایک بار پھر میرے کانوں میں سرگوشی کی، میں نے اس آواز کے کہنے کے مطابق عمل کیا تو ایک بار پھر میں بازی جیت گیا میری خوشی دوچند ہوگئی، میں نے ایک اور بازی کھیلنے کا فیصلہ کیا، ایک بار پھر میں اس کے کہنے کے مطابق کھیلا تو بازی پھر میری ہوگئی، میری خوشی کا ٹھکانہ نہ رہا میرا دل ناچنے کو کرنے لگا مگر میں اپنے جذبات وہاں موجود لوگوں سے چھپانا چاہتا تھا اس کے بعد میں نے بہت سی بازیاں کھیلیں اور ہر بازی میں اس آواز نے مجھے دوسروں کے پتوں کے بارے میں بتایا دیگر کھیلنے والوں کو لگنے لگا کہ میں چیٹنگ کر رہا ہوں، مگر ان کے پاس میرے خلاف کوئی ثبوت نہیں تھا میں رات گئے تک کھیلتا رہا جب تھک گیا تو وہاں سے نکل آیا میرے پاس اتنے پیسے تھے کہ میری جیبوں میں نہیں آرہے تھے میں خوشی خوشی ٹیکسی میں سوار گھر لوٹا میں نے تمام پیسے بیڈ پر پھیلائے اور انہیں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کے غور سے دیکھنے لگا مجھے ابھی تک یقین نہیں ہو رہا تھا کہ یہ تمام پیسے میرے ہیں۔

''بہت خوش لگ رہے ہو۔'' آواز میرے کانوں میں پڑی۔

''ہاں بہت خوش ہوں۔'' میں نے نوٹ گنتے ہوئے کہا۔

''اب کیا کرو گے؟''

''میں ان پیسوں سے اپنے لئے ایک سستی اور چھوٹی امپالہ کار خریدوں گا اور باقی بچ جانے والے پیسوں کو بینک میں جمع کرادوں گا۔'' میں نے پیسوں کو دراز میں رکھتے ہوئے کہا۔

''نہیں تم ایسا کچھ نہیں کرو گے ہم ان پیسوں سے کل پھر کھیلیں گے۔'' آواز آئی۔

''کیا پاگل ہو آج بڑی مشکل سے جیتے ہیں آج تو قسمت نے ساتھ دے دیا کل ہو سکتا ہے نہ دے۔'' میں نے منہ بنا کے کہا۔

''تمہارا ساتھ قسمت نے نہیں میں نے دیا ہے۔''

''لگتا ہے تم نے وہ کہاوت نہیں سنی ہو کسی کا نہ ہوا؟''

''مگر تمہارا ہوگا وہ سب کچھ جو تم چاہتے ہو۔'' آواز آئی تو میں ہنس پڑا۔

''مجھے لگتا ہے کہ میں پاگل ہو جاؤں گا، ایک پراسرار آواز نے آج اتنا پیسہ دلایا اور میں یہ تک نہیں جانتا کہ یہ آواز کس کی ہے کسی بھوت یا چڑیل وغیرہ کی اگر یہ دونوں ہی نہیں ہے تو ہے کون اور کیا چیز ہے۔ یعنی تم کون ہو کیا نام ہے کیسی دکھتی ہو، مجھے نظر کیوں نہیں آتی۔'' میں نے تیز تیز لہجے میں کہا۔

''تمہارے پہلے سوال کا جواب ''میرا کوئی نام نہیں ہے۔'' دوسرے سوال کا جواب مجھے نہیں معلوم میں کیسی دکھتی ہوں اور تیسرے سوال کا جواب میں تمہیں اس لئے نظر نہیں آتی کیوں کہ میں خود کو بھی نہیں دیکھ سکتی، بس اپنے ان دیکھے وجود کو محسوس کر سکتی ہوں، تمہیں بس اتنا یاد رکھنا چاہئے کہ میں جو بھی ہوں تمہیں مجھ سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔'' آواز گونجی۔

''وہ تو اب یقین آ ہی گیا ہے کہ مجھے تم سے کوئی خطرہ نہیں ہے اور تم نے اب تک میرا فائدہ ہی کیا ہے۔''

''یہ تو کچھ بھی نہیں ابھی تو صرف شروعات ہے۔'' آواز آئی۔

''ہاں شاید تم ٹھیک کہہ رہی ہو مگر ایسے کیسے چلے گا نہ تمہارا کوئی نام ہے اور نہ ہم دونوں میں کوئی رشتہ۔'' میں نے کہا۔

''تم کہنا کیا چاہتے ہو۔''

''صرف اتنا کہ ہمیں تمہیں اور اس رشتے کو کوئی نام دینا چاہئے اور دونوں آج سے دوست ہیں اور تمہارا نام..... سینڈریلا ہے آج سے.....'' میں نے کہا۔

''سینڈریلا..... یہ نام عجیب سا ہے۔'' آواز آئی۔

''ہاں وہ تو ہے بالکل تمہاری طرح عجیب ہے ویسے یہ کوئی عام نام نہیں ہے ایک مشہور زمانہ اسٹوری کے کردار کا نام ہے۔ یہ اسٹوری پھر کبھی تمہیں سناؤں گا۔'' میں نے بیڈ پر لیٹتے ہوئے کہا۔

''تو ابھی سنا دو ہم دونوں کے پاس کافی ٹائم ہے۔'' آواز آئی تو میں اُٹھ بیٹھا اور اسے سینڈریلا کی اسٹوری سنانے لگا۔

دوسرے دن میں ایک بار پھر کسینو پہنچا وہاں موجود لوگ مجھے دیکھنے لگے شاید پچھلی رات میری انہونی جیت ابھی تک انہیں ہضم نہیں ہو رہی تھی، میں وہاں ایک بار پھر تاش کھیلنے لگا وہاں موجود نامی گرامی پتے باز آج میرا مقابلہ کرنے کے لئے تیار بیٹھے تھے میں انہیں کسی قسم کے شک میں مبتلا نہیں کرنا چاہتا تھا اس لئے انہیں دکھانے کے لئے میں چند ایک بازیاں ہارا بھی مگر جیت آخر کار میری ہی ہوئی، میں نے ایک بار پھر بے تحاشا پیسہ جیت کر سب کو حیران کر دیا۔ وہاں سے میں رات گئے باہر نکلا اور ''ٹیکسی میں بیٹھ کر گھر کی جانب روانہ ہوا، راستے میں ایک لگژری کاروں کا ایک شوروم نظر آیا تو میں نے ٹیکسی رکوائی اور نیچے اتر کے شوروم میں داخل ہوگیا وہاں موجود ایک سرخ رنگ کی کار نے میرا دل جیت لیا۔

''فراری اٹالیا 58'' میرے منہ سے نکلا۔

''کیا تمہیں یہ کار پسند ہے۔'' سینڈریلا کی آواز میرے کانوں میں پڑی۔

''ہاں یہ کار کیسے ناپسند ہوگی اسے ڈریم کار کہتے ہیں۔'' میں نے کار کو کھوئے کھوئے انداز میں چھوتے ہوئے کہا۔ ''میں بہت جلد اسے خریدلوں گا کیونکہ میرے ساتھ اب تم ہو؟'' میں نے مسکرا کے کہا۔

''ایک کیا ایسی بہت سی کاریں تمہاری ملکیت ہوں گی۔'' سینڈریلا نے کہا۔

''شکریہ ہر اس چیز کے لئے جو تمہاری وجہ سے مجھے ملی۔'' میں نے کہا۔

''مجھے تمہارے شکریہ کی کوئی ضرورت نہیں۔'' سینڈریلا کی آواز آئی۔ ''جانتا ہوں دوستی میں No Thanks'' میں نے مسکرا کے کہا۔

''یہ تم سے کس نے کہا کہ ہم دوست ہیں۔'' سینڈریلا کی آواز آئی۔

''اگر ہم دوست نہیں تو اور پھر کیا ہیں؟'' میں نے حیرانگی سے کہا۔

''ایک دوسرے کی ضرورت۔''

''کیا مطلب میں سمجھا نہیں۔'' میں نے چونک کے کہا۔

''میری وجہ سے تمہیں سب کچھ ملے گا، جو تمہیں چاہئے اور پھر بدلے میں مجھے تم سے کچھ چاہئے۔'' سینڈریلا نے کہا۔

''میں بھلا تمہیں کیا دے سکتا ہوں۔'' میں نے

حیرانگی سے کہا۔

''بہت کچھ مگر ابھی اس کا وقت نہیں آیا۔'' سینڈریلا کی آواز سنائی دی۔

''میرا سب کچھ اب تمہارا ہی تو ہے۔'' میں نے ہنس کے کہا۔

''یہ تو وقت بتائے گا۔'' سنڈریلا نے کہا تو میں ہنستے ہوئے باہر کی جانب چل پڑا۔

☆.....☆.....☆

دس دن گزر گئے اور ان دس دنوں میں میری زندگی بدل گئی میں نے ایک پوش علاقے میں ایک لگژری اپارٹمنٹ لیا اور اب میرے پاس دنیا کی ہر آسائش موجود تھی، دس دنوں بعد میں آج شہر کے کسی بھی کیسینو نہیں گیا اور شام کے بعد سیدھا جم گیا میں نے آپ کو بتایا تھا نا کہ میرا جم جانا فٹنس کے لئے نہیں کسی اور غرض سے تھا تو اب وہ بات بتانے کا وقت آ گیا ہے۔ جو میں نے پہلے نہیں بتائی وہ آفت کی پڑیا رنگ مشین پر کھڑی دوڑ رہی تھی اس کے ربن میں بندھے بال دائیں بائیں ہو رہے تھے وہ باقی تمام لڑکیوں سے الگ تھی انتہائی خوب صورت مگر شاید اسے اپنی خوبصورتی کی ذرا برابر پرواہ نہیں تھی، وہ ہمیشہ سے باقی لوگوں کی چبھتی نظر سے انجان ایکسر سائز میں مصروف رہتی تھی جم کے بہت سے لوگوں نے اس سے بات کرنے کی کوشش کی مگر اس نے کبھی کسی کو جواب تو کیا بات تک نہیں کی۔

میرے حالاب اب یکسر بدل چکے تھے اور مجھ میں حد سے زیادہ خود اعتمادی تھی ''ہائے.....'' میں نے اس کے قریب ہو کے کہا تو اس نے مشین آف کی اور اس سے اتر کر دوسری مشین کی طرف بڑھ گئی اس نے جواب تو کیا مجھے دیکھنا تک گوارا نہیں کیا، اردگرد موجود لڑکے دبی دبی ہنسی ہنسنے لگے اور میں انہیں گھورتا ہوا باہر نکل کے پارکنگ کی جانب آیا جہاں میری ڈریم کار میرا انتظار کر رہی تھی میں نے بٹن پریس کیا تو اس کا دروازہ اوپر کی جانب کھل گیا۔ میں کار میں بیٹھ گیا اور اس کے باہر نکلنے کا ویٹ کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد وہ بھی باہر آ گئی، میں نے فوراً کار اسٹارٹ کی اور اس کے قریب جا کے روک دی۔ ''کیا آپ کو لفٹ چاہئے؟'' میں نے کہا تو اس نے مجھے گھور کر دیکھا تو پھر چل پڑی۔

''میں آپ سے ایک بات کرنا چاہتا ہوں۔''

''مگر مجھے تم سے کوئی بات نہیں کرنی سمجھے۔'' لڑکی نے کہا۔ ''دیکھیں آپ مجھے غلط سمجھ رہی ہیں.....'' میں نے اتنا ہی کہا۔ ہمارے پاس ایک فورڈ کار آ کے رکی اور اس میں سے ایک ہینڈسم اور لمبا تڑنگا نوجوان باہر نکلا اس نے جینز اور ٹی شرٹ پہن رکھی تھی اس کے ہونٹوں میں جلتی سگریٹ اسے مزید اسٹائلش بنا رہی تھی اس نے 80 کی دہائی والے فیشن کی طرح شولڈر کٹ بال رکھے ہوئے تھے جب کہ سامنے کے بالوں نے اس کے ماتھے کو ڈھانپ رکھا تھا مجموعی طور پر وہ پرانی موویز کا ہینڈسم ولن لگ رہا تھا۔ ''کیا یہ تمہیں پریشان کر رہا تھا؟'' نوجوان نے لڑکی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''کچھ نہیں یہ بس مجھ سے رستہ پوچھ رہے تھے۔'' لڑکی نے نظریں چرا کے کہا۔

''اچھا ویسے مسٹر تم یہاں جم کے پارکنگ ایریا میں کھڑے ہو کے کہاں کا پتہ پوچھ رہے تھے۔'' نوجوان نے میری طرف دیکھ کے طنزیہ انداز میں کہا۔

''چھوڑو اسے ہم لیٹ ہو رہے ہیں ہمیں چلنا چاہئے۔'' لڑکی نے میرے بولنے سے پہلے جلدی سے کہا۔

''چلے جائیں گے پہلے یہ بتاؤ کہ یہ تم سے کیا کہہ رہا تھا اور اس بار جھوٹ مت بولنا ورنہ مجھے غصہ آ جائے گا اور میرے غصے کے بارے میں تم اچھی طرح سے جانتی ہو۔'' نوجوان نے سختی سے اس کا ہاتھ پکڑ کے غصے سے کہا تو لڑکی کے چہرے پر تکلیف کے اثر پیدا ہوئے میں نے قدم جیسے ہی آگے کی جانب بڑھایا تو سینڈریلا کی آواز میرے کانوں میں پڑی۔

''سوچنا بھی مت تمہارا وزن kg70 ہے اور وہ 90 سے اوپر ہائٹ کے حساب سے بھی وہ تم سے زیادہ ہے اس سے لڑنا تمہاری سب سے بڑی بے وقوفی ہوگی۔

''تم ابھی مجھے جانتے نہیں ایسے بہت سے لوگوں

کو میں نے سیدھا کیا ہے ویسے بھی جو مرد لڑکیوں پر رعب ڈالتے ہیں وہ کسی مرد سے الجھنے کی ہمت کبھی نہیں کرتے۔'' میں نے دھیرے سے کہا۔

''لڑکی کا ہاتھ چھوڑو.....'' میں نے نوجوان کو رعب دار آواز میں مخاطب کر کے کہا تو اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

''میں پہلے سے جانتا تھا کہ یہاں کچھ چل رہا ہے۔'' نوجوان نے کہا اور لڑکی کا ہاتھ چھوڑ کے میری جانب بڑھا۔

''شرم نہیں آتی لڑکی پر رعب جھاڑتے ہو۔'' میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے کہا۔

''اچھا تو تم پر رعب جھاڑ لیتا ہوں۔'' اس نے کہا اور پھر دوسرے ہی لمحے اس نے میرا گریبان پکڑ کے مجھے دیوار کے ساتھ جکڑ لیا۔ ''بہت پھدک رہے ہو ہو چوہے تم مجھے جانتے نہیں میں کون ہوں تمہیں یہیں کاٹ کے گاڑ دوں گا اگر تم دوبارہ اس کے اردگرد نظر آئے تو سمجھے.....''

نوجوان نے غرا کے کہا تو پھر دوسرے ہی لمحے مجھے چھوڑ دیا تو میں کھانسنے لگا وہ کم بخت واقعی مجھ سے کہیں زیادہ طاقت ور تھا اس نے لڑکی کو اشارہ کیا تو وہ چپ چاپ جا کے گاڑی میں بیٹھ گئی تو وہ خود بھی گاڑی میں بیٹھا اور وہ دونوں وہاں سے نکل گئے جبکہ میں کھانستے ہوئے انہیں جاتے دیکھنے لگا۔

''تم ٹھیک تو ہو۔'' سینڈریلا کی آواز کانوں میں پڑی تو میں غصے سے اٹھ کھڑا ہوا۔

☆.....☆.....☆

دوسرے دن میں پارکنگ ایریا میں کھڑے ہو کے اس کا انتظار کرنے لگا کہ وہی فورڈ کار جس میں کل نوجوان اس لڑکی کو لینے آیا تھا آ کے رکی اور لڑکی اس میں سے اتری اور جم کے عین ڈور کی جانب بڑھی میں نے اچانک سے اس لڑکی کا ہاتھ پکڑا اور قریب کھڑی اپنی کار میں اسے دھکیل دیا اور فوراً سے خود ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا اور کار چلا دی۔

''یہ کیا بدتمیزی ہے کار روکو.....'' لڑکی نے غصے سے کہا۔

''تمہارا نام کیا ہے؟'' میں نے کار چلاتے ہوئے کہا۔ ''تم سے مطلب.....''

''میں نے کل دیکھا کہ تمہارے بوائے فرینڈ نے تمہیں کس طرح سے ٹریٹ کیا ہے امریکہ میں یہ کرائم مانا جاتا ہے۔ اب ہم پولیس اسٹیشن جائیں گے جہاں تم اس کے خلاف رپورٹ درج کرو گی میں نے اطمینان سے کہا تو لڑکی کا رنگ اڑ گیا۔ ''نہیں وہ میرا بوائے فرینڈ نہیں ہے۔'' لڑکی نے جلدی سے کہا۔ ''اچھا تو پھر وہ تمہارا کیا لگتا ہے اور کس رشتے سے وہ تمہیں اس طرح ٹریٹ کر رہا تھا۔'' میں نے اپنی نظریں لڑکی پر جما کے کہا۔ ''میں ایک ڈانس بار میں کام کرتی ہوں وہ بار کے مالک کا خاص آدمی ہے وہ ہی مجھے جم چھوڑنے اور لینے آتا ہے مجھے یہاں کسی سے بات کرنے کی اجازت نہیں ہے خاص کر کسی لڑکے سے تو بالکل بھی نہیں اب پلیز واپس چلو اس سے پہلے کہ کسی کو پتہ چلے اور میرے بعد تمہارے لئے کوئی مصیبت کھڑی ہو۔'' لڑکی نے گھبرا کے کہا۔

''واپس چلے جائیں گے پہلے اپنا نام تو بتاؤ۔'' میں نے کہا۔

''ریحل'' لڑکی نے جلدی سے کہا۔

''تو ریحل بار میں بہت سی لڑکیاں ڈانس کرتی ہیں تم پر ایسی کون سی مجبوری آ گئی کہ تمہارے ساتھ غلام کی طرح ٹریٹ کرتے ہیں۔'' میں نے پوچھا۔

''میری مم بیمار ہوگئی تھیں۔ ان کے علاج کے لئے مجھے اپنے مالکان سے بہت سارا قرض لینا پڑا مم تو بیماری سے نہ بچ سکیں البتہ میں اس کے قرض کے شکنجے میں پھنس گئی، میں نے ان کا بہت سا پیسہ دینا ہے اور نہ دینے کی صورت میں مجھے ان کے لئے کام کرنا پڑتا ہے ان کے ہاتھ بہت لمبے ہیں اس لئے میں ان سے بغاوت کے بارے میں نہیں سوچ سکتی۔'' لڑکی نے کہا۔

''کتنے پیسے دینے ہیں تم نے.....؟'' میں نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''50 ہزار ڈالر۔'' لڑکی نے دھیرے سے کہا۔

''اب مجھے اپنے بار کا پتہ بتاؤ۔'' میں نے پوچھا تو

لڑکی نے جھجکتے ہوئے پتہ بتادیا۔

☆......☆......☆

رات کے بارہ بجے میں اپنے فلیٹ میں داخل ہوا اور میں اکیلا نہیں تھا میرے ساتھ زیجل بھی تھی۔

’’یہ ہے آج سے تمہارا نیا گھر......‘‘ میں نے مسکرا کے کہا۔ تو زیجل خالی خالی نظروں سے اردگرد دیکھنے لگی۔

’’کیوں کیا پسند نہیں آیا؟‘‘ میں نے حیرانگی سے پوچھا۔

’’نہیں اچھا ہے مگر مجھے سمجھ نہیں آیا آپ نے پیسے دے کر وہاں سے مجھے آزاد کرایا اور اب مجھے یہاں لے آئے آخر اس سب کے بدلے میں آپ کے لئے کیا کرسکتی ہوں۔‘‘ زیجل نے کہا اور پھر ہنس پڑی۔

’’میں بھی کتنی بے وقوف ہوں ایک آدمی نے اتنے پیسے دے کر مجھے وہاں سے چھوڑ دیا ہے تو ضرور یہ سب اس نے اپنے لئے کیا ہوگا۔ وہاں بہت سے مردوں کے دل بہلانے کا سامان تھا یہاں کم از کم ایک تو ہوگا۔‘‘ زیجل نے کہا تو میں اس کی جانب غور سے دیکھنے لگا اور پھر میں نے اپنے کوٹ کی جیب سے ایک رنگ نکالی اور گھٹنے کے بل بیٹھ کے بولا۔

’’زیجل کیا تم مجھ سے شادی کروگی۔‘‘ میں نے کہا تو زیجل پھٹی پھٹی نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگی جیسے اس نے کوئی بھوت دیکھ لیا ہو۔

☆......☆......☆

’’آج کل بہت خوش نظر آرہے ہو۔‘‘ سینڈریلا کی آواز آئی۔ ’’ہاں نئی نئی شادی ہوئی ہے نا شاید اس لئے......‘‘ میں نے مسکرا کے کہا۔

’’ان چند دنوں میں ہم نے بہت کم بات کی ہے کچھ عرصے بعد تو تم مجھے بالکل بھول جاؤ گے۔‘‘ سینڈریلا نے ناراض ہوتے ہوئے کہا۔ ’’ارے نہیں تمہیں کیسے بھول سکتا ہوں تم سینڈریلا ہو اور میں تمہارا پرنس......‘‘ میں نے مسکرا کے کہا۔ ’’تم اور پرنس شکل دیکھی ہے آئینے میں۔‘‘ سینڈریلا کی ہنستی ہوئی آواز کانوں سے ٹکرائی۔

’’اگر میں پرنس نہیں تو اور کیا ہوں؟‘‘ میں نے حیران ہو کے کہا۔

’’تم وہ فراگ (مینڈک) ہو جو جادو کے زور پر گھوڑا بن جاتا ہے اور سینڈریلا اس پر سوار ہو کے پرنس کی دعوت پر جاتی ہے۔‘‘ سینڈریلا کی ہنستے ہوئے آواز آئی۔

’’ارے یار میں کہاں سے فراگ (مینڈک) دکھتا ہوں۔‘‘

’’میں تم پر سوار ہوں اور میرا نام سینڈریلا ہے تو اس کا ایک ہی مطلب ہوا کہ تم اصل میں فراگ ہو۔‘‘ سینڈریلا نے کہا اس سے پہلے کہ میں کوئی جواب دیتا زیجل کمرے میں داخل ہوئی۔

’’کس سے بات کررہے تھے۔‘‘ زیجل نے حیرانگی سے کہا۔

’’کسی سے نہیں......‘‘ میں نے جلدی سے کہا۔ تو زیجل مجھے دیکھتے ہوئے گہری سوچ میں کھوگئی۔

☆......☆......☆

ایک ماہ بعد ہم ایک ڈاکٹر کے کلینک پر بیٹھے تھے۔

’’زیجل مجھے سمجھ نہیں آرہا آخر ہم دونوں ایک سائیکٹریس کے کلینک میں کر کیا رہے ہیں۔‘‘ میں نے پریشانی سے کہا کیوں کہ زیجل نے مجھے ابھی تک کچھ نہیں بتایا تھا، اچانک کمرے کا دروازہ کھلا اور ایک ڈاکٹر آ کے ہمارے سامنے کرسی پر بیٹھ گیا۔

’’تو آپ ہیں جمی ڈورن۔‘‘ ڈاکٹر نے میز پر کہنیاں ٹکا کے مجھے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

’’ہاں میں ہی ہوں کیا کوئی پرابلم ہے؟‘‘ میں نے حیرانگی سے کہا۔

’’اگر پرابلم نہ ہوتی تو آپ یہاں ہوتے ہی کیوں۔‘‘ ڈاکٹر نے کہا اور پھر قہقہہ لگا کے ہنس پڑا۔

’’پلیز نیور مائنڈ مذاق کررہا تھا امید کرتا ہوں کہ کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔‘‘ ڈاکٹر نے کہا۔

’’تو پھر کیا کرتی مجھے بتایئے کہ میں اس کلینک میں کیوں بیٹھا ہوں اور مجھے ایک پاگل کی طرح کیوں ٹریٹ کیا جارہا ہے۔‘‘ میں نے زیجل کی جانب دیکھ کے سنجیدگی سے کہا تو نظریں جھکا کے اپنا نچلا ہونٹ کتر رہی تھی۔

’’آپ کو کسی نے پاگل نہیں کہا میں آپ سے صرف ایک سوال کرنا چاہوں گا؟‘‘

’’بولیں کیا پوچھنا ہے۔‘‘ میں نے غصے پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

’’سینڈریلا کون ہے؟؟؟‘‘ ڈاکٹر نے کہا تو مجھے لگا میرے سر پر کوئی بم پھٹا ہو......اور میں پھٹی پھٹی نگاہوں سے ڈاکٹر کو دیکھنے لگا۔

☆......☆......☆

’’تم مجھے پاگلوں کے ڈاکٹر کے پاس لے گئی اور تم مجھ سے پوچھے بنا میری انتہائی پرسنل باتیں اسے بتادیں۔ اگر تمہیں میری ذہنی حالت پر اتنا ہی شک تھا تو تم مجھ سے بات کرسکتی تھیں لیکن تم نے انتہائی غیر ذمہ داری کا ثبوت دیتے ہوئے مجھے وہاں لے گئیں۔‘‘ میں نے گھر آ کے غصے سے کہا۔

’’جمی میں تمہارے لئے بہت فکر مند تھی میں نے اکثر تمہیں کسی ان دیکھی لڑکی سے باتیں کرتے سنا تھا۔ میں بہت پریشان ہوگئی تھی۔‘‘ زیجل نے گھبرا کے کہا۔

’’اور تمہیں لگا کہ میں شاید پاگل ہوگیا ہوں۔‘‘ میں نے طنزیہ انداز میں ہنس کے کہا۔

’’نہیں میں بس کوئی فیصلہ نہیں کرپائی مجھے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ میں کیا کروں۔‘‘ زیجل نے روہانسے لہجے میں کہا۔ ’’تو میں ہونٹ کاٹنے لگا۔

’’مجھے بس تمہاری فکر تھی میں اس لئے تمہیں وہاں لے گئی۔ I am sorry، زیجل نے رو دینے والے لہجے میں کہا تو میرا دل بھر آیا۔

"Its Ok" میں نے کہا۔

’’جمی تمہارے ساتھ کوئی پرابلم ہے تو تم میرے ساتھ شیئر کرسکتے ہو۔‘‘ زیجل نے اپنے ہاتھ میرے گالوں پر رکھتے ہوئے کہا تو میں اسے دیکھنے لگا۔

میں نے اسے شروع سے لے کر آخر تک تمام واقعات ترتیب سے بتائے تو وہ مجھے حیرت سے دیکھنے لگی۔ جیسے اسے میری ذہنی حالت پر شک ہو۔

’’مجھے پتہ تھا تمہیں میری کسی بھی بات کا یقین نہیں آئے گا۔‘‘ میں نے تاسف سے کہا۔

’’نہیں ایسا ہرگز نہیں ہے۔‘‘ زیجل نے سر جھٹک کے کہا۔

’’میں بس یہ سوچ رہی ہوں کہ تمہاری اور بیری کی دوستی میں آخر ایسی کون سی دراڑ آگئی کہ وہ سب کچھ بھول کے تمہاری جان کا دشمن بن گیا۔‘‘ زیجل نے حیرانگی سے کہا تو میں نے طویل سانس لیا۔

’’بچپن سے میری دوستی بیری اور اس کی بہن کارا کے ساتھ بہت گہری تھی پھر جب ہم تینوں نے نوجوانی کے دور میں قدم رکھا تو پتہ نہیں کیسے کارا کو غلط فہمی ہوگئی کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں یہ سوچ کے وہ بھی مجھے پسند کرنے لگی جب اس نے مجھ سے اپنے جذبات کا اظہار کیا تو میں نے اس کے جذبات کی نفی کردی جس سے اس کا دل ٹوٹ گیا اور ایسا ٹوٹا کہ اس نے بلڈنگ سے کود کے خودکشی کرلی یہ بات اس کے بھائی کو پتہ چلی تو وہ مجھ سے نفرت کرنے لگا اور میں نے وہ ٹاؤن چھوڑ دیا۔‘‘ میں یہاں تک کہہ کر خاموش ہوگیا۔ ’’مگر اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں ہے۔‘‘ زیجل نے دکھی لہجے میں کہا۔

’’نہیں میرا قصور یہ ہے کہ میں نے بہت سختی سے اسے انکار کردیا حالانکہ اس دوران میں کسی کو ڈیٹ بھی نہیں کررہا تھا شاید وہ بہت معمولی شکل وصورت کی لڑکی تھی اور مجھے ہر نوجوان کی طرح ایک ماڈل ٹائپ گرل فرینڈ چاہئے تھی۔‘‘ میں نے منہ دوسری طرح کر کے کہا کیونکہ میں زیجل سے اپنے آنسو چھپانا چاہتا تھا۔ زیجل نے میرے گال پر ہاتھ رکھ کے میرے چہرے کو اپنی جانب گھمایا اور اپنی شرٹ کی آستین کی مدد سے میرے گالوں پر بہنے والے آنسوؤں کو صاف کیا اور مجھے گلے لگالیا۔

’’زیجل مجھ سے وعدہ کرو آئندہ تم سینڈریلا کے بارے میں مجھ سے کوئی بات نہیں کروگی۔‘‘ میں نے کہا تو اس نے مجھے خود سے الگ کرلیا اور میرے چہرے کو پرسوچ نگاہوں سے دیکھنے لگی پھر اس نے مثبت انداز میں سر ہلادیا اور میں نے ایک بار پھر اسے سینے سے لگالیا۔

☆......☆......☆

اس بات کو ایک ماہ ہوگیا تھا اس ایک ماہ میں ریجل نے کبھی سینڈریلا کے بارے میں بات نہ کی اور سینڈریلا بدستور میرے ساتھ تھی، میں صبح گھر سے نکلتا اور رات گئے واپس آتا اور جب میں گھر آتا تو اکثر ریجل میرا انتظار کرتے کرتے سوچکی ہوتی تھی۔ میرے اعصاب پر سینڈریلا پوری طرح سے سوار تھی، میں جب اس سے باتیں کرتا تھا تو صبح سے شام ہوجایا کرتی تھی اور مجھے وقت گزرنے کا احساس تک نہ ہوتا تھا۔ ایک دن ہم اس طرح باتیں کرتے لانگ ڈرائیو پر جارہے تھے کہ اچانک سینڈریلا بولی۔

''تمہاری بیوی نے تمہارے ساتھ دھوکا کیا ہے۔''

''کیا مطلب میں نے حیرانگی سے کہا۔

''مطلب یہ کہ اس نے تمہارے ساتھ وعدہ کیا تھا کہ وہ اب کبھی میرے بارے میں تم سے کوئی بات نہیں کرے گی ورنہ اس بحث میں پڑے گی۔'' سینڈریلا کی آواز آئی۔

''ہاں تو اس نے وعدہ کیا تو اس کے اس دن کے بعد اس موضوع پر کبھی بات نہیں کی۔'' میں نے جلدی سے کہا۔ ''ہاں بات نہیں کی مگر وہ ایک پادری کو گھر لے آئی ہے تاکہ تمہارے گھر سے بلاؤں کا خاتمہ ہو۔'' سینڈریلا نے کہا تو میں نے یک دم غیرارادی طور پر بریک لگادی۔

''افسوس کی بات ہے اسے تم پر ذرہ بھی یقین نہیں ہے ورنہ وہ ایسی حرکت کبھی نہ کرتی، آج اس نے یہ وعدہ توڑا ہے کل کو وہ کسی اور کے ساتھ......''

''بس کرو......'' میں نے غصے سے سینڈریلا کی بات کاٹ کے کہا اور یوٹرن لیا۔

''جلد از جلد گھر پہنچو اس سے پہلے کہ دیر ہوجائے۔'' سینڈریلا کی آواز میں تشویش تھی میں نے ایکسیلیٹرز پر دباؤ بڑھادیا اور آدھے گھنٹے بعد میں اپنے اپارٹمنٹ کے دروازے پر کھڑا ڈور بیل بجا رہا تھا، دروازہ کھلا اور ریجل نظر آئی مجھے یوں اچانک دیکھ کے اس کا رنگ فق ہوگیا، میں نے اسے ایک طرف دھکیلا اور اندر داخل ہوا، اندر کا منظر دیکھ کے میرا خون کھول اٹھا، ایک پادری چیئر پر بیٹھا تھا اور اس کے سامنے موجود ٹیبل پر بہت سی کینڈلز جل رہی تھیں، وہ آنکھیں بند کئے اور ہاتھ میں صلیب پکڑ کر کچھ پڑھے جارہا تھا۔ مجھ سے یہ منظر برداشت نہ ہوا اور ٹیبل پر کینڈلز جل رہی تھیں میں نے اٹھا کے پھینک دیں، ٹیبل دھماکے سے دور جاگری تو پادری آنکھیں کھول کر اٹھ کھڑا ہوا۔

''فادر میرے گھر سے نکل جاؤ۔'' میں نے ضبط کرتے ہوئے کہا تو اس نے ریجل کی جانب دیکھا جس کے چہرے کا رنگ بالکل اُڑا ہوا تھا۔

''فادر فوراً یہاں سے چلے جاؤ۔'' میں نے سرد لہجے میں کہا تو فادر بنا کچھ بولے تاسف سے مجھے دیکھتے ہوئے باہر چلا گیا اس کے جاتے ہی میں ریجل کی جانب پلٹا۔

''تم نے وعدہ کیا تھا ناکہ آئندہ تم اس مسئلے میں نہیں پڑوگی۔'' میں نے ریجل کو بازو سے پکڑ کے سرد لہجے میں کہا۔

''میرا مقصد تمہیں دھوکا دینا نہیں تھا میں تو صرف تمہاری سلامتی چاہتی تھی۔ اس لئے یہ سب۔''

''بکواس بند کرو تم نے یہ سب سینڈریلا کو مجھ سے دور کرنے کے لئے کیا ہے نا۔''

''نہیں میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا۔'' ریجل نے اپنا بازو چھڑانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے کہا۔

''جھوٹ مت بولو اب اگر جھوٹ بولا تو تمہیں وہیں چھوڑ آؤں گا جس گندگی سے تمہیں اٹھا کے یہاں لایا تھا، مگر آج تم نے ثابت کردیا کہ تم جیسی عورتیں کبھی گھر لانے کے قابل نہیں ہوتیں۔

''بس...... بہت ہوگیا ہاں میں فادر کو یہاں لائی تھی اور اس میں میرا نہیں تمہارا ہی فائدہ تھا وہ بلا تمہارے اعصاب پر سوار ہے، تم اس کے بنا کچھ کر نہیں سکتے، کچھ اندازہ بھی ہے اس کا انجام کیا ہوگا۔'' ریجل نے چلا کے کہا۔

''بکواس بند کرو۔'' میں نے غرا کے کہا۔

''نہیں آج میں نہیں روکوں گی تمہیں اندازہ بھی ہے تمہارا دوست جو مرتے وقت تمہارا دشمن تھا اس نے بقول تمہارے آخری خط میں تمہیں کہا تھا۔ ''میں سزا کے طور پر تم پر ایک بلا کو مسلط کررہا ہوں اور اب تمہیں لگتا ہے کہ وہ بلا تمہاری دوست ہے میں نے زندگی میں جمی تم سے بڑا بیوقوف نہیں دیکھا۔'' ریجل نے چلا کے کہا تو میں نے اسے ہاتھ سے پکڑا اور باہر کی جانب بڑھا۔ ''رکو جمی چھوڑو مجھے کہاں لے جارہے ہو۔'' ریجل نے اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا مگر میں نے اس کی ایک نہ سنی اور ایک جھٹکے سے اسے اپارٹمنٹ سے باہر نکال کے دروازہ بند کرلیا۔

''جمی پلیز دروازہ کھولو۔'' اس نے دروازے پر دستک دیتے ہوئے کہا۔

''دفع ہوجاؤ یہاں سے۔'' میں نے چلا کے کہا تو دستک رک گئی۔

''دیکھو جمی رات ہوگئی ہے اور یہاں بہت ٹھنڈ ہے، پلیز دروازہ کھولو۔'' ریجل نے کہا۔ مگر میں نے فریج سے بیئر نکالی اور ٹانگ پر ٹانگ چڑھاتے پینے میں مصروف ہوگیا۔

''اچھا جمی مجھے اپنا سامان تو لینے دو باہر سے آواز آئی پر میں نے نظرانداز کردیا۔

''جمی پلیز دروازہ کھولو، کہاں جاؤں گی میں تمہارے علاوہ اس شہر میں، میں کسی کو بھی نہیں جانتی، پلیز دروازہ کھولو۔'' ریجل نے روہانسے لہجے میں کہا پتہ نہیں کیوں اس کا یوں گڑگڑانا مجھے سکون دے رہا تھا میں اسی سرور میں بیئر پیتا چلا گیا اور پھر نہ جانے کب میری آنکھ لگ گئی۔

☆......☆......☆

صبح میری آنکھ کھلی تو سورج کی کرنیں مجھے اپنے چہرے پر محسوس ہوئیں، سورج کی روشنی کھڑکی سے گویا چھلک کے آرہی تھی، میں کسل مندی سے اٹھا رات کو زیادہ پینے کی وجہ سے شاید میں بے ہوشی کی نیند سوتا رہا تھا، بوجھل آنکھوں سے میں رات کو ہونے والے واقعات کے بارے میں سوچنے لگا کہ اچانک مجھے ریجل کا خیال آیا تو گویا مجھے کرنٹ لگا اور میری سستی جاتی رہی، میں تقریباً دوڑتا ہوا مین ڈور کی جانب بڑھا اور تیزی سے دروازہ کھولا تو میرے پیروں تلے زمین نکل گئی۔ ریجل سامنے دیوار کے ساتھ لگ کے بیٹھی تھی اور اس کی آنکھیں بند تھیں میں جلدی سے آگے بڑھا اور اسے جھنجھوڑا۔

''ریجل اٹھو آنکھیں کھولو۔'' میں نے پریشانی کے عالم میں کہا مگر اس کے جسم میں کوئی حرکت نا پا کے میری پریشانی مزید بڑھ گئی اور میں ڈاکٹر کو کال کرنے لگا۔

میں ریجل کا ہاتھ تھامے اس کے پاس بیٹھا تھا کمرے میں ہیٹر جلنے کی وجہ سے درجہ حرارت پرسکون حد تک تھا جبکہ ریجل بدستور گہری نیند میں تھی مجھے ڈاکٹر کی باتیں یاد آرہی تھیں۔

''انہیں شدید قسم کا نمونیہ ہوا ہے۔ شاید یہ کافی ٹائم تک باہر گھومتی رہی ہیں بنا گرم کپڑوں کے ان کو باہر ہرگز نہیں نکلنے دینا اور کمرے میں ہیٹر کو ہر وقت آن رکھنا ہے شکر کریں کہ ان کی قسمت اچھی تھی ورنہ اتنی شدید سردی کی وجہ سے فالج کا خطرہ بھی رہتا ہے۔'' ڈاکٹر کی باتوں کے بارے میں سوچ سوچ کے میں شرمندگی اور ندامت سے مراجارہا تھا۔ اگر ریجل کو کچھ ہوجاتا تو یقیناً اس کا ذمہ دار پوری زندگی میں خود کو مانتا۔

''یہ گہری نیند میں ہے تمہیں تھوڑا آرام کرلینا چاہئے۔'' سینڈریلا کی آواز اچانک میرے کانوں سے ٹکرائی۔

''میں یہیں ٹھیک ہوں۔'' میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

''تم اداس لگ رہے ہو۔''

''تو کیا مجھے اس موقع پر خوش ہونا چاہئے۔'' میں نے ناگواری سے کہا۔

''میرا مطلب یہ تھا کہ جو ہونا تھا وہ ہوگیا اب کوئی کیا کرسکتا ہے۔'' سینڈریلا کی آواز آئی۔

''ہاں اچھی طرح جانتا ہوں کہ یہ جو کچھ بھی ہوا ہے میری وجہ سے ہوا ہے اس لئے پلیز مجھے اکیلا چھوڑ

دو۔''میں نے بے زاری سے کہا۔

''میرے خیال میں تمہیں باہر چلنا چاہئے تاکہ تمہارا موڈ فریش ہوسکے اور ہم دونوں ڈھیروں باتیں کریں گے۔''

''پلیز اپنی بکواس بند کرو اور مجھے اکیلا چھوڑ دو۔'' میں نے قدرے اونچی آواز میں کہا تو چند لمحوں کے لئے خاموشی چھا گئی۔

''تمہیں میرے ساتھ اس انداز میں بات نہیں کرنی چاہئے۔''سینڈریلا کی آواز آئی۔

''میں نے کہا مجھے اکیلا چھوڑ دو۔''میں نے دانت پیس کے کہا تو جواب میں خاموشی چھا گئی اور میں رتجل کی بند آنکھوں کو دیکھنے لگا۔

☆......☆......☆

ایک ہفتے بعد رتجل کافی حد تک نارمل ہوگئی میں نے بڑی مشکل سے اسے منایا اور اب میں اپنا تمام وقت اس کے ساتھ بتانے لگا یہ دیکھ کے رتجل کی ناراضگی بھی آہستہ آہستہ ختم ہونے لگی تھی اور حالات نارمل ہوتے جارہے تھے مگر آگے کیا ہونے والا تھا اس بات کا مجھے ذرا بھی اندازہ نہیں تھا اور نہ میں ان حالات کے لئے تیار تھا۔

میں پورا دن اب رتجل کے ساتھ ہوتا تھا ہم دونوں روز ہی کہیں نہ کہیں گھومنے نکل جاتے تھے رتجل کو بھی اب لگ رہا تھا جیسے سینڈریلا میری زندگی سے نکل چکی ہے کیوں کہ اس دن کے بعد سے میں نے دوبارہ اس سے بات نہیں کی تھی۔

سینڈریلا اکثر مجھے مخاطب کرتی تھی جب میں رتجل کے ساتھ ہوتا تھا مگر میں نے اسے مکمل طور پر نظر انداز کردیا تھا اور اس کی کسی بھی بات کا کوئی جواب نہیں دیتا تھا۔ ایک دن میں رتجل کے ساتھ بیٹھ کے مستقبل کی پلاننگ میں مصروف تھا کہ اچانک سینڈریلا کی آواز میرے کانوں میں پڑی۔

''بات کرو......''میں نے اس کی آواز کو نظر انداز کردیا۔

''بات کرو۔'' دوبارہ آواز آنے پر بھی میں نے اس کو نظر انداز کردیا۔

''بات کرو...... بات کرو...... بات کرو...... بات کرو۔'' سینڈریلا کی آواز یوں میرے کانوں میں پڑنے لگی جیسے کہ ریکارڈ کی آواز چل پڑی ہو اور لحظہ بہ لحظہ اس کی آواز میں شدت آنے لگی اور مجھے اپنے کانوں میں درد محسوس ہونے لگا، میں نے اپنے ہاتھ کانوں پر رکھے اور دوڑتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔''بس کرو پلیز......''میں نے بامشکل کہا تو یک دم خاموشی چھا گئی اور اتنا سکون ہوگیا کہ مجھے اپنے دل کی دھڑکن بھی صاف سنائی دینے لگی کسی نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھا تو میں تڑپ کے پلٹا میں نے دیکھا وہ رتجل تھی۔''کیا تم ٹھیک ہو۔''اس نے میری جانب دیکھ کے پریشان کن انداز میں کہا۔

''ہا...... ہاں میں ٹھیک ہوں۔''میں نے زبردستی سر ہلا کے کہا جبکہ وہ بدستور مجھے دیکھے جارہی تھی۔

☆......☆......☆

رات کو رتجل جب سوگئی تو میں آہستہ سے کمرے سے باہر آیا۔''سنڈریلا......''میں نے غرا کے کہا۔''بولئے مائی لاڈ آپ کی غلام حاضر ہے۔''سنڈریلا کی طنزیہ آواز سنائی دی۔

''یہ آج تم نے کیا حرکت کی......''میں نے غصے سے کہا۔

''کیسی حرکت......؟''

''انجان مت بنو میں نے تم سے کہا تھا مجھے اب تم سے بات نہیں کرنی اور تم نے مجھے اس وقت بات کرنے پر مجبور کردیا جب میں رتجل کے ساتھ تھا۔''میں نے چلا کے کہا۔

''آج کل تم اس کے ساتھ کچھ زیادہ ہی وقت نہیں گزارنے لگے۔''سینڈریلا نے تیکھے لہجے میں کہا۔

''تم شاید بھول رہی ہو وہ میری بیوی ہے۔''

''مجھے یاد ہے مگر تم شاید بھول رہے ہو کہ میری وجہ سے ہی وہ تمہاری بیوی بنی اور صرف یہی نہیں اس دنیا کی تمام نعمتیں جو پہلے تمہارے پاس نہ تھیں اب

میری ہی وجہ سے تمہارے پاس ہیں۔''سینڈریلا کی ناگوار بھری آواز آئی۔

''بہت خوب یعنی اب تم احسان جتارہی ہو۔''

''ہاں یہی سمجھ لو اور ضرورت پڑنے پر تمہیں ان آسائشوں سے محروم بھی کیا جاسکتا ہے۔''

''اچھا ایسی بات ہے تو پھر کان کھول کے سن لو تم نے جو کرنا ہے کرلو اب میں تمہاری کسی بھی دھمکی میں نہیں آؤں گا۔''میں نے ٹھنڈے لہجے میں کہا۔

''میں اور کچھ بھی نہیں کروں گی بس تم سے تمہاری خوشیاں چھین لوں گی۔''سینڈریلا کی آواز آئی اور اس کے بعد خاموشی چھا گئی جبکہ میں دانت پیستے رہ گیا۔

اس دن کے بعد مزید دو دن گزر گئے مگر سینڈریلا نے مجھ سے کوئی بات نہ کی میں نے بھی دوبارہ اسے مخاطب کرنے کی کوشش کو ضروری نہ سمجھا تیسرے دن رات کے پچھلے پہر میں گہری نیند سے یک دم جاگا تو میں نے دیکھا بیڈ پر رتجل نہیں تھی کمرے میں نیلے رنگ کی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔

''رتجل......'' میں نے غنودگی کے عالم میں اسے پکارا۔

''میں یہاں ہوں......''مجھے سرگوشی کی آواز سنائی دی۔ تو میں نے لیٹے لیٹے اوپر کی جانب دیکھا تو میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے رتجل کے دونوں پیر چھت کے ساتھ چپکے ہوئے تھے اور وہ یوں چھت کے ساتھ پیر چپکا کے کھڑی ہوئی تھی جیسے فرش پر کھڑی ہو، بلکہ میرے اوپر چھت کے ساتھ چپکی کھڑی تھی اس کے گھنے بال نیچے جھول رہے تھے اس کا چہرہ نظر نہیں آرہا تھا۔

''ر...... رتجل......'' کیا تم ٹھیک ہو۔''میں نے حیرانگی کے عالم میں اٹھتے ہوئے کہا تو اس نے سر کو میری جانب گھمایا وہ رتجل کا چہرہ نہیں تھا وہاں تو ایک گھناؤنی صورت تھی۔

''اوہ شٹ......''میرے منہ سے نکلا اور میں بجلی کی سی تیزی سے بیڈ سے اتر کے کھڑا ہوگیا اور پھر دوسرے ہی لمحے رتجل کے پیر جیسے چھت سے آزاد ہوگئے اور وہ بیڈ پر آن گری۔

''رتجل......میں تیزی سے اس کی جانب بڑھا میں نے دیکھا اب اس کا چہرہ نارمل تھا مگر شاید وہ بے ہوش ہوگئی تھی اور میں اسے ہوش میں لانے کی کوشش کرنے لگا۔

☆......☆......☆

''میں اپ کے لئے کیا لاؤں۔''میں نے اپنے سامنے موجود پادری سے پوچھا۔

''کافی۔'' پادری نے مختصر جواب دیا تو رتجل اٹھنے لگی۔

''تم بیٹھو میں بنالاتا ہوں۔''میں نے رتجل کو کہا اور کچن میں جا کے کافی بنالایا۔

''تھینک یو......'' پادری نے کہا اور میرے ہاتھ سے کپ لے لیا اور سامنے موجود ٹیبل پر رکھ دیا اور کپ کے منہ پر اپنا ہاتھ رکھ کے ایک لمحے کے لئے آنکھیں بند کیں اور پھر جھٹکے سے کھول کے ہاتھ کپ سے ہٹادیا تو میری اور رتجل کی حیرت کی انتہا نا رہی کیوں کہ کافی خون کے رنگ کی طرح سرخ اور گاڑھی ہوچکی تھی ہم دونوں کے چہروں پر حیرت کے ساتھ ساتھ خوف بھی پھیل چکا تھا۔

''میرا شک صحیح تھا۔''پادری نے سر ہلا کے کہا۔

''یہ سب کیا ہے فادر۔'' میں پریشانی کے عالم میں بولا۔

''اس نے تمہیں کیا نام بتایا تھا اپنا۔'' پادری نے میرے سوال کو نظر انداز کر کے کہا۔

''اس نے اپنا کوئی نام نہیں بتایا تھا میں نے ہی اسے سینڈریلا کا نام دیا تھا۔''میں نے سوچ کے کہا۔

''ذہن پر زور دو کبھی اس نے باتوں باتوں میں تمہیں اپنے بارے میں کچھ بھی بتایا ہو۔''

''نہیں اس نے صرف اتنا کہا کہ اس کا کوئی وجود نہیں ہے وہ بے وجود ہے بس اسے اپنے وجود کا احساس ہوتا ہے اور یہ کہ وہ کئی صدیوں سے لوگوں کے ساتھ رہی ہے۔'' میں نے کہا تو پادری کے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ ٹھہر گئی۔

"بہت خوب یعنی اس نے تم سے کبھی سچ نہیں بولا جب تک ہم اس کے بارے میں نہیں جانتے کہ وہ کون ہے کہاں سے آئی ہے تب تک ہم اس کے خلاف کچھ نہیں کرسکتے۔" پادری نے مایوسی کے عالم میں کہا۔

"کیا وہ کوئی بھوت ہے۔" میں نے سوالیہ انداز میں پوچھا۔ "میں نہیں جانتا وہ بھوت، جن یا کوئی اور چیز ہے بس اتنا اندازہ مجھے ضرور ہے کہ وہ تمہارا بھلا تو ہرگز نہیں چاہتی۔"

"تو آخر اس مسئلہ کا کوئی حل تو ہوگا۔" ریچل نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

"ہاں ہے..... اور وہ ہے اس کے ساتھ بات کرنا اور یہ کام صرف تم کرسکتے ہو اور کوئی نہیں۔" پادری نے مجھے مخاطب کرکے کہا۔

"تو میں اس سے کیا بات کروں۔" میں نے کھوئے کھوئے لہجے میں کہا۔

"بس اس سے کسی طرح پوچھو کہ وہ کون ہے اور اس کے ارادے کیا ہیں تب ہی ہم اس کے خلاف کچھ کرسکتے ہیں۔" پادری نے اٹھتے ہوئے کہا تو میں اور ریچل نے سر ہلادیا۔

☆.....☆.....☆

"سینڈریلا....." میں نے اسے پکارا ریچل کو میں نے خود گھر سے باہر جانے کا کہا تھا اس لئے اس وقت میں گھر پر اکیلا تھا مگر جواب میں سائیں سائیں کرتی خاموشی کے علاوہ اور کچھ نہ تھا۔

"سینڈریلا مجھ سے بات کرو۔" میں نے غصے سے کہا مگر جواب میں خاموشی چھائی رہی۔

"دیکھو مجھ سے بات کرو اب خاموش کیوں ہو۔" میں نے چلا کے کہا مگر پھر بھی خاموشی چھائی رہی کافی دیر انتظار کرنے کے بعد میں نے ریچل کو واپس آنے کے لئے Text کیا مگر اس نے Replay نہیں کیا تو میں نے اسے کال کی مگر اس نے کال بھی ریسیو نہیں کی تو میں اس کے آنے کا انتظار کرنے لگا مگر وہ نہیں آئی تو میں نے اسے پھر کال کی مگر بیل تو جارہی تھی لیکن کال ریسیو نہیں کی تو میں نے سیل پر اس کی لوکیشن چیک کی تو میری حیرت کی انتہا نہ رہی۔ "کورسیکلہ" حیرت سے میرے منہ سے نکلا یعنی وہ میرے آبائی ٹاؤن جارہی تھی، میں جلدی سے اٹھا اور دوڑتا ہوا باہر نکلا تو دروازے پر پادری کو پایا۔

"فادر آپ....." میں نے حیرانگی سے کہا۔

"ہاں میں جانتا ہوں وہ اسے تمہارے آبائی ٹاؤن لے گئی ہے اور شاید وہ اس وقت "بیری" کے گھر ہی ہوگی جلدی جاؤ۔" فادر نے کہا تو میں سر ہلا کے تیزی سے آگے بڑھا۔

"ٹھہرو۔" پادری نے پکارا تو میں پلٹا۔

"یہ لو اور اسے ریچل کے جسم کے کسی بھی حصے سے لگادینا وہ بلا اس کے اندر گھس چکی ہے اسے فوراً اس بوتل میں آنا پڑے گا اور وہ ایک بار پھر اس بوتل میں قید ہوجائے گی پھر اس بوتل کو کسی بھی جلتی آگ میں پھینک دینا وہ بلا بھی ہمیشہ کی طرح راکھ ہوجائے گی۔" فادر نے مجھے بنا ڈھکن کے پلاسٹک کی غیر شفاف بوتل دیتے ہوئے کہا۔

"اس کا ڈھکن۔" میں نے سوالیہ انداز میں کہا۔

"جب وہ اس میں داخل ہوجائے گی تو اس کا ڈھکن خود بخود بند ہوجائے گا۔ اب جلدی سے جاؤ کہیں دیر نہ ہوجائے۔" فادر نے کہا تو میں سر ہلاتا وہاں سے دوڑتا ہوا باہر نکل آیا۔

رات کے گیارہ بجے میں کورسیکلہ کے ریلوے اسٹیشن پر پہنچا پھر وہاں سے ٹیکسی لی اور سیدھا بیری کے گھر کے پاس رکا، ٹیکسی کے جاتے ہی میں تیزی سے گھر کی جانب بڑھا پوری رات گھپ اندھیرے میں ڈوبی ہوئی تھی، گیٹ شاید اندر سے بند تھا اس لئے مجھے دیوار پھلانگ کے اندر داخل ہونا پڑا دیوار زیادہ اونچی نہیں تھی اس لئے پھلانگنے پر زیادہ دشواری کا سامنہ نہیں کرنا پڑا مین ڈور میرے ہاتھ کے معمولی دباؤ پر چرچراہٹ کے ساتھ کھلتا چلا گیا میں فوراً اندر داخل ہوا تو کوئی چلاتا ہوا مجھ پر حملہ آور ہوا میں ٹرپ کے ایک جانب ہوا تو معلوم پڑا وہ ایک بڑے سائز کی بلی تھی جو چلاتے ہوئے کھلے

دروازے سے باہر بھاگی تھی میں نے جیب سے ٹارچ نکال کے روشنی کی تو میں گیلری میں کھڑا تھا۔ جس کا فرش گرد سے اور در و دیوار جالوں سے اٹے پڑے تھے، میں گیلری میں دبے پاؤں آگے بڑھنے لگا کہ مجھے اپنے پیچھے بچوں کے ہنسنے کی آواز سنائی دی تو میں تیزی سے پلٹا اگر وہاں کچھ بھی نہ تھا میں ابھی اس جانب دیکھ ہی رہا تھا کہ مجھے پھر اپنے عقب میں بچوں کے ہنسنے کی آواز سنائی دی میں تیزی سے پلٹا تو مجھے ایک چھوٹی بچی کی جھلک نظر آئی وہ بھاگ کے گیلری کا موڑ مڑ گئی میں بھی اس کے پیچھے بھاگتا ہوا اس موڑ پر پہنچا مگر گیلری سنسان پڑی تھی۔

اچانک میری نظر فرش پر پڑی جہاں چھوٹے چھوٹے قدموں کے نشان تھے میں ان نشانوں کا تعاقب کرتا ہوا تیزی سے آگے بڑھنے لگا وہ نشان ایک کمرے کے دروازے پر پہنچ کے ختم ہوگئے، دروازہ بند تھا میں نے اپنی بھری سانسوں کو قابو میں کیا اور دروازے کی جانب ہاتھ بڑھایا تو دروازہ خود بخود آواز پیدا کرتا ہوا کھلتا چلا گیا، میرا گلا مارے خوف کے خشک ہوگیا میں اندر داخل ہوا تو دیکھا وہ کمرہ ایک بیڈ روم تھا گرد اور جالوں سے اٹا ہوا میں بیڈ روم کو دیکھنے لگا مجھے وہ کچھ مانوس سا دکھائی دینے لگا دیوار پر ایک بڑے فریم کی تصویر لگی تھی میں نے اس تصویر کو ہاتھ کی مدد سے صاف کیا تو مارے حیرت کے میرا برا حال ہوگیا کیونکہ تصویر "میری اور بیری کی بہن کارا کی تھی۔" یہ تصویر بیری نے خود کھینچی تھی جب ہم کیمپو کلارو میں پکنک منانے گئے تھے۔

"کچھ یاد آیا۔" سینڈریلا کی آواز میرے کانوں میں پڑی تو میں ٹرپ کے پلٹا تو سامنے ریچل کو کھڑے ہوئے پایا۔

"کیا.....؟" میرے منہ سے کچھ نکل نہ سکا۔

"تم نے ٹھیک سمجھا یہ میں ہی ہوں کارا ایلن۔" ریچل کے ہونٹ ہلے مگر آواز سینڈریلا کی تھی۔

"تو..... کیا تمہارا اصل نام کارا ہے.....؟" میں نے شاک لہجے میں کہا۔

"ہاں میرا نام کارا ہے اور میں کارا ہی ہوں مگر جب تم نے مجھے سینڈریلا کا نام دیا تو مجھے یہی نام اچھا لگنے لگا۔" سینڈریلا یعنی کارا نے کہا۔

"مگر تم تو مرچکی تھیں۔" میں نے صدمے کی حالت میں کہا۔

"ہاں تمہاری اور دنیا کی نظر میں مگر میرے بھائی نے میری روح کو اپنے عمل کے زور پر آسمان میں پرواز کرنے سے روکا اور بوتل میں بند کرلیا جس کے نتیجے میں وہ بھی دن بہ دن کمزور ہوتا چلا گیا کیوں کہ کسی روح کو قید رکھنے کا علم بہت ہی مشکل ہوتا ہے یہ میرے بھائی نے میری محبت میں ہر خطرہ اٹھالیا اس نے میری روح سے وعدہ کیا تھا کہ "وہ مجھے میری محبت یعنی تمہیں دلا ئیے گا اور آخر اس نے تمہیں میرے سامنے کھڑا کر ہی دیا، تمہاری نظر میں ہم دونوں بہن بھائی ایک شعبدہ باز تھے مگر حقیقت میں ہم تمہاری سوچ سے کہیں اوپر علم رکھتے تھے۔" سینڈریلا کی آواز آئی۔

"تم اچھی طرح جانتی ہو کہ میں نے تم سے کبھی محبت نہیں کی تھی اور نا ہی تمہیں کبھی دھوکے میں رکھا تھا میں نے ہمیشہ تمہیں صرف اپنی دوست سمجھا تھا اس کے علاوہ اور کچھ نہیں۔" میں نے چلا کے کہا۔

"چلاؤ مت میں جانتی ہوں تم نے مجھ سے کبھی محبت نہیں کی تھی اور کرتے بھی کیوں؟ تم تو ہمیشہ سے ہی حسن پرست رہے ہو ہر گزرتی حسین لڑکی تمہاری تمنا بن جایا کرتی تھی جبکہ میرے پاس عام شکل کے علاوہ اور تھا ہی کیا تمہیں ذرا بھی اندازہ نہیں تھا کہ میں تمہیں کتنے سچے دل سے چاہتی تھی مجھے تم سے سوائے محبت کے اور کچھ بھی تو نہیں چاہئے تھا مگر تم تھے کہ میری بات تک سننا گوارا نہیں کرتے تھے تم اس ٹاؤن کے سب سے نالائق اور ناکارہ بچے تھے جب تمہارا کوئی دوست نہیں تھا تو ہم دونوں بہن بھائی نے تم سے دوستی کی، پھر بچپن سے جوانی تک ہر اچھے برے وقت میں تمہارا ساتھ دیا اور بدلے میں تم سے کبھی کچھ بھی نہیں مانگا کیونکہ ہمارے تمہارے ساتھ دوستی بنا کسی مطلب اور لالچ کے تھی اور جب میں نے تم سے اظہار محبت کیا تو اس وقت تمہارے

لہجے کی جلن اور آنکھوں کی حقارت کو میں آج محسوس کرسکتی ہوں، کتنی بے رخی سے تم نے منہ موڑا تھا حالانکہ اس وقت تم ٹاؤن کی کسی بھی لڑکی کو سچے دل سے نہیں چاہتے تھے اور نہ کوئی لڑکی تمہیں چاہتی تھی تم تو شروع سے نالائق انسان رہے تھے اور اب تک تھے جب تک میں نے سینڈریلا بن کے تمہارے دن نہیں پھیر دیئے۔'' سینڈریلا یعنی کارا یونہی چلتی گئی جبکہ میں سر جھکائے آنسو بہانے میں مصروف رہا۔

''سوری مجھے ذرا بھی اندازہ نہیں تھا کہ میری بے رخی تمہاری جان لے لگی، سوری تمہارا دل توڑنے کے لئے سوری تمہاری جان جانے کے لئے.....'' میں نے سر جھکائے جھکائے کہا تو کچھ دیر کے لئے خاموشی چھا گئی۔

''تو تم اپنے کئے پر شرمندہ ہو۔'' کارا کی بھرائی آواز سنائی دی۔

''ہاں بہت زیادہ.....'' میں نے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا مگر سر اٹھانے کی ہمت اب بھی مجھ میں نہیں تھی۔ ''تمہارے پاس ایک موقع اور ہے اپنی غلطی سدھارنے کے لئے۔''

''کیسا موقع؟'' میں نے سر اٹھا کے چونکتے ہوئے کہا۔ ''تم چاہو تو میں رنچل کی روح کو مار کے اس کے جسم میں پناہ لے لوں گی اور ایک بار پھر ہم اکٹھے ہوجائیں گے تمہیں ایک خوبصورت چہرہ مل جائے گا اور ساتھ میں میرا بے پناہ محبت سے بھرا دل بھی.....''

''مگر اس طرح تو رنچل مرجائے گی اس کا کیا قصور ہے۔'' میں نے تڑپ کے کہا۔

''تو میرا کیا قصور تھا جو میری جان چلی گئی۔'' کارا کی تیز آواز رنچل کے منہ سے نکلی۔

''پلیز ایسا مت کرو.....'' میں نے روتے ہوئے کہا۔

''اپنا ہاتھ مجھے دو۔'' کارا کی آواز آئی اور ساتھ ہی رنچل نے ہاتھ آگے بڑھایا تو میں نے آرام سے اس کا ہاتھ تھاما تو رنچل کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی، اس سے پہلے کہ وہ سمجھتی میں نے دوسرے ہاتھ سے بوتل نکال کے اس کا منہ کھولا، اس کے بازو سے مس کردیا تو رنچل کے منہ سے ایک چیخ نکلی اور ایک دھوئیں کی لہر اس بوتل میں گھسی اور بوتل کا منہ خود بخود بند ہوگیا۔

میں نے دیکھا رنچل کا وجود بے جان چیز کی طرح گرتا چلا گیا میں نے جلدی سے کمرے میں موجود کپڑوں اور نوٹے فرنیچر کو ایک کونے میں اکٹھا کرکے آگ لگائی اور بھڑکتی آگ میں بوتل کو پھینک دیا۔'' چند لمحوں میں بوتل جل کے راکھ ہوگئی اور ساتھ ہی رنچل بھی ہوش میں آگئی اور میں اسے لئے گھر چل دیا۔

دوسری صبح میں چرچ کے سامنے دروازے پر کھڑا تھا۔

''آپ کو کس سے ملنا ہے۔'' ایک نوجوان پادری نے سوال کیا۔

''فادر ایڈم سے۔'' میں نے کہا۔

''سوری ان کا انتقال تو چار دن پہلے دم گھٹنے کی وجہ سے ہوا تھا۔'' نوجوان پادری نے کہا تو میں حیران رہ گیا۔

''یہ کیسے ہوسکتا ہے ابھی کل ہی رات کے وقت تو میری ان سے بات ہوئی تھی۔''

''سوری سر آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے کل صبح تو ان کا فیونرل تھا۔'' نوجوان پادری نے کہا تو میرا دماغ سائیں سائیں کرنے لگا میں غائب دماغی کی حالت میں گھر کی طرف روانہ ہوا اگر فادر ایڈم مرگئے تو پھر رات کو بوتل دینے کون آیا تھا اس سوال نے میرے دماغ میں طوفان برپا کردیا میں گرتا پڑتا گھر پہنچا تو ''رنچل'' میرے سامنے کھڑی مسکرا رہی تھی۔

''کون ہو تم.....؟'' میں نے کانپتے ہوئے لہجے میں پوچھا تو وہ مسکرا کے میری جانب بڑھی اور میرے کان کے قریب اپنا منہ لاکے کارا کی آواز میں بولی۔ ''تمہاری.....سینڈریلا.....'' یہ سنتے ہی میرے منہ سے زوردار چیخ نکلی اور میں بے ہوشی کی حالت میں گرتا چلا گیا۔

مکافاتِ عمل

قاسم رحمان۔ ہری پور

نوجوان حیرت سے اپنے سامنے کھڑے جن کو دیکھ رہا تھا جس نے اپنا کام ہوتے ہی آنکھیں پھیر لی تھیں کیا جن بھی انسانوں کی طرح ظالم اور سفاک ہوتے ہیں، حقیقت کہانی میں پنہا ہے، پڑھ کر دیکھیں۔

قبر میں دفنائی ہوئی لڑکی کی سانسیں ایک طویل عرصہ تک چلتی رہیں، اچنبھے میں ڈالتی خوفناک کہانی

آج مجھے گاؤں میں آئے ہوئے کئی دن ہوچکے تھے.....اور میں یہاں بہت انجوائے کررہا تھا کیونکہ میں اپنی اکیس سالہ زندگی میں پہلی بار گاؤں آیا تھا.....میرا آنے کا کوئی ارادہ نہ تھا.....لیکن چونکہ پھپھو نے بہت اصرار سے بلایا تھا کیونکہ ان کے اکلوتے بیٹے کی شادی جو تھی۔ لیکن عین شادی سے دو دن پہلے میری خالہ کا ایکسیڈنٹ ہوگیا تھا اس لئے امی اور ابو حیدر آباد چلے گئے تھے اور مجھے یہاں گاؤں آنا پڑا تھا۔ پہلے تو میں یہ سمجھ رہا تھا کہ میں وہاں بور ہوجاؤں گا۔ لیکن بعد میں یہ میری غلط فہمی ثابت ہوئی۔ میں جیسے ہی گاؤں آیا تو مجھے اسٹاپ سے ریسیو کرنے کے لئے میرے کزنز آئے تھے۔ ان کی گرمجوشی دیکھ کر یوں لگتا تھا جیسے وہ مجھ سے ملنے کے لئے بہت ایکسائٹڈ تھے.....پہلی رات گپ شپ میں ہم سب کزنز نے جاگ کر گزاری تھی اور خوب انجوائے کیا تھا.....

اگلے دن سے شادی شروع تھی..... مہندی کا فنکشن تھا۔ ہم اس کے لیے پلاننگ کرتے رہے تھے۔

شادی جمیل بھائی کی تھی..... وہ میری اکلوتی پھپھو کے اکلوتے بیٹے تھے..... ان سے چھوٹی دو بہنیں بتول اور عافیہ تھیں..... پھپھو سے چھوٹے میرے ابو تھے..... اور میں اپنے ابو کی واحد اولاد تھا۔ سب سے چھوٹے راحیل چچا تھے ان کے تین بیٹے حمزہ، نعمان اور اسد تھے۔ حفصہ حمزہ سے چھوٹی اور نعمان، اسد سے بڑی تھی۔

میری نعمان اسد بتول اور عافیہ سے اچھی دوستی ہوگئی تھی کیونکہ ہماری عمروں میں کچھ خاص فرق نہ تھا۔

کئی دن یہاں گزر گئے تھے..... اور شادی بھی ختم ہوگئی تھی..... اور یونی سے بھی بہت چھٹیاں ہوچکی تھیں..... اس لیے میں اب واپس جانا چاہتا تھا..... اپنے خیال کا اظہار میں نے نعمان سے کیا..... ہم دونوں کھیتوں کی سیر کر کے واپس آرہے تھے۔

"یار میں نے فیصلہ کیا ہے کہ میں کل واپس چلا جاؤں۔" میں نے نعمان سے کہا۔

"بھئی اتنی جلدی کیوں جارہا ہے..... پہلی بار تو گاؤں آیا ہے..... پہلے اپنے گاؤں کو اچھے سے دیکھ تو لے..... ہم لوگ پہلی بار ملے ہیں کچھ میموریز تو بنانے دے۔" نعمان کے لہجے سے ناراضگی جھلک رہی تھی۔

میں نے مسکرا کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"یار میں تم سب لوگوں کی محبت کو سمجھتا ہوں اور اس بے لوث محبت کے لیے بھی مشکور ہوں۔ لیکن میری جان میں نے واپس کبھی نہ کبھی تو جانا ہے..... اور اب تو امی ابو بھی حیدر آباد سے واپس آگئے ہیں..... تم بھی کبھی ہماری طرف آؤ ناں۔"

"ہاں دیکھتے ہیں۔" نعمان میری بات تو سمجھ گیا تھا مگر اس کا موڈ آف ہوچکا تھا۔

"اچھا میرے جانے سے پہلے مجھے اپنی لو اسٹوری اپنے منہ سے نہیں سناؤ گے۔" میں نے نعمان کا موڈ ٹھیک کرنے کے لیے کہا۔

"یار تم جانتے تو ہو نا کہ میں بتول کو پسند کرتا ہوں۔" نعمان نے جھجکتے ہوئے کہا اس کے چہرے پر ہلکی سی سرخی پھیل گئی تھی۔ اس کے انداز پر مجھے ہنسی بہت آئی اور پیار بھی..... وہ اسی طرح کا تھا تھوڑا شرمیلا اور نہایت صاف دل کا مالک تھا۔

"یار تم تو لڑکیوں کی طرح شرماتے ہو اب تو لڑکیاں بھی خاصی بولڈ ہوگئی ہیں..... اگر ایسا ہی رہا تو تم بتول سے اپنے دل کی بات کیسے کرو گے۔" میں نے اپنا لہجہ تھوڑا سا بڑے بھائیوں کی طرح سخت کیا تھا..... ویسے بھی وہ مجھ سے دو سال چھوٹا تھا۔

"بس ایسا ہی ہوں میں اور میں جانتا ہوں کہ بتول کو میری فیلنگز کے بارے میں پتا ہے..... اور شاید۔" نعمان بات کرتے ہوئے ہچکچانے لگا۔

"ہاں اور کیا پتا ہے تمہیں۔" میں نے نرمی سے پوچھا۔

"شاید کہ وہ بھی مجھے لائیک کرتی ہے۔" نعمان نے قدرے شرماتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔ اس کے چہرے کا رنگ پہلے کے مقابلے میں زیادہ سرخ ہوگیا تھا۔ اور میں اس کی کیفیت پر خوب محظوظ ہوا تھا۔ کھیت بھی ختم ہونے کو تھے اور ٹیوب ویل کے سامنے گھر نظر آرہا تھا۔

"نعمان میرے بھائی..... دیکھو بتول ایک لڑکی ہے اور لڑکیاں کبھی خود محبت کا اظہار نہیں کرتیں..... اگر تم اس کے لئے واقعی سریس ہو تو جا کر اس سے اپنے دل کی بات کہہ دو یہ نہ ہو کہ دیر ہوجائے..... تم ایک مرد ہو اور مردوں کی طرح ہمت اور بہادری دکھانی چاہئے۔" اتنا کہہ کر میں نے نعمان کا کندھا تھپکا اور گھر میں داخل ہوگیا۔ نعمان چند لمحات باہر کھڑا سوچتا رہا پھر وہ بھی میرے پیچھے آگیا تھا۔ یہ راحیل چچا کا گھر تھا۔

گھر میں داخل ہوتے ہی دائیں جانب کچن تھا اور سامنے ایک کمرہ تھا۔ بائیں طرف چھوٹے سے اسٹور کے بعد دو کمرے تھے۔ جن کے سامنے چھوٹا سا برآمدہ بھی بنا ہوا تھا۔ البتہ کچن اور اسٹور بالکل آمنے سامنے تھے۔

ہم جیسے ہی گھر میں داخل ہوئے تو کچن سے آتے

عافیہ، بتول اور حفصہ کے شور نما باتوں نے ہمیں اپنی جانب مبذول کیا..... ہم دونوں ہی کچن میں داخل ہوئے..... سامنے وہ تینوں ہی تھیں۔ سردی سے بچنے کے لیے چولہے میں لکڑیاں سلگائی ہوئی تھیں۔

کہاں گئے تھے تمہیں۔ میں اور عافیہ تمہارے لئے یہاں آئے اور تم لوگ منظر سے غائب ہو۔" بتول شکوہ کناں تھی۔

اس کی بات سن کر میں اسے کوئی جواب دینے ہی والا تھا لیکن مجھ سے پہلے حفصہ نے بتول کے کندھے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ "تم تو کہہ رہی تھی کہ تم میرے لئے آئی ہو۔"

"ہاں میں تمہارے لئے اور عافیہ حمین کے لیے۔" بتول نے بھی ہار نہیں سیکھا تھا۔

"حفصہ باقی گھر والے کہاں ہیں۔" نعمان نے اس نوک جھونک میں مداخلت کی۔

امی تو اوپر پھپھو کے گھر گئی ہیں..... ابو کا مجھے پتا نہیں۔ حمزہ بھائی اور اسد کرکٹ میچ کے لئے۔

حفصہ نے سب کی معلومات کو اپ ڈیٹ کیا۔

"تم لوگوں کو پتا ہے کہ کل حمین جانے والا ہے۔" نعمان نے سب کو بتایا۔

"اس سب سے پہلے حفصہ کو حیرت ہوئی تھی لیکن اس کے علاوہ اس نے کوئی Expression نہیں دیا تھا۔ وہ ہمیشہ مجھ سے کم کم بات کرتی تھی۔ بہت ضرورت کے وقت۔

"حمین تمہیں جانے کی اتنی جلدی کیوں ہے یار کیا وہاں تمہارے بیوی بچے تمہارے لئے رو رہے ہیں۔ مت جاؤ کچھ دن اور رک جاؤ ناں۔" عافیہ نے کہا تھا۔

"عافیہ اس ٹائم پیریڈ میں بیوی نہیں ہوتی..... بلکہ جی ایف ہوتی ہے۔" حفصہ جی ایف پر زور دیتے ہوئے بولی تھی۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" میں نے تردید کرتے ہوئے کہا۔ "کبھی نہ کبھی تو جانا ہے نہ واپس اور دوسری بات یہ ہے کہ یونی سے بھی بہت چھٹیاں ہوگئی ہیں..... اور تیسری بات یہ کہ امی ابو بھی حیدر آباد سے واپس آگئے ہیں اور میرے بغیر بہت تنگ ہورہے ہیں اس لئے مجھے کل جانا ہوگا۔"

میں نے بات مکمل کی تو سب کے چہرے اداس سے ہوگئے تھے۔ میری نظر بتول پر پڑی وہ اور نعمان ایک دوسرے کو خاموش نگاہوں سے تک رہے تھے۔ پندرہویں صدی کی اس خاموش محبت کی معصومیت پر میں مسکرائے بغیر نہ رہ سکا تھا۔

☆.....☆.....☆

رات کے ساڑھے دس بج چکے تھے..... میں کمرے میں لیٹا ہوا تھا کل صبح میری واپسی تھی..... میرے ساتھ کمرے میں نعمان تھا اور وہ تھک کر سو چکا تھا، اس کی طبیعت بھی تھوڑی ناساز تھی۔ آج شام کو ہم کزنز گاؤں میں خوب گھومے پھرے تھے۔ اور واپسی پر میں نعمان کے کہنے پر ادھر آگیا تھا کیونکہ پھپھو کے گھر میں کوئی لڑکا نہیں تھا جو مجھے کمپنی دے سکے۔ جمیل بھائی بھی اپنے سسرال گئے ہوئے تھے اور آج رات وہیں رکنے والے تھے۔

اچانک دروازہ ناک ہوا اور پھر رفعت چچی اندر داخل ہوئیں۔ ان کا چہرہ پریشانی سے دھواں دھار ہورہا تھا۔

"چچی آپ جاگ رہی ہیں ابھی تک۔" میں بستر سے اٹھ بیٹھا۔

"حمین اصل میں تمہارے چچا کو تمہاری پھپھو نے کہا تھا کہ شادی میں جس شخص نے کھانا بنایا تھا۔ اسے جا کر اس کے پیسے دے آئیں اور وہ شام سے گئے ہوئے ہیں ابھی تک واپس نہیں آئے..... موسم بھی ٹھیک نہیں ہے اس لئے موبائل کے نیٹ ورک بھی کام نہیں کررہے۔ بیٹا تم اور نعمان دونوں چلے جاؤ اور اس کے گھر سے اس کا پتہ کر آؤ۔ میرا دل ہول رہا ہے۔ یوں لگ رہا ہے جیسے کچھ برا ہونے والا ہے۔"

"چچی آپ پریشان نہ ہوں میں خود جا کر پتا کرتا ہوں شاید موسم کی وجہ سے چچا وہاں رک گئے ہوں۔ اور نعمان کو رہنے دیں کیونکہ اسے پہلے ہی ہلکا بخار ہوگیا

ہے۔" میں نے کہا اور اٹھ کر چارپائی کے نیچے سے اپنے جوتے پہنے۔

"بیٹا مجھے احساس ہے کہ تم ہمارے گھر میں مہمان ہو اور میں تمہیں تنگ کر رہی ہوں حمزہ اور اسد کو بھی آج ہی کرکٹ کے لئے دوسرے گاؤں جانا تھا۔" چچی نادم سی نظر آرہی تھیں۔

"کوئی بات نہیں میں ان کاموں سے تنگ نہیں ہوتا ویسے بھی مجھے رات کو گھومنا بھی پسند ہے۔" میں نے کہا اور گھر سے نکل آیا، باہر موسم بہت ہی پیارا تھا پہلے ہلکی سی آندھی آئی تھی اور تیز بارش ہوئی تھی مگر اب بارش کا زور ٹوٹ گیا تھا ہلکی ہلکی ہوا چل رہی تھی جو بہت بھلی محسوس ہو رہی تھی کبھی کبھار بارش کی بوندیں بھی گر جاتی تھیں۔

"ابھی میں کھانے والے کے گھر سے تھوڑا ہی دور تھا جب میرا موبائل رنگ کرنے لگا۔ میں نے جیب سے موبائل نکالا۔ چچی کی کال تھی غالباً موسم ٹھیک ہوتے ہی موبائل سروس بحال ہو چکی تھی۔

"جی چچی میں بس ان کے گھر تک پہنچنے والا ہوں۔"

"اب اس کی ضرورت نہیں ہے بیٹا..... تمہارے چچا گھر آگئے ہیں، اصل میں وہ اپنے ایک دوست کے پاس چلے گئے تھے..... تم فوراً گھر واپس آجاؤ۔"

"جی اچھا چچی میں آرہا ہوں۔" میں نے کہا اور کال کاٹ دی۔ گھر کے لئے لمبے لمبے ڈگ بھرنے لگا۔

بادلوں کے ٹکڑوں سے چاند آنکھ مچولی کر رہا تھا۔ اور ہوا بھی دھیرے دھیرے چل رہی تھی۔

اچانک ایک تیز ہوا کا جھونکا میرے پاس سے گزرا اور اس کے بعد مجھے یوں لگنے لگا جیسے کوئی ہے جو میرے ساتھ چل رہا ہے۔ اس کی اندیکھے قدموں کی چاپ مجھے سنائی دینے لگی تھی۔

رات کے ساڑھے گیارہ بج رہے تھے میں آبادی سے ابھی تھوڑے فاصلے پر تھا۔ اور یہاں بندہ نہ بندے کی ذات۔ میرا ڈرنا فطری عمل تھا..... میں نے قدموں کی رفتار تیز کر دی تھی۔ اس اندیکھے نادیدہ وجود کی بھی رفتار تیز ہوگئی تھی۔ تھوڑی دیر میں مجھے احساس ہوا کہ راستہ تو ختم ہی نہیں ہو رہا تو میں نے اپنے آس پاس غور کیا تو جس بات کا مجھے ادراک ہوا اس نے میرے چودہ طبق روشن کر دیئے تھے..... میں اب بھی اسی جگہ کھڑا تھا جہاں سے وہ ہوا کا جھونکا میرے پاس سے گزرا تھا۔

مجھے اپنے دائیں طرف سے قدموں کی آواز آرہی تھی۔ کسی کا وجود محسوس ہو رہا تھا۔ اچانک میری دائیں جانب والی کلائی اس نادیدہ وجود نے پکڑ لی..... مجھے لگا میرے جسم کے بال کھڑے ہو رہے ہیں۔ میری ریڑھ کی ہڈی میں ایک سرد سی لہر دوڑ گئی تھی۔

میں نے ڈرتے ہوئے اس جانب دیکھا۔ وہاں پہلے دھواں پھیلا اور پھر اچانک اس دھویں سے ایک نوجوان برآمد ہوا۔ وہ بہت ہی خوبصورت تھا۔

بھوتوں کے بارے میں تو میں نے سن رکھا تھا کہ وہ بہت ہی بھیانک اور خوفناک ہوتے ہیں..... مگر یہ..... کیا یہ بھوت تھا؟ اس نے سفید رنگ کا عجیب سا لباس پہن رکھا تھا جس کو میں کوئی بھی نام نہ دے سکا۔

"کون ہو تم۔" میں نے اپنا ڈر چھپانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"میں ایک جن ہوں۔" اس نے عام سے انداز میں بتایا۔

میں اس کا منہ تکنے لگا اور میری حیرت کو دیکھ کر وہ مسکرانے لگا لیکن اس کی مسکراہٹ میں بھی ایک درد چھپا ہوا تھا۔ عجیب قسم کا جن تھا وہ۔

☆.....☆.....☆

اس جن کا نام یاقوت تھا وہ مسلمان تو نہ تھا مگر اس کا شمار شر پسند جنات میں بھی نہیں ہوتا تھا اسے اس کی بستی سے نکال دیا گیا تھا۔ کیونکہ وہ ایک آدم زادی کی محبت میں گرفتار جو ہو گیا تھا۔ اس آدم زادی کے لیے اس نے اپنی منگیتر روشنی کو چھوڑ دیا تھا۔ اس لئے اسے وہ قبیلہ چھوڑنا پڑا تھا اور اس آدم زادی نے بھی اس کو دل و جان سے قبول کیا تھا مگر پھر اچانک وہ آدم زادی چھ فٹ زمین تلے اتر گئی اور یاقوت کی زندگی اندھیری ہو گئی تھی۔

یاقوت نے اپنی مختصر سی روداد سنائی تو میں اس طرف دیکھنے لگا۔

"اب میں تمہاری کیا مدد کر سکتا ہوں۔"

"کر سکتے ہو حمین کیونکہ وہ آدم زادی زندہ ہے..... میرا علم مجھ سے کہتا ہے کہ وہ سانسیں لے رہی ہے۔ اس نے خود کو مرا ہوا اس لئے ظاہر کیا ہے کیونکہ شاید وہ مجھ سے اکتا گئی ہے۔ وہ اپنے جیسے کسی آدم زاد کے ساتھ رہنا چاہتی ہے۔"

"کیا کہہ رہے ہو مجھے بالکل سمجھ نہیں آرہی ہے۔ اگر وہ زندہ ہے تو اس کے گھر والے اس کی نقلی قبر کیوں بنائیں گے؟ میں الجھن سے اسے دیکھ رہا تھا کہ ہم ایک گھنٹے سے ساتھ تھے..... اور یاقوت میرے ساتھ کمرے میں تھا..... میرے علاوہ اسے کوئی اور نہیں دیکھ سکتا تھا..... اس نے اپنے سحر سے نعمان کو اور گہری نیند میں سلا دیا تھا۔

"مجھے نہیں پتہ اس بارے میں لیکن ہو سکتا ہے کہ اس کے گھر والے بھی اس کے ساتھ ملے ہوئے ہوں۔" یاقوت نے انداز وظاہر کیا۔

"اب تم کیا چاہتے ہو۔"

"صرف ایک بار اس بے وفا سے مل کر اس سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیوں کی دھوکے بازی..... آخر کیا کمی رہ گئی تھی۔ میری چاہت میں..... میں نے تو اس کے لیے سب کو چھوڑ دیا تھا۔"

"اور میں کیا کر سکتا ہوں اس معاملے میں۔" میں نے پوچھا۔

"تم بھی ایک آدم زاد ہو..... میں بہت سے آدم زادوں سے مدد مانگ چکا ہوں مگر وہ سب ڈر پوک نکلے، تم مجھے اپنے گھر تک لے آئے ہو یہ تمہارا احسان ہے..... دیکھو حمین یہ میری دنیا نہیں ہے میں اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا لیکن تم جانتے ہو کیونکہ یہ تمہاری دنیا ہے..... اگر تم میرا ساتھ دو تو میں بھی سکون حاصل کر سکتا ہوں کیا تم میرا ساتھ دو گے۔"

میں نے پہلے سوچا اور پھر اس کی مدد کرنے کی حامی بھر لی۔

☆.....☆.....☆

واپسی کا سفر مشکل ہوتا ہے یہ سنا تو بہت بار تھا مگر دیکھا پہلی بار تھا سب نے مجھے ڈھیروں دعاؤں اور تحائف کے ساتھ بھیجا تھا۔ میں بس میں بیٹھ گیا اور بس چل پڑی تھی۔ مجھے اچانک اس خط کا خیال آیا تھا جو حفصہ نے مجھے آتے ہوئے دیا تھا اور میں نے اسے جیب میں ڈال لیا تھا اور اب میں نے اسے نکال کر پڑھنا شروع کیا۔

"ڈیئر حمین..... میں نے بہت کوشش کی کہ تم میرے دل کا حال جان سکو..... مگر یا تو تم بہت ہی سادے ہو یا بہت چالاک..... حمین ہر لڑکی کا ایک خواب ہوتا ہے کہ ایک دن ایک شہزادہ اس کے لیے آئے گا اور اسے اپنی سلطنت میں لے جائے گا..... جہاں اس کے لیے خوشیاں ہی خوشیاں ہوں گی..... میں خوابوں پر یقین نہیں رکھتی تھی حمین..... لیکن جب سے میں نے تمہیں دیکھا ہے تو نہ چاہتے ہوئے بھی میرا خواب دیکھنے کا دل کرنے لگا ہے..... میں نے اپنے سپنوں کا ایک شیش محل بنا لیا ہے..... اب یہ خوابوں کی دنیا میں رہنے والی اس لڑکی کی خواہش سمجھو یا فرمائش..... وہ بس یہ چاہتی ہے کہ یہ شیش محل کبھی نہ ٹوٹے..... فقط ایک ڈریم گرل۔"

میں حیرت سے خط کو دیکھ رہا تھا۔ نجانے اس لڑکی نے کون سا روگ پال لیا تھا۔ میں اسے کیسے سمجھاتا کہ اس محبت کا درد مجھ سے بہتر اور کوئی نہیں جانتا تھا..... میں نے یہ روگ دو سال پہلے پال لیا تھا اور اب میرے دل میں اس محبت کی ٹوٹی ہوئی کرچیوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ اور اب نہ کچھ ہو سکتا تھا۔

میں نے وہ خط چلتی ہوئی بس سے نیچے پھینک دیا اور خاموشی سے دوڑتے ہوئے مناظر کو دیکھنے لگا۔

یاقوت کا خیال اچانک میرے دماغ میں آیا اگر میں اس بات کا ذکر کسی اور سے کرتا تو وہ مجھے یقیناً پاگل سمجھتا۔ اس لئے فی الحال خاموشی بہتر تھی۔

خیر میں شام کے وقت اپنے گھر میں آ گیا تھا اور امی ابو نے مجھے بہت اچھے سے ویلکم بیک کیا تھا۔ امی نے

میری پسند کی ڈشز بنائی تھیں۔ ڈنر کے بعد میں نے انہیں وہ سارے گفٹس دیئے جوان کے لیے پھپھو اور چچی نے بھجوائے تھے...... ڈھیر ساری گاؤں کی یادیں تازہ کرنے کے بعد میں اپنے کمرے میں سونے کے لئے آ گیا۔ تو دیکھا کہ۔

یاقوت میرے کمرے میں میرے سامنے تھا۔ آج بھی اس کے چہر پر اداسیاں پھیلی ہوئی تھیں۔

''یار یاقوت یہ بات تو بتاؤ کہ کیا جن بھی اداس ہوتے ہیں۔'' بات مضحکہ خیز تھی لیکن میری ایک جن کے ساتھ دوستی ہو چکی تھی۔

''ہاں کیونکہ جن بھی ایک عدد دل کے مالک ہوتے ہیں۔''

''یاقوت اس لڑکی کی قبر کہاں ہے ہمیں اب اپنا کام شروع کردینا چاہیے کیونکہ وقت کم ہے ہمارے پاس۔''

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو...... ہمیں اب اس آدم زادی کو کھوجنا ہے کیونکہ میں اس سے ایک آخری مرتبہ بات کرنا چاہتا ہوں۔ ایک آخری مرتبہ اس سے پوچھ لینا چاہتا ہوں کہ کیوں میرے ساتھ ایسا کیا اس نے اور رہی اس کی قبر کی بات تو وہ اسی شہر میں ہے۔''

''اچھا ٹھیک ہے کل تمہیں مجھے اس قبر کے پاس لے جانا ہوگا تا کہ ہم آئندہ کا لائحہ عمل بنا سکیں۔''

تھوڑی دیر میں یاقوت غائب ہو گیا تھا اور میں بھی نیند کی وادیوں میں اترتا چلا گیا۔

اگلی صبح تھکن کا بہانہ بنا کر میں نے یونی سے چھٹی کرلی تھی...... اور پھر میں یاقوت کے ساتھ اس قبرستان میں آ گیا تھا جہاں وہ نقلی قبر تھی۔

''یہ ہے وہ قبر۔'' اس جن نے ایک قبر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ لیکن یہ کیا قبر کے کتبے پر مرحومہ کا نام مٹا ہوا تھا...... یوں لگ رہا تھا جیسے کسی نے کھرچ کے وہ نام مٹایا ہو۔

''یہ کیا ہے؟ میں نے کتبے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''میں نہیں جانتا مجھے لگتا ہے کہ شاید کسی وجہ سے مٹ گیا ہو۔ لیکن پہلے ہمیں سچ جاننا ہے۔'' اس نے کہا۔

''اور ہم سچ کیسے جان سکتے ہیں۔'' میں نے سوال کیا۔

''سچ جاننے کے بہت سے راستے ہیں حمین...... اور مجھے بھی ایک حل کا پتا ہے بس اس کے لیے تم کو تھوڑی بہادری دکھانی ہوگی...... وہ زندہ ہے اور کہاں ہے یہ ہم جان سکتے ہیں اگر تم۔'' یاقوت نے بات ادھوری چھوڑ دی تھی۔

''اگر کیا۔ یاقوت میں نے تم سے دوستی کی ہے۔ بھلے تم انسان نہیں ہو لیکن میں نے اگر تمہاری مدد کرنے کا وعدہ کیا ہے تو میں آخری حد تک تمہاری مدد کروں گا۔ تم کہو کیا کہنا چاہتے ہو۔''

''ہم سچ جان سکتے ہیں اگر تم آج رات دو گھنٹوں کے لیے اس قبر کے پاس بیٹھ کر ایک عمل کرو۔''

''کیسا عمل۔'' میں حیران ہوا اور وہ مجھے اس عمل کے بارے میں سمجھانے لگا اور مجھے ابھی سے ہی خوف محسوس ہونے لگا تھا۔

☆......☆......☆

اگربتی مہک رہی تھی موم بتیاں لمحہ لمحہ پگھل رہی تھیں۔ قبرستان کا ماحول ایک منحوس سی خاموشی لئے ہوئے تھا۔ اور میں وہ عمل پڑھتا جا رہا تھا جو مجھے یاقوت نے یاد کروایا تھا۔ ایک گھنٹہ گزر چکا تھا اور میں بھی پہلے کے مقابلے میں ذرا پرسکون ہو گیا تھا کیونکہ یاقوت نے بھی مجھ سے کہا تھا کہ ''اس عمل میں مجھے کوئی نہیں ڈرائے گا کیونکہ یہ عمل ایک سچ جاننے کے لیے ہے...... اور اس کا تعلق کسی طرح بھی کسی نادیدہ مخلوق سے نہیں ہے جو مجھے ڈرا سکے۔'' اس لیے اب میں خاموشی سے اپنا عمل پڑھ رہا تھا۔

اچانک ایک بہت ہی دل کو دہلا دینے والی چیخ گونجی تو میرے ہاتھ پیر ایک دم کانپ سے گئے۔ میں چند لمحوں کے لیے تو اپنے ورد کو ہی بھول گیا تھا اور پھر باقی عمل میں مجھے بس صرف چیخیں سنائی دیتی رہی تھیں اور کچھ بھی قابل

ذکر واقعہ نہ ہوا تھا۔ میرا عمل مکمل ہو گیا تھا اور اب میں نے یاقوت کی ہدایات کے مطابق اپنی آنکھیں بند کر لینی تھیں اور بند آنکھوں سے میں نے ایک دو منظر دیکھ لیے تھے۔

سب سے پہلے میں نے ایک لڑکی کو دیکھا تھا۔ لیکن اس کا چہرہ سیاہ دھویں میں چھپا ہوا تھا۔ میں اس کا چہرہ نہ دیکھ پا رہا تھا مگر مجھے اتنا پتا چل گیا تھا کہ وہ ہی یاقوت کی محبت ہے۔ اور پھر میں نے ایک اور دوشیزہ کو دیکھا اس کی آنکھیں اور لباس یاقوت کی طرح تھا۔ شاید وہ یاقوت کی منگیتر تھی۔ پھر وہ لڑکی یا شاید چڑیل جس کا نام یاقوت نے پہلی ملاقات میں روشنی بنایا تھا۔ وہ چڑیل یاقوت کی محبوبہ کے پاس آئی اور اس نے کچھ پڑھ کر اس کی جانب پھونک ماری۔ تو یاقوت کی محبوبہ بالکل ساکت ہو گئی۔

اگلے منظر میں اس کو قبر میں دفنایا جا رہا تھا۔ اور پھر میں نے آنکھیں کھول دی تھیں۔ ہر بات واضح ہو چکی تھی۔

وہ چڑیل روشنی جس کا صرف نام ہی روشنی تھا وہ خود تو سیاہ اندھیرے سے بھی بدتر تھی۔ اس نے یاقوت کی محبوبہ کے ساتھ ایسا کیا تھا۔ صرف حسد کی بنا پر...... اس لئے کہ اس نے ایک لڑکی کو زندہ قبر میں دفنا دیا تھا۔ وہ لڑکی بے وفا نہ تھی باوفا تھی۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ ابھی تک وہ لڑکی اس قبر میں زندہ کیسے تھی۔ کیا معمہ تھا یہ۔

میں حصار سے نکل آیا۔ اور یاقوت کو تین بار بلایا تو وہ میرے سامنے تھا۔

''کیا ہوا حمین تمہیں سب پتہ چل گیا ہے کیا۔'' یاقوت نے بہت امید سے مجھ سے پوچھا اور میں اسے ساری بات بتانے لگا تو اس کا منہ غصے سے لال پیلا ہونے لگا تھا۔

''روشنی اس حد تک جا سکتی ہے...... میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔''

''اس وقت روشنی پر غصہ کرنے سے زیادہ ضروری اور باتیں بھی ہیں...... مجھے سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میں اس کا چہرہ کیوں نہ دیکھ سکا تھا...... کیوں اس کے منہ کے سامنے سیاہ دھواں پھیلا ہوا تھا۔''

''اس بات کا جواب تو اب ہمیں وہ خود دے گی حمین...... کیونکہ ہم ابھی اسی وقت یہ قبر کھود کر اسے باہر نکالنے والے ہیں۔''

''کیا کہہ رہے ہو یہ کیسے ممکن ہے۔'' قبر کھودنے کا سن کر ہی میرے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے تھے۔''

''حمین تم نے آخری حد تک میرا ساتھ دینے کا مجھ سے وعدہ کیا تھا۔'' یاقوت کے لہجے میں شکوہ در آیا تھا۔ ''لیکن اگر تم خوفزدہ ہو تو تم جا سکتے ہو۔ تم نے ویسے بھی اب تک بنا کسی مفاد کے میرا بہت ساتھ دیا ہے...... اور اس کے لیے شکریہ کا لفظ بہت کم پڑ جاتا ہے۔''

''میں کہیں نہیں جا رہا...... اور چلو اس قبر کو کھودنا شروع کرتے ہیں۔''

یاقوت نے وہاں درخت سے دو موٹی موٹی لکڑیاں توڑیں اور ہم نے قبر کو کھودنا شروع کر دیا۔

آدھے گھنٹے میں قبر کھل چکی تھی اور پھر ہم نے بہت مشکل سے سلیں ہٹائی تھیں۔ اور یاقوت نے اس لڑکی کو قبر سے نکالا اور باہر لٹا دیا غالباً وہ ابھی تک سکتے میں تھی۔ میں نے دھیرے سے اس کے منہ سے کفن ہٹایا...... دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ اور کفن اس کے منہ سے ہٹ گیا تھا۔ مجھے لگا وہ کفن میرے منہ پر پڑ گیا ہے...... یوں لگا جیسے ہر شے ساکت ہو گئی ہو۔ قبرستان میں لگے ہوئے بھاری درخت مجھ پر آن گرے ہوں کیونکہ کفن میں لپٹا ہوا جو وجود میرے سامنے تھا وہ میری رگ جان سے بھی قریب تھا۔ وہی تو تھی میرا پہلا پیار...... میری پہلی چاہت...... میری پہلی تمنا۔ وہی تو تھی جس کی وجہ سے میں حفصہ کے خوابوں کو سہارا نہ دے سکا تھا۔ یہ تو میں جانتا تھا کہ وہ کسی اور کی ہو گئی ہے...... مگر یہ نہ پتا تھا کہ وہ منوں مٹی تلے بھی چلی گئی ہے وہ بھی زندہ...... یا میرے رب یہ ہو کیا رہا ہے......

میں اٹھ کر وہاں سے جانے لگا تو یاقوت نے مجھے نہ روکا۔ وہ اسے ہوش میں لانے کی کوشش میں مصروف تھا۔

☆......☆......☆

سعدیہ کو میں اپنے کالج ٹائم سے جانتا تھا۔ وہ پہلے ہمارے پڑوسی تھے اور اس کے بعد دوسرے علاقے میں

شفٹ ہو گئے تھے۔ میں اس سے محبت کرتا تھا۔ بلکہ نہیں محبت نہیں میں اس سے عشق کرتا تھا۔ پاگلوں کی طرح اسے پوجتا تھا۔ اس سے اتنی مرتبہ اظہار کیا تھا۔ میں نے مگر اس نے کوئی جواب نہ دیا تھا۔ پھر وہ لوگ دوسرے علاقے میں چلے گئے۔ اس نے مجھے میسج کا جواب دینا بھی ترک کر دیا تھا۔ اور کچھ عرصے بعد اس کی شادی کا کارڈ ہمارے گھر آ گیا تھا۔ میں نے بہت کوشش کی اس کی شادی رکوانے کی۔ مگر میں اس وقت انیس سال کا ایک بیوقوف سا لڑکا تھا۔ اور وہ کسی اور کی ہو گئی تھی۔ بہت اذیت سہی تھی میں نے...... اور اس اذیت نے مجھے بعد میں بہت بہادر بنا دیا تھا اور آج میں نے اپنے ہاتھوں سے اس کی قبر کھولی تھی۔ کیا وہ واقعی اس جن یاقوت سے پیار کرتی تھی۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ ایک جن ہے۔

میں گھر آ گیا تھا اور اپنے بستر پر کروٹ پر کروٹ بدل رہا تھا۔ مجھے کسی پل چین نہیں مل رہا تھا۔ یہ سوچ کر تو جیسے دل آگ پر رکھا ہوا برف کا گولہ بن جاتا کہ وہ کسی اور کے ساتھ تھی وہ اذیت جو میں نے دو سال پہلے اٹھائی تھی۔ آج دوبارہ اس سے گزر رہا تھا۔ لیکن سعدیہ دو سال سے اس بند قبر میں زندہ کیسے تھی۔ یہ ایک ایسا معمہ تھا جو کسی صورت میں حل نہیں ہو رہا تھا۔

میں بستر پر کروٹ پر کروٹ بدل رہا تھا مگر دل کو کسی لمحے قرار نہ آ رہا تھا اچانک مجھے اپنے پیچھے کسی کی موجودگی کا احساس ہوا۔ میں سمجھا کہ یاقوت ہوگا مگر جب میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو وہاں یاقوت کی منگیتر کھڑی تھی۔ جسے میں نے اپنے عمل کے بعد تصور کی نگاہ سے دیکھا تھا۔

''حمین تم سے بات کرنے آئی ہوں۔ میں سب جانتی ہوں کہ تم اس آدم زادی سعدیہ کی محبت میں گرفتار ہو...... اور میرا محبوب جو کہ اب تمہارا دوست بن چکا ہے وہ بھی اسی پر مرمٹا ہے...... وہ یہ بات بھول چکا ہے کہ وہ ایک آدم زادی ہے......''

''اب کیا لینے کے لیے آئی ہو...... میرے پاس'' میں نے لیٹے لیٹے کہا اور اپنے ہاتھ کو اپنی آنکھوں پر رکھ لیا تھا۔ ''سب برباد ہو گیا ہے۔''

''یاقوت یہاں آنے والا ہے۔ میرے ساتھ چلو تم، یہاں ہمارا بات کرنا مناسب نہیں ہے۔'' روشنی کا لہجہ چوکنا ہو گیا تھا۔ ''مجھے کہیں نہیں جانا اور تم بھی مجھے میرے حال پر چھوڑ دو تم لوگوں کے مسئلے ہیں اور میں ان سے دور رہنا چاہتا ہوں......''

''تم یوں نہیں مانو گے'' روشنی نے اتنا کہا اور آگے بڑھ کر میری کلائی پکڑ لی تو میرے جسم کو زور سے جھٹکا لگا اور سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں، میں اپنے گھر سے میلوں فاصلے پر ایک جزیرے پر تھا۔

میں ایک گھنے جنگل میں تھا اور مجھے پانی کے جھرنوں اور سمندر کی لہروں کی آوازیں آ رہی تھیں اور اس سے پتا چل رہا تھا کہ یہ ایک جزیرہ ہے...... میرے سامنے روشنی کھڑی تھی۔

''کیوں لائی ہو مجھے یہاں۔'' میں نے غصے سے پوچھا۔

''کیونکہ میں نے تم سے بات کرنی تھی اور وہاں یاقوت آنے والا تھا۔'' روشنی ٹھنڈے لہجے میں بولی۔

''اور صرف اپنی بات کرنے کے لیے تم مجھے کہاں لے آئی ہو۔'' میں آس پاس حیرت سے دیکھتے ہوئے بولا۔

''یہ ہماری دنیا ہے...... وہ دنیا جس سے میرا اور یاقوت کا اپنی پیدائش سے تعلق ہے...... ہم یہاں پیدا ہوئے تھے۔''

''لیکن یہ تو کوئی ویران جزیرہ ہے۔''

وہ مسکرائی۔ ''ہاں یہ جزیرہ ضرور ہے...... لیکن ویران نہیں ہے۔ اس میں اس وقت ہزاروں جنات تمہیں دیکھ رہے ہیں۔ لیکن تم انہیں نہیں دیکھ سکتے کیونکہ وہ نہیں چاہتے کہ تم انہیں دیکھ سکو۔''

''مجھے فضول میں ڈرانے کی ضرورت نہیں ہے۔'' میں نے ناک سے گویا مکھی اڑائی تھی۔

''اچھا یہ دیکھو پھر۔ اتنا کہہ کر اس نے کچھ پڑھ کر اپنے اردگرد پھونک ماری تو دیکھتے ہی دیکھتے وہ جزیرہ

مختلف قسم کے لوگوں سے بھر گیا تھا۔ ان میں کچھ یاقوت اور روشنی کی طرح پیارے تھے اور کچھ تو بہت ہی زیادہ خوفناک تھے۔ کچھ تو لباس کی قید سے بالکل ہی آزاد تھے اور ان کے سیاہ اور سرخ لمبے ترنگے جسم بھیانک قسم کی ہیبت لئے ہوئے تھے۔ میں یہ سب دیکھ کر ڈر سا گیا تھا۔ نجانے میں کیوں ان جنات میں پھنس گیا تھا۔ بے اختیار میں نے یہ سوچا تھا۔

روشنی نے پھر وہی ورد پڑھ کر ورد پڑھ کر اپنے آس پاس پھونکا اور وہاں پہلے جیسی ویرانی چھا چکی تھی...... میں روشنی کی طرف دیکھنے لگا تھا اس کے چہرے پر ایک زہریلی مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔

''کیا اب تم میری بات سنو گے۔'' اس کے لہجے میں طنز کی کاٹ تھی۔

''ہاں بولو مجھے کیوں لائی ہو یہاں۔'' میں نے بادل نخواستہ کہا۔

''دیکھو حمین تم اب تک ہمارے بارے میں بہت کچھ جان چکے ہو۔ لیکن ابھی تمہیں کچھ سوالوں کے جواب نہیں ملے۔ اور میرے پاس ان سوالوں کے جواب ہیں۔''

''سعدیہ کی قبر کے کتبے سے اس کا نام کیسے مٹا تھا۔'' میں نے پہلا سوال کیا۔

''وہ میں نے تم لوگوں کے آنے سے پہلے مٹا دیا تھا۔''

''میں نے جب اپنے عمل میں ساری حقیقت جان لی تھی تو سعدیہ کے منہ کے سامنے سیاہ دھواں کیسا تھا میں اس کا چہرہ کیوں نہ دیکھ سکا تھا۔''

''میں نے تمہارے عمل سے پہلے ایک ایسا منتر پڑھ لیا تھا کہ تم سعدیہ کو نہ دیکھ سکو کیونکہ میں جان گئی تھی کہ سعدیہ ہی وہ لڑکی ہے جس سے تم محبت کرتے ہو۔''

''اور سعدیہ کو اتنا عرصہ تم نے زندہ کیوں اور کیسے رکھا؟''

''حمین میں تمہیں سب کچھ شروع سے بتاتی ہوں۔'' روشنی نے میرے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

''میرا اور یاقوت کا رشتہ بچپن سے طے تھا۔ ہم دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے۔ لیکن یاقوت نے مجھ سے بیوفائی کی تھی۔ اس نے مجھے چھوڑ کر ایک آدم زادی کو اپنانے کا فیصلہ کر لیا تھا اور میں نے اپنی محبت کو بچانے کے لیے سعدیہ پر اپنی طاقتوں سے سکتہ طاری کر دیا تھا۔ اور لوگوں نے اسے مردہ سمجھ کے دفنا دیا تھا۔ مگر میں انسانوں کے گندے خون سے اپنے ہاتھ نہیں رنگنا چاہتی تھی۔ اس لئے میں نے سعدیہ کی قبر میں ایک چھوٹا سا سوراخ بنا دیا تھا۔ ہوا کی آمد و رفت کے لئے۔

میں نے دو سال اس آدم زادی کو اپنی طاقتوں کے بل بوتے پر زندہ رکھا تھا۔ میں صرف یہ چاہتی تھی کہ یاقوت میری طرف لوٹ آئے مگر ہوا اس کے برعکس تھا۔ یاقوت اس آدم زادی کو بے وفا سمجھنے لگا تھا۔ کیونکہ اس کی طاقتوں نے اسے یہ تو بتا دیتا تھا کہ وہ آدم زادی زندہ ہے۔ مگر وہ کہاں ہے یہ وہ نہیں جان پا رہا تھا۔ کیونکہ میں نے پہلے سے ہی ایک بندش کی ہوئی تھی۔ اس بندش کی وجہ سے یاقوت کبھی نہیں جان سکتا تھا کہ اس کی محبوبہ زندہ قبر میں دفن ہے۔ میں سمجھ رہی تھی کہ اب میرا یاقوت میرے پاس لوٹ آئے گا مگر ہائے رے محبت میں پالی ہوئی خوش گمانیاں۔

وہ وہاں آدم زادوں سے مدد مانگنے لگا۔ اس نے اپنی محبت کی وجہ سے اپنے وقار کو داؤ پر لگا دیا تھا۔ لیکن آدم زاد ہم سے ڈرتے ہیں...... کوئی بھی اس کی مدد کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہو رہا تھا۔ اور پھر یاقوت تم سے ملا۔ تم اس کا ساتھ دینے لگے۔ اور تم لوگوں نے بہت سے سچ بھی جان لئے تھے۔ پھر میں نے تمہارے بارے میں اپنی طاقتوں سے جانکاری حاصل کی تھی۔ پھر پتہ چلا کہ تم بھی اسی لڑکی سے محبت کرتے ہو۔

میں نہیں چاہتی تھی کہ تمہیں پتہ چلے کہ یاقوت کی محبوبہ اصل میں وہ لڑکی ہے جسے تم چاہتے تھے۔ کیونکہ یوں اس آدم زادی کو اور بھی ہمدردی مل جاتی اور یہ مجھے گوارا نہیں تھا۔ میں نے سعدیہ کی قبر کے کتبے سے اس کا نام مٹا دیا۔ میں نے اسی لئے تمہارے عمل میں تمہیں سعدیہ کا منہ نہ دیکھنے دیا۔ اور اب فیصلہ تم نے کرنا ہے۔'' روشنی نے

ایک ایک بات مجھے تفصیل سے بتادی تھی۔

"کیسا فیصلہ؟" میں نے حیرت سے پوچھا تھا۔

"یہ ہی کہ میرا ساتھ دو گے یا میرے خلاف قدم اٹھاؤ گے۔"

"تم مجھ سے کیا چاہتی ہو اور تمہیں بھلا ایک انسان کے ساتھ کی کیا ضرورت ہے۔"

"میں چاہتی ہوں کہ تم اس سعدیہ کو لے کر ہماری دنیا سے بہت دور چلے جاؤ۔ لیکن پہلے یاقوت کو احساس دلاؤ کہ اس کے لیے سعدیہ نہیں بنی۔ تمہارے لئے بنی ہے۔ اس کے لیے میں ہوں۔ صرف میں۔"

"میں اور تم اب کچھ نہیں کر سکتے کیونکہ وہ دونوں ایک دوسرے سے سچ میں محبت کرتے ہیں۔"

"تمہیں میں تمہاری دنیا میں دوبارہ چھوڑ کر آتی ہوں۔" "تمہارے پاس کل تک کا وقت ہے تم سوچ لو کہ تم میرا ساتھ دو گے تو اپنی کھوئی ہوئی محبت دوبارہ پا سکو گے۔"

روشنی نے اتنا کہا اور میری کلائی کو ایک بار پھر پکڑا۔ پہلے کی طرح مجھے ایک جھٹکا لگا اور اگلے ہی لمحے میں اپنے کمرے میں تھا۔

روشنی مجھے ہزاروں فکروں میں غلطاں چھوڑ کر وہاں سے غائب ہوگئی تھی۔

☆.....☆.....☆

جب ہو سکے تو بھلا دینا رنجش دل کی
کہ محبتوں کا اصول ہے درگزر کرنا
تیرے طرز تغافل سے گلہ تو نہیں
ہمیں نہ آتا تھا دلوں میں گھر کرنا

میں آج اتنے دنوں کے بعد یونیورسٹی آیا تھا مگر کسی بھی چیز میں بالکل دل نہیں لگ رہا تھا۔ بس ہر لمحہ سعدیہ کا خیال آرہا تھا۔ کچھ عرصہ پہلے میں بہت مشکل سے اس غم سے نکلا تھا اور اب ایک بار پھر۔ مجھے سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کروں۔ عجیب قسم کے حالات میں پھنس گیا تھا۔

تو آج رات روشنی دوبارہ آنے والی تھی۔ مجھے اسے اپنے فیصلے کے بارے میں بتانا تھا۔ بے شک میں سعدیہ کو دوبارہ حاصل کرنا چاہتا تھا۔ لیکن میں سعدیہ کو کوئی دکھ بھی نہیں دینا چاہتا تھا۔ کیونکہ میرے لئے سعدیہ کی خوشی ہر شے سے مقدم تھی۔ اور میں اپنے دوست یاقوت کو بھی دکھ نہیں دینا چاہتا تھا۔ لیکن میں اس دل کا کیا کرتا جس نے ہر لمحہ ہر پل صرف سعدیہ کو دیکھا تھا۔ صرف اسے چاہا تھا۔ صرف اسے پانے کی تمنا کی تھی۔ میں کیسے اپنی محبت کا تحفہ اپنے دوست کو دے دوں۔ آج مجھے اپنے محبوب اور اپنی محبت میں سے کسی ایک کو چننا تھا۔ اگر محبت کو چنا تو اپنے محبوب کی خوشی کے لیے مجھے اپنی محبت کی قربانی دینی ہوگی اور اگر اپنے محبوب کو چنا تو اپنی خوشی کے لئے مجھے اپنے آپ سے اس کی محبت کی قربانی لینی ہوگی۔

"اوہ یہ انتخاب کتنا مشکل ہے۔ کوئی میرے دل سے پوچھے۔

جیسے تیسے کر کے یونیورسٹی میں دن گزارا اور تین بجے گھر واپس آ گیا۔ کھانا کھایا اور اپنے کمرے میں گھس گیا۔ دروازہ بند کیا اور یاقوت کو تین بار پکارا۔

وہ میرے سامنے تھا۔ آج اس کا چہرہ کھلا ہوا تھا اس کی ساری اداسیاں غائب تھیں اور شاید کہ اس کی اداسیاں میری طرف ٹرانسفر ہوگئی تھیں۔ یاقوت آگے بڑھا اور میرے گلے لگ گیا۔ خوشی اس کے انگ انگ سے پھوٹ رہی تھی۔

"تمہیں میں بہت خوش ہوں تم نے میری زندگی میں نئے رنگ بھر دیئے ہیں۔ میں تمہارے احسانوں کا بدلہ کیسے چکاؤں گا۔" یاقوت میرے گلے سے لگا ہوا یہ سب کہہ رہا تھا۔

پھر اچانک اس نے مجھے چھوڑا۔ یوں جیسے اسے کسی انہونی کا احساس ہوا ہو۔ وہ ارد گرد چل کر اپنی ناک کو سکیڑ کر کچھ سونگھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

وہ بولا تو اس کی آواز جیسے کسی اندھے کنویں سے آتی محسوس ہو رہی تھی۔ "یہاں اور کون آیا تھا حمین۔"

"کک کون آیا تھا کیا مطلب۔ یہاں تمہارے علاوہ اور کون آسکتا ہے بھلا۔" میں نے نظریں چراتے ہوئے کہا۔ "اب تم مجھ سے جھوٹ بولو گے حمین..... مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ یہاں میرے علاوہ بھی کوئی غیر مرئی مخلوق آئی ہے۔ مجھے بتاؤ کون آیا تھا..... کیا روشنی..... کہیں وہ ایک بار پھر میری سعدیہ کو نقصان تو نہیں پہنچانا چاہتی۔" یاقوت درست اندازے لگا رہا تھا۔

اور ان لمحات، میں، میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ مجھے کس کو چننا ہے..... محبوب کو یا محبت کو.....

"یاقوت میں نے تمہیں کچھ بتانا ہے۔" میں نے ہمت کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

وہ سوالیہ نگاہوں سے مجھے تکنے لگا۔

اور میں اسے سب کچھ سچ بتانے لگا۔ اپنی سعدیہ سے محبت سے لے کر روشنی سے ملاقات تک۔ سب کچھ۔ وہ چپ چاپ مجھے سنتا رہا۔ اور میں بولتا رہا۔

"جو تم ہو وہ انسان جس کے بارے میں مجھے سعدیہ نے بتایا تھا کہ اس سے یکطرفہ محبت کرتا ہے۔ جانتے ہو اگر تمہاری جگہ کوئی اور ہوتا تو اس کی جان میں اپنے ہاتھوں سے لینے میں ذرا بھی دیر نہ لگاتا۔ مگر تمہارے مجھ پر بے شمار احسان ہیں۔ اور آج میں وہ احسان اتار رہا ہوں تمہاری جان بخش کر او ر رہی اس روشنی کی بات..... تو آج کی رات اس کی زندگی کی آخری رات ہے۔ اس کی وجہ سے میری سعدیہ قبر میں قید رہی تھی۔ اور سزا کا وقت آ گیا ہے۔ تمہارا میرا تعلق اتنا ہی تھا اور آج سے ہر تعلق ہر رشتہ ختم۔ تم جا سکتے ہو یہاں سے اب۔"

میں حیرت سے اس جن کو دیکھ رہا تھا جس نے اپنا کام ہوتے ہی آنکھیں ماتھے پر سجالی تھیں۔ کیا جن بھی ہم انسانوں کی طرح سفاک اور خود غرض ہو سکتے ہیں۔

وہ جن وہاں سے غائب ہو گیا تھا اور میں شکستہ قدموں سے اپنے بستر کی طرف بڑھ گیا۔

☆.....☆.....☆

پھولوں سے بھرا ہوا ایک باغیچہ تھا۔ ہر سو رنگا رنگ پھول مہک رہے تھے۔ ان کی مسحور کن خوشبو سے باغیچہ معطر تھا۔ باغیچے کے وسط میں وہ دونوں بیٹھے تھے۔ سعدیہ نے اپنا سر یاقوت کی گود میں رکھا ہوا تھا۔ دونوں کے لبوں پر سرشار مسکراہٹ تھی۔ سعدیہ کے ہاتھوں میں پھولوں کا ایک گلدستہ تھا۔ جو غالباً یاقوت نے اسے دیا تھا۔ دھیمی دھیمی ہوا ان دونوں کے بالوں اور لباس کے ساتھ اٹکھیلیاں کر رہی تھی۔ اور یاقوت سعدیہ کو کوئی گیت سنا رہا تھا۔

ایک جھٹکے سے میری آنکھ کھلی تھی۔ اوہ اب مجھے نیند میں بھی عذاب سہنا پڑا۔ اچانک میرے سامنے دھواں پھیلا تھا اور اس دھویں سے روشنی نکلی۔ وہ زخمی تھی۔ اس کے جسم سے خون نکل رہا تھا جو اس کے لباس کو نگین کر رہا تھا۔

"کیا ہوا ہے..... تمہارا یہ حال کیسے ہوا۔ کس نے تمہیں زخمی کیا ہے۔" میں بستر سے اٹھ بیٹھا۔

"اسی ظالم نے..... جس سے میں نے بے حد محبت کی۔ اسی نے میرا یہ حال کیا ہے۔ وہ اس آدم زادی کے پیار میں بالکل پاگل ہو چکا ہے۔ حمین میں نے تم سے کہا تھا ناں کہ آج رات میں تم سے تمہارا انتخاب جاننے کے لیے آؤں گی۔ مگر اب اس کی ضرورت نہیں رہی۔ یاقوت نے مجھے زخم دیئے ہیں اور اب میری ساری طاقتیں بھی مجھ سے چھن گئی ہیں۔ کچھ لمحات میں، میں مر جاؤں گی حمین..... میں مر جاؤں گی۔" اتنا کہہ کر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

مجھے اس پر بے تحاشہ ترس آیا تھا ہم دونوں ایک ہی کشتی کے مسافر تھے۔ میں اٹھ کر اس کے پاس آیا۔ لیکن تب تک اس کے جسم کو جھٹکے لگنے لگے تھے۔ اور پھر وہ بے جان ہو کر گر گئی وہ مر چکی تھی اور کچھ لمحوں میں وہ وہاں سے دھواں بن کر غائب ہو گئی تھی۔ اسے اس کے درد سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رہائی مل گئی تھی اور یہ رہائی دلانے والا بھی اس کا اپنا تھا۔

"یاقوت..... یاقوت کہاں ہو تم فوراً میرے پاس آؤ۔" اتنا سب کچھ دیکھ کر میرے اعصاب شل ہو گئے تھے اور میں نے چلا چلا کر یاقوت کو بلایا تھا۔

وہ میرے سامنے تھا۔ بہت بدل گیا تھا۔ اس کی معصومیت نجانے کہاں چلی گئی تھی۔

"میں نے تم سے کہا تھا نہ کہ اب ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے تو پھر مجھے یوں کیوں بلایا ہے۔" وہ ناگوار خاطر

لگ رہا تھا۔ ''تم نے روشنی کو اتنی سی غلطی کی اتنی بڑی سزا کیوں دی یاقوت۔ وہ پیار کرتی تھی تم سے۔'' نہ چاہتے ہوئے بھی میرے لہجے میں دکھ در آیا تھا۔

''یہ میرا اور اس کا ذاتی معاملہ ہے۔ تم دخل مت دو میں روشنی کے ساتھ کچھ بھی کروں تمہیں کوئی غرض نہیں ہونی چاہئے۔'' اتنا کہہ کر وہ چلا گیا اور میں اسے دیکھتا رہ گیا۔

انگریزی کی ایک کہاوت ہے In life two thinghs difine you your patience when you have nothing and your attitude when you have every thing اور اس جملے کا مطلب آج میں حقیقی معنوں میں سمجھا تھا۔

وہ ایک جن تھا۔ اور میں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ سوائے صبر کے میرے پاس کرنے کو کچھ بھی تو نہ تھا۔ ''جس درد سے میں اور روشنی گزرے ہیں خدا کرے تم بھی اس درد سے گزرو'' بے اختیار میرے دل سے بددعا نکلی تھی۔ مجھے نہیں پتا تھا کہ وہ بددعا میرے لئے کیا عذاب لانے والی ہے۔ میں کرسی پر بیٹھ گیا تھا۔ اور میں نے اپنی زندگی میں موہ آن کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ ایک ڈریم گرل کے خوابوں کو پورا کرنے کا فیصلہ۔ کسی کو تو اس کی محبت ملے ناں۔ یہ میرے لئے آسان نہ تھا۔ لیکن زندگی میں آگے تو بڑھنا تھا ناں۔

☆.....☆.....☆

وہ ایک نئی صبح تھی۔ نئے فیصلے کرنے کی صبح۔ میں امی کے کہنے پر ناشتے کی ٹیبل پر بیٹھ تو گیا تھا مگر ناشتہ کرنے کا کوئی موڈ نہیں تھا۔

''حمین میں نے تم سے بات کرنی ہے۔'' امی نے میرے ساتھ والی کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''جی امی کہیں۔''

''میں سوچ رہی ہوں کہ رفعت سے تمہارے رشتے کی بات کروں تم حفصہ سے مل چکے ہو تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں ہے ناں۔''

میں نے خالی نگاہوں سے امی کو دیکھا تھا۔ ''مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔'' میں نے کہا اور اس کے بعد مجھے کوئی احساس نہ رہا تھا کہ میرے آس پاس کیا ہو رہا ہے کیونکہ ہر شے ایک دم سلوموشن میں چلی گئی تھی۔ خیر میں نے جیسے تیسے کر کے وہ دن شام تک گزارا تھا اور شام کو میں نے اپنے آپ کو کمرے میں بند کرلیا تھا۔ تھوڑی دیر میں میرے پاس میرے سامنے یاقوت آ گیا تھا۔

مگر یہ کیا وہ تو اداسیوں اور غموں کی زندہ تصویر بن کر آیا تھا۔ کل تک تو وہ بے حد خوش تھا اور آج۔

''حمین میں تم سے معافی مانگنے کے لئے آیا ہوں۔ میں نے روشنی پر بھی بہت ظلم کیا ہے۔ میں پیار میں اندھا ہو گیا تھا۔ اور مجھے میرے کئے کی سزا مل گئی ہے۔ آج صبح سعدیہ کو ایک سانپ نے ڈس لیا تھا اس مرتبہ وہ سچ میں مر گئی ہے۔'' اتنا کہہ کر وہ جن رونے لگا اور میں سکتے میں کھڑا اسے روتا ہوا دیکھتا رہا۔

☆.....☆.....☆

مجھ میں بے لوث محبت ہے سوا کچھ نہیں
تم چاہو تو میری سانسوں کی تلاشی لے لو

اتنے برس گزر گئے۔ یاقوت اپنی دنیا میں لوٹ کر چلا گیا تھا اور اب شاید پہلے کی طرح بے چین ہو کیونکہ مقتول کوئی بھی ہو۔ قتل جیسے بھی ہو۔ قاتل سکون سے نہیں رہ سکتا، یہ ہی قدرت کا انصاف ہوتا ہے اور یاقوت قاتل تھا روشنی کا۔

میں نے بھی اس ڈریم گرل کے خوابوں کو سہارا دے دیا تھا مگر میرا دل اور میری روح مجرم سعدیہ کی تھی۔ یہ بات حفصہ بھی جانتی تھی اور کوئی اعتراض نہیں تھا۔

میں اکثر سعدیہ کی قبر پر جاتا ہوں۔ اور اکثر یہ بات سوچتا ہوں کہ وہ محبت جس میں صرف محبوب کو پانے کی تمنا ہو ایک بیماری کی طرح ہوتی ہے جو انسان کے دل کو لگ جاتی ہے اور دل کو بیمار کر دیتی ہے۔ جب انسان کا دل بیمار ہو جائے تو باقی کا بدن بھی کام کرنا چھوڑ دیتا ہے۔ اس لئے ایسی محبت سے بچنا چاہئے۔

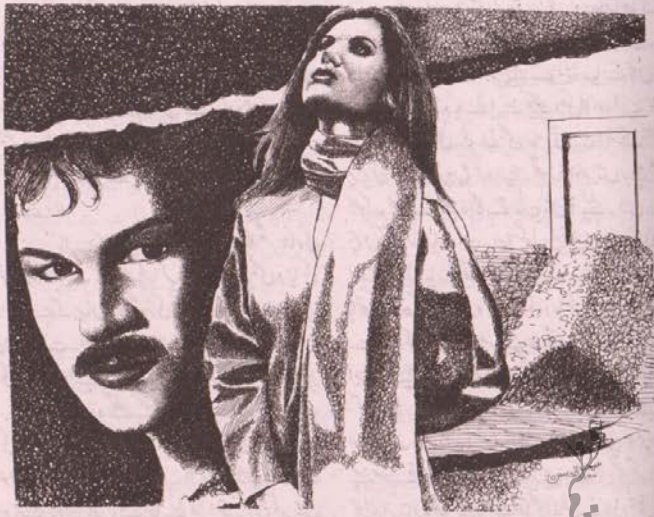

زومبی

مونا شہزاد۔ کیلگری کینیڈا

شیطانی مردہ خانے نے آناً فاناً آگ پکڑلی، بلائیں چیخیں مارتی ہوئی نیست و نابود ہونے لگیں اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے تمام بلائیں راکھ کے ڈھیر میں تبدیل ہوگئیں۔

ایک عجیب الخلقت..... بلا..... کی داستان حیرت جو کہ زندہ انسانوں کا خون پیتی تھی

ثم نے تھکے تھکے انداز میں سٹیل ٹو سیفٹی جوتے اتارے پھر بھاری ہیلمٹ سر سے اتار کر ایک طرف رکھ دیا۔ وہ بینچ پر بیٹھ کر اپنی آنکھوں میں آئی نمی ضبط کرنے کی کوشش میں مصروف تھا۔ اس کے کانوں میں اس کے باپ کی آواز گونجی۔

''ثم! مرد بنو۔ مرد نہیں روتے۔''

اس نے خود کلامی میں آہستگی سے کہا:

''ہاں ڈیڈ! مرد روز مرتا ہے روز جیتا ہے مگر آنسو نہیں بہا سکتا کیونکہ اس سے اس کی مردانگی پر سوال اٹھتا ہے۔''

اس کے حلق میں کڑواہٹ سی پھیل گئی۔ اس نے جو گرز پہنے اسی اثنا میں اس کا دوست جیک اس کے برابر بیٹھ گیا اس نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھا اور ہمدردی سے بولا:

"یہ نیا منظر عذاب ہے۔ثم! دل برا مت کرو۔ وہ بات بات پر سب ورکرز کو ذلیل کرتا رہتا ہے۔تم تو آج اس کی گرفت میں آئے ہو۔اس طرح پریشان ہونے سے کچھ نہیں ہوگا۔اس نے زیادہ عرصہ یہاں نہیں رہنا یہ بہت جلد یہاں سے دفعان ہو جائے گا۔"

ثم کے چہرے پر پھیکی سی مسکراہٹ آئی۔وہ بے دلی سے بولا:

"ہاں جیک! یہ تو دفع ہو جائے گا مگر ہماری خودی اور عزت نفس کا کچرا کر جائے گا۔یہ بھی دنیا کی ریت ہے کہ یہاں زور آور کی حکمرانی چلتی ہے اور کمزور پستا رہتا ہے۔ہم تو ٹھہرے محنت کش تو ہماری عزت نفس کی کس کو پروا ہے؟"

یہ کہہ کر وہ تھکے تھکے قدموں سے پارکنگ لاٹ کی جانب چل پڑا۔ثم نے اپنی گاڑی میں بیٹھ کر اپنے حواس مجتمع کئے اور گھر کی جانب چل پڑا۔بیس منٹ بعد وہ اپنے ٹاؤن ہاؤس کے سامنے کھڑا تھا۔اس گھر میں کرائے پر رہتے ہوئے اسے پانچ برس ہو چکے تھے۔اسے یاد آیا کل ہی مسز اسمتھ اس کے مالک مکان نے اس سے کرایہ بڑھانے کا تقاضا کیا تھا۔اس نے سر جھٹکا اور تمام پریشانیوں کو بھی جھٹکنے کی کوشش کی،اس کی کوشش ہوتی تھی کہ اپنی گھریلو زندگی کو نوکری کی پریشانیوں سے دور رکھے۔وہ گھر میں داخل ہوا تو گھر میں کھانے کی اشتہا انگیز خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔بچے اوندھے سیدھے لیٹے ٹی وی دیکھنے میں مصروف تھے۔وہ اینڈریا کو ڈھونڈتا ہوا کچن میں چلا آیا۔اس کی خوبصورت بیوی کچن میں کھانا پکانے میں مصروف تھی۔اینڈریا تیس سال کی تھی مگر تیس سال سے زیادہ کی نہیں محسوس ہوتی تھی۔اس کے بال سنہرے تھے۔اس کی جلد بہت شفاف اور صاف تھی۔اس کی آنکھیں بڑی بڑی اور سبز تھیں،ناک ستواں،ہونٹ رس بھرے تھے۔اس کا جسم بہت ہی متناسب اور کشش انگیز تھا۔اس کو دیکھ کر کسی ملکہ حسن کا گمان ہوتا تھا۔مگر اس وقت اس کا منہ سرخ ہو رہا تھا اور مزاج برہم تھے۔

ثم کے پہنچتے ہی گرہ سی پڑ گئی۔وہ جانتا تھا کہ یہ برہم تیور پھر اسی پرانی لڑائی کا نیا آغاز تھے۔اس نے اپنے خدشات کو جھٹکا اور پیار سے اینڈریا کے گال پر بوسہ دیا۔مگر اینڈریا نے اسے پیچھے دھکیلا اور اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔ثم نے بھی خاموشی سے ڈائننگ ٹیبل پر برتن لگانے شروع کر دیئے۔تھوڑی دیر میں بچے بھی بھوک بھوک کا نعرہ لگاتے کچن میں آ پہنچے۔اس نے بچوں کو گدگدایا اور ان سے اسکول کی تفصیلات سننے لگا۔جلد ہی اینڈریا نے کھانا لگا دیا۔سب نے حسب دستور ہاتھ باندھ کر پہلے خیر و برکت کی دعا کی اور پھر خاموشی سے کھانا کھانے میں مصروف ہو گئے۔کھانے کے بعد اینڈریا بچے سلانے چلی گئی اور ثم نے برتن دھونے شروع کر دیئے۔برتن دھو کر اس نے دو کپ کافی کے بنائے اور لیونگ روم میں آ گیا۔اینڈریا شب خوابی کا لباس پہنے صوفے پر بیٹھی ایک فیشن میگزین دیکھ رہی تھی مگر اس کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ سخت خفا تھی۔ثم نے کافی ٹیبل پر رکھی اور اینڈریا کا ہاتھ پکڑ کر ملائمت سے بولا:

"ڈارلنگ! طبیعت تو صحیح ہے تمھاری؟ دن کیسا رہا؟"

اینڈریا نے خفگی کے انداز میں اسے گھورا اور خاموشی سے منہ پھیر لیا۔ثم نے اس کے پرشباب سراپے کی طرف دیکھا۔اس کا خوبصورت جسم مہین شب خوابی کے لبادے سے چھلک رہا تھا۔اس کے اندر جیسے پیاس کا صحرا پھیل گیا اس نے بے اختیار ہی اس کی جانب پیش قدمی کی۔مگر اس شعلہ صفت نے اسے پیچھے دھکیلتے ہوئے بے زاری سے کہا:

"ثم! میں تھکی ہوئی ہوں۔"

اس کے صبر کا پیمانہ بھی جیسے لبریز ہو گیا وہ چیخ کر بولا:

"میں جانتا ہوں کہ تمھیں کس چیز کا بخار چڑھا ہوا ہے؟"

اینڈریا بھی تن کر کھڑی ہو گئی اور چیخ کر بولی:

"میں بھی چیخنا جانتی ہوں۔خبردار! جو مجھ پر رعب جمانے کی کوشش کی۔"

جلد ہی وہ دونوں بے سروپا تکرار میں مصروف ہو گئے۔آہستہ آہستہ بحث میں مزید تیزی آ گئی۔اینڈریا روتے دھوتے کہنے لگی:

"ثم! تمھارے نزدیک میں اور میری خوشی کبھی اہم نہیں رہی۔اب تو میری دس سال کی اور جم آٹھ سال کا ہو گیا ہے۔بچے کرائے کے مکانات میں رہ رہ کر تنگ آ گئے ہیں۔ان کا بچپن بیتتا جا رہا ہے۔ہم کب اپنا مکان خرید پائیں گے؟

آج تو گلوریا نے بھی اپنے نئے گھر خریدنے کی خبر سنا دی ہے۔"

ثم کو اینڈریا کے غصے کا سبب سمجھ آ گیا اس نے بے چارگی سے اپنے سر پر ہاتھ رکھ لیا،وہ جانتا تھا کہ اب ان کے احباب میں صرف وہی گھر کی ملکیت سے محروم رہ گئے تھے۔وہ لجاجت سے بولا:

تم جانتی ہو گھر خریدنے کے لئے بھاری نقد رقم چاہیئے ہے پھر قرض لینا کتنا مشکل ہے۔مجھ اکیلے کی تنخواہ سے گھر کے اخراجات اور کرایہ ہی مشکل سے پورا ہو پاتا ہے پھر قرضوں نے کمر توڑ رکھی ہے۔ہمیں کون سا بینک قرض دینے پر راضی ہو سکے گا؟"

اینڈریا نے روتے روتے کہا:

"پھر ہمارے بچے کب اپنے لان میں جھولے جھول سکیں گے؟

کب میں سیب اور ناشپاتی کے درخت اپنے لان میں لگا سکوں گی؟

میں تیس برس کی ہو چکی ہوں مگر ابھی تک ہماری زندگی قرضوں کے بوجھ تلے سسک رہی ہے۔میں ہزار بار کہہ چکی ہوں کہ میں نوکری کر لیتی ہوں مگر بچوں کے باعث تم ہی انکاری ہو۔"

ثم نے بے بسی سے اینڈریا کی جانب دیکھا، اسے پتا تھا کہ یہ سب بحث فضول تھی۔اس بے سروپا بحث کا کوئی انجام نہیں ہونا تھا لہٰذا اس نے پسپائی کی راہ کو ہی بہتر سمجھا اور پاؤں پٹختا ہوا گھر سے نکل گیا۔آج پھر ان کی لڑائی کی بنیاد وہی تقاضا تھا جو کہ ان کی باہمی چپقلش کی ہمیشہ سے وجہ تھا۔ثم کا دماغ غم و غصے سے پھٹ رہا تھا۔وہ یہ جانتے ہوئے بھی کہ مہینے کی آخری تاریخیں چل رہی ہیں مقامی شراب خانے میں چلا گیا۔مارگریٹا کے دو گلاس پینے کے بعد بھی اس کا غم و غصہ کم نہیں ہوا۔وہ خود کلامی کے انداز میں بڑبڑایا:

"بے وقوف عورت! اس کے نزدیک صرف مکان خرید لینا ہی خوشیوں کی ضمانت ہے۔اسے ذرا احساس نہیں کہ میں ساتوں دن کتنی محنت کرتا ہوں؟"

اس کے ساتھ بیٹھے سیاہ پوش شخص نے آہستگی سے ہنس کر کہا:

"زیادہ تر عورتوں کا مسئلہ یہی ہے کہ وہ مرد کی پریشانیوں سے ناواقف رہتی ہیں۔عورت ذات ہے ہی ناشکری،جب تک مرد کو قبر کی سیر نہیں کروا دیتی باز نہیں آتی۔"

ثم نے چونک کر اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے شخص کو دیکھا۔وہ پچاس سال کے لگ بھگ تھا۔اس کی وضع قطع میں کوئی چیز غیر معمولی تھی۔اس نے پرانے فیشن کا مگر مہنگا سیاہ رنگ کا سوٹ پہنا ہوا تھا۔اس کے سر پر کاؤ بوائے ہیٹ تھا۔اس کی ٹائی،جوتے،جرابیں یہاں تک کہ دستانے تک سیاہ رنگ کے تھے۔اس کے چہرے کی رنگت حد سے زیادہ سفید تھی ایسے لگتا تھا جیسے اس میں خون کی رمق تک موجود نہیں تھی۔اس کی آنکھیں ملگجے نیلے رنگ کی تھیں مگر بے جان کانچ کے ٹکڑوں کی مانند نظر آ رہی تھیں۔ثم اپنی روایتی خوش خلقی کے باعث مسکرایا اور اپنی خود کلامی پر شرمندہ ہوتے ہوئے بولا:

"سوری! میں کچھ زیادہ ہی اونچی آواز میں خود کلامی کر گیا۔آج پھر بیوی سے جھگڑا ہو گیا۔کام پر بھی آج میرا دن اچھا نہیں تھا۔"

وہ شخص اسے گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا:

"اگر مناسب جانو تو مجھے تفصیل بتاؤ۔ہو سکتا ہے میں اپنے تجربے سے کوئی بہتر حل تمہارے مسئلے کا بتا سکوں اور تمھاری زندگی پر سکون ہو سکے۔بالفرض محال اگر میں حل نہیں بھی بتا سکا تب بھی ہم اجنبی ہیں۔آج

ملے ہیں شاید زندگی میں دوبارہ ملاقات ہی نہ ہو سکے۔اس لئے تمھارا راز میرے سینے میں محفوظ رہے گا۔''

ثم نے ایک لمحے کے لئے سوچا اور پھر الف سے ی تک ساری کہانی اجنبی کو سنا ڈالی۔ نووارد ہولے سے مسکرایا اور بولا:

''آج کی رات تمھارے مسائل کے اختتام کی رات ہے۔ کتنی عجب بات ہے میرے پاس گھر ہے مگر خاندان نہیں اور تمھارے پاس خاندان ہے مگر گھر نہیں۔۔۔۔''

ثم نے رنجیدہ ہو کر کہا:

''جس عورت کی محبت میں میں تمام ذلت برداشت کر رہا ہوں۔ جس کے آرام کے لئے میں سخت محنت کر رہا ہوں۔ اسے ہی جب احساس نہیں تو کیا فائدہ؟''

اجنبی اس کے کان میں سرگوشی کرتے ہوئے بولا:

''سمجھو! آج کی رات مرادیں پوری ہونے کی رات ہے اور تمھیں سانٹا کلاز مل گیا ہے اس لئے تمھاری ہر آرزو پوری ہوگی۔ اب میں پیشن گوئی کرتا ہوں کہ تمھارا باس نوکری چھوڑ کر چلا جائے گا اور تمھیں اس کی جاب دے دی جائے گی۔

رہا سوال گھر کا تو سمجھو تمھیں گھر کی ملکیت بھی مل ہی گئی ہے۔''

ثم حیرت زدہ سا ہو گیا۔ اس نے فوراً بے تابی سے پوچھا:

''کیسے؟ یہ سب کیسے ممکن ہے۔ وہ خواب مت مجھے دکھائیں جو ممکن نہیں ہیں۔ بھلا مجھے منیجر کی پوسٹ کیوں دی جائے گی اور منیجر نوکری کیوں چھوڑ کر جائے گا؟ گھر خریدنا اگر اتنا آسان ہوتا تو میں کب کا خرید چکا ہوتا۔ چھوڑیں صاحب شاید آپ پر بھی وہسکی کا نشہ چڑھ گیا ہے۔''

اجنبی پراسرار انداز میں مسکرایا اور پھر اس نے جیب سے اپنا کارڈ نکال کر اس کے ہاتھ میں رکھ دیا۔ ثم نے بے تابی سے اس پر نظر ڈالی۔ کارڈ پر لکھا تھا۔

اسکاٹ ٹریور۔
پراپرٹی ڈیلر

ثم کو ناگواری کا شدید احساس ہوا۔ اسے یقین تھا کہ وہ اسکاٹ نامی شخص اپنے کمیشن کے چکر میں اسے بے وقوف بنا رہا تھا۔ ثم نے مضبوط لہجے میں کہا:

''مسٹر اسکاٹ! آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ میرے اوپر ابھی بھی پچاس ہزار کا قرضہ ہے جو میں نے اپنی تعلیم کے لئے سرکار سے لیا تھا۔ دوسرا میرے پاس بیعانے کی رقم نہیں ہے۔ ایسے میں کون سا بینک ہمیں قرض دینے پر راضی ہوگا؟''

اسکاٹ نامی سیاہ پوش پر جوش لہجے میں بولا:

''یہ گھر میری ملکیت ہے۔ میں تو ورلڈ ٹور پر جا رہا ہوں۔ میں تمھیں یہ گھر rent to own option پر دے دیتا ہوں۔ تم ابھی کتنا کرایہ دے رہے ہو؟''

ثم نے جھجکتے ہوئے کہا:

''بارہ سو ڈالر۔''

اسکاٹ نے مسکرا کر کہا:

''بس ہر ماہ بارہ سو ڈالر میرے اکاؤنٹ میں جمع کرواتے جانا۔ اگلے دو سال میں یہ گھر تمھارا ہوگا۔''

ثم نے اسے خشک لبوں پر زبان پھیری اور بولا:

''آپ کو شاید غلط فہمی ہوئی ہے آپ مجھے گاڑی نہیں گھر بیچ رہے ہیں۔ اتنی رقم میں تو اچھی گاڑی نہیں آتی پھر گھر کیسے آئے گا؟''

اسکاٹ کی کانچ جیسی آنکھیں بالکل ہی بے رنگ سی ہو گئیں۔ وہ آہستگی سے بولا:

''مجھے بلڈ کینسر ہے۔ میرے پاس صرف تھوڑا وقت ہی بچا ہے۔ میں اسے گھوم پھر کر گزارنا چاہتا ہوں۔ میں ہسپتال میں پڑے پڑے موت کو گلے نہیں لگانا چاہتا۔ ڈاکٹروں نے مجھے دو سال کا وقت دیا ہے تم جو رقم مجھے بھیجتے رہو گے اس سے میرا ماہانہ خرچ پورا ہوتا رہے گا، اس سے زیادہ کی مجھے طمع نہیں ہے۔ میری کوئی اولاد نہیں اس لئے وارثوں کی عدم موجودگی کے باعث

میرے مرنے کے بعد میرا ہی گھر بحق سرکار ضبط ہو جائے گا، اس لئے میری خواہش ہے کہ تمھیں میں یہ گھر سونپ دوں۔ میرے گھر میں تمھارے بچوں کی چہکاریں گونجیں مجھے اس سے زیادہ کچھ نہیں چاہیئے۔ تمھارے پاس کل تک سوچنے کا وقت ہے۔ کل مجھے اسی شراب خانے میں ملنا اور کاغذات سائن کر کے گھر کی چابیاں لے جانا۔''

ثم نے بے یقینی سے سر اثبات میں ہلایا اور خاموشی سے گھر چلا گیا۔ وہ داخلی دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا، گھر میں صرف چند ٹیبل لیمپ جل رہے تھے۔ بچے اور اینڈریا سو چکے تھے۔ ثم کپڑے بدل کر آہستگی سے اینڈریا کے پہلو میں لیٹ گیا۔ کچھ دیر کروٹیں بدلنے کے بعد بالآخر اسے نیند آ ہی گئی۔

اگلی صبح بھی اینڈریا کا موڈ خراب تھا۔ ثم خاموشی سے کام پر چلا گیا۔ صبح ہوتے ہی اسے جھٹکا لگا جب اس کے دوستوں نے منیجر کے استعفیٰ دے کر رخصت ہونے کی خبر سنائی۔ ابھی ثم سنبھلنے پائی نہ پایا تھا کہ اسسٹنٹ ڈائریکٹر نے اسے منیجر بننے کی خوشخبری سنائی۔ ثم حیرت زدہ سا اسے تک رہا تھا۔ اچھی تنخواہ اور سالانہ بونس کی رقم سن کر وہ ششدر سا ہو گیا تھا۔ آج کا دن واقعی غیر معمولی تھا۔ ثم نے سارا دن نئی ذمہ داریاں سمجھتے ہوئے orientation میں گزارا۔ شام کو وہ دھڑکتے دل کے ساتھ گھر جانے کے بجائے سیدھا مقامی شراب خانے میں جا پہنچا۔ اس کی توقع کے برعکس اسکاٹ بھی وہاں موجود تھا۔ وہ اسے دیکھ کر پراسرار انداز میں مسکرایا ثم پرجوش طریقے سے اس کی جانب بڑھا اور کاندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا:

''آپ تو واقعی سانٹا کلاز نکلے۔ مجھے آفس میں ترقی مل گئی ہے۔''

اسکاٹ نامی سیاہ پوش نے اپنی بچی کھچی وہسکی کا گھونٹ لیا اور کاغذات اس کے سامنے رکھ دیئے۔ ثم نے دیکھا وہ واقعی میں گھر کی ملکیت کے کاغذات تھے۔ تین لاکھ ڈالر کی مالیت کا گھر اسے فقط تیس ہزار میں مل رہا

ماہنامہ ڈر ڈائجسٹ کی دستیابی

اختر بک ڈپو
فیصل بازار سرگودھا

سید نیوز ایجنسی
مین بازار دینہ
PH:0300-9528023

طارق بک ڈپو
لوہاری بازار سیالکوٹ
PH:052-4568440

محمد ناصر شیخ نیوز ایجنٹ
بھیرہ ضلع سرگودھا
0301-6799177

جھنگ نیوز ایجنسی
کمالیہ روڈ نزد ڈوبہ ٹیک سنگھ
PH:0321-7531597

معصوم نیوز ایجنسی
اسٹیشن روڈ جھنگ صدر
0333-8103489

سلطانی نیوز ایجنسی
لاری اڈہ چکوال
0334-8761952

تھا۔ اس نے بغیر کسی ہچکچاہٹ کے کاغذات پر دستخط کردیئے۔ اسکاٹ نے اس کے ہاتھ میں چابیاں رکھیں اور مسکرا کر بولا:

ویلکم ٹو 25 ہیون ویو ڈرائیو۔ اب آپ یہاں کے مستقل مکین بن جائیں گے۔"

ثم نے ہنس کر کہا:

"شکریہ۔"

اسکاٹ نے سر پر ٹوپی رکھی اور ایک عجب سی دھن پر سیٹی بجاتا ہوا رخصت ہوگیا۔

ثم نے فوراً کاغذات اٹھائے اور گھر کی جانب چل پڑا۔ اس نے راستے سے کنٹکی فرائڈ چکن، ایک کیرٹ کیک لیا۔ پھر فلاور شاپ سے ایک سرخ گلاب کا گلدستہ بھی لے لیا۔ وہ جیسے ہی گھر پہنچا اس نے بے تابی سے اینڈریا اور بچوں کو آوازیں دینی شروع کردیں۔ اس کی آوازیں سن کر وہ سب جمع ہوگئے۔ اینڈریا نے جب اتنا کچھ دیکھا تو بے اختیار بولی:

"ثم! مہینے کی آخری تاریخیں چل رہی ہیں اور تمہیں چونچلے سوجھ رہے ہیں۔"

ثم نے اسے اپنی بانہوں میں لے کر چکر دے ڈالا اور گنگناتی آواز میں بولا:

"ڈارلنگ! ہمارے دن بدل گئے ہیں ہم صاحب گھر بھی ہوگئے ہیں اور میری ترقی بھی ہوگئی۔ میں فرم کا مینیجر بن گیا ہوں۔"

اینڈریا خوشی کے مارے جھوم اٹھی۔ اس نے ثم کے گلے کا ہار بنتے ہوئے کہا:

"یہ سب راتوں رات کیسے ہوگیا؟"

ثم نے ہنس کر کہا:

"ڈارلنگ! میں نے سب پلان کیا ہوا تھا۔ بس تمہیں سرپرائز دینا چاہتا تھا۔"

اس نے مصمم فیصلہ کرلیا تھا کہ وہ اینڈریا اسکاٹ اور اس کی پیش کش کے متعلق کچھ نہیں بتائے گا۔

اگلی صبح ویک اینڈ تھا۔ ثم اور اینڈریا صبح صبح اٹھ کر تیار ہوگئے۔ بچوں کو انھوں نے ویک اینڈ فرنچ کلاس میں چھوڑا اور خود گھر دیکھنے چل پڑے۔ ثم نے مکان کا ایڈریس جی پی ایس پر ڈال لیا تھا۔ آدھے گھنٹے بعد شہر کی حدود ختم ہوگئیں اور مضافات شروع ہوگئے۔ ثم جی پی ایس کی ہدایات پر گاڑی موڑ رہا تھا۔ اینڈریا نے حیرت سے پوچھا:

"ثم! تمہیں راستہ تک نہیں پتا۔ پھر تم مکان دیکھنے کیسے آئے تھے؟"

ثم کے دل کی دھڑکن تیز ہوگئی مگر وہ بے پرواہی سے کاندھے آچکا کر بولا:

"اس وقت رات تھی۔ مجھے راستہ کیسے یاد رہ سکتا تھا۔"

آخر کار وہ 25 ہیون ویو کے سامنے پہنچ گئے۔ سفید رنگ کا وسیع و عریض گھر ان کے سامنے موجود تھا۔ گھر درختوں میں گھرا ہوا تھا۔ اینڈریا پرجوش انداز میں خوشی سے چیخیں مارتی ہوئی گاڑی سے اتری۔ ثم بھی ششدر سا تھا وہ اس قدر بڑا اور عظیم الشان گھر تصور نہیں کررہا تھا، یہ گھر تو شاید ملین ڈالر سے زیادہ مالیت کا تھا۔ گھر کے ساتھ فرنٹ انچیڈ گیراج بھی بنا ہوا تھا۔ اینڈریا تو خوشی سے پاگل ہوئی جارہی تھی اچانک وہ رک کر سرسراتی ہوئی آواز میں بولی:

"ثم! کیا تم بھی وہی دیکھ رہے ہو جو میں دیکھ رہی ہوں؟"

اس نے ایک جانب انگلی کا اشارہ کیا۔ ثم نے سر اٹھا کر دیکھا تو گھر سے متصل میدان درحقیقت میدان نہیں تھا بلکہ ایک وسیع و عریض قدیم قبرستان تھا۔ قبرستان کی دیوار پر۔

ہیون ویو قبرستان کا بورڈ لگا ہوا تھا۔ اینڈریا خوفزدہ ہوکر بولی:

"ثم! تم پاگل تو نہیں ہوگئے، تم نے ایک پرانے قدیم قبرستان کے ساتھ گھر خرید لیا ہے۔ تم جانتے بھی ہو کہ مجھے موت سے کتنا ڈر لگتا ہے۔ میں اپنی سگی ماں کی دفنانے کی رسومات میں شامل نہیں ہوئی تھی۔"

ثم خود حیرت زدہ تھا مگر اس نے اپنے تاثرات

قابو میں رکھتے ہوئے کہا:

"ڈارلنگ! اندر سے گھر دیکھو۔ بعد میں اس موضوع پر بات کرتے ہیں۔"

اینڈریا اس کے کہنے پر گھر کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی۔ ثم بھی بجھے دل سے اس کے پیچھے پیچھے اندر داخل ہوا۔ اندر داخل ہوتے ہی دونوں کو حیرت کا دھچکا لگا۔ گھر بہت کشادہ، روشن اور ہوادار تھا۔ سامنے نشست گاہ تھی جس کا فرش لکڑی کا بنا ہوا تھا۔ بہت ہی خوبصورت اور مہنگا بھاری فرنیچر اس میں سجا ہوا تھا۔ ایک کونے میں بڑا سا پیانو پڑا تھا۔ دبیز ایرانی قالین فرش پر بچھا ہوا تھا۔ ایک کونے میں آتش دان تھا اس کے قریب لکڑیاں نفاست سے ڈھیر میں لگی ہوئی تھیں۔

اینڈریا تو جیسے خوشی سے جھوم سی گئی۔ وہ دونوں جلدی جلدی پہلے نچلے فلور پر ہر کمرے میں گئے۔ مین فلور پر کچن، آفس، ڈائننگ روم، سٹڈی روم، ایک ہاف باتھ روم اور ایک گیسٹ روم تھا۔ گھر کے مکینوں کے سونے کے لئے چار خوبصورت اور کشادہ بیڈروم اوپر تھے۔ ہر کمرے کے ساتھ علیحدہ باتھ روم بھی موجود تھا۔ ان کی توقعات کے برخلاف ہر کمرہ مکمل۔ فرنشڈ تھا۔ کچن کی الماریوں میں خوبصورت اور مہنگی کراکری تک موجود تھی۔ باتھ رومز کی الماریوں میں مہنگے نئے تولیے، باتھ روب، مہنگے صابن، شیمپو تک موجود تھے۔ ثم خود حیرت زدہ سا تھا۔ اسے یہ سب ایلی کے خواب نگر جیسا محسوس ہورہا تھا۔ اینڈریا خوشی اور بے یقینی سے ہر چیز کو ہاتھ لگا لگا کر دیکھتی اور خوشی سے پھولے نہ سمارہی تھی، وہ بار بار کہتی:

"ثم! ہماری تو لاٹری نکل آئی ہے۔ میں کرائے کے مکان سے صرف کپڑے اٹھاؤں گی، باقی سامان کنجوس مسٹر اسمتھ کو تحفے میں دے دیں گے۔"

اب وہ گھر سے متصل قبرستان کو مکمل طور پر بھول چکی تھی۔ واپسی کے تمام راستے وہ چہکتی رہی۔ ثم بے دلی سے ہاں ہوں کرتا رہا۔ اس کی چھٹی حس کسی چیز کے غلط ہونے کی نشاندہی کررہی تھی مگر کیا چیز غلط تھی وہ اس کی وضاحت نہیں کرپارہا تھا۔

اگلے دو دن میں وہ 25 ہیون ویو میں شفٹ ہوگئے۔ بچے قبرستان دیکھ کر خوفزدہ ہوئے مگر ثم نے ہنس کر کہا:

"ارے بچوں! ان مردوں سے کیا ڈرنا؟ یہ تو بہت امن پسند پڑوسی ہیں جو ہمیں کبھی بھی نہیں ستائیں گے۔"

بچے اور اینڈریا یہ سن کر کھلکھلا کر ہنس پڑے۔

25 ہیون ویو میں زندگی کی لہر دوڑ گئی تھی۔ رات میں بچے جلد بستروں پر چلے گئے۔ اینڈریا اور ثم بھی تھک کر سونے چلے گئے۔

رات کے وسط میں ثم کی آنکھ کھل گئی۔ اسے لگا جیسے کوئی مین فلور پر چل رہا تھا۔ گھر بہت زیادہ ٹھنڈا محسوس ہورہا تھا۔ ایسے لگ رہا تھا جیسے وہ کسی برف زار میں موجود تھے۔ ثم دبے پاؤں اٹھا اس نے بے اختیار ہی کھڑکی سے باہر جھانکا اور خوف سے منجمد ہوکر رہ گیا۔ اس نے اپنی آنکھیں ملیں۔ باہر شدید برف باری شروع ہوچکی تھی۔ ہیون ویو قبرستان میں بہت سارے لوگ ایک دائرے میں کھڑے تھے۔ ان کے بیچ میں آگ کا الاؤ جل رہا تھا۔ وہ کسی عجب زبان میں کوئی جاپ کررہے تھے۔

ثم تیزی سے سیڑھیاں اتر کر نیچے آیا اس نے اپنا گرم کوٹ پہنا اور داخلی دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ وہ مکان کی پائیں طرف سے قبرستان پہنچ گیا۔ اسے حیرت کا جھٹکا لگا قبرستان میں برف منقود تھی۔ صرف قبروں کے سفید کتبے نظر آرہے تھے۔ کوئی ہیوم یا آگ کا الاؤ موجود نہیں تھا۔ گرمیوں کی رات میں وہ گرم کوٹ اسے چبھ رہا تھا۔ ثم نے بے بسی سے سوچا:

"کیا میں تھک زیادہ گیا ہوں جو جاگتی آنکھوں سے خواب دیکھنے لگا ہوں؟"

اس کے پاس اپنے کسی سوال کا جواب نہیں تھا۔

صبح زندگی کی گہما گہمی لے کر آئی۔ اینڈریا نے کچن سے ناشتہ بناتے بناتے اسے یک دم آواز دی۔ وہ اس کی آواز سن کر بھاگا گیا۔ اینڈریا پینٹری کا دروازہ

کھول کر ہونق بنی کھڑی تھی۔ اس نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا:

''ٹم! اس دیوار میں دیکھو چور راستہ ہے۔''

اس نے ایک لیور دبایا اور پینٹری کی دیوار میں ایک دروازہ برآمد ہوا۔ ٹم نے بے اختیار ہی سرچ لائٹ پکڑ لی۔ اینڈریا اس کے پیچھے پیچھے چلی آئی۔ وہ دروازہ درحقیقت تہہ خانے کا راستہ تھا۔ ٹم اور اینڈریا دبے پاؤں نیچے اترے۔ تہہ خانے میں عجیب وغریب سی بدبو تھی۔ ٹم کو یہ بدبو مردہ جسم جیسی محسوس ہوئی۔ ٹم نے دیکھا تہہ خانے میں لمبی لمبی اسٹیل کی میزیں لگی ہوئی تھیں۔ ایک طرف لمبے واشر لگے ہوئے تھے۔ مختلف الماریوں میں مختلف پوشاکیں، میک اپ کا سامان، جسم حنوط کرنے کے لئے مختلف مصالحہ جات پڑے تھے۔ ایک طرف ایک بھٹی لگی ہوئی تھی۔ ٹم نے بھٹی کا دروازہ کھولا اس میں انسانی ہڈیاں جلی ہوئی پڑی تھیں۔ ایک جانب کچھ تابوت پڑے تھے۔ دیوار کے اوپر جلی حروف میں خوش آمدید ہیون ویو مردہ خانہ پارلر۔ لکھا ہوا تھا، اس کے نیچے اسکاٹ کی تصویر لگی ہوئی تھی۔ تصویر سے پتا چل رہا تھا کہ اسکاٹ پراپرٹی ڈیلر نہیں بلکہ مردہ خانے کا نگران تھا۔ ٹم کے ہاتھ سے فلیش لائٹ گر گئی وہ پھٹی پھٹی آواز میں بولا:

''یہ گھر نہیں مردہ خانہ تھا۔ یہاں پر مردوں کی آخری رسومات ادا کی جاتی تھیں۔ وہ جانتا تھا مگر اس نے ہمیں یہ گھر پھر بھی بیچ دیا۔''

اینڈریا نے اچانک اس کا ہاتھ پکڑا اور اسے کھینچتی ہوئی اوپر لے گئی۔ اس نے اوپر آ کر پھرتی سے چور دروازہ بند کر دیا اور بولی:

''ٹم! اس بات کا بچوں کو پتا نہیں چلنا چاہیے۔ ہمیں یہ گھر سامان سمیت ملا ہے۔ میں اب کسی قیمت پر اس گھر کو چھوڑنا نہیں چاہتی۔ یاد کرو تم نے ہی کہا تھا کہ مردوں سے اچھا ہمسایہ کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔''

ٹم خاموش ہو گیا۔ مگر اس کے دل کو انہونی کا دھڑکا سا لگ گیا تھا۔ اس کے کان میں اس کے پاپا کی نصیحت گونجی:

''ٹم! پتا ہے مکھی مکڑے کے جال میں کیسے پھنستی ہے؟

مکڑا لالچ کا دام بچھاتا ہے اور مکھی لالچ کی انگلی پکڑے اس جال میں پھنس جاتی ہے۔

اس دنیا میں اگر کبھی کوئی ایسا سودا دیکھو جس میں انتہائی سستے داموں ایک بہترین چیز تمہیں فروخت کی جا رہی ہے تو سمجھ جانا کہ دام بچھ چکا ہے اور تم مکھی کی طرح اس جال میں پھنسنے والے ہو۔

Any deal that is good to be true will stuck in your throat.

ٹم نے افسوس میں سر ہلایا اس کی چھٹی حس چیخ چیخ کر بتا رہی تھی کہ وہ دام میں پھنس چکا تھا۔ وہ پژمردہ سا دفتر کی جانب روانہ ہو گیا۔

اگلے کئی دن بہت عجیب وغریب اور خوفزدہ کرنے والے تھے۔ بچوں نے شکایت کرنی شروع کر دی کہ کالے کپڑوں میں ملبوس خوفناک شکل کے لوگ اکثر ان کے پچھلے باغ میں آ جاتے ہیں اور مستقل انہیں اپنی جانب بلاتے رہتے ہیں۔

گھر میں بھی اکثر اوقات شدید قسم کی بدبو پھیل جاتی، کبھی دروازے کھڑکیاں خود بخود کھلتے اور بند ہوتے نظر آتے تھے۔ اکثر اوقات سرگوشیاں سنائی دیتیں۔ اینڈریا کو اکثر کچن میں خون پڑا ملتا۔ فریج میں رکھی چیزیں اکثر گم ہو جاتیں۔ ایک دو دفعہ کھانے کے برتنوں سے خون اور سڑا ہوا گوشت نکلا۔ اینڈریا نے بھی ایک دو دفعہ گھر میں پراسرار عورتوں کی موجودگی محسوس کی مگر جب وہ قریب گئی تو وہ غائب ہو گئیں۔ وہ بچے جو کبھی بیمار نہیں ہوئے تھے اب اکثر بیمار رہنے لگے تھے۔ گھر میں لڑائی جھگڑے اور بے سکونی بڑھتی جا رہی تھی۔ اب اینڈریا کو احساس ہوتا کہ صرف اچھی تنخواہ اور گھر کی ملکیت ہی خوشحال زندگی کی ضمانت نہیں ہے۔ وہ اکثر مسز اسمتھ کا چھوٹا سا ٹاؤن ہاؤس یاد کرتی جہاں پر کم از کم

وہ پرسکون تھے مگر صرف اپنی خواہشات کی اندھی طلب میں وہ کبھی کبھی میاں سے لڑ پڑتی تھی۔ اس نے ٹم سے ہار ہا کہا:

''ٹم! اس گھر میں عجب سی نحوست کے سائے ہیں، چلو واپس کرائے کے مکان میں چلتے ہیں۔''

ٹم طنزیہ انداز میں ہنس دیا، پھر اس نے تفصیل سے اینڈریا کو چار ماہ پہلے کا قصہ سنا دیا کہ کس طرح وہ اسکاٹ نامی شخص سے ملا اور کس طرح اسے نہ صرف ترقی مل گئی بلکہ گھر بھی صرف تیس ہزار ڈالر میں مل گیا۔ اس نے یاسیت سے کہا:

''تم بھول رہی ہو، ابھی صرف چار ماہ گزرے ہیں میں دو سال تک قسطیں دینے کا پابند ہوں۔ اس اثنا میں ہم کیسے دوسری رہائش گاہ افورڈ کر سکیں گے۔ اب یہی ہمارا گھر ہے۔''

اینڈریا کا سکون وشباب کو بھی دن بدن گرہن سا لگتا جا رہا تھا۔ بچوں کا وزن بھی گرتا جا رہا تھا۔ ٹم یہ سب دیکھ کر جلتا کڑھتا مگر اس کا دماغ اس صورتحال سے نمٹنے کا کوئی حل نہیں نکال پاتا تھا۔

ایک ایسی ہی اداس شام کو واپس گھر آتے وقت وہ ایک انجانے احساس کے تحت قبرستان کے پاس رک گیا۔ اس نے کچھ سوچ کر گاڑی پارک کی اور تھکے تھکے قدموں سے گاڑی سے باہر نکلا اور قبرستان کی روش پر دھیرے دھیرے قدم رکھتا چل پڑا۔ اس نے محسوس کیا کہ اگرچہ موسم خزاں شروع ہو چکا تھا مگر اس کی شدت قبرستان میں کچھ زیادہ ہی محسوس ہو رہی تھی۔ تمام گھاس سوکھ چکی تھی۔ درختوں سے زرد پتے جھڑ بھی چکے تھے۔ پتوں کے ڈھیر قبروں پر پڑے ہوئے تھے۔ ٹنڈ منڈ ٹہنیاں برہنہ سی لگ رہی تھیں۔۔۔۔ اس کے سر پر جیسے چیونٹیاں سی رینگنے لگیں۔ اسے پتا تھا کہ شہر بھر میں ایسا قبرستان کا سماں اس نے نہیں دیکھا تھا۔ اس نے محسوس کیا کہ بظاہر ساکت و صامد کھڑے کتبے اسے بہ زبان خاموشی کوئی پیغام دے رہے تھے۔ درختوں کی ٹہنیاں چھو کر آتی ہوا میں کوئی پکار تھی۔

اسے لگا جیسے بہت سارے لوگ دبی دبی آواز میں سرگوشیاں کر رہے تھے۔ اسے بے شمار نگراں آنکھوں کی موجودگی کا احساس ہوا۔ اس کے ماتھے پر پسینہ سا آنے لگا۔ اس کے دل کی دھڑکنیں تیز سے تیز تر ہوتی جا رہی تھیں۔ وہ اپنے آپ کو پرسکون رکھنے کی بھرپور کوشش کرنے میں مصروف تھا۔ اس نے دھیان بٹانے کے لئے قبروں کے کتبے پڑھنے شروع کر دیئے۔

افق پر سورج دھیرے دھیرے ڈوب رہا تھا۔ اب دن کی روشنی مجلجے اندھیرے سے ہارنے والی تھی۔

یکا یک اس کے کاندھے پر کسی نے ہاتھ رکھا۔ ٹم کا دل اچھل کر اس کے حلق میں آ گیا۔ اس نے دہل کر مڑ کر دیکھا وہ ایک جوان سال عورت تھی۔ کسی وقت میں اس کا شمار حسین عورتوں میں ہوتا ہو گا مگر اس وقت اس کے چہرہ کی رنگت بہت زیادہ سفید تھی۔ اس کی آنکھیں ہلکے نیلے رنگ کی تھیں مگر وہ بے جان کانچ کے ٹکڑوں کی مانند لگ رہی تھیں۔ اس عورت نے سیاہ رنگ کا طویل اسکرٹ پہنا ہوا تھا۔ اس کے چہرے پر حزن کا پہرا تھا۔ اسے دیکھ کر پتا نہیں کیوں ٹم کو اسکاٹ یاد آ گیا۔ وہ عورت دبی ہوئی مگر بیٹھی بیٹھی آواز میں بولی:

''تم جلد از جلد اس گھر سے دور چلے جاؤ ورنہ ابد تک کے لئے اسی جگہ پر قید کر دیئے جاؤ گے۔ اسکاٹ اور اس کے چیلوں کو تمہاری خوبصورت بیوی اور بچوں کا بلیدان چاہیئے۔ وہ تمہیں اس مردہ خانے پارلر کا نگران بنا دینا چاہتے ہیں۔ خدارا! بھاگ جاؤ یہاں سے۔۔۔۔۔ اس سے پہلے کہ دیر ہو جائے۔ یہ ہیون ویو نہیں ہے بلکہ درحقیقت جہنم کا دروازہ ہے۔ یہاں ہر منظر ہر چیز میں دھوکا ہے۔''

ٹم نے ناسمجھی سے سر ہلایا اور کہا:

''آپ کون ہیں خاتون؟

آپ کیسی پاگلوں والی باتیں کر رہی ہیں؟''

وہ عورت بہت خوفزدہ لگ رہی تھی۔ وہ ہولے سے بولی:

''میں ڈورتھی ولیمز تھی۔ مگر اب۔۔۔۔''

اچانک اس کی آنکھیں خوف کے مارے ابل سی آئیں۔ وہ پھٹی پھٹی آواز میں بولی:

''تمھیں تنبیہہ کرنے کی حرکت مجھے بہت مہنگی پڑے گی۔ خدارا! اپنے بیوی بچے لے کر اس منحوس مکان سے بھاگ جاؤ۔ اپنی اپنی جان بچاؤ۔ اس سے پہلے کہ بہت دیر ہو جائے۔''

اچانک کسی کے چلنے کی چاپ سنائی دی۔ وہ عورت اچانک خوفزدہ سی ہو کر ایک سمت بھاگ گئی۔ ٹم اس کے پیچھے بھاگا مگر وہ درختوں میں روپوش ہو گئی۔ ٹم بے اختیار اس سمت چل پڑا۔ اس نے جیب سے ٹارچ نکال لی کیونکہ اچانک اندھیرا بہت بڑھ گیا تھا۔ وہ اندازے سے چلتا رہا اچانک ایک قبر کے کتبے سے اس کو ٹھوکر لگی۔ اس نے قبر کے کتبے پر روشنی ڈالی۔ کتبے پر لکھا تھا۔

ڈورتھی ولیمز۔

تاریخ پیدائش:1980۔

تاریخ وفات:2005

ایک محبت کرنے والی ماں اور خوبصورت بیوی۔

اس کے برابر ہی ایک قبر ولیمز ہینسن کے نام کی بھی موجود تھی۔ دو چھوٹی قبریں پٹریشیا ولیم اور جونز ولیم کے ناموں سے ان کی قبروں کے بیچ میں بنی ہوئی تھیں نام پڑھ کر ٹم کو اندازہ ہوا کہ وہ قبریں ان کے بچوں کی تھیں۔ سب کی تاریخ وفات ایک ہی تھی۔

ٹم کے ہاتھ سے ٹارچ گر گئی۔ اس کا جسم کانپنے لگا۔ اس نے ٹارچ اٹھائی اور اندھا دھند واپس گھر کی طرف بھاگ گیا۔

اس کی چھٹی حس چیخ چیخ کر کہہ رہی تھی کہ وہ کسی بڑے شیطانی چکر میں پھنس گیا تھا۔ اس نے بہت مشکل سے اینڈریا اور بچوں کے سونے کا انتظار کیا۔ پھر وہ دبے پاؤں اٹھا اور پینٹری کا چور دروازہ کھول کر تہہ خانے میں چلا آیا۔ اس کی توقع کے مطابق تہہ خانے میں روشنی جلی ہوئی تھی اور لوگوں کے بولنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ وہ دبے پاؤں سیڑھیوں سے نیچے اترا۔ اس نے چھپ کر ڈرتے ڈرتے جھانکا۔ دس کے قریب سیاہ پوشوں نے ایک عورت کے گرد گھیرا ڈالا ہوا تھا۔ ٹم نے اپنی آنکھوں کو سکیڑا اور ششدر سا ہو گیا۔ اسکاٹ ان لوگوں کا سربراہ تھا۔ ان کے بیچ میں ڈورتھی کھڑی بری طرح رو رہی تھی۔ اسکاٹ نے سفاک لہجے میں کہا:

''ڈورتھی! تمھیں پتا ہے کہ ہمیں اس قبرستان میں زندہ رہنے کے لئے بچوں اور خوبصورت عورتوں کی قربانی چاہیے ہوتی ہے، ہم آہستہ آہستہ ٹم کی بیوی اور بچوں کی توانائی جذب کر رہے ہیں مگر ساتھ ساتھ ہم چاہتے ہیں کہ مردہ خانہ پارلر ٹم کی نگرانی میں چل پڑے تاکہ مردوں کی اختتامی رسومات کے بہانے یہاں بچوں اور خوبصورت عورتوں کا آنا جانا رہے اور ہماری خوراک ہمیں ملتی رہے مگر تم نے آج ٹم کو تنبیہہ کرنے کی غلطی کیوں کی؟ تم بھول گئی تھی کہ اب تم بھی انسان نہیں بلکہ ایک زومبی zombie ہو۔

جسے خوراک کے لئے زندہ انسانوں کی ضرورت ہے۔''

ڈورتھی نے روتے روتے سر اٹھایا، ٹم کو محسوس ہوا کہ اس نے اسے دیکھ لیا تھا اس نے آنکھ خاص انداز میں جھپکی اور بولی:

''چودہ سال پہلے بھی میرے میاں ولیمز کو تم لوگوں نے اسی گھر کی ملکیت فروخت کر کے یہی مردہ خانہ پارلر دوبارہ چلانے کا خواب دکھایا تھا۔ لیکن ولیمز خوف سے ہی ہارٹ اٹیک کے باعث مر گیا اور تم لوگوں نے میرے سامنے میرے معصوم بچوں کا بلیدان لے کر مجھے اور انھیں زومبی بنا دیا تھا۔ مجھے اور میرے خاندان کو اس شیطانی قبرستان میں دفنا کر ہمیشہ کے لئے یہیں پر قید کر دیا مگر میں اب کسی بیگناہ پر یہ ظلم نہیں ہونے دوں گی۔ کاش میں اس وقت جانتی ہوتی کہ اگر اس گھر کو جلا دیا جائے تو قبرستان کا نام و نشان بھی مٹ جائے گا اور تمام زومبیز جہنم واصل ہو جائیں گے۔ بدی کا نشان اس شہر سے ختم ہو جائے گا۔''

اسکاٹ نے چلا کر کہا:

''خبیث ناشکری عورت! میں نے تجھے ابدی زندگی عطا کی ہے۔''

ڈورتھی نفرت سے زمین پر تھوک کر بولی:

''صرف گاڈ کے اختیار میں ابدی زندگی ہے۔ تم لوگ شیطان کے پجاری ہو۔ میں اسے زندگی نہیں بددعا سمجھتی ہوں۔ موت کا مطلب اخروی زندگی کا انتظار ہے۔ مجھے موت قبول ہے مگر لوگوں کے جسموں سے زندگی کشید کرنا منظور نہیں۔ میں ایک اچھی نیک روح ہوں مجھے یقین ہے کہ گاڈ میرے ساتھ رحم کا معاملہ کرے گا۔

کاش ٹم کو کسی طرح پتا چل جائے کہ کل چودھویں کی رات ہے اور کل اگر وہ گھر جلا دے گا تو تم سب بدروحوں کا خاتمہ ہو جائے گا۔''

ٹم دبے پاؤں واپس پلٹ گیا اسے سمجھ آ گیا تھا کہ نیک دل ڈورتھی ولیمز نے اسے نہ صرف دیکھ لیا تھا بلکہ ان شیطان زومبیوں سے بات چیت کے بہانے اسے مسئلے کا حل بھی بتا دیا تھا۔

ٹم نے اگلی صبح اینڈریا کو تیار ہونے کا کہا۔ اینڈریا سمجھ گئی کہ کوئی خاص بات ہی ہے۔ اس نے خاموشی سے اپنے اور بچوں کی تیاری کی اور ٹم کے ساتھ چل پڑی۔ ٹم انھیں لے کر مسٹر اسمتھ کے پرانے ٹاؤن ہاؤس میں لے آیا۔ اتفاق سے مسٹر اسمتھ نے لالچ کے بارے ان کا پرانا فرنیچر اور استعمال کی چیزیں پھینکی نہیں تھیں۔ ٹم نے محسوس کیا کہ بچے اور اینڈریا کھل سے گئے تھے۔ ٹم نے اینڈریا اور بچوں کو پیار کیا اور ہنس کر بولا:

''میں نو بجے تک گھر پہنچ جاؤں گا۔ میرا کھانے پر انتظار کرنا۔''

ٹم دفتر پہنچا ہی تھا کہ اسے پتا چلا کہ اس کی جگہ کسی اور کو منیجر رکھ لیا گیا ہے اور اسے ورکرز کا سپروائزر بنا دیا گیا ہے۔ ٹم نے مسکراتے ہوئے سیفٹی جوتے پہنے ہیلمٹ سر پر رکھا اور کام میں جت گیا۔ اس کے دوستوں نے اس کے ساتھ ہمدردی کرنی چاہی مگر وہ ہنس کر بولا:

''زندگی ترقی کی دوڑ کا نام نہیں۔ جینے کا نام ہے۔ میں منیجر کی پوسٹ کے لائق نہیں تھا۔''

شام سر پر آئی تو ٹم نے پٹرول پمپ پر رک کر بیس لیٹر پٹرول کے ڈبے خریدے اور سیٹی بجاتا اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گیا۔ آسمان پر چودھویں کا چاند نکل چکا تھا۔ ٹم نے 25 ہیون ویو کے سامنے گاڑی پارک کی۔ پٹرول کے ڈبے نکال کر گھر کے سامنے پہنچ کر ایک ثانیے کے لیے وہ رکا اور پھر تیزی سے اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔ اس نے باہر نکل کر سر اٹھا کر وسیع و عریض گھر کی طرف دیکھا۔

اچانک اسے عجب آواز میں منتر پڑھنے کی آواز آئی۔ اس نے دیکھا ہیون ویو قبرستان کی تمام قبریں کھل چکی تھیں ان میں سے سیاہ پوش زومبی نما انسان اس کی طرف بڑھتے چلے آ رہے تھے۔ ان کے منہ سے رالیں ٹپک رہی تھیں۔ ان کے سفید دانت بہت خوفناک لگ رہے تھے۔ ٹم ایک لمحے کے لئے ڈر سا گیا مگر اسے ڈورتھی کی ہدایت یاد آ گئی، اس نے جلتی ماچس نام نہاد گھر درحقیقت مردہ خانے کی طرف اچھال دی۔

شیطانی مردہ خانے نے آناً فاناً آگ پکڑ لی۔ انسان نما زومبیز اب چیخیں مارتی زمین پر لوٹتی پھر رہی تھیں۔ ہر طرف تیز آندھی چھا گئی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے تمام شیطانی زومبیز کے جسم راکھ کے ڈھیر میں بدل گئے، اسی اثنا میں ہیون ویو مردہ خانہ بھی راکھ کے ڈھیر میں تبدیل ہو چکا تھا۔ اب دور دور تک خاموشی کی حکمرانی تھی۔ قبرستان اور مردہ خانہ زمین کے چہرے سے غائب ہو چکے تھے۔

ٹم نے سیٹی بجاتے ہوئے گاڑی اسٹارٹ کی اور اپنا رخ اپنے آشیانے کی جانب کر لیا جہاں اس کی محبت اور اس کے بچے بے تابی سے اس کے منتظر تھے۔

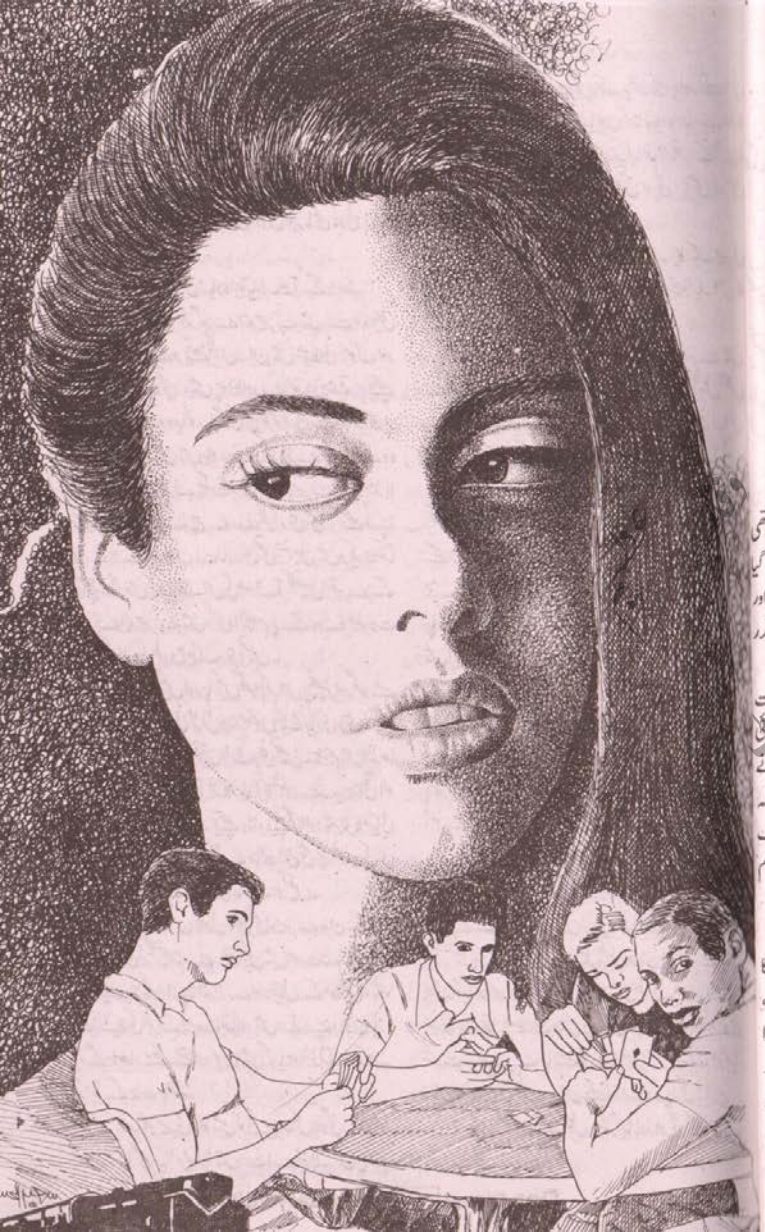

موت کی سرگوشی

مظہر الحق علوی

قسط نمبر 2

ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دینے والے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں جنم لینے والی جسم و جاں پر کپکپی طاری کرتی اور روح کو دھلا دینے والی کہانی جو کہ پڑھنے والوں کو تحیر کے سمندر میں غوطہ زن کرکے رکھ دے گی صدیوں بعد ہارر کہانیوں کے متلاشی لوگوں کے لئے تحفۂ خاص

ایک ایسے..... شخص کی داستان حیرت جو مرنے کے بعد تابوت..... سے نکل آیا تھا

جب مجھ پر دبا کا حملہ ہوا تو وہ صبح تھی۔ بلکہ سویرا تھا۔ راہب سے ملاقات ہوئی تو آٹھ بج چکے تھے اور جب پھل فروش کی حالت اس سے بیان کررہا تھا جو غریب مر ہی گیا آخر۔ تو آٹھ بج کر چند منٹ ہوئے تھے۔ اب اگر میری بیماری چند گھنٹوں تک قائم رہی تھی تو مجھ پر دوپہر کے قریب سکتہ طاری ہوا ہوگا یا جیسا کہ وہاں کھڑے ہوئے لوگوں نے سمجھا۔ دوپہر کے آس پاس میں مر گیا ہوں گا۔ اس صورت میں ان لوگوں نے جلد از جلد مجھے دفن کردیا ہوگا کم سے کم سورج غروب ہونے سے پہلے مجھے ضرور دفن کردیا ہوگا۔

اس حساب سے میں نے فیصلہ کیا۔ یہ جو گجر میں نے سنا تو یہ آدھی رات کا گجر ہوگا۔ میری تدفین کے دن کی آدھی رات یعنی اس دن کی رات کے بارہ بجے تھے جس دن مجھے زندہ درگور کیا گیا تھا۔

میں کانپ گیا تھا۔

ایک طرح کا ہیجانی خوف مجھ پر طاری ہونے لگا۔ میں جسمانی طور پر مضبوط اور باہمت آدمی تھا اور تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود میں توہم پرست بھی تھا بہت تھوڑا یہ توہم پرستی ہم نیو پولیٹنوں کی فطرت ہے۔ ہماری گھٹی میں پڑی ہے اور گجر کی اس گرجدار آواز میں کوئی ناقابل بیان خوفناک اثر تھا کہ یہ آواز اس بدنصیب کے کانوں سے ٹکرا رہی تھی جسے اپنے اجداد کے خاندانی ہڑوا میں زندہ ہی دفن کردیا گیا تھا اور اس کے چاروں طرف اس کے اجداد کے تابوت اور ان میں ان کی ہڈیاں اور گلتی ہوئی لاشیں تھی۔ اور وہ اس قدر قریب کہ وہ بدنصیب ہاتھ بڑھا کر انہیں چھو سکتا تھا۔

میں نے اپنے خوف پر قابو پانے اور اپنی ہمت بندھانے کی کوشش کی اور اب میں یہاں سے نکلنے کی کوئی آسان اور بہترین ترکیب سوچ رہا تھا۔ میں نے تہہ خانے کے زینے تک۔ اگر ممکن ہو تو کسی طرح پہنچ جانے کا فیصلہ کیا۔ یہ فیصلہ کرنے کے بعد میں نے اپنے ہاتھ کی طرف بڑھا دیئے، اور آہستہ آہستہ بے حد احتیاط سے، قدم بہ قدم آگے بڑھنے لگا۔

ارے! کیا تھا وہ؟

میں چلتے چلتے ایک دم سے ٹھہر گیا۔ میں سننے لگا میری رگوں میں خون جمد ہو گیا۔ ایک تیکھی، لمبی، بھیانک، کھوکھلی سی چیخ تھی وہ جو میرے مقبرے کی محرابوں سے ٹکرا کر اندھیرے میں گونج گئی۔ میرا پورا جسم پسینے میں نہا گیا۔ میرا دل زور زور سے دھڑکنے بلکہ پسلیوں سے ٹکرانے لگا۔ بار بار۔ وہ چیخ گونجنے لگی اور ساتھ ہی بازوؤں کی پھڑپھڑاہٹ اور سنسناہٹ سنائی دی۔

میں نے ایک لمبا سانس لیا۔

"ہت تیری کی۔ الو ہے یہ تو۔" میں نے اپنے خوف سے خود ہی شرمندہ ہو کر کہا۔ "ایک بے ضرر معصوم پرندہ۔ ویرانوں کا باسی اور مُردوں کا نگہبان اور ساتھی چنانچہ یہی وجہ ہے کہ اس کی آواز ایسی اداس اور ماتمی ہوتی ہے۔ لیکن بے ضرر ہے یہ۔"

اور میں اور بھی زیادہ احتیاط سے آگے بڑھا۔

دفعتاً دبیز اور گہرے اندھیرے میں سے وہ پیلی پیلی آنکھیں مجھے دیکھنے لگیں۔ ان میں شیطانی بھوک اور سفاکی کی چمک تھی۔ میں چونکا اور بے اختیار چند قدم پیچھے ہٹ گیا اور تب وہ جانور باگھ کی سی خونخواری سے اُڑ کر مجھ پر جھپٹ پڑا اور میں اس بلا سے جوکھی لڑنے لگا۔ کیونکہ وہ میرے چاروں طرف چکر لگا رہی تھی اور میرے سر پر منڈلا رہی تھی۔ وہ میرے چہرے سے ٹکرا رہی تھی۔ مجھے اپنے بڑے بڑے بازوؤں سے مار رہی تھی جنہیں میں دیکھ نہ سکتا تھا البتہ محسوس کر رہا تھا۔ اس کی صرف آنکھیں مقبرے کے گہرے اندھیرے میں، کسی انتقام پر تلے ہوئے عفریت کی آنکھوں کی طرح چمک رہی تھیں۔

میں دائیں اور بائیں گھوم کر اس پر تھپڑ اور گھونسے چلا رہا تھا۔ یہ گھناؤنی لڑائی چند منٹوں تک جاری رہی۔ میرا سر چکرا رہا تھا، میری آنتیں الٹ رہی تھیں۔ تاہم میں اندھا دھند یہ مقابلہ کرتا رہا۔ آخر کار خدا کا شکر ہے۔ یہ جناتی الو تھک گیا۔ وہ پھڑ پھڑا کر پیچھے ہٹا، نیچے گرا اور پھر ناکامیابی پر غصے اور جھنجلاہٹ کی چیخ کے ساتھ اس کی چراغوں کی سی آنکھیں اندھیرے میں کہیں غائب ہو گئیں۔

میری سانس پھول رہی تھی، میرے بدن کے تمام اعصاب تن کر جھنجھنا رہے تھے لیکن میں ہمت نہ ہارا تھا میں اب ایک بار پھر، اپنے اندازے اور خیال کے مطابق، پتھر کے زینے کی طرف بڑھ رہا تھا اور میں نے اپنے دونوں بازو آگے بڑھا رکھے تھے اور یوں میں گویا ہوا ٹٹولتا ہوا قدم بہ قدم آگے بڑھ رہا تھا۔

اور پھر میری راہ میں کوئی چیز حائل ہو گئی۔ سرد اور ٹھوس۔ کیا تھی یہ؟ دیوار؟ میں نے اسے ٹٹولا۔ اس پر اوپر سے نیچے اور پھر نیچے سے اوپر تک ہاتھ پھیرا اور مجھے اس میں ایک شگاف محسوس ہوا۔ یا یوں کہنا زیادہ مناسب ہو گا کہ میرے ہاتھوں نے محسوس کیا۔ یہ کیا تھا؟ پتھر کے زینے کی پہلی سیڑھی؟ میں نے سوچا۔ اتنی اونچی سیڑھی ہو سکتی ہے؟ کافی بلند تھی وہ۔

میں احتیاط سے اسے ٹٹولنے لگا۔ یکا یک میری ٹٹولتی ہوئی انگلیوں نے کسی نرم اور لجلجی چیز کو چھو لیا۔ اس کا لمس گیلے مخمل یا کائی کی طرح محسوس ہوا۔

ایک طرح کی کراہیت محسوس کرتے ہوئے میں نے اسے ٹٹولا تو میری انگلیوں نے اس چیز کی مستطیل شکل سے مجھے بتایا کہ یہ تابوت تھا۔ یہ عجیب بات ہے کہ اس انکشاف کا مجھ پر کچھ زیادہ اثر نہ ہوا مجھے پھریری تک نہ آئی۔

اب میں دھات کے وہ ابھرے ہوئے پھول ٹکڑے شمار کر رہا تھا۔ جو تابوت پر سجاوٹ کے لئے جڑے گئے تھے۔ آٹھ دھات کے آٹھ ٹکڑے اس کی لمبائی میں جڑے ہوئے تھے جن کے بیچ میں وہ گیلا مخمل تھا اور..... چار ٹکڑے چوڑائی میں اور یکا یک ایک ٹیس سی میرے دل میں اٹھ کر پورے جسم میں دوڑ گئی اور میں نے جلدی سے اپنا ہاتھ واپس کھینچ لیا کیونکہ اب میری سمجھ میں آ گیا تھا کہ یہ تابوت کس کا تھا۔ میرے والد کا؟

یا یہ میں اس آبنوسی تابوت پر جڑے ہوئے مخمل پر ہاتھ پھیر رہا تھا جس میں میری والدہ کی متبرک خاک تھی اور جس میں ان کا فنا شدہ حسن تھا۔

میں نے ایک جھرجھری لی، میں سنبھلا اور بے حسی کی اس حالت سے نکل آیا جو مجھ پر طاری ہو گئی تھی۔ مقبرے کے اندھیرے میں زینے تک پہنچنے کی میری تمام کوششیں بیکار ہو گئی تھیں۔ میں مکمل ترین اندھیرے میں بھٹک گیا تھا اور نہ جانتا تھا کہ مجھے کس طرف گھومنا اور کس سمت جانا تھا۔ صورت حال کی سنسنی خیزی اور خوفناکی دگنی شدت سے میرے سامنے آ گئی۔ میرا حلق خشک ہو گیا، زبان کانٹا بن گئی شدید پیاس مجھے عذاب دینے لگی۔

میں گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا اور اونچی آواز میں کراہنے لگا۔

"اے راحم خدا!" میں چیخا۔ "اے دنیا کے نجات دہندہ ان تمام مقدس ولیوں کی پاک روحوں کے طفیل میں، جو تیرے حضور موجود ہیں، مجھ پر رحم فرما۔ اے میری ماں! اگر حقیقت میں تمہارا ارضی اور فانی جسم میرے قریب ہی ہے، میرا خیال کرو۔ اے عبادتوں میں مصروف فرشتو! خدا کے حضور گڑگڑاؤ اور میری سفارش کرو اور مجھے بچاؤ۔ یا پھر کہو اس سے کہ مجھے اور زیادہ عذاب نہ دے اور مجھے فوراً اٹھا لے۔"

یہ دعا میں نے اونچی آواز میں مانگی تھی۔ اور میری ماتمی آواز مقبرے کی اندھیری اور سنگین محرابوں سے ٹکرا کر بے حد خوفناک اور لرزہ خیز بازگشت پیدا کر رہی تھی میں جانتا تھا کہ یہی صورت حال کچھ اور دیر تک قائم رہی، میری دماغی اور روحانی ایذا اور بڑھی تو میں پاگل ہو جاؤں گا۔

میں گھٹنوں کے بل، اور اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپائے بیٹھا رہا، میں نے اپنے خوف پر، اپنے آپ پر اور اپنے دل و دماغ پر قابو حاصل کرنے کی کوشش کی اور کامیاب رہا۔ میں سنبھل گیا۔ میرے حواس بجا ہوئے اور تب میں نے ایک آواز سنی۔ بے حد پیاری اور شیریں آواز۔

یہ بلبل تھی جو کہیں باہر۔ اندھیرے اور موت کی اس کال کوٹھڑی سے باہر، نغمہ سرا تھی اور اس کی آواز ہوا کے دوش پر سوار کہیں دور سے آ رہی تھی اور اس آواز نے مجھ میں زندہ رہنے کی تڑپ پیدا کی۔ مجھے زندگی کا احساس دلایا۔ کہا مجھ سے کہ میں زندہ ہوں چنانچہ مجھے مایوس نہ ہونا چاہئے۔ مایوسی اور ناامیدی کے اس گھٹاٹوپ اندھیرے میں بلبل کی آواز نے امید کی ایک کرن روشن کر دی۔

یہ بلبل میرے لئے خدا کی بھیجی ہوئی پیغامبر ثابت ہوئی۔ میں ایک دم سے اٹھ کھڑا ہوا اور میری آنکھوں سے امید اور خوشی کے آنسو بہنے لگے۔

قوت و ہمت نے میرے رگ و ریشے میں سرایت کر کے میرے جسم میں نئی روح پھونک دی اور میں نے اس طرف چلنے کا فیصلہ کر لیا جس طرف سے بلبل کی آواز آ رہی تھی۔ بلبل گا رہی تھی، میری ہمت بندھا رہی تھی، مجھے مایوس نہ ہونے کی ترغیب دے رہی تھی، میرا حوصلہ بڑھا رہی تھی۔

اور میں آواز کی طرف چل دیا۔ ایک بار پھر میں گھپ اندھیرے میں اپنا سفر جاری کر چکا تھا۔ میں نے سوچا کہ بلبل مقبرے کے دروازے کے باہر کسی درخت پر بیٹھی ہوئی تھی اور اگر میں اس آواز کی طرف ہی چلتا رہا تو یقیناً اس زینے تک پہنچ جاؤں گا جس کی تلاش میں اس اندھیرے میں بھٹک رہا تھا۔

چنانچہ میں ٹھوکریں کھاتا، لڑکھڑاتا آگے بڑھا۔ میں ایک عجیب طرح کی نقاہت محسوس کر رہا تھا اور میری ٹانگیں کانپ رہی تھیں۔ اس دفعہ کوئی چیز میرے راستہ میں حائل نہ ہوئی۔ بلبل کی راہبری کرتی ہوئی آواز قریب سے قریب تر آتی چلی گئی اور میرے دل میں امید زیادہ سے زیادہ قوی ہوتی چلی گئی۔

مجھ پر وجد کی سی کیفیت طاری تھی۔ مجھے خود اپنے چلنے کا، اعضا کی جنبشوں کا ہوش نہ تھا، میں جیسے بلبل کی آواز کی نظر نہ آنے والی ڈور سے بندھا کھنچا چلا جا رہا تھا۔ یکا یک کسی پتھر سے ٹھوکر کھا کر بڑے سے گرا لیکن میں نے چوٹ کی کوئی تکلیف محسوس نہ کی۔ میرے اعضا اس قدر سن ہو چکے تھے کہ وہ نیا اور تازہ درد محسوس ہی نہ کر سکتے تھے۔

میں نے اپنی درد کرتی ہوئی بوجھل آنکھیں اندھیرے میں اوپر اٹھائیں اور میرے منہ سے خوشی اور تشکر کی ایک چیخ نکل گئی۔ چاندنی کی ایک پتلی سی لکیر، جو تیر کی لکڑی سے زیادہ موٹی نہ تھی، تیرتی ہوئی میری طرف آ رہی تھی اور مجھے بتا رہی تھی کہ میں اس منزل تک پہنچ گیا تھا جس کی مجھے تلاش تھی۔

اور حقیقت میں زینے کی سب سے نچلی سیڑھی پر گرا تھا۔

بے شک میں مقبرے کا دروازہ نہ دیکھ سکتا تھا لیکن جانتا تھا کہ وہ اس زینے کی چوٹی پر ہی ہے لیکن اس وقت میں اتنا تھک گیا تھا اور میرے اعضا ایسے شل ہو رہے تھے کہ میں زینہ چڑھنا تو دور کی بات ذرا سی حرکت بھی کرنے کے قابل نہ تھا۔ چنانچہ میں جہاں تھا وہیں پڑا چاندنی کی اس تنہا کرن کو دیکھا اور بلبل کی آواز کو سنتا رہا۔

ایک......

میں نے اس گھنٹے کو ایک گجر بجاتے سنا جس کی آواز میں پہلے بھی سن چکا تھا۔ بہت جلد صبح ہوجائے گی اور میں نے تب تک آرام کرنے کا فیصلہ کیا جسمانی اور دماغی تھکان سے نڈھال ہوکر میں نے اپنا سر پتھر کی اس سخت سیڑھی پر یوں رکھ لیا جیسے وہ نرم ترین تکیہ ہو اور چند منٹوں بعد ہی میں گہری نیند کی آغوش میں پہنچ کر اپنا دکھ درد اور ساری تکلیفیں فراموش کرچکا تھا۔

خدا جانے میں کتنی دیر تک سوتا رہا اور خدا جانے کب تک سوتا رہتا کہ گھٹن، سانس رکنے اور مٹی کے احساس سے اور ساتھ ہی اپنی گردن پر چبھتی ہوئی تکلیف محسوس کرکے جیسے کوئی زہریلا کیڑا ڈنک مار رہا ہو، یکا یک میری آنکھ کھل گئی۔ میں اپنا ایک ہاتھ اٹھا کر اس جگہ تک لے گیا جہاں وہ چبھتی ہوئی تکلیف تھی اور میری انگلیوں نے جس جانور کے لمس کو محسوس کیا اور میرے جسم میں جیسے تھرتھری دوڑ گئی اسے میں عمر بھر تک فراموش نہ کرسکوں گا۔ سخت بھیانک احساس تھا وہ۔

وہ چیز میری گردن سے اور میرے گوشت سے لپٹی ہوئی تھی۔ بازوؤں والی، لجلجی سانس کیتی ہوئی گھناؤنی چیز جس کو میری انگلیوں نے اپنی گرفت میں لیا تھا۔ وہ چیز ایسے اطمینان اور سکون اور بے پروائی سے میری گردن سے چپکی ہوئی تھی کہ مارے خوف کے میں پاگل ہوگیا اور کراہیت اور خوف کی ایک فلک شگاف چیخ میرے حلق سے نکل کر بند مقبرے کی تاریکی میں نہایت ہی دہشت ناکی سے گونج گئی۔

میں نے اپنے دونوں کانپتے ہوئے ہاتھوں سے اس کے موٹے، نرم اور گھناؤنے جسم کو پکڑ لیا، صحیح معنوں میں اسے اپنی گردن پر سے گھسیٹ لیا اور اسے پوری قوت سے مقبرے کے اندھیرے بطن میں جتنی دور پھینک سکتا تھا اتنی دور پھینک دیا۔

کچھ دیر کے لئے تو خود مجھے بھی یقین ہوگیا کہ میں پاگل ہوں۔ کیونکہ میری خوفناک چیخیں مقبرے کے گاڑھے اندھیرے میں مسلسل گونج رہی تھیں میں اپنے آپ کو روک نہ سکتا تھا اور چیخوں پر چیخیں مار رہا تھا۔

آخر کار میں تھک کر اور نڈھال ہوکر خاموش ہوگیا اور اپنے چاروں طرف دیکھا۔ چاندنی کی لکیر غائب ہوچکی تھی اور اس کے بجائے زرد، دھندلی روشنی کی سلاخ در آئی تھی اور اس روشنی میں میں اوپر تک زینے کی لمبائی اور اس کی چوٹی پر دروازہ بھی دیکھ سکتا تھا۔

میں دیوانہ وار سیڑھیاں چڑھ گیا۔ میں نے دروازے کے آہنی جنگلے کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر بری طرح سے جھنجھوڑ ڈالا۔ میں مدد کے لئے پکارنے لگا اور میری پاکر کا جواب مکمل خاموشی نے دیا۔

آپس میں گتھی ہوئی آہنی سلاخوں میں سے جھانک کر باہر دیکھا اور میں گھاس دیکھ سکتا تھا اور درختوں کی جھکی ہوئی ٹہنیاں دیکھ سکتا تھا اور میری نظر کے عین سامنے آسمان کا ایک ٹکڑا تھا جو سورج کی آمد کے خیال سے سرخ ہورہا تھا۔

میں لمبے لمبے سانس لے کر صبح کی فرحت بخش ہوا کے گویا گھونٹ پر گھونٹ پینے لگا۔ جنگلی انگور کی بیل کی ایک لمبی شاخ میرے قریب ہی لٹک رہی تھی جس کے پتے شبنم سے بھیگے ہوئے تھے میں نے جنگلے کی سلاخوں کے درمیان سے ہاتھ نکال کر ہرے اور ٹھنڈے پتے توڑ لئے اور منہ میں رکھ کر مندیدوں کی طرح چبانے لگا اور یہ خوراک مجھے اتنی لذیذ معلوم ہوئی کہ اتنا عمدہ کھانا میں نے پہلے کبھی نہ کھایا تھا۔ ان پتوں نے میرے حلق اور زبان کو ٹھنڈا کردیا۔ آسمان اور درختوں کے نظاروں نے مجھے سکون بخشا اور میری ڈھارس بندھائی۔ میری ساتھی بلبل خاموش ہوچکی تھی اور اس کی جگہ مختلف قسم کے پرندے بیدار ہوکر چہچہا رہے تھے۔

میرا ہیجانی خوف رفتہ رفتہ دور ہوگیا اور اب میں نے اپنے میت گھر کی اندھیری محراب سے ٹیک لگا کر اور جرات کرکے پیچھے دیکھا۔ اندھیری گہرائیوں میں اور زینے کی طرف جس کی سیڑھیاں میں یوں اندھا دھند چڑھ گیا اوپری سیڑھی کے نیچے اور ساتویں سیڑھی پر کوئی سفید چیز پڑی ہوئی تھی۔

تجسس سے بے تاب ہوکر میں آہستہ آہستہ، سیڑھی بے احتیاط سے نیچے اترا۔ چھٹی سیڑھی پر چڑھ کر رک گیا۔ جھک کر دیکھا۔ موم بتی کا ٹکڑا تھا۔ یہ وہ موم بتی تھی جو

کسی بھلے مانسوں میں مردے کو دفن کرنے کی رسومات ادا کرتے وقت استعمال کی جاتی ہے۔ یہ موم بتی جلنے کے بعد بھی نصف سے زیادہ باقی رہ گئی تھی۔ تدفین کی رسومات ادا ہوجانے کے بعد گرجا کے کسی کاہل اور بے ایمان خادم نے اسے اٹھا کر گرجا تک واپس لے جانے کی زحمت سے بچنے کے لئے یہاں پھینک دیا ہوگا۔

میں سوچتی ہوئی نگاہ سے اس موم بتی کی طرف دیکھنے لگا۔ کاش کہ میں اسے سلگا سکتا لاشعوری طور پر میں نے اپنا ہاتھ پتلون کی جیب میں ڈال دیا اور کوئی چیز کھنکھنائی۔ معلوم ہوا کہ مجھے سخت عجلت اور افراتفری میں دفنایا گیا تھا۔ میرا بٹوہ، کنجیوں کا گچھا شناختی کارڈوں کی ڈبیہ، یہ چیزیں میں ایک کے بعد ایک جیب سے نکالتا اور انہیں حیرت سے دیکھتا رہا۔ یہ تمام چیزیں بے حد جانی پہچانی تھیں اس کے باوجود بے حد اجنبائی اور حیرت انگیز معلوم ہورہی تھیں۔

میں نے پھر چیزیں ٹٹولیں اور اب مجھے وہ چیز مل گئی جو اس حالت میں میرے لئے ایک زبردست نعمت اور صحیح معنوں میں عطیہ تھی۔ دیا سلائی کی چھوٹی سی ڈبیہ جس میں موم بتیاں تھیں اور میرا سگار کیس؟ کیا وہ بھی میرے ساتھ دفن کیا گیا تھا؟ نہیں سگار کیس غائب تھا۔ سگار کیس چاندی کا تھا اور قیمتی تھا۔ چنانچہ یقیناً وہ رحم دل پادری جس نے میری تجہیز و تکفین کی رسومات ادا کی تھیں اور آخری دعا پڑھی تھی، یہ سگار کیس، جیبی گھڑی اور سونے کی زنجیر میری بیوی کے پاس لے گیا تھا۔ چنانچہ طلب ہونے کے باوجود میں کارٹو نہ پی سکتا تھا البتہ موم بتی جلا سکتا تھا۔ اور اس کے لئے انگارے کی موم بتی تیار اور موجود ہی تھی۔

سورج ابھی طلوع نہ ہوا تھا۔

چنانچہ مجھے نہ صرف اس کے طلوع ہونے بلکہ کافی دن چڑھ جانے تک انتظار کرنا تھا اس کے بعد ہی میں پہریداروں کا پورا زور لگا کر "مدد۔ مدد" چلاؤں گا اور یوں اس بھولے بھٹکے ہوئے راہ گیر کو، جو قبرستان کے قریب سے گزر رہا ہوگا، اپنی طرف متوجہ کرسکوں گا۔ بشرطیکہ لوگ اس قبرستان کے قریب آتے جاتے ہوں۔ یوں بھی ہوتا ہے کہ چھوٹا راستہ اختیار کرنے اور گھوم کر نہ جانے کی غرض سے لوگ قبرستان میں بھی راستہ بناتے گزرتے ہیں۔

لیکن سورج طلوع ہونے میں ابھی دیر تھی چنانچہ یکا یک ایک عجیب خیال آیا مجھے۔ "چل کر خود اپنے ہی تابوت کو دیکھنا چاہئے۔" میں نے سوچا۔ "کیا برائی ہے اس میں؟ ایک نیا تجربہ ہوگا یہ"

میرا خوف پوری طرح سے جاتا رہا تھا۔ دیا سلائی کی اس ڈبیہ نے، جو میرے ہاتھ میں تھی، مجھے خاصا دلیر بنا دیا تھا۔ میں نے موم بتی اٹھا کر جلالی۔ پہلے تو وہ مردہ مردہ سی جلی، ایک ننھا سا شعلہ جیسے ڈرتے ڈرتے اس میں سے باہر آیا، لرز کر ادھر ادھر دیکھا۔ ہمت کرکے ذرا ابھرا اور پھر اطمینان اور بے خوفی سے سلگنے لگا۔ ہوا کے جھونکوں سے محفوظ رکھنے کے لئے میں نے اس پر ایک ہاتھ کی ہتھیلی کی اوٹ کردی، صبح کی دھندلی روشنی پر، جو میرے اس قید خانے میں در آئی تھی، الوداعی نگاہ ڈالی اور زینہ اترنے لگا۔ ایک بار پھر میں اس بھیانک اور اندھیری گہرائی میں اتر رہا تھا، جہاں میری گزشتہ رات اس قدر خوفناک گزری تھی کہ اسے اس خوف کو الفاظ میں بیان کرنا ممکن نہیں۔

میں سیڑھیاں اتر رہا تھا تو بہت سی چھپکلیاں میرے قدموں سے ٹکراتی ہوئی ادھر ادھر بھاگیں اور جب موم بتی کے شعلے کی زرد لرزتی روشنی تاریکی کے جگر میں اتری تو میں نے مختلف قسم کی پھنکاروں، دہشت ناک چیخوں اور بازوؤں کے پھڑ پھڑانے کی آوازیں سنیں۔

اب میں نے سمجھ لیا اور جان لیا تھا کہ مردوں کے اس گودام کو کون سے گھناؤنے اور دہشت ناک جانوروں نے اپنا گھر بنالیا تھا لیکن اب میں روشنی سے گویا مسلح تھا چنانچہ ان سب کا مقابلہ کرسکتا تھا۔

گھپ اندھیرے میں جو راستہ اس قدر لمبا اور خوفناک ہوا تھا وہ اب روشنی کی وجہ سے مختصر اور آسان ہوگیا تھا اور تھوڑی دیر بعد ہی میں اس جگہ کھڑا تھا جہاں "موت کے بعد" خلاف توقع میری آنکھ کھلی تھی۔

اب میں نے دیکھا کہ مقبرہ دراصل چوکور تھا جس کی دیواریں موٹی، مضبوط اور اندھی تھیں۔ ان دیواروں میں

جگہ جگہ جوف یا اونچے اونچے طاق بنائے گئے تھے اور ان طاقوں میں وہ تابوت رکھے ہوئے تھے جس طرح کہ ایک عام سے گودام میں چوبی الماریوں کے تختوں پر سامان کے صندوق اوپر تلے رکھے جاتے ہیں۔

میں نے جلتی ہوئی موم بتی والا ہاتھ اپنے سر سے اوپر اٹھایا اور اس کی روشنی میں مریضانہ دلچسپی سے چاروں طرف دیکھنے اور اس افسردہ منظر کا جائزہ لینے لگا اور جلد ہی مجھے وہ چیز مل گئی جس کی مجھے تلاش تھی۔

میرا اپنا تابوت۔ میرا تابوت میرے سامنے تھا۔ فرش سے پانچ فٹ اوپر تک طاق میں رکھا ہوا تھا۔ اس کی ٹوٹی پھوٹی حالت میری اس دیوانہ وار خوفناک جدوجہد کی شاہد تھی جو میں نے اس سے نکلنے کے لئے کی تھی خدایا کس طرح یہ آزادی حاصل کی تھی میں نے۔ میں آگے بڑھا اور اپنے تابوت کا معائنہ کرنے لگا۔

بہت ہی کمزور اور سیدھا سا تابوت تھا جس پر نہ تو دھات کے چمکدار کونے لگے ہوئے تھے اور نہ ہی سنہری روپہری سجاوٹ کا سامان۔ تابوت ساز کے فن کا ایک معمولی سا اور کڈھب نمونہ۔ لیکن خدا گواہ ہے کہ تابوت ساز کی کاریگری میں مجھے کوئی خامی نظر نہ آئی اور نہ ہی تجہیز و تکفین کا انتظام کرنے والے کی عجلت اور گھبراہٹ کا کہیں کوئی ثبوت دکھائی دیا۔ تابوت کے پیندے میں کوئی چیز چمک رہی تھی۔ یہ آبنوس اور چاندی کے صلیب تھی۔ بلاشبہ یہ اسی ہمدرد اور خدا ترس راہب نے رکھی تھی۔ اسے یہ گوارہ نہ ہوا تھا کہ مجھے اس مقدس علامت کے بغیر ہی دفنا دیا جاتا۔ یہ صلیب اس نے غالباً میرے سینے پر رکھ دی ہوگی۔ مغفرت کی آخری امید کے طور پر اور جب میں تابوت میں سے نکلنے کے لئے جدوجہد کر رہا تھا تو اس وقت یہ صلیب میرے سینے پر سے پیندے میں گر گئی ہوگی۔

میں نے صلیب اٹھائی اور بڑے احترام اور اعتقاد سے اسے چوم لیا اور سوچا کہ اگر کبھی اس نیک راہب سے ملاقات ہوئی تو اسے اپنی کہانی سناؤں گا اور اپنی صداقت کے ثبوت کے طور پر یہ صلیب اسے دوں گا جسے وہ یقین پہچان لے گا۔

''ان لوگوں نے تابوت کے ڈھکن پر میرا نام کندہ کیا ہے یا نہیں؟'' میں نے سوچا۔

ہاں۔ میرا نام لکھا ہوا تھا تابوت پر کالے جلی حروف میں لیکن ٹیڑھی میڑھی تحریر میں لکھا ہوا تھا۔

''فابیو رومانی۔''

اور پھر میری پیدائشی تاریخ درج تھی۔ اس کے نیچے لاطینی تحریر تھی کہ میں 15 اگست 1884ء کو (یعنی گزشتہ کل، کمال ہے کل ہی) طاعون میں مبتلا ہو کر اس دار فانی سے کوچ کر گیا تو میں گزشتہ کل مرا تھا لیکن مجھے ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ ایک صدی گزر گئی ہو۔

اور اب میں اپنے والد کی آخری آرام گاہ کی طرف متوجہ ہوا۔ ان کے تابوت پر سیاہ مخمل جھیر جھیر ہو کر لہروں کی طرح لٹک رہا تھا لیکن وہ اتنا کرم خوردہ نہ تھا اور نہ ہی اتنا مٹی ہو گیا تھا جیسا کہ دوسرے طاق میں رکھے ہوئے تابوت پر کا مخمل ہو رہا تھا۔

اور اس دوسرے، کرم خوردہ اور دیمک لگے نم تابوت میں وہ لیٹی ہوئی تھی۔ وہ ہستی کہ جس نے مجھے جنم دیا، جس نے سب سے پہلے مجھے اپنی گرم آغوش میں لیا تھا۔ جس کی پیار بھری آنکھوں میں سب سے پہلے میں نے دنیا دیکھی تھی اور میری چھٹی حس نے یا شاید میری جبلت نے مجھے بتایا کہ اندھیرے میں اسی کے تابوت کے چیتھڑوں کو میری انگلیوں نے چھوا تھا اور ٹٹولا تھا۔

پہلے میں نے انہیں چھو کر شمار کیا تھا اور اب اجالے میں شمار کیا۔ دھات کے آٹھ پھول تابوت کی لمبائی میں اور چار چوڑائی میں جڑے ہوئے تھے اور میرے والد کے تابوت پر چاندی کے دس پھول لمبائی میں تابوت میں جڑے ہوئے تھے۔

''بے چاری میری ماں!''

اور مجھے اپنی ماں کی وہ تصویر یاد آ گئی جو ویلا کے مطالعہ کے کمرے میں ٹنگی ہوئی تھی۔ ایک جوان مسکراتی ہوئی، کالے بالوں والی حسینہ کی تصویر جس کے رخساروں کا رنگ اس شفتالو کے رنگ کا سا تھا۔ جو موسم گرما کے سورج کی دھوپ میں پک رہا ہو۔ وہ جوان وہ کالے بال، وہ رنگ

روپ۔ وہ سارا حسن۔ اب کیا ہو گیا تھا؟

اور پھر میں ان دو جوفوں یا طاقوں کے سامنے جھک گیا اور ان سے التجائیں کرنے اور دعائیں مانگنے لگا ان کی خاک اور ہڈیاں میرے سامنے ان تابوتوں میں تھیں ان جنہوں نے جب وہ زندہ تھے مجھے جی جان سے چاہا تھا، میری پرورش کی تھی۔ جب میں یوں گھٹنوں کے بل جھکا ہوا تھا تو موم بتی کی روشنی کسی چھوٹی سی چیز پر پڑی جو حیرت انگیز طور پر چمکنے لگی۔

میں نے آگے بڑھ کر وہ چیز اٹھا کر دیکھی تو دم بخود رہ گیا۔ یہ ایک گوشوارہ تھا جو ایک بڑے موتی سے ناشپاتی کی شکل میں تراشا گیا تھا۔ یہ جڑاؤ تھا اور اس کے کناروں پر گلاب کی پنکھڑیوں کی شکل کے نازک نازک یاقوت کے قاشے یا چھلکے سے جڑے ہوئے تھے۔

یہ خلاف توقع بات ہوئی تھی چنانچہ اس کھوج پر حیرت زدہ ہو کر میں نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں یہ معلوم کرنے کے لئے کہ ایسا گراں اور نایاب زیور آخر آیا کہاں سے تھا۔ اور تب میں نے دیکھا کہ ایک غیر معمولی طور پر بڑا تابوت فرش پر پہلو کے بل پڑا ہوا تھا۔ صاف ظاہر تھا کہ وہ دفعتاً اور زور سے گرا تھا کیونکہ بہت سے پتھر اور کنکر طاق سے اکھڑ اکر تابوت کے ساتھ فرش پر آ رہے تھے اور اب اس کے ارد گرد بکھرے ہوئے تھے۔

موم بتی قریب لے جا کر اس کی روشنی میں، میں نے موقع محل کا معائنہ کیا۔ جس طاق میں میرا تابوت رکھا گیا تھا اس کے نیچے جو طاق تھا وہ خالی تھا اور یہ کہ اس طاق کا کافی حصہ ٹوٹا ہوا تھا اور تب مجھے یاد آیا کہ جب ''میں اپنے تابوت میں سے نکل کر پاگلوں کی طرح فرش پر کودا تھا تو کوئی وزنی چیز میرے ساتھ اور میرے قریب فرش پر گری تھی۔ تو یہ چیز گری تھی میرے ساتھ۔ یہ تابوت جو اتنا لمبا تھا کہ سات فٹ کے قد کا اور ایسے ہی چوڑے بدن کا آدمی اس میں لیٹ سکتا تھا۔ میرے خدا! یہ میں نے اپنے کون سے جنات کے سے جد امجد کی بے حرمتی کی تھی۔ اور یہ گوشوارہ جو میرے ہاتھ میں تھا، اس پنجر کے حلق میں سے نکل آیا تھا کیا؟ یا اس کے گلے میں پڑے ہوئے جڑاؤ ہار کا ایک ٹکڑا تھا؟

میرا اشوق تجسس بیدار ہوا اور میں اس تابوت کے ڈھکن کو ٹھیک سے دیکھنے کے لئے اس پر جھک گیا۔

اس پر کوئی نام کندہ نہ تھا، کوئی خاندانی نشانی نہ بنی ہوئی تھی البتہ سرخ رنگ سے ایک خنجر بنایا گیا تھا اور وہ بھی بے ڈھب سا یعنی کسی ماہر مصور کا نہیں بلکہ کسی اناڑی کا کام معلوم ہوتا تھا۔ اور یہ واقعی ایک معمہ تھا۔

اور میں نے اسے حل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

میں نے موم بتی طاق کی دیوار کے ایک شگاف میں اڑا کر کھڑی کر دی اور ہیرے موتی کا جڑاؤ گوشوارہ اس کے قریب رکھ دیا اور یوں ٹھیک سے اپنا کام کرنے کے لئے میں نے اپنے دونوں ہاتھ آزاد کر لئے یعنی نہ تو اب اس قیمتی زیور کو سنبھالنے کی فکر تھی اور نہ ہی اس کے گر جانے کا خطرہ۔

جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں کہ وہ غیر معمولی طور پر بڑا تابوت پہلو کے بل پڑا ہوا تھا اور اس کا ایک کونا، جو سب سے اوپر تھا، ٹوٹا اور پھٹا ہوا تھا۔ میں نے اس پھٹے ہوئے کونے میں اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں داخل کر دیں اور پورا زور لگا کر اسے دائیں بائیں کھینچ کر اسے توڑنے یا کم سے کم اس کا جوڑ الگ کرنے کی کوشش کی۔ ابھی میں زور لگا ہی رہا تھا کہ ایک چرمی تھیلی تابوت میں سے نکل کر میرے پیروں کے قریب ٹپ سے گری میں نے تھیلی اٹھائی اور اسے کھول کر دیکھا۔

میرے خدا! وہ سونے کے سکوں سے ٹھسا ٹھس بھری ہوئی تھی۔

اب تو میرا اشوق تجسس انتہا کو پہنچ گیا ایک جوش کے عالم میں میں نے ایک بڑا سا نوکیلا پتھر اٹھایا اور اسے تابوت پر یوں مارنے لگا کہ فرہاد نے اسے جوش و خروش سے کوہ بے ستون پر تیشہ بھی نہ چلایا ہوگا۔

اس نوکیلے پتھر کی ضربوں، خود اپنی جسمانی قوت، اپنے ہاتھوں کی متواتر کوششوں اور اپنے بے پناہ جوش و تجسس سے آخر کار۔ کوئی دس منٹ کی لگاتار مشقت کے بعد میں وہ پراسرار تابوت توڑ کر کھولنے میں کامیاب ہو گیا۔

اور اب میں دم بخود کھڑا، جیسے مجھ پر سکتے کا دورہ

پڑ گیا ہو، پھٹی پھٹی آنکھوں سے تابوت میں دیکھ رہا تھا۔

اس میں کوئی لرزہ خیز چیز اس تابوت میں نہ تھی۔

اس کے برخلاف میری حیرت سے پھٹی ہوئی آنکھیں ایک ایسا زبردست خزانہ دیکھ رہی تھیں جس پر بڑے سے بڑے بادشاہ کو رشک آئے۔ یہ غیر معمولی طور پر بڑا تابوت بے حساب دولت سے صحیح معنوں میں لبالب بھرا ہوا تھا۔

سب سے اوپر پچاس بڑی چرمی تھیلیاں رکھی ہوئی تھیں جن کے منہ ڈوریوں سے بندھے ہوئے تھے۔ ان میں سے آدھی سے زیادہ تھیلیاں سونے کے سکوں سے بھری ہوئی تھیں۔ بقیہ تھیلیوں میں بیش بہا جواہرات تھے۔ گلوبند، مالائیں، کنٹھے، عورتوں کے پہننے کی مرصع ٹوپیاں، کنگن، گھڑیاں، زنجیریں اور عورتوں کے مختلف قسم کے اور نہایت ہی قیمتی زیورات اور ان میں چھوٹے رکھے ہوئے ہیرے یاقوت، زمرد، دودھیا موتی، رنگ بدلتے ہوئے قیمتی پتھر وغیرہ جن میں سے اکثر غیر معمولی صحیح اور چمک دمک کے تھے، کچھ ناتراشیدہ تھے اور بقیہ پالش کئے ہوئے تراشیدہ اور جوہری کے استعمال کے لئے تیار تھے۔

سونے کے سکوں اور ہیرے کے جواہرات ان تھیلیوں کے نیچے ریشمی، کم خواب اور سونے کے تاروں کے کام کے کپڑوں کے تھان تھے اور ہر طرح کے موم جامے میں لپٹا ہوا تھا اور ان میں کافور اور دوسری دواؤں کی تیز بو تھی۔ یہ احتیاط ان قیمتی کپڑوں کو کیڑوں سے بچانے کے لئے کی گئی تھی۔ پھر پرانی لیس کے لپٹے ہوئے بنڈل تھے۔ ہر لیس پر خوب صورت ڈیزائنیں کتری ہوئی تھیں۔ صفت کا بہترین اور نازک نمونہ، یہ ساری لیسیں بہت اچھی حالت میں تھیں اور ان سب چیزوں کے درمیان ٹھوس سونے کی دو نہایت عمدہ کام کی کشتیاں تھیں جن میں جواہرات جڑے ہوئے تھے پھر ایسے ہی جڑاؤ اور سونے کے جام تھے۔

اس کے علاوہ دوسری قیمتی اور نایاب چیزیں بھی تھیں اس تابوت میں، جسے اب صندوق کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ مثلاً ہاتھی دانت کا ایک خوب صورت مجسمہ تھا جو سونے کی چوکی پر کھڑا ہوا تھا۔ دیوی سائیکی کا مجسمہ تھا، ایک کمر بند تھا جو سونے کے سکوں کو سونے کی زنجیر میں پرو کر بنایا تھا۔ ایک منقش اور رنگین پنکھا تھا جس کے دستے میں لعل فروزے جڑے ہوئے تھے، ایک بہت عمدہ خنجر تھا جس خول میں ہیرے جواہرات ٹنکے ہوئے تھے اور ایک آئینہ تھا جس کے فریم میں موتی جڑے ہوئے تھے اور کے آخر میں یعنی صندوق کے پیندے میں کاغذی رو کے پلندے کے پلندے لپیٹ کر احتیاط سے رکھے ہو تھے اور یہ نوٹ کئی لاکھوں فرانک کے تھے۔ بے شک رئیس اور دولت مند تھا۔ یوں کہیے کہ پچھلے جنم میں۔ ایسی بے پناہ دولت کا مالک ہونا تو دور رہا اتنے لاکھ میں۔ کبھی خواب میں بھی نہ دیکھے تھے۔

میں نے اپنے دونوں ہاتھ چرمی ہتھیلیوں گہرائی تک ڈال دیئے اور بے انتہا دولت کو اپنی مٹھیوں محسوس کرنے لگا...... یہ خزانہ میرا تھا۔ یہ مجھے ملا تھا، ہی مقبرے میں مجھے ملا تھا، چنانچہ میں اس کا مالک تھا۔ شریک غیر۔ یہ ساری دولت میری تھی...... تنہا میری۔

اور اب میں اس بات پر غور کرنے لگا کہ یہ سار دولت میرے خاندانی مقبرے میں کس نے رکھ دی اور بھی اس طرح کہ میں اس سے ہمیشہ بے خبر ہی رہا؟ اور سوال کا جواب مجھے فوراً مل گیا۔

ڈاکو! بے شک۔ ڈاکوؤں کا خزانہ تھا۔ یہ ان کی لوٹ ہوئی دولت تھی۔ یہ میں احمق تھا کہ یہ بات مجھے پہلے ہی میں آ گئی۔ صندوق کے ڈھکن پر بنایا ہوا سرخ خنجر اس کا حل تھا۔ یہ سرخ خنجر اس دلیر اور خطرناک ڈاکو کی انی پہچان علامت تھی جس کا نام ''کارمیلو یزی'' تھا اور جو اپنے کے ساتھ پالیرمو کے علاقے میں ڈاکے ڈالتا تھا۔ وہ کارمیلو یزی جس کا نام لے کر مائیں اپنے ضدی بچوں خاموش کرایا کرتی تھیں۔

''اچھا...... اچھا'' میں نے دل میں کہا۔ ''تو یہ تمہاری نہایت ہی کامیاب تجویز۔ میرے گلا کاٹو دوست کارمیلو یزی؟ بڑے کائیاں نکلے یار۔ کیا دماغ لڑایا ہے۔ تمہیں یقین ہوگا کہ لوگ تابوت توڑنا تو ایک طرف قیامت تک سونے والوں کی ابدی نیند میں خلل ڈالنے ک

تک نہ کریں گے۔ کارمیلو۔ میرے بدمعاش ترکیب تو قابل تعریف اور بے حد کامیاب تھی۔ اس دفعہ تم بازی ہار گئے۔ ایک مرحوم۔ یا یوں کہو کہ وہ مردہ خیال کرلیا گیا ہے۔ دوسری زندگی پاتا ہے، مقبرے میں دوبارہ زندہ ہوجاتا ہے وہ اور اس کے بعد مشقت کرتا ہے اور جو روحانی اذیتیں برداشت کرتا اس کا صلہ تو اسے ملنا چاہئے کہ نہیں؟ اور اگر میں نے خدا دی ہوئی اور ڈاکوؤں کی جمع کی ہوئی یہ دولت قبول نہ کی تو میری حماقت ہوگی۔ بے شک حرام کی کمائی ہے، خون سے حاصل کی گئی ہے لیکن کسی ظالم کے بجائے اگر میرے قبضے میں رہی اس کا مصرف اچھا ہی ہوگا۔ میرا کارمیلو تو اسے عیاشیوں میں ہی اڑائے گا اور میں اس کا صحیح نہ سہی سا اچھا استعمال تو کروں گا۔

اور میں اس عجیب وغریب معاملے پر چند منٹوں غور کرتا رہا۔ اگر یہ دولت ظالم اور سفاک ڈاکو یزی کی تھی...... اور میرے نزدیک اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہ تھی۔ تو پھر اس صندوق کو پالیرمو سے براہ سمندر یہاں لایا گیا تھا۔ اور پھر ایک عجیب ناٹک کھیلا گیا ہوگا۔ بدمعاش۔ یعنی یزی کے ساتھی۔ اس تابوت کو کاندھے پر ماتم کرتے اور روتے پیٹتے شہر کی سڑکوں پر سے گزرے اور قبرستان کی طرف بڑھے ہوں گے اور راہ گیروں نے یہ سمجھ کر احترام سے سر جھکائے ہوں گے کہ یہ بدمعاش کسی بھلے آدمی کا جنازہ لئے جارہے ہیں۔ کسی کے وہم وگمان میں بھی یہ بات نہ ہوگی کہ اس تابوت میں مردہ نہیں خزانہ ہے یہاں تک تو چلو ٹھیک ہے یعنی ان لیا کہ ایسا ہی ہوگا۔ لیکن سوال اب یہ ہے کہ یہ لوگ میرے خاندانی مقبرے میں کس طرح داخل ہوئے اور یہ کہ ان کے پاس اس کی نقلی کنجی ہو۔

یکا یک گھپ اندھیرے نے مجھے اپنی آغوش میں لے لیا۔

موم بتی بجھ گئی تھی اور اس طرح جیسے کہیں سے ہوا کے جھونکے نے آ کر اسے بجھا دیا ہو اور میرے پاس دیا سلائیاں تو تھیں ہی اور میں موم بتی کو آسانی سے جلا سکتا تھا لیکن موم بتی نے یوں بجھ کر مجھے ایک سوچ میں ڈال دیا۔ اس کے یوں اچانک بجھ جانے کا کیا سبب ہوا؟

اس عارضی اندھیرے میں میں نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں اور یہ دیکھ کر میری حیرت کی انتہا نہ رہی اس طاق کے۔ جس کی ایک دراڑ میں میں نے موم بتی لگائی تھی۔ ایک کونے میں سے روشنی کی پتلی لکیر اندر رینگ آئی تھی۔

میں آگے بڑھا۔ اس طاق کی طرف...... اور اس جگہ اپنا ہاتھ رکھ دیا جہاں سے روشنی آ رہی تھی، میں نے اپنے ہاتھ کی ہتھیلی سے ہوا کے تیز جھونکے کو ٹکراتے محسوس کیا۔ دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہاں ایک سوراخ تھا۔ جو اتنا بڑا تھا کہ اس میں آسانی سے تین انگلیاں اندر کی جاسکتی تھیں۔

میں نے جلدی سے دوبارہ موم بتی جلائی اور اس سوراخ اور طاق کے پچھلے حصے کا غور اور توجہ سے معائنہ کرنے لگا۔ معلوم ہوا کہ دیوار میں سے پتھر کے چار بڑے ٹکڑے نکال لئے گئے تھے اور پھر ان کی جگہ موٹے موٹے ٹہنے ترتیب سے جما کر یہ سوراخ بند کر دیا گیا تھا یہ موٹے ٹہنے کسی قریبی درخت سے کاٹ کر لائے گئے تھے۔ یہ ٹہنے ڈھیلے ڈھیلے جمے ہوئے تھے چنانچہ میں انہیں یکے بعد دیگرے آسانی سے ہٹانے میں کامیاب ہوگیا۔ اب میرے سامنے جھاڑ جھنکاڑ کا انبار تھا جو ان ٹہنیوں کے پیچھے رکھا گیا تھا۔

میں نے آہستہ آہستہ یہ انبار بھی ہٹا دیا تو اس کے پیچھے ایک شگاف نظر آیا جو اتنا بڑا تھا کہ معمولی تن وتوش کا آدمی اس میں سے آسانی سے گزر سکتا تھا۔

متوقع آزادی کے خیال سے میرا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔

میں طاق پر چڑھ گیا اور بے اختیار میں نے خدا کا شکر ادا کیا سامنے قدرتی منظر تھا...... آسمان تھا۔

اور دو منٹ بعد ہی میں مقبرے سے باہر کھڑا تھا اور میرے قدموں کے نیچے مقبرے کے فرش کے سخت اور کھردرے پتھر نہ تھے بلکہ ہری ہری، تازہ اور نرم گھاس تھی، سر پر کھلا آسمان تھا اور سامنے نیپلز کی وسیع وعریض خلیج تھی جس کا پانی میری مسکراتی ہوئی نظروں کے سامنے چمک رہا

تھا۔

آپ لوگ یقین نہ کریں گے لیکن یہ حقیقت ہے کہ میں نے بچوں کی طرح تالیاں بجا بجا کر ناچنے اور خوشی کے نعرے لگائے۔ میں آزاد تھا میں اپنے مقبرے میں سے زندہ نکل آیا تھا۔

میں آزاد تھا زندگی کو دوبارہ اپنانے کے لئے پیار کرنے کے لئے اور اپنی حسین نینا کو آغوش میں لینے کے لئے میں آزاد تھا...... اس حسین اور خوش گوار دنیا میں زندگی سے لطف اندوز ہونے کے لئے میں آزاد تھا اور اپنے زندہ دفن کئے جانے کی اور مقبرے کی سنسنی خیزی اور خوفناکی کو فراموش کرنے کے لئے آزاد تھا بشرطیکہ میں اسے فراموش کرسکوں۔

اور اس وقت میں نے کارمیلو یزی کو جتنی اور جیسی دعائیں دی ہیں وہ اگر قبول ہوجاتیں تو وہ ڈاکو سے، خدا کی قسم، زبردست ولی بن جاتا اور حقیقت میں، میں نے یہ دعائیں خلوص دل سے مانگی تھیں کیونکہ میری یہ آزادی اور وہ بے پناہ دولت اسی مشہور و معروف بدمعاش کا عطیہ تھی۔ کیونکہ صاف ظاہر تھا کہ رومانی خاندانی کے خاندانی مقبرے میں داخل ہونے اور باہر نکلنے کا یہ خفیہ راستہ اسی ڈاکو کارمیلو یا اس کے ساتھیوں نے اپنے مقصد کے لئے بنایا تھا۔ کوئی بھی شخص اپنے اس محسن کا اتنا احسان مند نہ ہوا ہوگا جتنا کہ اس وقت میں اس مشہور ڈاکو کا احسان مند اور مشکور تھا جس کے سر پر بھاری انعام کا اعلان کیا گیا تھا۔

چنانچہ بچارا یزی روپوش تھا۔ اور میں نے فیصلہ کیا کہ اگر بہ فرض محال مجھے پتہ چل گیا کہ یزی کہاں چھپا ہوا ہے تو اس کے بعد بھی میں حکومت کی کوئی مدد نہ کروں گا۔ میں کیوں اس سے غداری کرنے لگا؟ اس نے جانے انجانے میں میری ایسی مدد کی تھی کہ کبھی کسی قریبی عزیز اور جگر جان دوست نے بھی نہ کی تھی۔ جب برا وقت آتا ہے، جب سخت ضرورت ہوتی ہے تو کتنے حقیقی دوست ایسے ہوتے ہیں جو کام آتے ہیں یا آڑے وقت میں مدد کے لئے دوڑ پڑتے ہیں؟ ایک یا دو یا پھر کوئی بھی نہیں۔ یقین نہ آئے تو اپنے دل اور اپنے بٹوے پر ہاتھ رکھ کر آزما لیجئے۔

صبح کاذب کی روشنی اور کھلی فضا میں آزاد ا... خاموش کھڑا میں بلند و بالا ہوائی قلعے بنا رہا تھا اور میر... آنکھوں کے سامنے اس نئی حاصل کی ہوئی زندگی کی خوشگو... تصویریں تیر رہی تھیں۔ اب میں اور نینا ایک دوسرے ... پہلے سے کئی گناہ زیادہ چاہیں گے۔ میں نے سوچا۔ ہمار... یہ عارضی جدائی بے حد مختصر تھی۔ لیکن بے حد آزمائشی بلک... بھیانک تھی۔ لیکن اس خوفناک اور غمناک اور المناک... جدائی کے بعد ہم دونوں ایک دوسرے کی آغوش میں... سمائیں گے تو الگ ہونے کا نام ہی نہ لیں گے۔ خدایا! اب... ہم ایک دوسرے کے لئے کتنے پیارے ہوجائیں گے... ایک دوسرے کی صورت دیکھتے نہ تھکیں گے۔ ایک دوسر... سے لمحے بھر کی جدائی برداشت نہ کرسکیں گے۔

اور ننھی اسٹیلا؟ آج شام کو ہی میں اسے نارنگی کے... پیڑ سے بندھے ہوئے جھولے میں جھولا جھلاؤں گا او... اس کی معصوم اور سامعہ نواز ہنسی سنوں گا۔ اور آج ہی شام... میں اپنے عزیز ترین دوست جیدو کے ہاتھ بڑی گرمجوشی... سے اپنے ہاتھ میں لوں گا اور میرے دوست کے ہونٹوں... خوشی کی مسکراہٹ اور آنکھوں میں تشکر کے آنسو ہوں... گے۔

اور اسی دن کی رات کو میری بیوی کا سر میرے سینے... پر ٹکا ہوا ہوگا جبکہ ہم دونوں بستر میں ہوں گے اور ہم پر رو... آفریں خاموشی طاری ہوگی جس کو ہمارے بوسوں کی آواز... توڑ رہی ہوگی۔ ان خوشگوار اور خوش آئندہ تصویروں کی ریل... پیل سے میرا سر چکرا گیا...... اس عرصے میں سورج طلوع... ہوچکا تھا اور اس کی سیدھی اور لمبی کرنیں درختوں کی چوٹیوں... کو چھو رہی تھیں اور خلیج کے پرسکون پانیوں کی سطح پر یہی... کرنیں سرخ اور نیلے شعلے سے بکھیر رہی تھیں۔ میں لہروں... کی اور چپوؤں کے چلنے کی ہلکی ہلکی آواز سن رہا تھا اور کہیں... دور سے کسی ملاح کے گیت گانے کی آواز خلیج کی لہروں پ... تیرتی ہوئی آرہی تھی۔ عشقیہ گیت تھا۔ میں آپ ہی آپ... مسکرایا اور میں نے سوچا کہ آج رات جب چاند طلوع ہوگا... اور ویلا کے باغ کے پرندے خاموش ہوجائیں گے اور دنیا... سوجائے گی تو اس وقت میں اور نینا ماہی گیر کے اس عشقیہ...

گیت کے معنی عملی طور پر سمجھیں گے اور ایک دوسرے کے وجود میں سما جائیں گے۔

میں بہت دیر تک وہیں کھڑا کھڑا یہ حسین خواب دیکھتا رہا اور صبح کی فرحت بخش ہوا سے لطف اندوز ہوتا رہا اور پھر میں پلٹا اور ایک بار پھر مقبرے میں داخل ہوگیا۔

☆......☆......☆

سب سے پہلا کام میں نے یہ کیا کہ وہ سارا خزانہ، جو مجھے ملا تھا، وہ دوبارہ صندوق میں بند کردیا اور یہ کوئی مشکل کام نہ تھا۔ چنانچہ جلد ہی ہوگیا۔ فی الحال میں نے اپنی ضرورت کے لئے اس خزانے میں سے دو تھیلیاں اپنے پاس رکھ لیں۔ ایک تھیلی سونے کے سکوں اور دوسری جواہرات سے بھری ہوئی تھی۔ صندوق خاصا مضبوط بنا ہوا تھا اور اسے زبردستی زور لگا کر کھولا گیا تھا، تاہم اسے کچھ زیادہ نقصان نہ پہنچا تھا۔

میں نے اس کا ڈھکن حتیٰ الامکان اچھی طرح اور مضبوطی سے بند کیا اور اسے مقبرے کے انتہائی اور تاریک ترین گوشے تک گھسیٹ کرلے گیا اور مزید احتیاط کے لئے اس پر تین بڑے بڑے پتھر رکھ دیئے، اس طرف سے مطمئن ہوکر دونوں تھیلیاں جو میں نے اپنے لئے نکال لی تھیں، اپنی پتلون کی دونوں جیبوں میں رکھ لیں اور تب مجھے یاد آیا کہ میں کس لباس میں تھا۔ سراسر ناکافی لباس پہنے ہوئے تھا میں۔ تو کیا میں اس حالت میں بازاروں میں جاؤں گا؟

میں نے اپنا بٹوہ نکال کر دیکھا۔ میں یہ تو بتا چکا ہوں کہ جن لوگوں نے مجھے تابوت میں لٹایا تھا وہ اتنے خوفزدہ اور ایسی عجلت میں تھے کہ انہوں نے میرا بٹوہ، کنجیاں اور شناختی کارڈ میری جیبوں میں سے نکالے ہی نہ تھے۔

بٹوے میں سونے کے سکوں میں صرف دو فرانک کے سکے اور تھوڑے سے چاندی کے سکے یعنی ریزگاری تھی۔ کسی قسم کا مناسب لباس خریدنے کے لئے یہ رقم کافی تھی لیکن سوال یہ تھا کہ میں لباس کہاں سے اور کیسے خرید سکتا تھا؟ تو کیا میں شام تک انتظار کروں اور پھر اس مردہ گھر میں سے چپکے سے، کسی مجرم کے بھوت کی طرح نکل بھاگوں؟

”نہیں۔“ میں نے آپ ہی آپ سر ہلایا۔

کچھ بھی ہوجائے۔ میں نے فیصلہ کیا۔ اب میں ایک منٹ بھی اس مقبرے میں نہ ٹھہروں گا۔ نیپلز کی سڑکوں پر اور بازاروں میں گندے، میلے کچیلے اور چیتھڑے حال بھکاری بھٹکتے ہی رہتے ہیں، چنانچہ مجھے بھی ایک بھکاری سمجھ لیا جائے گا اور یوں میں کسی خاص توجہ کا مرکز نہ بنوں گا۔ رہی ان دیکھی مشکلات تو ان پر میں قابو حاصل کرلوں گا۔

ڈاکوؤں کے خزانے کا صندوق میں نسبتاً محفوظ جگہ رکھ ہی چکا تھا چنانچہ اس کی مجھے اب کوئی فکر نہ تھی۔ اب میں نے وہ آویزا جو مجھے سب سے پہلے ملا تھا اور جو ہیرے اور موتی کا تھا، اپنے گلے میں پڑی ہوئی سونے کی زنجیر سے لٹکا لیا۔ یہ زیور میں اپنی پیاری بیوی کو تحفہ دینا چاہتا تھا۔

میں ایک بار پھر طاق کی دیوار کے شگاف میں سے گزر کر مقبرے کے باہر آگیا اور پھر یہ شگاف ٹھیک سے پہلے ہی کی طرح ٹہنیوں اور جھاڑ جھنکار سے بند کردیا۔ اب میں نے دو قدم پیچھے ہٹ کر معائنہ کیا۔ کہیں ایک دراڑ تک دکھائی نہ دیتی تھی۔ ہوشیار سے ہوشیار انجینئر بھی نہ کہہ سکتا تھا کہ اس دیوار میں کوئی شگاف یا خفیہ راستہ ہے اور میں نے دل ہی دل میں کارمیلو یزی کی عیاری اور ہوشیاری کی داد دی حقیقت میں بے حد ہوشیاری اور سمجھ بوجھ سے اس نے یہ خفیہ راستہ بنایا تھا۔

اب یہاں میرے لئے اور کوئی کام نہ رہ گیا تھا۔ اب مجھے صرف یہ کرنا تھا کہ قریبی، سیدھے اور آسان راستے سے شہر پہنچ جاؤں، آپ اپنا تعارف کراؤں، کپڑے اور کھانا حاصل کروں اور پھر جتنا جلد ہوسکے اپنے گھر پہنچ جاؤں۔

میں ایک پہاڑی پر چڑھ گیا اور یہ معلوم کرنے کی غرض سے کہ مجھے کس سمت جانا ہے، میں نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں۔

قبرستان نیپلز شہر کے باہر، اس کے مضافات میں واقع تھا اور خود نیپلز میرے بائیں طرف تھا۔ میں نے دیکھا کہ اس طرف ایک ڈھلوانی راستہ بل کھاتا ہوا چلا گیا تھا اور

میرے اندازے کے مطابق یہ راستہ شہر کے بیرون تک چلا گیا تھا چنانچہ میں نے سوچا، اگر میں اس راستے پر چل پڑا تو شہر کے قریب تک تو ضرور پہنچ جاؤں گا۔ چنانچہ اس کے بعد میں ذرا بھی تاخیر کئے بغیر اس راستے پر چل پڑا۔

اب دن پوری طرح سے نکل آیا تھا۔ میرے ننگے پیر مٹی میں دھنس رہے تھے اور یہ مٹی صحرا کی ریت کی طرح گرم تھی۔ جلتا ہوا سورج پوری شدت سے میرے ننگے سر پر آگ برسا رہا تھا لیکن میں اتنا خوش تھا کہ کسی قسم کی کوئی تکلیف اور بے چینی محسوس نہ کر رہا تھا۔

مارے خوشی کے میرا دل ناچ رہا تھا اور میرے قدم میرے گھر کی طرف اٹھ رہے تھے اور میرا دل چاہتا تھا کہ خوشی سے ناچوں اور گاؤں۔

نینا...... میں اپنی نینا کے پاس جا رہا تھا۔

مجھے اپنی جسمانی نقاہت کا احساس تھا۔ میرے اعضا بے جان سے ہو رہے تھے، تیز اور خیرہ کن دھوپ کی وجہ سے میری آنکھیں اور سر بھی درد کر رہا تھا۔ اس کے علاوہ وقتاً فوقتاً میرے جسم پر برفانی کپکپی سی طاری ہو جاتی تھی جس کی وجہ سے میرے دانت بجنے لگتے تھے۔ لیکن ان باتوں کو میں نے پچھلی جان لیوا بیماری کا اثر سمجھ کر اس کی طرف کوئی دھیان نہ دیا۔

"اپنی پیاری بیوی کی محبت اور تیمار داری کے سائے میں چند ہفتے آرام کرنے کے بعد میں پہلے کی ہی طرح چاق و چوبند ہو جاؤں گا۔" میں نے سوچا۔

میں بے دھڑک اور دلیری سے چلتا رہا۔ کچھ دور تک تو میری ملاقات کسی سے بھی نہ ہوئی۔ آخر کار مجھے اپنے عین سامنے ایک چھکڑا نظر آیا۔ اس میں باغوں سے توڑے ہوئے تازہ انگور لدے ہوئے تھے۔

میں اس کے قریب پہنچا تو دیکھا کہ چھکڑا چلانے والا اپنی سیٹ پر ہی سو رہا تھا اور چھکڑے میں جتا ہوا گھوڑا راستے کے کنارے اُگی ہوئی گھاس سے ناشتہ اُڑا رہا اور بار بار جھرجھری لے کر اور آہستہ سے ہنہنا کر اپنی خوشی اور اطمینان کا اظہار کر رہا تھا۔

میں بھوکا بھی تھا اور پیاسا بھی۔ چنانچہ چھکڑے میں انگوروں کا انبار دیکھ کر میرے منہ میں پانی بھر آیا۔

میں نے سوئے ہوئے چھکڑے بان کے شانے پر آہستہ سے ہاتھ رکھ دیا۔ وہ اچھل پڑا اور اس نے آنکھیں کھول دیں۔

مجھ پر نظر پڑی تو میں نے دیکھا کہ اس کے بشرے سے انتہائی خوف و دہشت کا اظہار ہوا۔ اس کی آنکھیں اس حد تک پھیل گئیں کہ معلوم ہوتا تھا کہ حلقوں سے نکل پڑیں گی۔

وہ چھکڑے پر سے سڑک پر کود پڑا، میرے سامنے اور دھول میں گھٹنوں پر گرا اور دونوں ہاتھ جوڑ کر گڑگڑانے اور مجھے مادر مقدس مریم مسیح اور دنیا بھر کے ولیوں کا واسطہ دے کر کہنے لگا کہ میں اس کی جان بخشی کر دوں۔

میں بے اختیار ہنس پڑا۔ چھکڑے بان کا یہ خوف مجھے بے حد مضحکہ خیز اور بے بنیاد معلوم ہوا کیونکہ مجھ میں خوفزدہ کرنے والی یا ایسی کوئی خاص اور غیر معمولی بات نہ تھی الا یہ کہ یہ میرا لباس ناکافی تھا۔

"ارے بھائی! اٹھو۔" میں نے کہا۔ "بھلے آدمی مجھے کچھ نہیں چاہئے۔ ہاں تھوڑے انگور دے دو مجھے اور وہ بھی مفت نہیں۔ میں ان کی قیمت ادا کر دوں گا۔"

اور میں نے چند فرانک اس کی طرف بڑھا دیئے۔

وہ اٹھا لیکن وہ بری طرح سے کانپ رہا تھا اور بار بار خوفزدہ نظروں سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔ اس نے انگوروں کے دو تین خوشے توڑے اور بغیر کچھ کہے میری طرف بڑھا دیئے۔ انگور لے کر میں نے اسے فرانک دیئے جو اس نے صحیح معنوں میں اپنی جیب میں ٹھونس دیئے اور بڑی عجلت اور گھبراہٹ میں چھکڑے پر چڑھ کر اپنی سیٹ پر بیٹھ گیا، چابک اٹھایا اور ٹٹو پر اندھا دھند برسانے لگا۔ یہاں تک کہ غریب ٹٹو تکلیف سے چیخ اٹھا اور چھکڑا لے کر یوں بھاگا جیسے دوزخ کی ساری بلائیں اس کے پیچھے لگ گئی ہوں۔ دیکھتے ہی دیکھتے چھکڑا گرد و غبار میں غرق ہو کر نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

چھکڑے بان کا خوف مجھے بے حد عجیب اور فضول معلوم ہوا اور میں سوچنے لگا کہ اس نے مجھے کیا سمجھا تھا؟

راہزن یا بھوت؟ اور میں آپ ہی آپ ہنس پڑا۔

اور اب میں تھرکتے ہوئے قدموں سے راستہ طے کر رہا تھا اور اطمینان اور شوق سے انگور کھا رہا تھا جو رس بھرے، لذیذ ٹھنڈے اور فرحت بخش تھے۔

خدا نے بھی اپنے بندوں کے لئے کیا کیا نعمتیں پیدا کی ہیں۔ انگور کو ہی لے لیجئے۔ غور کیجئے اس پر تو قدرت کا حیرت انگیز کرشمہ نظر آئے گا۔ اس ایک چھوٹے سے گول دانے میں خدا نے بند کر دی ہے۔

جیسے جیسے میں شہر کے قریب پہنچ رہا تھا لوگ مجھے ملتے جا رہے تھے۔ وہ لوگ جو خرید و فروخت کرنے بازار جا رہے تھے، دکاندار جو دکانیں کھولنے جا رہے تھے اور پھیری والے اور برف بیچنے والے۔ لیکن کسی نے میری طرف دھیان نہ دیا۔ سچ تو یہ ہے کہ میں خود ہی حتی الامکان ان سے بچ رہا اور کترا رہا تھا۔

نواح شہر میں پہنچ کر میں سب سے پہلی سڑک پر ہولیا کیونکہ میں نے سوچا کہ اس سڑک پر چند دکانوں پر مشتمل ایک چھوٹا سا بازار ہوگا۔ یہ سڑک تنگ، اندھیری اور گندی نالی کی طرح بدبودار تھی۔

اس سڑک پر میں زیادہ دور نہ گیا تھا کہ مجھے میرے مطلب کی جھونپڑی مل گئی۔ یہ ایک ٹوٹی پھوٹی، جیسے زمانے کی ستائی ہوئی اور آفت رسیدہ سی جھونپڑا نما دکان تھی جو اب گری کہ جب گری ہو رہی تھی۔

اس بچاری دکان کی ایک نمائشی کھڑکی بھی تھی جس کا شیشہ تو ٹوٹا ہوا تھا۔ لیکن اس میں تانت سے بندھے سیکنڈ ہینڈ یعنی استعمال شدہ کپڑے لٹک رہے تھے۔ یہ دکان ان بھٹوں میں سے ایک تھی جہاں ملاح، جو لمبے بحری سفر سے لوٹتے ہیں، جاتے ہیں اور وہ سیکنڈ ہینڈ چیزیں فروخت کر دیتے ہیں جو انہوں نے اپنے اس بحری سفر میں مختلف ممالک کے شہروں سے حاصل کی ہوں۔ چنانچہ ایسی دکانوں میں بدیسی تیار لباس کے علاوہ بہت سی عجیب و نادر چیزیں بھی مل جاتی ہیں۔ مثلاً صدف، مونگے، مرجان کی لڑیاں، رنگ برنگی اور چمکتے ہوئے دانوں کی مالائیں، ناریل کے خول کو تراش کر بنائی ہوئی بے حد خوب صورت طشتریاں اور پیالے، جانوروں کے سینگ، پنکھے، مسالے، قدیم سکے وغیرہ۔

میری اس امید افزا منزل کے کھلے ہوئے دروازے میں ایک بڑے میاں بیٹھے پائپ پھونک رہے تھے۔ نپولین قوم کے بڑھاپے کا مکمل نمونہ۔ ان کے چہرہ کی کھال ایسی تھی جیسے خاکستری، خام چمڑے کے ٹکڑے پر زمانے نے اپنے قلم سے گزرے ہوئے وقت کی داستان لکھ دی ہے لیکن گزرے ہوئے وقت نے اس تاریخی تحریر کو مٹا کر چمڑے کے ٹکڑے پر بہت سی سلوٹیں ڈال دی ہوں۔ چنانچہ بڑے میاں کا چہرہ جھریوں کا ایک حیرت انگیز جالا تھا اور اس چہرے میں اگر کسی چیز میں رمق تھی تو وہ آنکھیں تھیں جن میں حیات کی جوت کمزور کمزور ابھی جل رہی تھی۔ یہ چیاں سی آنکھیں خود اپنی ہی حیات سے حلقوں میں بے چینی سے گردش کر رہی اور بڑے چوکنے پن سے دکان کی ایک ایک چیز اور آنے جانے والوں کا بھی جائزہ لے رہی تھیں۔ ان آنکھوں میں شک تھا اور تحقیق و تفتیش بھی۔ خاموش سوال تھے۔

بڑے میاں نے مجھے اپنی طرف آتے دیکھا لیکن وہ بے پرواہ بنے آسمان کی اس دھجی کا معائنہ کرتے رہے جو اس تنگ سڑک کے دونوں کناروں پر ایک دوسرے سے ہٹ کر کھڑے ہوئے مکانوں کے درمیان نظر آ رہی تھیں۔

میں نے قریب پہنچ کر بڑے میاں کو سلام کیا تو وہ اپنی نظریں آسمان پر سے زمین پر اتار لائے اور اب وہ سخت سنجیدگی اور گہرے تجسس سے مجھے دیکھ رہے تھے۔

"میں بڑے لمبے سفر سے آیا ہوں۔" میں نے بغیر کسی تمہید کے کہا۔ کیونکہ یہ بوڑھا اس قسم کا معلوم نہ ہوتا تھا جس کو میں اپنے حالیہ خوفناک واقعہ کی کہانی سنا سکتا۔ "اور راستے میں میرے ساتھ ایک حادثہ ہو گیا جس میں میرے سارے کپڑے چلے گئے۔ ایک سوٹ خریدنا چاہتا ہوں۔ کوئی خاص قید نہیں ہے، جیسا بھی ملے گا چلے گا۔"

اب بڑے میاں نے اپنے منہ میں دبی ہوئی پائپ نکالی، دھوئیں کا مرغولہ فضا میں بکھیر دیا اور پوچھا۔

"وبا سے ڈرتے ہو؟"

"جی ہاں؟"

"طاعون...... طاعون کی دہشت ہے دل میں؟"

"اس بیماری نے مجھ پر حملہ کردیا تھا۔ ابھی ابھی اٹھا ہوں۔" میں نے بے پروائی سے جواب دیا۔

اس نے مجھے سر سے پیر تک دیکھا اور پھر سر ہلا کر بشاشت سے ہنسا۔

"ہا۔ ہا۔ ہا۔" اس نے کچھ اپنے آپ سے اور کچھ مجھ سے کہا۔ "خوب...... خوب میری طرح ہو تم بھی۔ نہیں ڈرتے۔ نہیں ڈرتے۔ ہم بزدل نہیں ہیں۔ ہم مقدس ولیوں کو برا بھلا نہیں کہتے کہ انہوں نے ہی یہ طاعون کی وبا نازل کی ہے۔ خوبصورت طاعون۔ بہت پسند ہے مجھے بلکہ میں تو اس سے پیار کرتا ہوں۔ تم جانو میں وہ سارے کپڑے خرید لیتا ہوں جو مردوں پر سے اتار لئے جاتے ہیں اور اکثر و بیشتر یہ بہت عمدہ کپڑے ہوتے ہیں۔ اور میں انہیں دھوتا دھلاتا نہیں بلکہ فوراً ہی بیچ دیتا ہوں۔ ہاں۔ ہاں۔ کیا برا کرتا ہوں؟ لوگ تو مرتے ہی ہیں۔ مرنا ہی ہے انہیں چنانچہ آج نہ مرے کل مرے۔ جتنے جلد مر جائیں اتنا ہی اچھا۔ چنانچہ یہاں! اس طرح میں جہاں تک ممکن ہے خدا کی مدد کرتا ہوں۔ ہاتھ بٹاتا ہوں اس کا۔"

اور یوں کفر کلمات بک کر بڑے میاں نے اپنے سینے پر صلیب کا نشان بنایا۔ میں جہاں کھڑا تھا وہیں سے، جیسے بلندی پر سے سر جھکا کر، اس بڈھے کی طرف ایک طرح کی کراہت اور گھن سے دیکھا۔ اس وقت میں ایسی ہی کراہت اور گھن محسوس کر رہا تھا جیسی کہ میں نے اس وقت محسوس کی تھی جب مقبرے میں میری انگلیوں نے اس بے نام گھناؤنی چیز کو اپنی مٹھیوں میں لیا تھا جو میری گردن سے لپٹی ہوئی تھی۔

"یہ بتاؤ بڑے میاں۔" میں نے قدرے سختی سے کہا۔ "تم میرے ہاتھ کوئی سوٹ فروخت کرنا چاہتے ہو یا نہیں؟"

"کیوں نہیں۔ کیوں نہیں۔"

اور وہ دونوں ہاتھ اپنے گھٹنوں پر ٹیک کر ذرا تکلیف سے اٹھا۔ اس کا قد بہت پست تھا اور عمر اور ضعف نے اس کو اتنا جھکا دیا تھا کہ وہ انسان سے زیادہ کسی درخت کی مڑی ہوئی ٹہنی معلوم ہوتا تھا۔ وہ اپنی مڑی ہوئی ٹانگیں گھسیٹتا اندھیری دکان میں داخل ہو کر بولا۔

"آؤ۔ اندر آ جاؤ اور اپنے ذوق کا سوٹ پسند کرلو۔ ہر ایک کے ذوق اور پسند کی چیزیں موجود ہیں یہاں۔ یہ دیکھو کیا خیال ہے؟ یہ دیکھو یہ رئیس کا لباس ہے یہ کیا عمدہ کپڑا ہے۔ واہ! کتنا مضبوط اون ہے اور انگریزی طرز کا...... ہاں بھئی۔ اسے پہننے والا انگریز تھا۔ سچ مچ کا۔ "مائی لارڈ" جو بیر اور برانڈی پانی کی طرح پیتا تھا۔ لیکن طاعون نے اسے بھی نہ چھوڑا اور وہ یہیں دھری رہ گئی۔ اس سے وہ اپنی زندگی نہ خرید سکا۔ ہا۔ ہا۔ ہا۔ اس کے مکان مالک نے اس کے کپڑے میرے ہاتھ تین فرانک میں بیچ دیئے ایک۔ دو تین صرف تین فرانک میں۔ لیکن اس کے تم مجھے چھ فرانک دو گے۔ اب آدمی اتنا منافع تو لے گا ہی، ہے کہ نہیں؟ اور پھر تم جانو میں بوڑھا اور غریب ہوں اور جسم و روح کو ساتھ رکھنے کے لئے کچھ نہ کچھ تو کھانا ہی پڑتا ہے۔ دال روٹی ہی سہی۔"

میں نے ٹویڈ کا وہ سوٹ ایک طرف ڈال دیا جو اس نے میرے سامنے پھیلا دیا تھا۔

"نہیں۔" میں نے کہا۔ "میں وبا سے نہ تو ڈرتا ہوں اور نہ ہی مجھے اس کی پرواہ ہے لیکن شرابی، انگریز کے کپڑوں سے بہتر کوئی چیز دو مجھے۔ اس کے مقابلے میں تو میں سرکس میں کام کرنے والے مسخرہ کا بے رنگی اور مضحکہ خیز لباس پہننا زیادہ پسند کروں گا۔"

بوڑھا ہنسا اور اس کی ہنسی ایسی تھی جیسے کوئی ٹین کے ڈبے میں کنکر ڈال کر ہلا رہا ہو۔

"واہ۔ واہ۔" وہ بولا۔ "بھئی بہت اچھے۔ مجھے پسند آئی تمہاری بات۔ تم بوڑھے ضرور ہو لیکن زندہ دل ہو۔ مزا آ گیا۔ آدمی کو ہمیشہ ہنستے ہی رہنا چاہئے۔ موت بھی تو ہنستی ہے۔ ہے نا؟ ارے بھئی کبھی کسی کھوپڑی کو سنجیدہ دیکھا ہے کسی نے؟ کھوپڑی بھی تو ہنستی ہی رہتی ہے۔ خوب۔ خوب۔ بہت خوب۔" اور اب اس نے اپنا استخوانی ہاتھ اس

۔۔۔ اور گہرے الماری کے خانے میں ڈال دیا جو مختلف قسم اور سائز کے کپڑوں سے بھرا ہوا تھا۔ وہ کپڑوں کے اس انبار کو الٹ پلٹ کر رہا، ادھر سے ادھر لڑھکا رہا اور آپ ہی آپ ۔۔۔ رہا تھا۔ میں اس کے پاس ہی خاموش کھڑا اس کی کہی ہوئی بات پر غور کر رہا تھا۔

"تم بوڑھے ضرور ہو لیکن زندہ دل ہو؟" یہ کیا کہا تھا اس نے۔ کیا مطلب تھا اس کا؟ بوڑھا؟ اس نے بوڑھا کیوں کہا تھا؟ اور میں نے فیصلہ کیا کہ بڑے میاں کی یا تو بینائی جاتی رہی تھی یا پھر وہ سٹھیا گئے تھے۔

یکایک اس نے سر اٹھا کر میری طرف دیکھا۔

"طاعون کی بات پر یاد آیا۔" وہ بولا۔ "یہ وبا ہمیشہ اچھے اور عقلمندانہ کام نہیں کرتی۔" میں خاموشی سے اس کی صورت تکنے لگا۔

"گزشتہ کل یہ وبا برا کام کر گزری۔" اس نے سلسلہ کلام جاری رکھا۔ "سچ مچ بہت برا ہوا یہ تو۔"

"کیا ہوا؟"

"یہ وبا ہمارے درمیان سے ابھی گزشتہ کل ہی امیر ترین آدمی کو اٹھا لے گئی۔ بہت بھلا آدمی تھا وہ۔ جوان، دلیر اور طاقتور...... ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ کبھی نہیں مرے گا۔ کیا کڑیل جوان تھا۔ ہا۔ آ۔ رات کو اچھا بھلا تھا، صبح بیدار ہوا تو تندرست تھا لیکن صبح ہی طاعون کا اثر ہوا اس پر، دیکھتے ہی دیکھتے چٹ پٹ ہو گیا اور سورج غروب ہونے سے پہلے اسے تابوت میں لٹا کر اس کے بڑے خاندانی مقبرے میں دفن کر دیا گیا۔ وہ اس ٹیلے پر کے قبرستان میں ہے۔ یہ مقبرہ اور اس کے ویلا کے مقابلے میں اس کی یہ آخری آرام گاہ اندھیری اور سرد ہے۔ جب میں نے اس کے مرنے کی خبر سنی تو میں نے مادر مقدس مریم سے کہا کہ وہ بہت بری اور ظالم ہے۔ دیکھو میاں! میں خدا کا دوست ہوں اور طاعون کا بھی۔ دونوں کو پسند کرتا ہوں لیکن میں کونٹ فابیو رومانی کو اٹھا لے جا کر ان دونوں نے ہی احمقانہ غلطی کی ہے۔"

اپنا ہی نام سن کر میں چونکا۔ ایک عجیب طرح کی ہلچل مچ گئی میرے دل میں لیکن میں نے اپنے آپ پر قابو حاصل کرلیا اور اب میں بظاہر بے تعلق اور بے پرواہ تھا۔

"اچھا۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔ "کون تھے یہ حضرت کونٹ فابیو رومانی جو ایسے اعلیٰ اور عظیم تھے کہ انہیں عام آدمیوں کی طرح مرنا بھی نہ چاہئے تھا؟"

"کون تھے۔ ایں کون تھے کونٹ فابیو رومانی؟"

بڈھا پاگلوں کی طرح تیکھی آواز میں چیخا۔ "معلوم ہوتا ہے کہ تم ہمارے شہر نیپلز سے واقف ہی نہیں اگر ہوتے تو امیر کبیر رومانی کا نام ضرور سنا ہوتا۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ زندہ رہتا اسی سے تم اس کی خوبیوں کا اندازہ لگا سکتے ہو۔ وہ بہت ہوشیار تھا، بہت زیرک تھا، بہت دلیر تھا اور بے پناہ دولت کا مالک تھا لیکن اس کی ان خوبیوں پر مجھے حسد نہیں آتا۔ وہ مفلسوں اور غریبوں کا داتا تھا۔ سینکڑوں فرانک تک خیرات میں دے دیتا تھا۔ میں نے کئی دفعہ اسے دیکھا ہے کیا خوب صورت اور کڑیل جوان تھا اور میں نے اس کی شادی ہوتے بھی دیکھی ہے۔"

اور یہاں اس کے خام چمڑے کے سے خشک اور جھریوں پڑے چہرے سے ایسی نفرت اور حقارت کا اظہار ہوا کہ اس کا چہرہ اور بھی بگڑ گیا جو پہلے سے ہی کچھ کم بگڑا ہوا نہ تھا۔

"ہشت میں سخت نفرت کرتا ہوں اس کی بیوی سے۔ گوری چٹی، نرم و نازک، سفید سفید سانپ کی طرح۔ تم جانو جب وہ گاڑی میں بیٹھ کر نکلتے تھے تو میں کن اکھیوں سے ان کی طرف دیکھ کر سوچتا تھا کہ جانے اس کا انجام کیا ہوگا پہلی فتح کون حاصل کرے گا۔

رومانی یا وہ سفید سانپن؟ میں چاہتا تھا کہ جنت رومانی کی ہو۔ اس حد تک کہ اس سفید سانپن کو مار ڈالنے کے لئے میں رومانی کی مدد کرنے کو بھی تیار ہو جاتا۔ ہاں لیکن اس دفعہ بڑے غلطی کر گئے کیونکہ رومانی تو مر گیا اور اس شیطان کی خالہ کو سب کچھ مل گیا۔ ہاں میاں! خدا اور طاعون نے پہلی دفعہ پہاڑ کی سی غلطی کی ہے۔ سب کچھ گڑبڑ کر دیا۔

دم بہ دم بڑھتی ہوئی گہری ناراضگی تاہم دلچسپی سے میں اس بوڑھے باتونی کی بکواس سنتا رہا۔ اب یہ کم بخت میری بیوی سے اتنی نفرت کیوں کرتا تھا؟

ہی ہو۔ بالکل یہی بات [illegible] تھی۔" میں نے سوچا۔ شاید اسے ان چیز سے نفرت
"اور اگر اس [illegible] نے مجھے اتنی [illegible] دیکھا تھا جتنا کہ اس کا دعویٰ ہے" میں نے اپنے آپ سے پوچھا۔ "تو پھر یہ کیا بات ہوئی کہ اب [illegible] یہ بڈھا مجھے نہیں پہچان رہا؟"

وہ میری [illegible] کیفیت سے [illegible] اپنی بکواس کئے جا رہا تھا۔

"بے شک [illegible] بے شک [illegible] آدمی تھا وہ فابیو رومانی اور بے حد طاقتور [illegible] سچ تو یہ ہے کہ اس کی جسمانی طاقت دیکھ کر میں بہت [illegible] خوش ہوتا تھا [illegible] کہ اس نے اپنی خوب صورت بیوی کا [illegible] نازک گلا اپنے [illegible] ہاتھ کی گرفت میں لے کر اس کا حلقوم انگوٹھے سے [illegible] اس طرح پھر وہ مزید [illegible] میں تو یہی چاہتا کہ وہ اپنی بیوی کا گلا دبادے۔ اسی کا انتظار تھا مجھے۔ اور وہ زندہ رہ گیا ہوتا تو مجھے یقین ہے کہ وہ [illegible] ایسا ہی کرتا، لیکن [illegible] موت نامراد نے اس کا موقع ہی نہ [illegible] دیا۔ اسی لئے [illegible] اس کے مرنے کا سب سے زیادہ افسوس [illegible] ہے۔"

میرے دل میں [illegible] غم و غصہ کا لاوا [illegible] رہا تھا اور میرا جی چاہا کہ پہلے تو میں اس [illegible] بکواسی بڈھے کی [illegible] خشک گردن اپنے ہاتھ میں لے کر اس کی [illegible] کی رہی سہی زندگی [illegible] لوں لیکن میں نے کوشش کر کے [illegible] غصے پر قابو حاصل کر لیا اور بے پروا اور پرسکون آواز میں [illegible] پوچھا۔

"بڑے بھائی [illegible]! آپ کو [illegible] رومانی سے اتنی نفرت کیوں کرتے ہیں [illegible]؟ اس نے کوئی نقصان پہنچایا ہے آپ کو؟ کچھ بگاڑا [illegible] آپ کا؟"

اس نے [illegible] جھکی ہوئی کمر حتی الامکان سیدھی کی، جہاں تک ممکن ہوا [illegible] کر کھڑا ہو گیا اور میرے چہرے پر نظریں گاڑ دیں۔ بلکہ [illegible] یوں کہنا زیادہ صحیح ہو گا کہ میری آنکھوں میں آنکھیں [illegible] ڈال دیں۔

"ہم۔م۔م [illegible]۔اچھا۔" اس نے [illegible] سے ہنس کر جواب دیا۔ "لو سنو! [illegible] تا ہوں کہ میں کیوں نفرت کرتا ہوں اس سے۔ ہاں۔ بتاؤ [illegible] گا تمہیں۔ کیونکہ تم مرد ہو اور طاقتور ہو۔ اور مجھے طاقتور مرد پسند ہیں حالانکہ کبھی کبھی عورتیں انہیں اُلو بنا جاتی ہیں لیکن بعد میں یہ انتقام لے سکتے ہیں۔ کبھی میں بھی طاقتور تھا اور تم...... تم بوڑھے ہو لیکن تمہیں ہنسی دل لگی پسند ہے چنانچہ تم سمجھ سکو گے۔ اس کونٹس رومانی نے میرا کچھ نہیں بگاڑا، اس سے مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ البتہ ایک دفعہ وہ مجھ پر ہنسی تھی یعنی اس وقت جب اس کے گھوڑوں نے مجھے سڑک پر گرا دیا۔ چوٹ آئی تھی مجھے لیکن میں نے دیکھا کہ وہ ہنس رہی ہے، اس کے سرخ ہونٹ پھیل کر کھل گئے تھے اور اس کے موتیوں جیسے سفید سفید دانت نظر آ رہے تھے۔ بچوں کی سی ہنسی تھی اس کی۔ لوگوں سے پوچھو گے تو وہ یہی کہیں گے۔ معصوم، بے حد معصوم، لوگوں نے مجھے اٹھایا اس کی گاڑی آگے بڑھ گئی۔ اس وقت اس کا شوہر اس کے ساتھ نہ تھا۔ اگر وہ ہوتا تو گاڑی یوں آگے بڑھا لے جانے کے بجائے اتر کر میرے پاس آتا اور خیر۔ کہنے کا مطلب یہ کہ وہ ہنسی اور تب مجھے مشابہت نظر آ گئی۔"

"مشابہت؟" میں نے بے چینی سے کہا کیونکہ اس کی باتیں مجھے غصہ دلا رہی تھیں۔ "[illegible] کیسی مشابہت؟"

"اس میں اور میری بیوی میں۔" بڈھے نے جواب دیا اور اپنی بے درد نگاہوں سے مجھے جیسے [illegible] دیا۔ وہ مجھے بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔ میرا مطالعہ کر رہا تھا جیسے۔ "پیار ہونہہ۔ میں جانتا ہوں پیار کیا ہے اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ عورت کو بنانے میں خدا کو کچھ زیادہ دخل نہیں ہے۔ پہلے کا واقعہ ہے یہ مقدس مریم تو خدا کو بہت بعد میں ملی۔ ہا۔ ہا۔

آنکھوں پر پڑے اپنے سفید بالوں کے گچھے ہٹا کر بوڑھے دکاندار نے اپنا خشک پنجے جیسا ہاتھ آگے لمبا کر دیا جیسے سامنے کھڑے ہوئے کسی ہیولے کی طرف اشارہ کر رہا ہو۔

"ہاں۔ بہت خوب صورت تھا وہ۔" وہ بولا۔ "اتنا کہ آدمی اسے دیکھے تو بس دیکھتا ہی رہے۔

بڑے میاں کے الفاظ سن کر میں مارے دہشت کے یوں لڑکھڑا کر پیچھے ہٹ گیا جیسے میں نے بجلی کے ننگے تار پر ننگا پاؤں رکھ دیا ہو۔

کیا واقعی میں اتنا بدل گیا تھا؟ کیا یہ ممکن تھا کہ مقبرے میں گزاری ہوئی صرف ایک رات نے اور اس رات کی ہولناکی نے مجھ پر ایسا بھیانک اثر چھوڑا ہو؟ میرے بال اور سفید؟ سفید؟ یقین نہیں آیا مجھے۔ اور اگر یہ سچ ہے تو پھر نینا بھی مجھے نہ پہچان سکے گی۔ میری شکل دیکھ کر وہ ڈر جائے گی اور خود جیدو بھی مجھ پر شک کرے گا۔ شناخت نہ کر سکے گا مجھے۔ لیکن ہاں۔ اگر ایسا ہوا تو میں آسانی سے ثابت کر سکتا تھا کہ میں فابیو رومانی ہی ہوں اور اس کے لئے میں یہ کر سکتا تھا اور شاید یہی مجھے کرنا ہوگا، کہ نینا اور جیدو کو اپنے خاندانی مقبرے یعنی اپنے مدفن میں لے جاؤں اور تابوت دکھاؤں جسے توڑ کر میں باہر نکلا تھا۔

جب میں یہ سب کچھ سوچ رہا تھا تو وہ بوڑھا۔ میں نے اس کے بارے میں اور میرے گھٹنے کے نیچے دبے ہوئے یار کی طرف دیکھا اور کہا۔

"گھبراؤ نہیں [illegible]۔ میں تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچاؤں گا کیونکہ قصور تمہارا نہیں ہے اگر اس عورت نے تمہیں شہ نہ دی ہوتی تو تم اپنے مقصد میں کبھی کامیاب نہ ہوتے۔ میں تمہیں کچھ نہ کروں گا۔ البتہ صرف یہ چاہتا ہوں کہ تم تھوڑی دیر کے لئے یہیں رکے رہو۔"

وہ میری صورت تکنے لگا لیکن خاموش رہا کہ اس کی زبان گنگ ہو گئی تھی۔ میں نے اس کے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے مضبوطی سے کہ وہ جنبش تک نہ کر سکے۔ اس کے بعد میں نے اپنا چاقو نکالا اور اس حسین چیز کے پاس پہنچا جو میری بیوی تھی۔ اس کی خوبصورت نیلی آنکھیں پھٹ گئی تھیں اور وہ ملتجی نگاہوں سے میری طرف دیکھ رہی تھی اور وہ ہاتھ مل رہی تھی اور کانپ رہی تھی اور کراہ رہی تھی۔

اور میں نے چاقو دستے تک اس کے نازک جسم میں اتار دیا۔ اس کا یار چیخ اٹھا۔ میری بیوی کے سفید سینے سے خون کا فوارہ اڑا اور فرش پر خون کا تالاب بن کر پھیلنے اور بڑھنے لگا۔ میری بیوی نے اپنے دونوں بازو پھیلا دیئے اور پھر دھم سے بستر پر گری۔ وہ مر چکی تھی۔ میں نے چاقو اس کے جسم پر سے کھینچ لیا اور اسی سے اس گویئے لڑکے کے بندھن کاٹ دیئے اور وہ چاقو اسے دے دیا۔

"لو۔ یہ اپنی معشوقہ کی یادگار کے طور پر لے جاؤ۔" میں نے کہا۔ "اور یاد رکھو جوان کہ ایک ہی مہینے بعد وہ تمہیں بھی دھوکہ دے جاتی، جیسا کہ مجھے دیا۔ عورت کی فطرت میں بے وفائی ہی ہے۔"

"ارے صاحب وہ تو مارے غم و غصے کے پاگل ہو گیا۔ وہ دیوانوں کی طرح باہر بھاگا اور پولیس کو بلایا۔ بے شک مجھ پر قتل کا مقدمہ چلایا گیا۔ لیکن وہ قتل نہ تھا۔ وہ انصاف تھا۔ واقعات کی تفصیل سنی تو جج نے فیصلہ کیا کہ یہ کیس ہی لنگڑا تھا۔ ظاہر ہے کہ اس کی بھی ایک بیوی تھی چنانچہ وہ میرا کیس سمجھ سکتا تھا اور اس نے سمجھ لیا۔

اب تم سمجھ گئے ہو گے کہ میں اس زیورات سے لدی حسینہ سے کیوں نفرت کرتا ہوں جو وہاں ٹیلے پر ویلا رومانی میں رہتی ہے۔ وہ بھی اس عورت کی طرح ہی ہے جسے میں نے قتل کیا تھا۔ وہ ویلا رومانی والی کی مسکراہٹ بھی ایسی ہی ملکوتی ہے اور آنکھیں ایسی ہی، بچوں کی آنکھوں جیسی معصوم ہیں۔ میں پھر کہتا ہوں تم سے کہ مجھے واقعی افسوس ہے کہ اس کا شوہر مر گیا۔ خدا کی قسم بڑا غصہ ہے مجھے اس کی بے وقت موت پر کیونکہ اگر وہ زندہ ہوتا تو وقت آنے پر اپنی بیوی کو مار ڈالتا۔ یہ میں یقین سے کہتا ہوں۔"

اپنے دل میں درد لئے میں بوڑھے دکاندار کی باتیں سنتا رہا اور میری رگوں میں کپکپا دینے والی ٹھنڈک کی لہریں دوڑ گئیں۔ میرا خیال تھا بلکہ مجھے یقین تھا کہ جو بھی نینا کو دیکھتا تھا وہ اسے پسند کرنے اور اس کی تعریف کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ جب اس کی بگھی کی ٹکر سے یہ بوڑھا دکاندار گر پڑا (اس واقعہ کا ذکر نینا نے مجھ سے کبھی نہ کیا تھا) تو نینا کو چاہئے تھا کہ وہ بگھی سے نکل کر اس بوڑھے سے اس کی چوٹوں کے متعلق پوچھتی اور اس سے معافی مانگتی۔ یوں مسکرا کر اور بے توجہی سے آگے بڑھ جاتا۔ بے شک بد اخلاقی تھی لیکن پھر یہ بات بھی تو تھی کہ وہ جوان اور الہڑ تھی اور ایک حد تک کم عقل بھی۔ چنانچہ اس بڈھے دکاندار کے معاملے میں وہ قصداً سنگدل نہ بنی تھی۔

چنانچہ یہ سوچ کر میں دہشت زدہ ہو گیا کہ نینا نے

اپنی بے خیالی اور بے خبری میں اپنا ایک زبردست دشمن پیدا کرلیا تھا وہ ایسا بوڑھا اور مفلس ہی سہی لیکن دشمن بہر حال دشمن ہوتا ہے لیکن میں نے اپنی دلی کیفیت کو ظاہر نہ ہونے دیا اور خاموش رہا۔ میں اپنے آپ کو ظاہر کرنا نہ چاہتا تھا۔

بوڑھا دکاندار میرے بولنے کا منتظر رہا لیکن جب میں خاموش رہا تو وہ بے چین ہوگیا۔

''سچ کہنا میرے دوست۔'' اس نے بچوں کے سے اشتیاق سے پوچھا۔

''میں نے مناسب و موزوں انتقام لیا یا نہیں؟ خود خدا بھی ایسی مناسب سزا نہ دے سکتا تھا ہے کہ نہیں؟''

''میرے خیال میں تمہاری بیوی اسی کی مستحق تھی یا یوں کہو کہ اس کا وہی حشر ہوا جو اس کے مقدر میں تھا۔''

میں نے روکھے پن سے کہا۔ ''لیکن میں تمہارے عمل کی تو تعریف نہیں کرسکتا تم بہر حال اس کے قاتل ہو۔''

وہ ایک دم سے میری طرف گھوم گیا اور اس نے جیسے ایک دیوانگی اور بے قابو غصے کے عالم میں اپنے دونوں ہاتھ سر پر رکھ لئے اور اب وہ بولا ہے تو اس کی آواز ایک دبی ہوئی چیخ کی حد تک بلند تھی۔

''قاتل! تم مجھے قاتل کہتے ہو!۔ ہا۔ ہا۔ ہا۔ واہ بھئی واہ نہیں نہیں۔ میرے اچھے دوست! میں نے اسے نہیں بلکہ اس نے مجھے قتل کیا۔ جب میں نے اسے اپنے یار کے پہلو میں سوتے دیکھا تو میں اسی وقت مر گیا۔ ایک ہی وار میں اس نے مجھے قتل کردیا۔ اور تب میرے جسم میں شیطان بیدار ہوا، یا یوں کہو کہ وہ میرے بدن میں حلول کر گیا اور اس نے انتقام لیا۔ اور تب سے وہی شیطان میرے جسم میں موجود ہے۔ بڑا ہی زبردست اور دلیر شیطان ہے۔ اسی لئے میں اس وبا سے نہیں ڈرتا، یہ شیطان، جو مجھ میں ہے، موت کو بھی خائف کردیتا ہے اور وہ بھاگ جاتی ہے۔ کسی دن یہ شیطان مجھے چھوڑ جائے گا.....'' اور یہاں اس کی چیختی ہوئی آواز ایک دم سے گھٹی ہوئی اور تھکی ہوئی اور کمزور بڑبڑاہٹ میں تبدیل ہوگئی۔ ''ہاں۔ وہ مجھے چھوڑ جائے گا اور تب میں اپنے لئے اندھیری جگہ تلاش کرلوں گا جہاں میں کبھی نہ ٹوٹنے والی، بے خبر نیند سو سکوں گا۔ کیونکہ ابھی تو مجھے نیند آتی ہی نہیں۔ میں زیادہ تر جاگتا ہی رہتا ہوں۔''

اور اس نے بڑی حسرت سے میری طرف دیکھا۔

''بات یہ ہے کہ میرا حافظہ بہت اچھا ہے۔'' اس نے تقریباً ملائمت سے کہا۔

''اور جب آدمی کا حافظہ تیز ہو تو وہ بہت باتیں سوچتا ہے اور جب وہ سوچتا ہے تو اسے نیند نہیں آتی۔ اس واقعہ کو، جو میں نے بیان کیا، کئی برس گزر گئے۔ لیکن ہر رات میں اس خوبصورت بلا کو دیکھتا ہوں جو میری بیوی تھی وہ اپنے نازک ہاتھ ملتی ہوئی میرے پاس آتی ہے، اس کی نیلی نیلی آنکھیں مجھ پر مرکوز ہوجاتی ہیں اور میں اس کی دہشت کی کراہیں سنتا ہوں ہر رات ہاں۔ ہر رات۔''

وہ خاموش ہوگیا اور اس نے دہشت زدہ ہوکر اپنا ہاتھ اپنے ماتھے پر پھیرا اور پھر وہ اس آدمی کی طرح جو یکا یک نیند سے بیدار ہوگیا ہو، چونکا اور اس نے میری طرف یوں دیکھا جیسے مجھے پہلی دفعہ اپنے سامنے دیکھ رہا ہو اور پھر وہ ہنسا۔ عجیب طرح کی ہنسی تھی۔ یہ جیسے مرغی کڑکڑا رہی ہو۔

''پھر وہ بولا خیر تمہیں کپڑوں کی اور مجھے روپے کی سخت ضرورت ہے۔ ہا۔ ہا۔ ہا۔ اس ہاتھ دے اس ہاتھ لے اور تمہیں اس انگریز رئیس کے کپڑے نہیں چاہئیں۔ ٹھیک ہے ٹھیک ہے میں سمجھ گیا۔ تمہارے مطلب کی کوئی چیز نکالتا ہوں ایک ذرا صبر۔ ذرا صبر۔''

اور وہ ان چیتھڑوں پر کھڑ بڑ کرنے لگا جو دکان کے عقبی حصے میں بے ترتیبی سے گڈمڈ اور ڈھیر تھیں اور چیتھڑوں کے اس انبار پر جھکا ہوا وہ سوکھا مارا بوڑھا اس مکروہ گدھ کی طرح مہیب اور وحشت ناک معلوم ہو رہا تھا جو مرے ہوئے بیل کو نوچ رہا ہو۔ اس کے باوجود اس میں کوئی قابل رحم بات تھی۔ سچ تو یہ ہے کہ مجھے اس پر ترس آرہا تھا۔ ایک مفلس اور نیم پاگل بوڑھا جس کی زندگی ایسی تلخ یادوں اور دل زخموں سے پر تھا۔

چنانچہ جب وہ چیتھڑوں کے انبار میں کھڑ کھڑ کر رہا تھا تو میں رحم دلی سے اسے دیکھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ موت کیوں اس بیچارے کے قریب سے بے اعتنائی سے

گزر جاتی تھی جبکہ شہر کے مضبوط نوجوانوں کو اٹھا لے جاتی تھی۔ موت کو اس بوڑھے پر کیوں رحم نہ آتا تھا؟ موت اس کے لئے مسلسل عذاب سے نجات دلانے والی فرشتہ اور قبر اس کے لئے پرسکون نیند کا بستر تھی۔

آخر کار وہ اطمینان کا سانس لے کر میری طرف گھوم گیا۔

''لو مل گیا۔'' وہ بولا۔ ''تمہارے کام کی اور پسند کی چیز ہے۔ تم شاید ماہی گیر ہو چنانچہ ماہی گیر کا لباس ہی پسند کرو گے۔ یہ دیکھو۔ سرخ پٹکا، ٹوپی اور سب کچھ مکمل لباس اور پھر اچھی حالت میں ہے نئے جیسا۔ جس کے یہ کپڑے ہیں وہ تقریباً تمہارے ہی قد و قامت کا تھا چنانچہ یہ تمہیں بھی ایسا ہی فٹ فاٹ آئے گا جیسا کہ اسے آیا تھا اور پھر طاعون کے جراثیم بھی اس میں نہیں ہیں۔ سمندر کے کھارے پانی نے اسے خوب بھگویا ہے۔ تار تار بھگو دیا ہے اس کا اور وہ بھی کئی دفعہ اس لئے جراثیم وغیرہ مر گئے کب کے۔ لو سونگھو اس میں ریت اور گھاس پھوس کی بو ہے۔''

اور اس نے وہ کھردرا لباس میرے سامنے پھیلا دیا۔ میں نے بے پروائی سے اس کا معائنہ کیا۔

''اس لباس کے پہننے والے نے اپنی بیوی کو قتل کردیا تھا؟'' میں نے مسکرا کر پوچھا۔ لتے لپیٹ بوڑھے نے نفی میں سر ہلا کر نفرت و حقارت کی علامت کے طور پر اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں پھیلا دیں۔

''ارے نہیں۔ گدھا تھا وہ تو کہ اس نے خودکشی کرلی۔''

''یہ کیسے ہوا؟ حادثہ تھا یا اس نے قصداً ایسا کیا؟''

''چہ۔ چہ۔ حادثہ نہ تھا۔ وہ جانتا تھا کہ وہ اُلو کیا کر رہا ہے، بزدل کہیں کا اور یہ واقعہ حال ہی کا ہے صرف دو مہینے پہلے کا اور اس بیوقوف نے ایک کالی آنکھوں والی گھوڑی کے لئے جان دی جو زندہ ہے اور وہاں سوریٹو میں گل چھرے اُڑا رہی ہے۔ وہ ایک لمبے بحری سفر پر گیا ہوا تھا۔ واپس آیا تو اس گھوڑی کے لئے موتیوں کا ہار اور بالوں میں لگانے کے لئے مرجان کی پنیں لیکر آیا۔ اس گھوڑی نے اس سے شادی کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ وہ جہاز سے اترا، بندرگاہ پر ہی اپنی معشوقہ سے ملا، اس کی خدمت میں موتیوں کا ہار اور مرجان کی پنیں پیش کیں لیکن اس بے وفا نے یہ چیزیں پھینک دیں اور کہا کہ وہ اس سے تھک گئی ہے بس اتنا ہی کہا۔ اس سے زیادہ کچھ نہ کہا۔ وہ ایک بازاری لڑکی تھی لیکن شان ایسی ظاہر کر رہی تھی جیسے کہیں کی ملکہ ہے۔ ''میں تھک گئی ہوں تم سے۔'' وہ بولی چلے جاؤ یہاں سے میں تمہاری منحوس صورت تک دیکھنا نہیں چاہتی۔'' وہ دوہرے اونچے قد کا مضبوط نوجوان تھا، لیکن وہ لڑکھڑا گیا، چہرے کا رنگ اڑ گیا اور ہونٹ کانپنے لگے۔ اس نے اپنا سر جھکا لیا، پلٹا اور اس سے پہلے کہ کوئی اسے روکتا وہ بندرگاہ کے پشتے پر سے سمندر میں کود گیا اور سمندر کی موجوں نے اسے اپنی آغوش میں لے لیا کیونکہ تیرنا جانتے ہوئے بھی وہ نہ تیرا۔ بس وہ تو پتھر کی طرح غرق ہوگیا اور غرق ہوتا ہی چلا گیا۔ دوسرے دن موجوں نے اس کی لاش کنارے پر لا پھینکی اور اس نے اس کے کپڑے دو فرانک میں خرید لئے۔ اب تم انہیں چار فرانک میں خرید لو۔''

''اور اس لڑکی کا کیا بنا؟'' میں نے پوچھا۔

''اس گھوڑی کا؟ میں نے کہا نہیں کہ گل چھرے اڑاتی ہے، دن بھر ہنستی ہے اور ہر ہفتے ایک نیا یار تلاش کرلیتی ہے۔ اسے کوئی پروا نہیں۔ میں نے کہا نا؟ گرمی میں آئی ہوئی گھوڑی ہے وہ۔''

میں نے اپنا بٹوہ نکالا۔

''ٹھیک ہے میں خرید رہا ہوں یہ سوٹ۔'' میں نے کہا۔ ''تم نے اس کی قیمت چار فرانک کہی ہے، یہ لو چھ فرانک زائد اس لئے ہیں کہ تم مجھے کپڑے بدلنے کے لئے اپنے یہاں کوئی مناسب گوشہ دکھا دو گے۔''

''ہاں۔ ہاں کیوں نہیں۔'' بوڑھے نے چھ فرانک قبول کرتے ہوئے خوشی سے کانپ کر کہا۔ ''تمہارے جیسے سخی داتا کے لئے بندہ کچھ بھی کرسکتا ہے۔ ایک چھوٹا سا کونا ہے جہاں میں سوتا ہوں۔ زیادہ کشادہ تو نہیں ہے لیکن اس میں آئینہ وغیرہ ہے۔ میری اس حرام زادی بیوی کا آئینہ۔ اس کی یہی ایک چیز میں نے اپنے پاس رکھی ہے۔ آؤ۔ آؤ۔ اس طرف آجاؤ۔''

اور وہ یوں عجلت میں پلٹ کر چلا کہ کپڑوں کے ایک ڈھیر پر گرتے گرتے بچا۔ بوڑھے نے بڑے فخر سے مجھے بتایا کہ اس کمرے کا دروازہ اندر سے مقفل کیا جاسکتا تھا۔

''تالا اور کنجی میں نے بنائی ہے اور فٹ بھی میں نے ہی کیا ہے۔'' وہ بولا۔ ''دیکھو۔ کیسا صفائی کا اور مضبوط کام کیا ہے۔ ایک دفعہ میں ایسے کاموں میں بہت ہوشیار تھا۔ یہی میرا پیشہ تھا۔ اور اس دن تک یہی میرا پیشہ تھا اور اس دن تک یہی میرا پیشہ رہا جس دن کی صبح میں نے اس حرافہ کو ڈینس کے اس گویئے کے ساتھ سوتے پایا۔ اس کے بعد میں جو جانتا تھا وہ سب کچھ بھول گیا...... خدا جانے کہاں چلا گیا میرا ہنر خیر۔ یہ لو اس ماہی گیر کا سوٹ۔ آرام سے پہنو، کوئی جلدی نہیں ہے۔ دروازہ اندر سے بند کر لینا۔ اس کمرے کو اپنا ہی سمجھو۔''

اور وہ کئی دفعہ دوستانہ انداز میں سر ہلا کر اور مجھے اس ڈربے میں چھوڑ کر چلا گیا۔ میں نے اس کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے فوراً ہی دروازہ بند کر کے اندر سے مقفل کر دیا اور پھر میں دھڑکتا دل لئے مضبوط قدموں سے آئینے کی طرف بڑھا جو روشن دان کے قریب دیوار سے لٹک رہا تھا اور اس میں اپنی صورت دیکھی۔

میرے دل میں سخت صدمے کی ایک ٹیس سی اٹھی۔ لتے فروش کی آنکھوں میں کوئی فتور نہ تھا۔ اس کی نظر دھندلائی ہوئی نہ تھی۔ میں بوڑھا ہو گیا تھا۔

اگر زندگی کے بیس برس تک میں عذاب میں مبتلا رہتا تو ان بیس برسوں نے مجھے اس خوفناک حد تک تبدیل نہ کر دیا ہوتا۔

بیماری سے میرا چہرہ ست گیا تھا اور اس پر کرب و تکلیف کی گہری لکیریں ابھر آئی تھیں، آنکھیں حلقوں میں بہت زیادہ گہرائی تک دھنس گئی تھیں اور اس میں ایک طرح کی وحشت نا کی تھی اور یہ جذبہ ان بھیانک واقعات اور روحانی کرب کا منجمد اثر تھا جو میں نے اپنے مدفن میں برداشت کئے تھے اور ان سب سے بالا اور اس تبدیلی کو مکمل کرنے کے لئے آخری اور حیرت انگیز بات یہ ہوئی تھی کہ میرے تمام بال پوری طرح سے بالکل ہی سفید ہو گئے تھے۔

میں آئینے کے سامنے کھڑا ایکسرے بدلے ہوئے کونٹ فابیو رومانی کو آئینے میں دیکھ رہا تھا اور مجھے وہ چھکڑے والا یاد آ رہا تھا جس سے میں نے انگور خریدے، جو میرے سامنے گھٹنوں کے بل گر کر رحم کی بھیک مانگ رہا تھا اور پھر چھکڑے کو دیوانہ وار بھگا لے گیا تھا۔ اس وقت اس چھکڑے والے کے خوف پر میں ہنسا تھا لیکن اب اس کا خوف میری سمجھ میں آ رہا تھا۔ میری شکل و صورت کچھ ایسی بدل گئی تھی کہ اسے دیکھ کر کوئی بھی خوفزدہ ہو جاتا۔

سچ تو یہ ہے کہ خود میں بھی اپنے آپ کو نہ پہچان سکا تھا۔

''کیا میری بیوی مجھے پہچان لے گی؟ جیدو مجھے پہچان لے گا؟'' ''شاید نہیں۔''

یہ خیال اس قدر تکلیف دہ تھا کہ میری آنکھوں میں آنسو چھلک آئے۔ میں نے ایک ہاتھ کی الٹی طرف سے انہیں پونچھ لیا۔

''فابیو! یہ کیا بودا پن ہے۔ مرد بنو یار۔'' میں نے اپنے آپ سے کہا۔

بال کالے رہیں یا سفید ہو جائیں اس سے کیا فرق پڑ جاتا ہے؟ دل نہ بدلے پھر صورت چاہے کتنی ہی بدل جائے تو اس سے کیا ہوگا؟ ہوسکتا ہے کہ یوں ہو کہ مجھے دیکھ کر لمحہ بھر کے لئے نینا کے دل میں میری محبت ماند پڑ جائے لیکن جب اسے معلوم ہوگا کہ مجھ پر کیا بیت گئی ہے تو کیا اس کی محبت دو چند نہ ہو جائے گی؟ اور پھر اس کا پیار میرے سارے صدموں کی تلافی کر دے گا اور وہ مجھ سے لپٹ جائے گی اور اس کی آغوش کی جوان گرمی مجھے دوبارہ جوان بنا دے گی۔''

اور اس طرح اپنی ڈھارس بندھا کر اور اپنے ڈوبتے ہوئے حوصلوں کو سنبھال کر میں نے اس مرحوم ماہی گیر کا لباس پہن لیا جس نے اپنی معشوقہ کی بے وفائی سے دل شکستہ ہو کر اپنے آپ کو سمندر کی موجوں کے حوالے کر دیا تھا۔

پتلون کچھ زیادہ ہی ڈھیلی تھی اور اس کی جیبیں غیر معمولی طور پر بڑی اور گہری تھیں چنانچہ میرے کام کے

لئے تو بے حد مناسب اور موزوں تھیں لیکن سونے اور جواہرات کی وہ دونوں چرمی تھیلیاں جو میں نے ڈاکو کارمیلو یزی کے خزانے کے تابوت میں سے نکالی تھیں بڑی آسانی اور سہولت سے ان جیبوں میں آ گئیں۔

لباس تبدیل کر کے اور پھر منہ ہاتھ دھو کر فارغ ہوا تو ایک بار پھر میں نے اپنے آپ کو آئینے میں دیکھا اور اس دفعہ مسکرا کر۔ بے شک میں بہت زیادہ بدل گیا تھا۔ لیکن اتنا زیادہ برا بھی نہ معلوم ہوتا کہ لوگ نفرت یا خوف سے منہ پھیر لیں۔ ماہی گیر کی رنگین پوشاک مجھ پر بڑی عمدگی سے تن گئی تھی۔ میرے سفید گھنے بالوں سے بھرے سر پر سرخ ٹوپی بڑے ہی بانکپن سے جم گئی تھی اور آنے والی خوشی اور سکھ کے تصور نے میری دھنسی ہوئی آنکھوں میں ایک وحشت سی جگا دی تھی اور میری آنکھوں کی پچھلی چمک یعنی مرحوم بننے سے پہلے کی چمک ایک حد تک عود کر آئی تھی۔ اس کے علاوہ میں یہ بھی جانتا تھا کہ میں ہمیشہ ایسا پریشان حال اور اُجاڑ صورت نہ رہوں گا۔ آرام اور آب و ہوا کی تبدیلی میرے چہرے کے نقوش کا تناسب اور میری رنگت کی تازگی واپس لے آئے گی بلکہ ہوسکتا ہے کہ میرے سفید بال بھی اپنی اصلی حالت پر آ جائیں۔ ایسی باتیں اکثر ہوتی ہیں۔ لیکن اگر سفید بال ہی رہے تو۔ ارے بھئی۔ دنیا میں بہت سے لوگ ایسے بھی تو ہوں گے۔ اور یقیناً ہیں جو ایک جوان چہرے پر بوڑھے کے بال دیکھیں گے تو اس عجیب تضاد میں خدا کی قدرت کا تماشا انہیں نظر آئے گا۔

تیار ہو کر میں نے اس الماری نما کمرے بلکہ یوں کہئے کہ اس بھٹ کا دروازہ کھولا اور بڑے میاں کو آواز دی۔ وہ اپنا سر جھکائے اور پیر گھسیٹتا، لپڑ شپڑ کرتا آ گیا لیکن جب سر اٹھا کر میری طرف دیکھا تو پہلے بت بن گیا اور لمحے تک اسی حالت میں رہا اور پھر انتہائی حیرت سے دونوں ہاتھ بلند کر کے اتنی ہی حیرت سے کہا۔

''مقدس مریم کی قسم! تم تو بہت خوش وضع اور باوقار آدمی ہو عمدہ! بہت عمدہ۔ ہا! ہا!۔ کیا قد ہے! کیا چوڑا سینہ ہے! شاندار! بے حد شاندار افسوس صرف اتنا ہے کہ تم بوڑھے ہو۔ جوانی میں کسرتی بدن رہا ہوگا تمہارا خاصے مضبوط ہو گے۔''

کچھ تو مذاقاً اور کچھ اس بوڑھے کے اندازے کے تصدیق کے لئے میں نے اپنے کوٹ کی آستین شانے تک چڑھا دی اور بازو کی مچھلیاں ابھار کر ہنستے ہوئے کہا۔

''مضبوط! ارے بڑے میاں یہ دیکھو اب بھی کافی طاقت ہے اس جسم میں۔''

اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔ اس نے اپنی خشک انگلیاں میرے بازو پر رکھ کر میرے پٹھوں کو ٹٹول کر دیکھا اور پھر بازوؤں کی مچھلیوں کو دبایا اس کی ان حرکتوں سے اس کی خوشی اور دلچسپی پھوٹی پڑتی تھی۔

''شاندار شاندار! بے حد شاندار!'' وہ سر ہلا کر بڑبڑایا۔

اور اپنی چھوٹی چھوٹی چندھی آنکھیں مجھ پر گاڑ کر مجھے یوں دیکھنے لگا جیسے میری روح میں جھانک کر میری فطرت اور میرا امزاج معلوم کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔ میں ایک عجیب طرح کی بے چینی محسوس کر کے فوراً ہی اس کی طرف سے گھوم گیا اور خود اس کو بھی اپنے اتارے ہوئے کپڑوں کی طرف متوجہ کرتے ہوئے کہا۔

''ان کپڑوں کی کچھ زیادہ قیمت نہ آئے گی۔ تاہم تم انہیں رکھ لو اور ہاں یہ لو تین فرانک اور۔''

''یہ کس لئے؟''

''موزے اور جوتے چاہئیں۔ مجھے یقین ہے کہ یہ دونوں چیزیں بھی تمہارے پاس سے مل جائیں گی۔''

انتہائی خوشی کے عالم میں اس نے شکریہ اور تعریفوں کے ڈونگرے برسا دیئے تین فرانک کی زائد اور خلاف توقع رقم نے اس پر نشہ سا طاری کر دیا تھا اور وہ قسمیں کھا رہا تھا اور تمام گزرے ہوئے ولیوں کی روحوں کو گواہ بنا رہا تھا کہ اس کی دکان میری ہی ہے اور وہ خود مجھ جیسے ''دل دار'' اور ''دریا دل حاتم'' کی خدمت کے لئے ہر دم موجود ہے اور اس نے اپنے دعوے کے ثبوت میں فوراً ہی ایک جوڑی موزے اور ایک جوڑی جوتے تلاش کر کے میرے سامنے رکھ دیئے۔

(جاری ہے)

کالا جادو

شہزاد خان-صادق آباد

ایک ایسے نوجوان کی داستان عبرت جسے کالا جادو سیکھنے کا شوق ہوا، اس نے اپنے شوق کی تکمیل کے لئے خونی کھیل کھیلا ایک جھنجھوڑ دینے والی خوفناک سرگزشت۔

دل و دماغ پر.....سکتہ طاری کرتی اپنی نوعیت کی.....تھرا دینے والی.....حقیقت

امیر ہے، امیر دَسے، امیر سنگی مارڈسے، جو کہ ہمارے بیر کی باس سنگھے، کبھی نہ چھوڑوں، گھر چھوڑ دوں، گھر کی باس، گھر چھوڑ ہمارے پاس جیت دھر لے، بڑا نار سنگھ، چھوٹا نار سنگھ، چاٹا نار سنگھ، بیٹھی ستی کو لیا دیں، چلتی پھرتی کو لیا دیں، نہ لیا دیں تو بہن بہنویں کو چیخ پر دھریں۔

یہ وہ بے ربط، بے ڈھنگے اور بے معنی عجیب الفاظ تھے جو اس وقت پیپل کے ایک بہت بڑے تنے والے پیڑ کے نیچے آلتی پالتی مارے جگو کے منہ سے نکل رہے تھے۔ یہ رات کے تقریباً تین بجے کا وقت ہوگا جب شہر سے تقریباً تین کلومیٹر کے فاصلے پر ایک سنسان اور ویران جگہ پر موجود اس پیپل کے پیڑ کے نیچے یہ کالے جادو کا عمل جاری تھا۔ کالے جادو کی حقیقت اور علامات سے تقریباً ہر شخص اس وقت بخوبی واقف ہو چکا ہے۔ ہمارے سوشل میڈیا نے اور لٹریچر نے ہماری نوجوان نسل کو اس حقیقت سے بخوبی روشناس کر دیا ہے۔ کالے جادو کا ذکر آتے ہی ہر انسان فوری سمجھ جاتا ہے کہ یہ کوئی اچھا عمل نہیں ہے اور اس کو صرف اور صرف دوسرے انسان کے نقصان کے لئے ہی استعمال کیا جاتا ہے۔

دنیا میں اس وقت نیکی اور بدی کی دو طاقتیں برسرِ پیکار ہیں اور دونوں طاقتیں اپنی جگہ مسلم ہیں، روحانی علم پر پختہ ایمان ہونے کے ساتھ ساتھ ہمیں طاغوتی طاقتوں کا ہتھیار کالا جادو سے بھی کوئی انکار نہیں ہے کیونکہ ان دونوں طاقتوں کی حقیقت کو ہم قیامت تک نہیں جھٹلا سکتے، اپنی اپنی جگہ دونوں کا ہی وجود ہے۔

جادو گر چھوٹا ہو یا بڑا اس کا اللہ اور یوم آخرت سے ایمان اٹھ چکا ہوتا ہے، وہ اپنے تئیں یہ بات اپنے دماغ میں بیٹھا چکا ہوتا ہے کہ وہ اس دنیا کا سب سے طاقتور انسان ہے اور کسی اور قوت کے سامنے جواب دہ نہیں۔

کالا علم یا کالے جادو کے کرنے اور کروانے والے کو جہنمی قرار دیا گیا ہے.....

اس علم کی بدولت اکثر گھرانوں کو اجڑتے دیکھا گیا ہے اور بہت سی ماؤں کی گودوں کو ویران ہوتے دیکھا گیا ہے۔ اس علم میں شیطان سے مدد طلب کی جاتی ہے۔

اس میں جو الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں وہ عموماً قدیم عبرانی یہ سریانی زبان میں ہوتے ہیں اور بعض دفعہ تو اس میں عربی الفاظ کو بھی استعمال کیا جاتا ہے اور اس صورت میں عربی زبان سے ناواقف لوگ درحقیقت فائدہ کی بجائے گناہ کی دلدل میں دھنستے جاتے ہیں، سخت

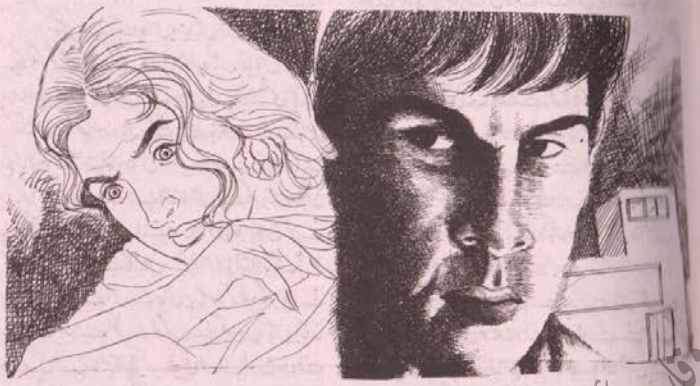

☆.....☆.....☆

جگو اپنے ماں باپ کا اکلوتا بیٹا تھا اس کے دو بچے تھے جن میں ایک لڑکی اور ایک لڑکا تھا۔ اس کی بیوی ایک گھریلو سیدھی سادھی خاتون تھی جو اپنے عقیدے کی بہت پکی تھی عبادت کرتی تھی، اس کی نسبت جگو ایک انتہائی کام چور اور بیکار قسم کا آدمی تھا اس کی عمر تقریباً ستائیس سال کے لگ بھگ ہوگی، وہ دن رات ہاتھ پیر ہلائے بغیر امیر بننے کے خواب دیکھتا رہتا تھا اس کی خواہش تھی کہ کہیں سے بہت ساری دولت اسے مل جائے اور وہ اسے اپنے خوابوں کی تکمیل کے لئے استعمال کر سکے، لیکن ایسا وہ صرف سوچ ہی سکتا تھا کیونکہ جو خواب وہ دیکھتا رہتا تھا ان کو پورا کرنے کے لئے حیلہ کرنا تو ضروری تھا، وہ ہڈحرام سارا سارا دن گھر میں چارپائی توڑتا رہتا تھا اس کی اس بیکاری اور کام چوری کی وجہ سے اس کے دونوں بچے سکول جانے سے قاصر تھے اس کی بیوی لوگوں کے گھروں میں کام کاج کر کے اس نکھٹو اور اپنے بچوں کا پیٹ پالتی تھی، جگو کے ماں باپ ابھی کچھ عرصہ پہلے ہی اس دنیا سے کوچ کر گئے تھے اپنی زندگی میں تو وہ جگو کو کبھی کبھار برا بھلا کہہ بھی دیتے تھے اور اسے کئی بار کام پر جانے کا کہہ چکے تھے اور ایک دو بار تو خود جگو نے بھی کہیں

قرین جادو میں تو نعوذ باللہ عربی الفاظ کو الٹا پڑھا یا لکھا جاتا ہے یا اس کے لکھنے میں ناپاک اور نجس سیاہی وغیرہ بھی معمول کی بات تصور کی جاتی ہے۔ کالے جادو کے طاقتور ہتھیار لونا چماری، کالی دیوی اور ہنومان وغیرہ قابل ذکر ہیں جو شیطان اپنے چیلوں کو خوش ہو کر عنایت کرتا ہے جس کی بدولت وہ اپنے ابلیس استاد کو خوش کرنے کے لئے بہت سے ناپاک اور گندے عمل کرتے ہیں۔

شیطان اپنے مسلمان چیلوں کو اس طرح کی شکتیاں دے کر انہیں دائرہ اسلام سے خارج کروا دیتا ہے ظاہر ہے ایک مومن آدمی جب اس طرح کے جادو ٹونے کے علوم حاصل کرے گا تو کیا اس کا ایمان باقی رہے گا؟ بالکل نہیں وہ اسی وقت مرتد یا کافر ہو جاتا ہے۔

ہاں اقلیت قوم کے افراد اس کو بخوشی اپناتے ہیں اور شیطان کے پجاری کہلاتے ہیں وہ اپنے مذہب میں ایسی چیزوں کو درست قرار دیتے ہیں۔

دوستو! کالے جادو یا کالے علم کے علامات درپیش ہوں تو ان کا تدارک کرنے کے لئے فوری طور پر کسی اچھے عالم سے فوری رجوع کریں تاکہ وہ اس مسئلے کا فوری حال بتا کر آپ کی جان خلاصی کر سکے۔

محنت و مزدوری کر کے کچھ رقم لا کر ان کے ہاتھ پر رکھ دی تھی۔

لیکن اب جبکہ وہ اس دنیا میں نہیں رہے تھے اس لئے جگو کو بھی کسی بات کا کوئی خطرہ نہیں تھا اس لئے وہ سارا سارا دن صحن میں ایک چارپائی پر لیٹا فلمی گانے گنگناتا رہتا تھا اور وہیں بیٹھے بیٹھے ہاتھ منہ دھوئے بغیر روٹیاں توڑ تا رہتا تھا، ساس، سسر کے مرنے کے بعد ایک دو بار اس کی بیوی نے دبے الفاظ میں اسے گھر میں راشن پانی ختم ہونے کی نوید سناتے ہوئے کوئی کام کاج کرنے کا کہا تو جگو نے اسے گالیوں سے نواز دیا تھا اور تنگ آ کر وہ چپ ہو کر اسے اس کے حال پر چھوڑ کر خود گھر چلانے کے لئے گھر سے نکل کر لوگوں کے گھروں میں ایک ملازمہ کی طرح کام کاج کرنے لگی اور اس طرح دو وقت کی روٹی نصیب ہونے لگی۔

☆☆☆☆

رات کا پچھلا پہر ہوگا جب گلی کے اندر چلتے ہوئے ایک عجیب و غریب حلیے کے شخص کو دیکھ کر گلی کے کتے بھونکتے ہوئے اس کے تعاقب میں تھے اس شخص کے جسم پر اور کوٹ نما ایک لمبا سا کوٹ تھا اور اس کے چہرے پر لمبا سا گھونگھٹ کھنچا ہوا تھا اس کے دونوں ہاتھوں پر سفید رنگ کے دستانے تھے اور پاؤں میں فوجی بوٹ تھے۔ اس کی رفتار گلی کی آخری نکڑ کی جانب تھی، رات کا سناٹا ہونے کی وجہ سے گلی میں کوئی نہیں تھا سوائے ان کتوں کے۔ اس شخص کے حلیے میں صرف ایک بات حیرتناک تھی کہ جب وہ قدم اٹھاتا تھا تو اس کے پہلے اور آخری قدم کے درمیان تین فٹ کا فاصلہ پیدا ہوتا تھا حالانکہ ایک نارمل انسان کے چلنے میں زیادہ سے زیادہ ایک فٹ کا فاصلہ رہتا ہوگا لیکن اس شخص کی عجیب چال دیکھ کر بہت خوف محسوس ہوتا تھا وہ زمین پر یوں چل رہا تھا جیسے ایک عام آدمی۔ اتنے لمبے قدموں نے فاصلہ بھی بہت جلدی طے کر لیا اور وہ شخص گلی کے اندر سے نکل کر شہر سے باہر جانے والے اس راستے پر ہو لیا جو سیدھا ایک شمشان گھاٹ کی جانب جا رہا تھا۔ اسے معلوم ہو گیا تھا کہ آج شہر میں ایک ہندو کو یہاں لا کر اپنے عقیدے کے مطابق جلایا گیا تھا اور اس وقت اسے اس جلائے جانے والے مردے کی راکھ سے چند ہڈیاں درکار تھیں۔

یہ ضمیس مسح تھا جو کالا جادو اور ٹونا وغیرہ کرنے میں ماہر تھا۔ چلہ کشی کے بعد اسے کچھ ناپاک پیر ہاتھ لگے تھے جن سے وہ اپنے مذموم مقاصد حاصل کیا کرتا تھا، ایک کالے جادو کے جاپ کے لئے اسے تازہ جلے ہوئے کھتری یعنی ہندو مذہب کے مردے کی کچھ ہڈیاں درکار تھیں جن کو استعمال کر کے وہ کچھ اور طاغوتی طاقتیں حاصل کرنے کا خواہش مند تھا۔

آسمان پر ستارے بڑے غور سے اس عجیب و غریب حلیے کے شخص کو تک رہے تھے جو لمبے لمبے ڈگ بھرتا کچے راستے پر اس جانب بڑھتا جا رہا تھا جس کے نزدیک ایک جنگل کے داخلی راستے پر ایک ویران سا شمشان گھاٹ تھا۔ شمشان گھاٹ چاہے گنجان آبادی میں ہی کیوں نہ ہو اس پر ایک طرح کی منحوسیت ہمیشہ طاری رہتی ہے۔ اور اس وقت بھی رات کے اندھیرے میں اس کے منحوس اور دہشتناک آثار ایک عام آدمی کا دل دہلا دینے کے لئے کافی تھے۔

وہ شخص چونکہ اسی قبیلے کا تھا جو ایسی طاقتوں کے زیر اثر تھا اور ان کی خوشی کے لئے ہی ایسے کاموں کو سرانجام دینے میں مصروف عمل تھا اس لئے وہ بلا خوف و خطر آگے بڑھتا جا رہا تھا اپنی رفتار کے پیش نظر وہ بہت جلد اس ویران شمشان گھاٹ کے نزدیک پہنچ کر رک گیا اور دوسرے لمحے اس نے منہ میں کچھ پڑھا اور دوسرے لمحے اس کا جسم آہستہ آہستہ فضا میں بلند ہونے لگا اور کچھ اوپر جا کر ٹھہر گیا اور دوسرے لمحے وہ اس شمشان گھاٹ کی بیرونی دیوار سے ہوتا ہوا اس کے اندر داخل ہو گیا۔

شمشان گھاٹ میں ازلی ویرانی چھائی ہوئی تھی جلائے جانے والے مردے کی راکھ سے ابھی تک ہلکا ہلکا دھواں نکل رہا تھا۔ جو چند گھنٹوں پہلے جلایا گیا تھا اور اس شخص کے بیروں نے اسے یہ سب اطلاع کر دی تھی لیکن

اس عمل میں یہ شرط تھی کہ وہ ہڈیاں لینے کے لئے خود جائے گا ورنہ اس کے عمل میں کہیں کوئی روکاوٹ پیدا ہو سکتی تھی ورنہ یہ کام اپنے بیروں سے کروا سکتا تھا۔

شیطان کے کہنے کے مطابق اسے یہ کام خود کرنے کے لئے خود آنا پڑا تھا۔ اس نے آس پاس دیکھ کر ایک لکڑی کی چھڑی اٹھائی اور اس سے راکھ کرید کر اپنے مطلب کی باریک باریک ہڈیاں تلاش کرنے لگا اور جلد ہی اسے کامیابی مل گئی اور تھوڑی تگ و دو کے بعد اس کی مٹھی میں چھ سات انسانی ہڈیاں موجود تھیں اس نے چھڑی وہیں پھینکی اور بغیر ادھر ادھر دیکھے دوبارہ اسی طرح دیوار کے پاس پہنچ کر فضا میں بلند ہوا اور دوبارہ باہر نکل آیا۔

رات اپنے پر پھیلائے آہستہ آہستہ اجالے کی جانب بڑھ رہی تھی لیکن سویرا ہونے میں ابھی ڈھائی گھنٹے باقی تھے وہ اسی طرح لمبے لمبے ڈگ بھرتا دوبارہ اسی جانب بڑھ گیا جہاں اس کی آماجگاہ تھی۔

☆☆☆☆

جگو پر آج پھر سستی اور کاہلی کا دورہ پڑا تھا اور شیخ چلی کی طرح محلوں کے خواب دیکھتا ہوا گھر سے نکلا اور سیدھا ایک اور بیکار دوست شمعون سے ملنے اس کے گھر کی جانب چل پڑا..... اس کا وہ دوست اسی کی طرح سارا سارا دن اپنے ماں باپ سے بیکاری اور بدتمیزی کے طعنے سنتا کڑھتا رہتا تھا اور پھر ایک دن اس کی ملاقات جگو سے ہو گئی جو اسی کی طرح نکما اور سستی کا مارا ہوا تھا وہ کیا کہتے ہی کہ خوب گزرے گی جب مل بیٹھیں گے دیوانے دو اس کے مصداق۔

وہ دونوں نہلے پہ دہلا تھے اور سارا سارا دن ایک جگہ بیٹھ کر اچھے دنوں کے خواب دیکھتے رہتے تھے اور دن ڈھلے اپنے اپنے گھروں کو لوٹ جاتے تھے۔ آج بھی جگو اس سے ملنے گھر سے ناشتہ کر کے نکلا لیکن اس کے گھر پہنچ کر معلوم ہوا کہ وہ اپنے کسی رشتے دار کے گھر حیدر آباد گیا ہوا ہے اور دو دن کے بعد لوٹے گا۔ یہ سن کر جگو وہاں سے شہر سے باہر جانے والے راستے کی جانب چل دیا۔ گلی کی آخری نکڑ پر جب وہ پہنچا تو اسے ایک گھر کے اندر سے ایک عجیب و غریب حلیے کا شخص باہر نکلتا دکھائی دیا وہ کئی بار پہلے بھی اس گھر کے سامنے سے گزر چکا تھا لیکن کبھی اس حلیے کے شخص کو اس نے یا اس کے دوست شمعون نے نہیں دیکھا تھا۔ اس شخص کے جسم پر ایک لمبا کوٹ تھا اور اس کا چہرہ تقریباً ایک گھونگھٹ سے ڈھکا ہوا تھا..... اس شخص نے دروازے کو باہر سے مقفل کیا اور ایک جانب چل پڑا اس کے قدم شہر کے قبرستان کی طرف جانے والے راستے پر تھے۔ جگو کچھ سوچ کر چپکے سے اس کے پیچھے چل دیا وہ سمجھ گیا تھا کہ یہ شخص کوئی نہ کوئی غیر قانونی کام کرنے میں ملوث ہے اس لئے اس نے اس کا پیچھا کرنے کا فیصلہ کیا اور چھپ کر اس کے تعاقب میں چل پڑا..... جلد ہی وہ شخص شہر کے قبرستان میں داخل ہو گیا درختوں اور جھاڑیوں کی بہتات کی وجہ سے وہ کبھی کبھی اس کی نظروں سے اوجھل بھی ہو جاتا لیکن جگو برابر اس پر نظر رکھے ہوئے تھا۔

ایک جگہ درختوں کا جھنڈ سا تھا جس میں زیادہ تر بیری اور نیم کے درخت تھے وہ شخص اس جھنڈ میں داخل ہو گیا۔ جگو سوچ رہا تھا کہ اب کیا کرے آیا کہ اسے بھی اس کے پیچھے جھنڈ میں داخل ہو جانا چاہئے یا واپس لوٹ جانا چاہئے لیکن پھر یہ سوچ کر کہ جب وہ یہاں تک آ ہی گیا ہے تو پھر یہ بھی دیکھ لینا چاہئے کہ وہ شخص یہاں کس ارادے سے آیا ہے۔ یہ فیصلہ کر کے وہ چھپتا چھپاتا جھنڈ کے اندر داخل ہو گیا۔

تھوڑی دور تک چلنے کے بعد اسے وہ شخص ایک بوسیدہ سی قبر کے اندر داخل ہوتا نظر آیا پھر جگو نے جلدی سے خود کو ایک بڑی سی جھاڑی کے اندر چھپا لیا اور اس کے باہر آنے کا انتظار کرنے لگا۔ اسے زیادہ دیر انتظار نہ کرنا پڑا اور وہ شخص اپنے ہاتھ جھاڑتا ہوا قبر سے برآمد ہوا اب اس کے چہرے پر گھونگٹ ہٹا ہوا تھا اس کے چہرے کے خدوخال اسے انتہائی کرخت اور سفاک ظاہر کر رہے تھے اور اس کی آنکھوں میں سفیدی زیادہ نمایاں تھی یوں لگتا تھا جیسے کسی نے اس کی آنکھوں کی سیاہ

پتلیاں نوچ لی ہوں۔ جبڑوں کی ہڈیاں بہت زیادہ نمایاں تھیں۔

ایک نظر میں اسے دیکھ کر کراہیت اور خوف کا احساس ہوتا تھا۔ جگو خوف سے ایک پھریری لے کر رہ گیا اس نے سوچا کہ وہ بھاگ جائے کہیں کسی مصیبت میں نہ پھنس جائے اور ابھی وہ اس کو عملی جامعہ پہنانے ہی والا تھا کہ اسے ایک خوفناک آواز سنائی دی جو اسی کا نام لے کر مخاطب تھا۔ خدا کی پناہ وہ شخص جگو کو اسی کے نام سے پکار رہا تھا اور پھر یہ دیکھ کر جگو مسیح کی حیرت کی انتہاء نہ رہی کہ وہ شخص اس سے چند قدموں دور کھڑا اسے ہی پکار رہا تھا۔ جگو حیرت سے آنکھیں پھاڑے اس کی طرف دیکھ رہا تھا جو اتنا فاصلہ اتنی جلدی طے کر کے اس کے سر پر آن پہنچا تھا۔ جگو کے جسم پر ایک لرزہ سا طاری تھا اور بدن اس طرح ہو گیا تھا کہ جیسے کاٹو تو لہو نہیں۔ شاید وہ اسی طرح بے حس رہتا کہ۔

اچانک اس شخص نے قریب پہنچ کر اسے جھنجھوڑ دیا اور دوبارہ ہوش کی دنیا میں لوٹ آیا لیکن اسے اتنا قریب دیکھ کر جگو کے منہ سے چیخ نکل گئی جسے سن کر آس پاس کے درختوں پر پرندے گھبرا کر اپنے گھونسلوں سے نکل کر باہر کھلی فضا میں پرواز کر گئے۔

اس عجیب حلیے کے شخص نے نہ جانے جگو پر کیا پڑھ کر پھونکا کہ وہ ایک روبوٹ کی طرح اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگا اور جلد ہی وہ قبرستان کی حدود سے نکل کر اسی شخص کے ساتھ گھر کے اندر داخل ہو گیا۔

☆☆☆☆

یہ ایک چھوٹا سا کمرہ تھا جس کے وسط میں ایک کوئلوں کی انگیٹھی رکھی تھی جس میں سے جو دھواں نکل کر کمرے میں پھیل رہا تھا اس میں گوگل اور لوبان کی بدبو سے دم گھٹ رہا تھا کمرے کی دیواروں کا رنگ گہرا سرخ تھا اور اس میں موجود اکلوتی کھڑکی پر گہرا سیاہ پردہ تنا ہوا تھا ایک طرف ایک پانی کا مٹکا اور ایک عدد مٹی کا گلاس بھی رکھا ہوا تھا ایک جانب کھجور کے پتوں سے بنی ہوئی ایک چٹائی کے علاوہ کمرہ دیگر سامان سے عاری تھا۔

اس عجیب حلیے کے شخص نے جگو کو اشارے سے اس چٹائی پر بیٹھنے کو کہا جسے اس نے بغیر کسی چوں چراں کے تعمیل کرتے ہوئے براجمان ہونے میں ہی عافیت جانی۔ اس شخص نے جیب سے ایک پاؤڈر نکال کر اسے سامنے موجود انگیٹھی میں چھڑک دیا جس سے کم ہونے والی ایک ناگوار بو دوبارہ بدبودار فضا میں تبدیل ہو گئی۔ اس نے اپنا لمبا اوور کوٹ اتار کر ایک جانب اچھال دیا اور خود جگو کے سامنے بیٹھ کر اس سے مخاطب ہوا...... "ہاں اب بتاؤ کہ تم میرا چھپ کر پیچھا کیوں کر رہے تھے"۔؟ اس کے لہجے میں نا جانے کیا تھا کہ جیسے جگو کو اپنے سینے میں یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے برف کی بنی ہوئی سلاخ اس کے سینے میں گھونپ دی ہو......

"میں نے اس سے پہلے کبھی آپ کو یہاں نہیں دیکھا...... کون ہیں آپ"......؟؟ الٹا جگو نے اس سے سوال کیا۔

وہ شخص بغور اس کی طرف ہی دیکھ رہا تھا اس کے جواب میں بولا...... "میرا نام ضیوس ہے اور میں عیسائی مذہب سے تعلق رکھتا ہوں کالا علم اور کالا جادو جانتا ہوں......"

"لیکن میں نے آپ کو اس سے پہلے کبھی دیکھا نہیں تھا دوسرا آپ کا حلیہ ایسا تھا کہ مجھے تجسس ہوا اور میں آپ کا پیچھا کرتا ہوا قبرستان تک جا پہنچا......"۔ جگو نے جواباً دوبارہ کہا......

"بالکل نہیں دیکھا ہو گا میں صرف کام کے وقت ہی گھر سے باہر نکلتا ہوں اور دن میں صرف مجبوراً ایک بہت اہم کام کے سلسلے میں باہر نکلنا پڑا لیکن مجھے قبرستان میں پہنچ کر میرے بیروں نے تمہارے بارے میں بتا دیا تھا کہ تم پیچھا کرتے ہوئے قبرستان تک پہنچ گئے ہو...... کسی کے بارے میں مکمل چھان بین یا پتہ لگانے کے لئے کالے علم کا ایک عمل "لونا چماری" کرنا ہوتا ہے۔

لیکن چونکہ مجھے ابھی اس کی ضرورت نہیں تھی لیکن صرف تمہاری موجودگی کا پتہ میرے بیروں نے مجھے

اسے دیا تھا مزید تفصیلات کرنے کے لئے مجھے وہ عمل کرنا تا پھر مجھے تم سے کچھ پوچھنے کی قطعی ضرورت نہ تھی......"۔ ضیوس نے جواب میں پورا لیکچر جھاڑ دیا۔ وہ دیکھنے میں جتنا بھیانک اور پراسرار لگ رہا تھا اس کے بات کرنے اور لہجے سے شائستگی اور نرمی ٹپک رہی تھی......

جگو جو ڈر سے سہما بیٹھا تھا اب اسے کچھ حوصلہ ہوا تھا...... پھر جواب میں اس نے اسے اپنے متعلق تمام تفصیل بتا دی اور جب اس نے بتایا کہ وہ خود بھی عیسائی ہے اور کیتھولک فرقے سے تعلق رکھتا ہے تو ضیوس یہ سن کر چونکا اور پھر بڑے غور سے اس کے حالات سن کر سر ہلاتا رہا...... پھر جگو کے خاموش ہونے پر اس نے منہ ہی منہ میں کچھ پڑھا اور کمرے کے ایک کونے میں پھونک دیا۔ دوسرے لمحے اس کونے میں دھواں سا چکراتا ہوا نمودار ہوا۔ جس میں چقندر کی شکل کا ایک بونا تھا جس کے ہاتھ میں پھلوں سے بھری ایک ٹرے تھی وہ اس نے ضیوس کے سامنے رکھی اور فوراً غائب ہو گیا۔

ضیوس نے ٹرے اٹھا کر جگو کے سامنے رکھ دی اور اسے کھانے کے لئے کہا۔ جگو کے تو وہم و گمان میں نہیں تھا کہ کالے جادو سے ایسا بھی ممکن ہے وہ کبھی پھلوں کی جانب دیکھتا اور کبھی اس کی طرف اور پھر دوبارہ ضیوس کا اشارہ پاتے ہی اس نے سامنے رکھے پھل کھانے شروع کر دیئے۔ اور چند منٹوں میں اس نے اچھی خاصی پھلوں سے بھری ٹرے خالی کر دی...... پیٹ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے جگو نے ضیوس سے کالا جادو سیکھنے کا شوق ظاہر کیا جسے ضیوس نے کچھ سوچنے پر قبول کر لیا اور پھر اسے کل اپنے گھر آنے کا کہہ کر اسے اس کے گھر بھیج دیا۔

☆☆☆☆

دوسرے روز جگو اپنے گھر سے نکل کر ضیوس کے گھر میں داخل ہو گیا اور سیدھا چلتا ہوا اسی کمرے میں پہنچ گیا جہاں ضیوس اس کا انتظار کر رہا تھا...... چونکہ ضیوس نے اسے آنے کے لئے خود بلایا تھا اس لئے گھر کا دروازہ بھی کھلا ہی چھوڑ دیا تھا اس لئے جگو کو گھر کے اندر آنے میں کوئی پریشانی نہ ہوئی اور اسی نتیجے میں وہ اس وقت اس کے سامنے آلتی پالتی مارے بیٹھا تھا۔ کمرہ اسی طرح لوبان اور گوگل کی بو سے اور دھوئیں سے بھرا ہوا تھا لیکن اس وقت اس انگیٹھی کے سامنے ایک سفید خرگوش ایک پتلی سی اور مضبوط رسی سے بندھا ہوا تھا جو اچھل کود کر خود کو اس قید سے آزاد کروانے میں لگا ہوا تھا اور دیکھنے میں وہ بہت خوبصورت اور بھلا لگ رہا تھا لیکن بیچارہ اپنی دردناک موت سے بے خبر اپنی آزادی کی جنگ لڑنے میں مصروف تھا۔

ضیوس نے جگو کے بدن سے قمیض اتار کر ایک طرف رکھ دی تھی اور وہ ننگے بدن سے آلتی پالتی مارے ایک سادھو کی طرح چٹائی پر بیٹھا آنکھیں پھاڑے اپنے سامنے موجود اچھلتے خرگوش کو دیکھ رہا تھا اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ضیوس اس خرگوش کا آخر کرے گا کیا......؟؟ اور پھر جلد ہی اسے اپنے اس سوال کا جواب مل گیا۔

ضیوس نے ہاتھ لمبا کر کے اس رسی سے بندھے خرگوش کو گردن سے دبوچا اور ایک ہی جھٹکے میں اس کی گردن میں اپنے دانت گاڑ دیئے اور جگو کا یہ دیکھ کر حال برا ہو گیا کہ ضیوس کے دونوں جبڑوں کے کونوں سے دو نوکیلے دانت باہر نکل آئے تھے جو اس وقت اس خرگوش کی گردن میں پیوست تھے اور ضیوس غٹا غٹ اس کا تازہ خون پینے میں مصروف تھا......

چند لمبے لمبے گھونٹ بھرنے کے بعد ضیوس نے وہی خرگوش جگو کی جانب کر کے اسے بھی اس کا خون پینے کے لئے کہا۔ مگر جگو جو اپنی پھٹی آنکھوں سے یہ بھیانک منظر دیکھنے میں مصروف تھا خرگوش کو اپنی جانب کرتا دیکھ کر ایک جھٹکے سے اچھل کر پیچھے کی جانب گرنے لگا مگر پھر یکدم خود کو سنبھالتے ہوئے انکار میں گردن ہلا دی۔

یہ دیکھ کر ضیوس نے بڑے خوفناک انداز میں اسے اس کا خون پینے کے لئے دوبارہ کہا اس کے لہجے میں نا جانے کیا تھا کہ جگو نے فوری اس کے ہاتھ سے مردہ خرگوش کا جسم لے کر اپنے دانت اس کی گردن میں پیوست کر دیئے۔ اسے یہ سب عجیب لگ رہا تھا لیکن

ضیوس کے کہنے پر کہ اسے وہ تمام کرنے پڑیں گے جو اسے دنیاوی دولت سے مالا مال کردیں اور اسے ساری زندگی کوئی کام نہیں کرنا پڑیگا۔

جگو جو سدا کا سست اور نکما تھا اسے جب پیسے ملنے کی نوید ملی تو اس نے بھی چار و نہ چار وہی کچھ کرنے کا پکا ارادہ کرلیا جو ضیوس نے اسے پہلے دن اچھی طرح سمجھا کر اس کے گھر بھیجا تھا۔ ضیوس نے پہلے دن کا سبق جگو کو پڑھادیا تھا اور پھر مسلسل دو ہفتوں کی تربیت کے بعد جگو کو یوں محسوس ہونے لگا جیسے کوئی ہر وقت اس کے ساتھ ساتھ رہنے، چلنے اور سونے لگا ہو۔ اس کا ذکر اس نے ضیوس سے کیا تو وہ ایک مکروہ اور پراسرار ہنسی لبوں پر لانے کے بعد بولا.....

"یہ سب وہ بیر ہیں جو دو ہفتوں میں جگو کی محنت کی کمائی ہیں اگر وہ اسی طرح دل لگا کر کالا جادو سیکھتا رہا تو ایک دن کالے جادو کا بادشاہ بن جائے گا..... ضیوس کے پاس جگو کو تقریباً دو ماہ سے زیادہ کا عرصہ بیت گیا تھا اور اس دوران اس نے ہر وہ کام اس کے کہنے پر سرانجام دے لیا تھا جس کا ضیوس نے اسے کرنے کا کہا تھا اس میں گندگی کھانے سے ایک معصوم بچے کی بھینٹ جو اس نے شیطان کی نظر کی تھی شامل تھی جس کے عوض شیطان نے خوش ہوکر اسے کچھ پراسرار طاغوتی طاقتوں کا منتر عنایت کردیا تھا جس کی مدد سے وہ بہت سے اپنے مذموم اور ناپاک مقاصد پورے کرسکا تھا۔ اس نے ابھی اپنی بیوی بچوں کو کالے جادو سے لاعلم ہی رکھا تھا.....

گھر میں کچھ پیسے دینے سے گھر کے حالات بھی پہلے سے کچھ بہتر ہوگئے تھے اس نے اپنی بیوی کو یہی بتایا تھا کہ وہ ایک جگہ ملازمت اختیار کرچکا ہے اور جو پیسے وہ گھر دیتا ہے وہ اس کی مہینے بھر کی محنت کی کمائی ہے اس کی بیوی چونکہ بہت سیدھی عورت تھی اس لئے خاموشی سے رقم لے کر رکھ لیتی تھی۔

ایک روز شام کے وقت اس کی بیٹی گھر کے صحن میں نیم کے پیڑ تلے بیٹھی گھر کی تیار کردہ گڑیوں سے کھیل رہی تھی اور نزدیک ہی اس کا بھائی اسے کچھ کھلونے

اٹھا اٹھا کر دے رہا تھا کہ اچانک درخت کے اوپر سے ایک انسانی ہڈی جو کسی انسان کے بازو کی تھی اس کی بہن کے سر پر بڑے زور سے لگی ہڈی اتنی مضبوط تھی کہ اس کا ایک سرا سیدھا اس کے سر کی ہڈی کو توڑتا ہوا نیچے زمین پر گر گیا۔ اس معصوم کے منہ سے ایک تیز چیخ نکلی اور وہ زمین پر بے آب مچھلی کی طرح تڑپنے لگی اس کا بھائی اس کا یہ انجام دیکھ کر روتا اور چیختا ہوا اندر کمرے کی جانب بھاگا جہاں اس کی ماں صندوق میں کپڑے رکھنے میں مصروف تھی.....

ماں اپنے بیٹے کو اپنی طرف چیختا چلاتا آتے دیکھ کر دل پکڑ کر رہ گئی اور اس کے قریب پہنچنے پر اور باہر صحن کی جانب اشارہ کرنے پر دوڑتی ہوئی جیسے ہی صحن میں پہنچی تو اس کی حالت یہ دیکھ کر غیر ہوگئی کہ سامنے اس کی بیٹی کی لاش پڑی تھی اور جیسے پانی کا تالاب بن گیا تھا اس کے سر سے خون نکل کر اس کی لاش کے قریب پھیل گیا تھا۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا اور وہ لہرا کر زمین پر گر گئی اور بیہوش ہوگئی۔

☆☆☆☆

جگو اس وقت ضیوس کے پاس بیٹھا بات چیت میں مصروف تھا..... "آج میں تم کو ایک ایسا جاپ بتاؤں گا جس کے کرنے سے تمہیں زمین میں چھپے خزانے نظر آنے لگیں گے لیکن اس کے لئے شرط یہی ہے کہ تمہیں اپنی کوئی قیمتی شے شیطان کے چرنوں میں بھینٹ چڑھانی ہوگی....." ضیوس نے اپنے سامنے بیٹھے جگو سے کہا۔ جگو جو ہمیشہ سے ہی جلدبازی اور بغیر ہاتھ پیر ہلائے امیر بننے کے خواب دیکھ رہا تھا خوش ہوگیا کہ اس کا ایک دیرینہ خواب پورا ہونے جارہا ہے لیکن جب اسے ضیوس نے شرط کے متعلق بتایا تو اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ اسے کیا جواب دے..... ضیوس جو یہ بات کہہ کر اس کے چہرے پر نظریں جمائے بیٹھا تھا اس کو سوچ میں ڈوبا دیکھ کر بولا.....

"تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے تم صرف ہاں کردو باقی کام میں کردونگا....." جگو جو حقیقت

اس ابھی سوچوں میں تھا اس کے یہ کہنے پر فوراً اپنا سر ہلانے لگا اور فوری ہاں کردی۔

یہ سن کر ضیوس اسے وہ جاپ بتانے لگا جس کے کرنے سے اسے زمینی خزانے دکھائی دینے لگیں گے۔ تھوڑی دیر تک وہ دونوں آپس میں باتیں کرتے رہے پھر جگو اس سے اجازت لے کر گھر کی جانب چل پڑا۔ گھر کے اندر داخل ہوتے ہی جیسے اس کے سر پر پہاڑ ٹوٹ پڑا اس کی بیوی سامنے بیہوش پڑی تھی اس کی بیٹی زمین پر ایک لاش کی مانند پڑی تھی اور اس کے سر سے نکلنے والے خون سے زمین سرخ ہوچکی تھی اس کا بیٹا اپنی ماں کے جسم سے لپٹا رونے میں مصروف تھا اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا کہ یہ ماجرہ کیا ہے.....؟

اور پھر ایک خیال بجلی کے کوندے کی طرح اس کے ذہن میں آیا اور وہ چیخا اور دھاڑیں مارتا اپنی بیٹی کی لاش سے لپٹ کر رونے لگا۔ ہوش سنبھلتے ہی اسے اپنی بیوی اور بچے کا خیال آیا تو اس نے پانی کے چھینٹے اپنی بیوی کے منہ پر مارے اور اپنے بیٹے کو چپ کروایا۔ اس کی بیوی چھینٹے منہ پر پڑتے ہی جیسے ہوش میں آگئی اور اسے شعوری طور پر دوبارہ حقیقت کا پتہ چلا تو وہ اٹھ کر دوبارہ بچی کی لاش سے لپٹ کر دھاڑیں مار مار کر واویلا کرنے لگی.....

جگو اسے چپ کروانے کی کوشش کررہا تھا اس کے دھاڑنے سے محلے میں موجود لوگوں نے گھر کے اندر داخل ہوکر دیکھا تو الٹے قدموں واپس لوٹ گئے وہ اتنا خوفناک منظر برداشت نہ کرسکے تھے لیکن محلے کے کچھ نوجوانوں نے گھر کے اندر جاکر حقیقت کا پتہ کیا اور باہر آکر تمام لوگوں کو سچائی بتائی کہ کس طرح درخت کے اوپر سے گرنے والی ایک بڑی سی انسانی ہڈی نے ان کی بیٹی کے سر کی ہڈی توڑ کر اسے موت کی وادیوں میں دھکیل دیا ہے۔ حقیقت جان کر محلے کی عورتوں نے جگو کی بیوی کو سنبھالا وہ سب اس کی بہت عزت کرتے تھے اور جانتے تھے کہ وہ ایک نہایت شریف عورت ہے جبکہ اس کے برعکس وہ جگو کو منہ نہ لگاتے تھے کیونکہ انہیں وہ شروع سے ہی اچھا نہ لگتا تھا اور ماں باپ کے چل بسنے کے بعد تو وہ بہت ہی آوارہ مزاج ہوگیا تھا..... اس لئے محلے کے لوگ اسے زیادہ منہ نہ لگاتے تھے لیکن اس کی بیوی کی وجہ سے انہوں نے اس کی بچی کی تمام رسومات میں شامل ہوکر اور اس کی تدفین تک بہت ساتھ دیا تھا۔

وقت بہت بڑا مرہم ہوتا ہے اس لئے آہستہ آہستہ جگو کی بیوی نے خود کو سنبھالا اور دنیاداری میں خود کو مشغول کرلیا۔ جگو برابر اپنے استاد ضیوس کی شاگردی میں کالے جادو کے دیگر علوم پر عبور حاصل کرنے کے لئے اس کے پاس باقاعدگی سے جارہا تھا..... لیکن اس دوران وہ ضیوس کو اپنی بیٹی کی ہلاکت اسی دن ہونے کا تمام قصہ بیان کرچکا تھا اور جواباً جب ضیوس نے اسے بتایا کہ اب اسے اس طرح کے صدمات کا سامنا کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہنا پڑے گا کیونکہ اب وہ اس مقام پر پہنچ چکا ہے کہ اگر اس نے واپسی کا راستہ اختیار کرنے کا سوچا بھی تو شیطان کے چیلے اسے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ مزید یہ کہ وہ عنقریب بہت سی دولت کا مالک بن جائے گا جس سے وہ اپنی ناپاک خواہشات کی تکمیل کرسکتا ہے۔

جگو چونکہ شروع سے ہی لالچی طبیعت کا واقع ہوا تھا اس لئے جواب میں اس نے خاموشی اختیار کرلی اور برابر اس کے پاس مزید جادو سیکھنے کے لئے جانے لگا۔

☆☆☆☆

رات کا تقریباً ایک بجا ہوگا جب شہر سے باہر جانے والے راستے پر جگو اپنے کندھے پر کپڑے کا ایک تھیلا لٹکائے کچے پکے راستے پر آگے بڑھتا جارہا تھا اس کے قدموں سے اٹھنے والی آوازوں سے یوں لگ رہا تھا جیسے اس کے پیروں تلے چھوٹے چھوٹے چوہے کچلے جارہے ہوں اور اپنے بچاؤ کے لئے چیخ چلا رہے ہوں اس نے سیاہ لباس زیب تن کیا ہوا تھا اور اس کے ہاتھ میں شیشم کی ایک سوکھی شاخ تھی جس کے ایک سرے پر ایک کیل ٹھونک کر اس کے ساتھ ایک سیاہ دھاگہ باندھا ہوا تھا جس کے آخری سرے پر ایک بڑا سا گھنگرو بندھا

ہوا تھا وہ چلتے ہوئے تھوڑے تھوڑے وقفے سے اپنے اس ہاتھ کو گھما تا جاتا جس میں وہ شاخ تھی۔ اس کے اس عمل سے لمحہ بھر کے لئے خاموشی کا سحر ٹوٹتا اور پھر گہری خاموشی چھا جاتی۔

ضیوس نے اسے کالے جادو کا ایک بہت بڑا جاپ بتایا تھا جس کے کرنے سے وہ میلوں دور ہونے والی گفتگو کو با آسانی سن سکتا تھا۔ اسے یہ عمل کرنے کے لئے جگہ کی نشاندہی بھی ضیوس نے ہی کی تھی وہ کالے جادو میں اس قدر پختہ ہو چکا تھا کہ اب اسے اندھیرے یا کسی غیر مخلوق کے سامنے آجانے سے ڈر نہیں لگتا تھا کیونکہ اس کے پاس بھی بیر تھے لیکن کچھ عمل ایسے تھے جن کے کرنے کے لئے اسے اپنے بیروں یعنی موکلوں سے کام لینے کی بجائے خود کرنے ضروری تھے۔ اس لئے جو عمل اس نے آج کرنا تھا اس کے لئے اس کا خود وہاں جانا بہت ضروری تھا اس لئے وہ اسے جانا ہی پڑا۔.....

وہ جگہ زیادہ دور نہ تھی ایک پیپل کا درخت تھا جس کے نیچے ایک چبوترہ بنا ہوا تھا جس پر بیٹھ کر اس نے یہ جاپ کرنا تھا۔ ابھی وہ کچھ دور ہی گیا تھا کہ جیسے اس اپنے پیچھے یوں محسوس ہوا کوئی اس کا ہلکے ہلکے نام لیتا ہوا پیچھا کر رہا ہو پہلے تو اس نے اسے اپنا وہم سمجھا لیکن جب اسے وہ آواز بہت قریب سے سنائی دی تو وہ حیرت سے ادھر ادھر دیکھنے لگا اور دوسرے لمحے اس کے سامنے کے رخ ایک انسانی کھوپڑی نیچے زمین پر پڑی تھی جو اسے مخاطب کر کے اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کر رہی تھی..... وہ باقاعدہ اس کا نام لے رہی تھی۔

جگو نے غور سے سننے کی کوشش کی تو یہی بات سمجھ میں آئی کہ وہ کھوپڑی اسے آگے بڑھنے سے روک رہی تھی۔ اس نے یہ سن کر منہ ہی منہ میں کچھ پڑھ کر ہاتھ میں پکڑی شاخ کا رخ اس کھوپڑی کی طرف کر دیا اور دوسرے لمحے وہ یوں غائب ہوگئی جیسے کبھی اس کا کوئی وجود ہی نہ رہا ہو۔

جگو نے ابھی دوسرا قدم نہیں اٹھایا ہوگا کہ جیسے ایک دھواں سا چکراتا ہوا اس کے پیچھے نمودار ہوا اور یوں محسوس ہونے لگا جیسے وہ اسے کسی طرف چلنے کا کہہ رہا ہو۔ لیکن جگو نے تیز تیز قدموں سے اپنی منزل کی جانب پیش قدمی کی یہ دیکھ کر اس دھوئیں کے اندر سے بہت سی عورتوں کے ہنسنے کی آوازیں آنے لگیں اور پھر کچھ دیر کے بعد اس میں سے رونے کی آوازیں آنے لگیں یوں لگتا تھا جیسے بہت سی عورتیں مل کر بین کر رہی ہوں۔

پھر اچانک ایک خاموشی چھا گئی اس قدر خاموشی سے جگو بھی پریشان ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگا لیکن اسے زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑا اور اسی دھوئیں کے اندر سے خون کی ایک بوچھاڑ سی برآمد ہوئی اور سیدھی جگو کے منہ پر پڑی یوں لگتا تھا جیسے کسی نے تازہ تازہ بکرا کاٹ کر اس کا سارا خون اس پر انڈیل دیا ہو۔ جگو جو بڑے تجسس سے اس دھوئیں کے اندر جھانکنے کی کوشش کر رہا تھا اس غیر افتاد پر گھبرا کر ایک جانب گرتے گرتے بچا۔ خون سے اس کا چہرہ بہت بھیانک ہو گیا تھا اس کے ساتھ ہی جیسے آس پاس سے بہت سی بلیوں کے رونے کی آوازیں آنے لگیں یوں لگتا تھا جیسے ہزاروں بلیاں مل کر اودھم مچا رہی ہوں،

تصور کریں کہ شہر سے دور ایک ویرانہ، رات کا وقت خوفناک ماحول اور اوپر سے ہزاروں کی تعداد میں بلیوں کے رونے کی آوازیں ایک اچھے خاصے بندے کا دل ہلا دینے والا منظر بن گیا تھا۔ جگو جو خود کالے جادو کو سیکھنے میں کافی عرصہ گنوا چکا تھا وہ بھی کچھ خوفزدہ لگ رہا تھا۔ جگو نے کچھ دیر سوچا اور پھر منہ ہی منہ میں کچھ پڑھ کر ایک جانب پھونک دیا اس کی اس پھونک نے جیسے جلتی پر تیل کا کام کر دیا ہو بلیوں کے رونے کی آوازیں یکدم اتنی تیز ہو گئیں کہ جیسے کانوں کے پردے ابھی پھٹ جائیں گے اور ان سے خون بہنے لگے گا..... مگر ایسا صرف چند لمحوں کے لئے ہوا اور پھر یوں یکدم خاموشی چھا گئی کہ خود جگو کو بھی اس خاموشی سے وحشت ہونے لگی اس نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے اپنا سفر دوبارہ شروع کر دیا اب وہ جلد از جلد اپنی مطلوبہ جگہ پہنچ کر اپنا جاپ شروع کر دینا چاہتا تھا اب تک شاید وہ جاپ شروع کر چکا ہوتا اگر یہ

اچانک افتاد نہ آن پڑتی۔

رات دھیرے دھیرے اپنا سفر ختم کرتی جا رہی تھی چاند آسمان پر چمک رہا تھا۔ ستارے آپس میں سرگوشیاں کرتے زمین پر جاتے ہوئے جگو پر نظریں گاڑے ہوئے تھے۔ تھوڑا اور چلنے کے بعد جگو سامنے نظر آنے والے پیپل کے درخت کے نزدیک پہنچ گیا اور اپنا بیگ چبوترے پر رکھ دیا۔ پیپل کے درخت کا پھیلاؤ بہت زیادہ تھا جو اس درخت کی عمر زیادہ ہونے کا پتہ دے رہا تھا۔ چاروں طرف بھیانک خاموشی چھائی ہوئی تھی اور اب تو چاند کی روشنی بھی دور تک ہی محدود ہو کر رہ گئی تھی کیونکہ پیپل کے گھنا ہونے کی وجہ سے وہ روشنی کی راہ میں رکاوٹ تھا۔

جگو نے بیگ سے ایک موم بتی نکالی اور ماچس سے جلا کر ایک طرف رکھ دی جس سے درخت کے نیچے پھیلے اندھیرے میں تھوڑا سا اجالا پھیل گیا اور بیگ دوبارہ بند کر کے اس نے آلتی پالتی ماری اور اپنے گرد کا بتایا ہوا جاپ جپنے لگا۔ کھانا وغیرہ وہ گھر سے ہی کھا آیا تھا اس لئے اس کی پوری توجہ اپنے جاپ کے مکمل ہونے تک لگی ہوئی تھی۔

ابھی اس نے آدھا جاپ ہی مکمل کیا ہوگا کہ اچانک اس کے سر پر جیسے کسی نے اینٹ مار دی ہو یہ اینٹ پیپل کی اوپر شاخوں سے نیچے گری تھی اگر جگو صرف ایک لمحہ کے لئے بھی دیر کر دیتا تو شاید یہ اینٹ اب تک اسے جہنم واصل کر چکی تھی۔ لیکن جگو بلا کا تیز نکلا اسے جیسے ہی پتوں کی سرسراہٹ محسوس ہوئی وہ لپک کر ایک جانب جھک گیا اور اینٹ شائیں کی آواز سے اس کے سر کے اوپر سے گزر گئی لیکن دوسرے ہی لمحے اسے یوں محسوس ہوا جیسے کسی بچے نے روتے ہوئے اس کا نام لے کر پکارا تھا اور جگو کو یہ سن کر یوں لگا جیسے کانوں تو لہو نہیں کیونکہ یہ کسی اور کی نہیں اسی کے بچے کی آواز تھی اور پھر یہ اس کے لئے یہ لمحہ قیامت سے کم نہ تھا کہ اگر وہ جاپ چھوڑتا تو اس کو مزید نقصان کا اندیشہ تھا اور اگر یونہی بیٹھا رہتا تو وہ اپنے مزید نقصان کو بچا سکتا تھا۔

لیکن وہ صرف سر پٹک رہ گیا۔ اسے اچھی طرح معلوم ہو گیا تھا کہ اس پر کیا گیا اور اس خالی جاتے دیکھ کر اس جاپ کے موکلوں نے اس کے خاندان کے ایک اور ممبر کی بھینٹ لے لی تھی۔ اسے ہر نیا جاپ سیکھنے کے لئے ایک بلیدان دینا پڑ رہا تھا۔ لیکن افسوس اب جو راستہ وہ اختیار کر چکا تھا اس سے پیچھے ہٹنے کا مطلب تھا کہ خود اس کی اپنی موت..... جو وہ بالکل بھی گوارہ نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے دوبارہ جاپ شروع کر دیا اور ابھی اس نے جاپ کا مزید آدھا حصہ مکمل کیا ہوگا کہ اسے یوں محسوس ہوا جیسے کوئی اس کے آس پاس لمبے لمبے سانس لے رہا ہو اور وہ اس کے اس قدر قریب تھا کہ جگو کو اپنے چہرے اور گالوں پر گرم گرم سانسوں کی ہوا باقاعدہ محسوس ہو رہی تھی۔

پھر اچانک جیسے کسی نے زوردار پھونک مار کر چبوترے پر روشن موم بتی کو بجھا دیا اور دوسرے لمحے چاروں طرف پھر اندھیرے کا راج تھا۔ جگو آنکھیں پھاڑے بڑے غور سے ادھر ادھر دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن اندھیرے میں کچھ بھائی نہیں دے رہا تھا۔ جگو نے آہستہ سے بیگ کے اندر اپنا دایاں ہاتھ ڈالا اور کچھ ٹٹولنے لگا۔ جلد ہی اس کے ہاتھ میں ماچس تھی اس نے فوراً ایک دیا سلائی جلائی اور دوسرے ہی لمحے اس کے منہ سے ایک خوفناک چیخ نکل گئی۔

بالکل جی ہاں بالکل اس کے چہرے سے صرف چھ انچ کے فاصلے پر ایک انتہائی خوفناک سیاہ چہرہ موجود تھا جو اپنا بھیانک چہرہ کھولے اپنا دایاں ہاتھ اوپر اٹھائے اس کے سامنے موجود تھا اس کی انگلیوں میں موجود لمبے ناخن آدھے مڑے ہوئے تھے اور اس کے کھلے منہ سے نکلے دانت بہت بھیانک منظر پیش کر رہے تھے۔

جگو نے بڑی مشکل سے خود کو سنبھالا لیکن اس سے پہلے کہ وہ اپنے بچاؤ کے لئے کچھ کرتا اس بھیانک چہرے والے نے اس کو ایک تھپڑ جڑ دیا۔ جگو کو جیسے ہی تھپڑ لگا وہ دور جا کر گر گیا وہ خواب میں بھی نہیں سوچ سکتا تھا کہ اسے یوں اچانک وہ چہرہ تھپڑ مار دیگا۔ تھپڑ انتہائی زوردار تھا جگو کو یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے جلتے ہوئے انگارے

اس کے گالوں میں بھر دیئے ہوں اور تکلیف زیادہ ہونے کی وجہ سے اس کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔

ابھی وہ صدمے سے سنبھلا بھی نہیں تھا کہ اسی چہرے نے اس کے سر کے بالوں کو اپنی مٹھی میں پکڑ کر زوردار جھٹکا دیا اور جگو کے منہ سے دوبارہ چیخ نکل گئی۔ جاپ وغیرہ وہ بھول چکا تھا سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس طرح اچانک جاپ کے دوران اس کے ساتھ یہ مار پیٹ والا کیا سین تھا......

اور پھر ایک خیال اس کے ذہن میں بجلی کی طرح کوندا کہ اس نے ہو نہ ہو جاپ کے دوران کوئی ایک غلطی کی تھی اور پھر اسے اپنے گرو ضیوس کی یہ بات یاد آگئی کہ اگر اس نے جاپ کے دوران کوئی غلطی کی تو اس کا خمیازہ وہی بھینٹ والا ہی ہوگا اس لئے جیسے بھی حالات ہوں لیکن اسے جاپ ایک نشست میں ہی مکمل کرنا ہوگا۔ لیکن وہ بے دھیانی میں وہ غلطی کر چکا تھا اور اس کے ساتھ جو سلوک ہو رہا تھا وہ اور بھی جان لیوا تھا کہ وہ اب کسی اور بڑے نقصان کا انتظار کر رہا تھا۔

اور پھر اچانک جیسے اس کے کانوں میں اپنی بیوی کے رونے کی آواز سنائی دی جو اسے کوس رہی تھی کہ اس نے اپنے اس منحوس کاروبار کے چکر میں اپنے دونوں بچوں کے ساتھ ساتھ اس کو بھی اپنی ناپاک خواہشات کی بھینٹ چڑھا دیا۔

جگو کو اپنے دل پر چھریاں چلتی محسوس ہوئیں وہ اپنے اس منحوس شوق کی خاطر اپنے پورے خاندان کو داؤ پر لگا چکا تھا۔ وہ پھنس گیا تھا اب کچھ نہیں ہو سکتا تھا لیکن جو کچھ اس کے ساتھ بھی ہو رہا تھا وہ بہت تکلیف دہ تھا وہ چہرہ اسے مسلسل اذیتیں دینے میں لگا ہوا تھا ہر بار اس کا ایک نیا ستم ہوتا تھا۔

جگو آخر انسان تھا کب تک اس کی مار سہتا۔ مسلسل مار کھانے کے بعد اور ایک زوردار مکے کی ضرب نے جیسے اس کے سینے کو پھاڑ دیا ہو وہ لہرا کر ایک جانب گرا اور دوسرے لمحے اس کی آنکھوں میں روشنی نہ رہی۔ اس کا بے جان جسم زمین پر ایک کیڑے مکوڑے کی طرح پڑا ہوا تھا اور وہ بھیانک چہرہ شاید اپنا کام کر کے غائب ہو چکا تھا اور دوبارہ چاروں طرف خاموشی کا راج تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے یہاں کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

☆☆☆☆

ضیوس جگو کو بھیج کر ضیوس خود ایک چلہ کاٹنے میں مصروف تھا وہ جگو کی حفاظت کے لئے اس کی پشت پر تھا۔ اس نے اسے تمام جاپ سمجھا کر روانہ کرتے ہی خود اس کو اپنی تصوراتی آنکھ کے ذریعے دیکھ رہا تھا۔ جگو کے چبوترے پر پہنچ کر جاپ پڑھنے تک وہ اسے اپنے ایک علم کے ذریعے بخوبی دیکھ رہا تھا اور پھر جب جگو نے پے در پے جاپ میں غلطیاں کرنا شروع کر دیں تو ضیوس سمجھ گیا کہ اب جگو کا بچنا بہت مشکل ہے کیونکہ اس نے جاپ میں غلطیاں کر کے اپنے ساتھ ساتھ اپنے بیوی بچوں کو بھی موت کے راستے پر ڈال دیا تھا اور پھر جو کچھ ہوا تو ضیوس اپنے ایک علم کے ذریعے سب دیکھتا رہا اور جب جگو اس بھیانک چہرے کے ہاتھوں موت کے گھاٹ اتارا گیا تو اس نے بھی افسوس کرتے ہوئے اپنا چلہ ختم کیا اور بے چینی سے صبح ہونے کا انتظار کرنے لگا۔

صبح کا اجالا پھیلتے ہی وہ سیدھا اسی جگہ پہنچا جہاں جگو رات بھر ایک لاش کی طرح بے یار و مددگار پڑا تھا چونکہ یہاں زیادہ جنگلی جانور نہ تھے اس لئے لاش محفوظ رہی ورنہ اب تک لاش کا قیمہ بن چکا ہوتا۔

ضیوس نے جگو کی لاش کو ایک جانب بنے ایک گڑھے میں پھینک کر اس پر مٹی وغیرہ ڈال کر بند کر دیا۔ اور اس کا بیگ لے کر واپس اپنے گھر کی جانب چل دیا۔ اس کے چہرے پر ایک عجیب سی خباثت پھیلی ہوئی تھی جیسے ابھی ابھی وہ کوئی انتہائی بھیانک کھیل، کھیل کر آرہا ہو۔

قارئین ضرور سمجھ گئے ہونگے کہ ضیوس اپنے شیطان کو خوش کرنے کے لئے اور مزید بیر یا موکلوں کے حصول کے لئے رات ایک اور بھینٹ دے چکا تھا۔

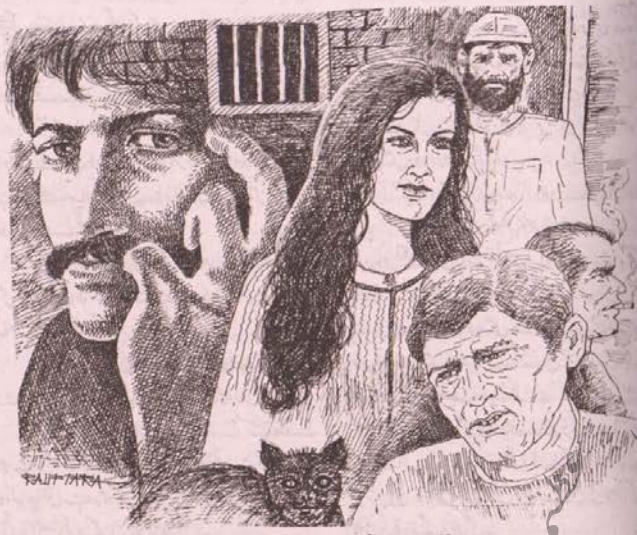

خونی کہانی

صبا رمضان۔ پنڈ دادنخان

اچانک تیز بارش شروع ہوئی اور ایک سفید ہیولہ نمودار ہوا، اور وہ آگے بڑھا اور پھر اڑتا ہوا جادوگرنی کے پاس آیا کہ اچانک اس نے منتر پڑھا اور ہار جادوگرنی کے گلے میں ڈالا تو......

بھلا خدا کے کلام...... سے بھی بڑھ کر کوئی طاقتور ہو سکتا ہے...... سبق آموز...... کہانی

تھرماس سے اٹھی بھاپ اب مدھم پڑنے لگی تھی کمرے کا ٹمپریچر کھڑکیاں بند ہونے کی وجہ سے قدرے گرم ہو چکا تھا۔ لیکن کمبل میں لپٹی وہ نازک سی دوشیزہ ابھی بھی کانپ رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد وہ آہستہ سے اٹھی اور اپنے کانپتے ہاتھوں سے تھرماس سے چائے نکالی۔ کمرے میں اس حسینہ کے علاوہ کوئی نہ تھا لیکن پھر بھی اس نے دو کپ چائے اٹھا کر اپنے پلنگ پر آگئی۔

"لو...... پی لو۔" سریلی سی آواز میں وہ لڑکی بولی اور چائے کا ایک کپ بیڈ پر بالکل اپنے سامنے رکھ دیا جبکہ اپنا کپ ہاتھ میں پکڑ کر بیٹھ گئی اور صبح کے پانچ بجنے والے ہیں یقیناً تم کو جانا ہوگا۔"

اس لڑکی نے دیوار پر لگے وال کلاک کی جانب دیکھا اور خوشی سے لبریز آواز میں بولی۔

"شمائل۔ اٹھو فجر ہونے والی ہے......" امی کی آواز

پر شمائل چونک پڑی اور گھبرا کر ادھر ادھر دیکھا۔ چائے کا کپ اس کے ہاتھ میں خالی تھا جبکہ دوسرا بھی خالی تھا۔ شمائل مارے خوف کے رونے لگی۔

"امی...... ا...... می...... امی وہ پھر آئی تھی۔ وہ نہیں چھوڑتی مجھے آپ کا دم درود اس پر اثر نہیں کرتا وہ بہت طاقتور ہے وہ مجھے نفسیاتی مریض بنا رہی ہے۔" شمائل پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"پاگل تو نہیں ہوگئی شمائل تم؟ بھلا خدا کے کلام سے بھی بڑھ کر کوئی طاقت ور ہوتا ہے۔ میری بچی مت رو مولوی صاحب سب ٹھیک کر دیں گے۔"

امی سے شمائل کی حالت دیکھی نہیں جا رہی تھی۔ وہ بڑے پیار سے شمائل کے بالوں میں ہاتھ پھیر رہی تھیں۔

"دو سال ہوگئے ہیں ایسے ہی لرزتے سسکتے، روتے دھوتے...... خدا جانے کب اس سے چھٹکارا ملے گا کون ہے وہ، کیا چاہتی ہے، کچھ نہیں پتہ...... کمبخت سامنے کیوں نہیں آتی۔" امی شمائل کے پاس ہی بیٹھ گئیں۔

"وہ صرف مجھے نظر آتی ہے۔ کبھی اذیت دیتی ہے تو کبھی بس خاموشی سے چلی جاتی ہے۔" شمائل نے روتے ہوئے امی کے گھٹنے پر سر رکھ لیا اور امی جلدی جلدی آیت الکرسی اور کچھ آیات پڑھ کر شمائل پر دم کرنے لگیں۔

☆......☆......☆

جیسے ہی اپنے کمرے سے وہ باہر نکلی سامنے بہت سے مردے کفن میں لپٹے اسی کی طرف آ رہے تھے۔ وہ چیختی ہوئی کمرے میں واپس گھس گئی اور کمرے میں جاتے ہی وہ بغور دیکھتے ہوئے کونے میں بیٹھ گئی۔ اس کے لمبے کالے بالوں میں کچھ سرسراہٹ سی ہوئی اس نے تیزی سے اپنا ہاتھ بالوں میں ڈالا، اس کے بالوں سے ریت کی طرح موٹے موٹے کیڑے نکل کر زمین پر رینگنے لگے تو وہ جلدی سے پلنگ پر چڑھ گئی اور مدد مدد کی آواز نکالنے لگی۔

"کوئی ہے؟؟؟ بچاؤ بچاؤ۔ میری مدد کرو، ہیلپ می۔" پورا کمرا کیڑوں سے بھر گیا ایسے لگ رہا تھا جیسے کمرے میں کیڑوں کا طوفان آ گیا ہو اس طوفان میں وہ کمبل اوڑھے ڈری سہمی بیڈ کے کونے میں بیٹھی ہوئی تھی۔

اس نے اپنی آنکھیں سختی سے بند کر لی تھیں اور کمبل کے کونے مضبوطی سے اپنی مٹھی میں دبائے ہوئے تھے تاکہ کوئی بھی کیڑا، اندر نہ گھس سکے۔ جب طوفان تھم گیا تو اس نے آہستہ سے کمبل ہٹایا تو وہ کسی قبر پر بیٹھی تھی پورا قبرستان خاموشی میں ڈوبا ہوا تھا۔

"یہ کہاں آ گئی میں......" وہ خود سے ہم کلام ہوئی۔

"وہ قبرستان میں ادھر ادھر تیزی سے بھاگنے لگی لیکن باہر نکلنے کا کوئی راستہ نظر نہیں آیا۔ یہاں تک کہ صبح کے اجالے پھیلنے لگے۔ وہ کسی بھکاری کی مانند لگ رہی تھی۔ اس کے بال چہرہ کپڑے مٹی میں اٹے ہوئے تھے اور وہ ننگے پاؤں قبرستان میں ادھر ادھر بھاگ رہی تھی وہ اس جگہ سے نکلنا چاہتی تھی۔ وہ تھک کر ایک درخت کے نیچے آنکھیں بند کر کے بیٹھ گئی وہ آنکھیں موندے تیزی سے سانس لے رہی تھی۔ اس کے ہونٹ کسی بنجر زمین کے مانند خشک تھے، قبرستان کی خاموشی میں گونجتی اس کے دل کی دھڑکن کسی ڈھول کی آواز لگ رہی تھی۔

☆......☆......☆

ادھر بیٹھنے کو کس نے کہا تجھے۔

رات کی تاریکی میں اگر اچانک سے بادل گرجے تو ان کی ویسی آواز ہی آتی ہے جیسے اس لال چولے والے آدمی کی آواز تھی۔

شمائل نے جھٹ سے آنکھیں کھولیں وہ کوئی جوگی معلوم ہوتا تھا اس نے اپنے ماتھے پر سفید رنگ کی تین لائنیں کھینچی ہوئی تھیں۔ وہ قدرے دیوہیکل انسان تھا لیکن وہ کسی قربانی کے جانور کی طرح سجا ہوا تھا۔ اس کے پاؤں ننگے تھے اور اس کا چولا پنڈلیوں تک لال رنگ میں تھا۔

شمائل نے قدرے ہمت جمع کی اور بولی۔ "بابا میں نہیں جانتی میں یہاں کیسے آئی وہ میرا پیچھا کر رہی ہے اس نے مجھے یہاں بھیجا تاکہ وہ مجھے مار سکے۔"

"کوئی تو کارن ہے اس کا وہ آتما کمزور نہیں ہے تیری آنکھوں میں سب کچھ نظر آ رہا ہے۔" جانتی ہے یہ کون سی جگہ ہے؟"

"نہیں......" شمائل بولی۔

"بچوں کا شمشان گھاٹ" شمائل کی لاعلمی بھانپتے ہوئے جوگی بولا۔

"بچوں کے قبرستان سے میرا کیا تعلق...... وہ نہیں...... جنات...... چڑیلیں یہ سب تو کسی انتقام کی وجہ سے لوگوں کے پیچھے پڑتے ہیں۔ جو روح مجھے ملنے آتی ہے وہ مجھے نقصان نہیں پہنچاتی۔ دو سال سے وہ میرے ساتھ ہے آج پہلی بار اس نے ایسا کیا۔ لیکن مجھے اس کے قہر سے بچا لیں۔ میں انسان ہوں۔ انسانوں کی دنیا میں رہنا چاہتی ہوں۔" شمائل روتے روتے جوگی کے پیروں میں بیٹھ گئی۔

تیری ماتا تیرا انتظار کر رہی ہے وہ میرے پاس آئی تھی۔ ڈھونڈتے ہوئے۔ اب چلی جا۔ میرے ذہن میں کچھ سوالات ہیں۔ صبح تک ان سوالات کا جواب نکال لوں گا۔" جوگی نے اپنا ڈنڈا اس درخت کے پاس رکھا اور وہیں ... جبکہ شمائل کو قبرستان کے باہر کی طرف اشارہ کیا جہاں اس کی ماں اس کا انتظار کر رہی تھی۔

☆......☆......☆

"سات رنگ کے سات الگ الگ سانپ کی کینچلی کو آگ میں جلا کر اس کی راکھ کو آملہ میں پیس کر سرسوں کے تیل میں ملا دیا ہے اب یہ شمائل تک پہنچا دو اور اس بات کی گارنٹی دو کہ وہ یہ تیل اپنے بالوں میں لگائے گی۔" کرانتی ماں نے ایک بوتل جس پر سرسوں کے تیل سلطان کا لیبل لگا ہوا تھا، تیل بیچنے والے کو دی۔ جو گلی گلی پھیری لگا کر تیل بیچنے سے اپنا پیٹ پالتا تھا۔ چند پیسوں کی لالچ میں آ کر وہ کسی کی زندگی برباد کرنے پر مجبور ہو گیا۔

"پر میم صاحب سلطان تو بہت بڑی کمپنی ہے، ہم اتنا دھوکہ نہیں دیتے مانا کہ ہم گھٹیا مال فروخت کرتے ہیں پر اتنا بڑا ظلم نہیں میم صاحب مجھ سے نہیں ہوگا۔" پھیری والے نے شیشی وہیں رکھی اور اپنی ٹوکری سمیٹنے لگا۔

ارے او بڈھے جیسا کہا ہے ویسا کر ورنہ تو جانتا ہے کرانتی ماں تیرے خاندان کو مٹا دے گی۔" کرانتی ماں ایک دم غصے میں آ گئی۔ جس پر وہ پھیری والا جلدی سے وہ شیشی اٹھا کر باہر چلا گیا۔

پوچھتے پوچھتے آخر وہ شمائل کے گھر کے قریب پہنچ ہی گیا۔ "تیل والا...... بال لمبے کرنے کا تیل...... جوئیں مار تیل...... بال گرنا بند...... سفید بال سے چھٹکارا...... تیل والا...... تیل لے لو تیل......" وہ پھیری والا اپنے تیل کے خواص شمائل کے گھر کے سامنے کھڑا ہو کر بیان کرنے لگا۔ آدھ گھنٹہ گزر گیا اور کوئی نہ آیا تو پھیری والے نے دروازہ کھٹکھٹایا۔

"کون ہے۔" امی نے دروازے کے اندر سے آواز دی۔

"خالہ جی تیل چاہئے۔" 150 روپے کی بوتل ہے۔ بالوں کو گھنا، سیاہ اور لمبا کرے گا۔"

"نہیں ہمیں نہیں چاہئے۔"

امی نے اب بھی دروازہ نہیں کھولا۔

"خالہ جی لے لو ناں۔ آپ کے بہت کام آئے گا۔"

"تمہیں سمجھ نہیں آتی۔ جاؤ۔" اب امی کی آواز میں خفگی تھی۔

"خالہ جی...... خالہ جی...... میرے بچے بھوکے ہیں۔ صبح سے شام ہوگئی پھیری لگا لگا کر حلق سوکھ گیا۔ صبح سے ایک روپیہ نہیں کمایا۔ میری 7 سال کی بیٹی بالکل بھوکی ہے۔ سوچیں اگر میری جگہ آپ کی بیٹی ہوتی۔ خالہ جی رحم کرو ایک شیشی خرید لو۔" پھیری والے نے اپنی چال کا آخری پتا پھینکا جو عین نشانے پر لگا۔ امی فوراً ہی دو بوتلیں خریدنے لگیں پھیری والے نے شیشی دی اور جلدی سے چلتا بنا۔

شمائل بیٹا جلدی آؤ۔ یہ دیکھو...... میں نے تمہارے لیے تیل خریدا ہے۔ آؤ میں تمہارے سر میں لگا دوں۔ کل رات میں تمہیں ٹھیک سے نیند بھی نہیں آئی۔ آؤ...... میں مالش کر دوں تو تم آرام سے سو جانا۔"

شمائل امی کے گھٹنوں میں بیٹھ گئی اور امی نے کرانتی ماں والا تیل لگانا شروع کیا۔

"امی کتنی اچھی خوشبو آ رہی ہے نا۔" شمائل نے اپنے تیل لگے بالوں کو سونگھا۔

ہاں...... بہت اچھا تیل ہے۔ وہ پھیری والا بڑے فوائد بتا رہا تھا۔ چلو اب آنکھیں بند کر کے لیٹ جاؤ

اور سو جاؤ۔" امی نے تیل کی شیشی بند کی اور لائٹ آف کر کے باہر چلی گئیں۔

شائل نے اپنے بالوں کو کیچر میں باندھا اور بیڈ کے سائیڈ دراز کی طرف گئی۔ دراز سے ایک پرانا کیمرہ نکالا اور واپس بیڈ پر آ گئی۔ وہ کیمرہ تقریباً 15 یا 16 سال پرانا تھا۔ شائل نے کیمرہ آن کیا اور ویڈیوز دیکھنے لگی۔

"آج میری پرنس کی سالگرہ ہے اور میں ہوں اس پرنس کا بابا۔ چلیں میں آپ کو اس گھر کے باقی ممبرز سے ملاتا ہوں۔ یہ ہمارا فائٹر بیٹا شہروز ہے۔ اور اب چلتے ہیں اپنی سمجھدار بچی شائنہ کی طرف۔ شائنہ بیٹے کیا کر رہی ہو؟"

پاپا شائل کا فیورٹ کیک بنا رہی ہوں اور آپ بھی تیار ہو جائیں مہمان آتے ہی ہوں گے۔ ماما کہاں ہیں۔ لگتا ہے وہ ابھی تک پارلر میں ہیں۔"

"دیکھا آپ نے ہماری شائنہ نہ ہوتی تو جانے ہمارا کیا ہوتا۔ چلو میں آپ کو شائل سے ملواتا ہوں جس کی آج سالگرہ ہے۔"

"پنک کلر کا میری فراک پہن کر شائل گھوم گھوم کر پاپا کو اپنا فراک دکھانے لگی۔ Barbie سے بھی زیادہ پیاری لگ رہی ہے میری شائل۔"

"جب ماما ملکہ پرستان سی لگے تو بیٹی کیوں نہیں۔" پاپا کے عقب سے آواز آئی تو انہوں نے فوراً کیمرہ گھما کر ماما کی جانب کیا۔

"ہاہاہا..... نگہت بیگم یہ کیا ہے۔" پاپا ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو رہے تھے کیونکہ مما نے اپنی شادی کا غرارہ پہن رکھا تھا۔

"جناب آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے آج شائل کا برتھ ڈے ہے، شائنہ یا شائل کی رخصتی نہیں ہے۔" پاپا نے کیمرہ ٹیبل پر ایڈجسٹ کیا اور خود چیئر کھینچ کر بیٹھ گئے۔

"ان کی رخصتی پر میں یہ تھوڑی پہنوں گی بلکہ میں تو میرون لہنگا پہنوں گی اور جمال صاحب آپ گولڈن شیروانی، بھئی ہماری بیٹیوں کی رخصتی ہوگی دلہن کے ماں باپ نہیں تھیں گے تو کون بنے گا بھلا۔"

"واہ..... واہ..... کتنی زبردست پلاننگ ہے مما مما میں تو کہتی ہوں ساتھ ہی آپ مہندی، مایوں ولیمہ کی رسمیں بھی کر لینا اور ہمارا کیا ہے پہلے ہمارے ماں باپ کی خواہش تو پوری ہو۔" شائنہ کی بات پر مما منہ بنا کر سائیڈ پر بیٹھ گئیں جبکہ پاپا کی ہنسی رکنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔

"ویسے میں آپ کو بتانے آئی تھی۔ رفعت خالہ کی تینوں بچیاں اور خالو امریکہ سے آ گئے ہیں اور گیسٹ میں تشریف فرما ہو چکے ہیں۔" شائنہ کی بات سن کر ماما جلدی سے اٹھیں اور سیڑھیاں اترتی ہوئی نیچے چلی گئیں۔

شائنہ نے شائل کو برتھ ڈے کیپ پہنائی اور کیمرہ لے کر نیچے آ گئے۔

پورا گھر سج چکا ہے۔ نیلی، نیلی اور لال لائٹس اور ربن سے میں نے خود ہال کی سجاوٹ کی ہے اور یہ پھول....." پاپا نے گلاب اور چنبیلی کے پھول کیمرے کی طرف واضح کئے۔ "یہ پھول میں نے خود سلیکٹ کئے ہیں اپنی شائل بٹیا کے لئے۔"

"پاپا شائل کی فرینڈز آئیں.....؟" شائنہ نے گلاس ٹیبل پر سیٹ کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں..... یہ چھوٹی چھوٹی پریاں سب شائل کی فرینڈز ہی تو ہیں۔ شائنہ تم نے جو کیک بنایا تھا وہ تو لیڈی ہے کیا؟"

"جی پاپا۔ ویسے تو پائن ایپل کیک بھی آرڈر کیا ہوا ہے لیکن شائل کے لئے چاکلیٹ کیک میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے۔"

"چلو پھر کیک سیرمنی اسٹارٹ کریں۔" پاپا نے کیمرہ ایک اونچی جگہ فکس کیا جہاں سے پورا ہال ریکارڈ ہو رہا تھا۔

"ماما پاپا..... خالہ..... خالو جان..... کم آن پیارے پیارے بچوں۔" شائنہ نے کیک ٹرالی ہال میں سیٹ کی۔

"شائل جانی آ جاؤ۔" ماما شائل کی انگلی پکڑ کر ہال میں آئیں۔

"ماشاء اللہ کتنی بیوٹی فل لگ رہی ہے شائل۔" خالو

نے بھی شائل کی طرف دیکھا۔

"ہاں واقعی شہزادی لگ رہی ہے۔" خالہ نے خالو کی تائید کی۔

"لگ رہی ہے مطلب..... بلکہ میری شائل شہزادی ہے۔" ماما نے خالہ کو جواب دیا۔

گلابی فراک پہنے وہ کیوٹ سی شائل کیک کے بالکل سامنے آ گئی۔ ماما نے کیک ٹائف شائل کے ہاتھ میں دی۔ فضاء میں یک دم Happy Birthday Shumail، کی آوازیں گونجنے لگیں۔ شائنہ نے سنو اسپرے آن کیا جبکہ پاپا نے عین شائل کے اوپر ہلکا غبارہ پھوڑا جس میں سے رنگ برنگ گلیسٹرز نکل کر شائل کے اوپر گرے ہر طرف گلیسٹرز اور سنو اسپرے تھا کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

یک دم فضاء میں پیلی سی روشنی نمودار ہوئی۔ "یہ کیا ہو۔" ہال سے آوازیں آنے لگیں۔ ایک زوردار چیخ نے سب کے ہوش اڑا دیئے۔ شائل کا فیری فراک آگ کی لپیٹ میں تھا اور وہ مسلسل چیخ رہی تھی۔ تمام لوگ اپنی جان بچانے کے لیے ادھر ادھر بھاگ رہے تھے اور ایک دوسرے سے ٹکرا رہے تھے۔

شائل کو بچانے کے لیے پاپا ہر ممکن کوشش کر رہے تھے کہ مما کا غرارہ شائل کے پاؤں کے نیچے پھنسا اور ماما نے سہارا لینے کے لیے شائنہ کا ہاتھ پکڑ لیا۔

پاپا نے پانی کا پائپ شائل اور مما کی طرف پھینکا۔ آگ تیزی سے پھیلتی ہوئی کرسیوں اور میز کو لپکانے لگی۔

ایک زوردار دھماکہ ہوا اور کیمرہ نیچے گر گیا۔ شائل کی آنکھوں میں آنسو تھے اور وہ کیمرے کی بلینک اسکرین کو گھورے جا رہی تھی۔

"کتنی بار دیکھو گی اس کو۔" امی کی آواز سے شائل چونک گئی۔

"اس واقعے نے تمہارے پاپا، بھیا، آپی تمہارے دوست تمہاری خالہ خالو ان کے بچے سب کو ہم سے چھین لیا۔" امی شائل کے پاس آ کر بیٹھ گئیں۔

"تو ہم کیوں بچے..... کتنا اچھا ہوتا جو ہم بھی نہ بچتے۔" شائل کی نظریں ابھی بھی کیمرے کی اسکرین پر مرکوز تھیں۔

"شاید ہماری موت اس وقت نہیں لکھی تھی۔ شاید ہم نے گھٹ گھٹ کر جینا ہے۔ یہی ہماری قسمت میں لکھا ہوگا۔" امی نے شائل کے ہاتھ سے کیمرہ لیا۔

"ماما..... ماما..... ماما..... میرے سر میں..... ماما" شائل نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا۔ امی نے شائل کی اچانک بگڑتی حالت دیکھی تو پریشان ہو گئیں۔ شائل بری طرح اپنے بال نوچنے لگی امی سے شائل سنبھالی نہیں جا رہی تھی۔

امی فوراً پڑوس میں گئیں اور پڑوسن کو بلا کر لائیں۔ پڑوسن نے ٹیکسی کا انتظام کیا تاکہ شائل کو اسپتال لے جایا جا سکے۔

جب شائل کی امی اور پڑوسن گھر پہنچی تو حیرت سے ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ دس منٹ میں ہی شائل کی حالت بہت خراب ہو گئی تھی۔ شائل کے ناخن خون میں لت پت بالوں سے الجھے ہوئے تھے۔ اس کی آنکھیں بند تھیں اور چہرے پر درد کے شدید آثار تھے شاید وہ بے ہوش ہو چکی تھی۔ امی اور پڑوسن نے مل کر شائل کو ٹیکسی میں بٹھایا اور پڑوسن نے ٹیکسی والے کو اسپتال جانے کے لئے کہا۔

"نہیں ڈرائیور..... ہمیں یہ جو پاس بچوں کا قبرستان ہے ادھر لے چلو....." امی کی بات سن کر ڈرائیور نے ٹرن لیا اور پڑوسن نے امی کی طرف دیکھا لیکن پھر خاموش ہو گئی۔

قبرستان پہنچ کر پڑوسن ٹیکسی سے واپس آ گئی۔

امی نے شائل کو درخت کے سہارے بٹھایا اور اس جوگی بابا کو تلاش کرنے لگی۔ وہ جوگی کسی قبر کے سرہانے سو رہا تھا۔

"بابا جی..... بابا جی میری بیٹی....." جوگی کے پیروں پر امی گر کر رونے لگیں۔

جوگی گھبرا کر اٹھ بیٹھا۔ "کدھر ہے؟"

"وہ ادھر..... آئیں میں لے کر چلوں۔" امی اس کو لے کر درخت کے پاس آ گئیں۔ لیکن یہ کیا درخت کے

پاس تو شمائل کا نام ونشان بھی نہیں تھا۔

''ادھر ہی تو تھی کہاں گئی...... شمائل...... شمائل......''

''رک جا......'' امی کو ادھر ادھر جاتا دیکھ کر جوگی بولا۔

''وہ کہیں گئی نہیں بلکہ وہ کنیا تو مرتیو کے لیے جارہی ہے۔'' جوگی نے درخت پر لگے شمائل کے بالوں کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

''یہ کیا...... تو نے اس کے بالوں پر کیا لگایا تھا۔''

''بابا جی تیل لگایا تھا۔''

''نہیں...... نہیں...... بیڑا غرق کردیا تو نے، اپنی کنیا کو شیطان کی بھینٹ تو نے خود ہی چڑھادی۔ اس کے بالوں میں بچھو کا خون لگا ہے۔'' جوگی نے بالوں کو سونگھا۔

''لیکن میں نے تو اس پھیری والے کا تیل لگایا تھا۔ بس...... مجھے نہیں پتہ تھا میں نے اپنی بچی کو موت کی بھینٹ چڑھادی۔ مجھے میری شمائل چاہیے۔''

''چپ کرجا...... مجھے اپنے گھر لے چل۔'' جوگی کی بات سنتے ہی امی نے آنسو پونچھے اور جوگی کو لے کر گھر کی طرف روانہ ہوگئیں۔

گھر میں داخل ہوتے ہی امی جوگی بابا کو شمائل کے کمرے میں لے گئی، جہاں شمائل کے سر سے نکلا خون بوندوں کی صورت میں موجود تھا۔

جوگی بابا نے ایک بوند کے گرد لال نشان لگادیا اور خود کچھ پڑھنے لگا۔ ''کرانتی......'' جوگی بابا کی آنکھیں لال ہوچکی تھیں۔ اس کے غصے میں شدید اضافہ ہوتا جارہا تھا۔

☆......☆......☆

مہا دیو...... شمائل کی بھینٹ سویکار کریں......''

کرانتی نے دونوں ہاتھ فضا میں بلند کئے اور سر سامنے موجود کالے بت کے قدموں میں رکھ دیا۔

کرانتی نے ایک تیز دھار چھرا نکالا اور شمائل کی گردن دھڑ سے جدا کردی۔

''شمائل......'' خون کی تیز دھار امی کے کپڑوں پر پڑی۔

''ہاہاہا...... بہت دیر کردی تم نے آنے میں ہاہاہا......'' کرانتی ماں فلک شگاف قہقہے لگانے لگی۔ شمائل کی امی دھاڑیں مار مار کر رونے لگیں۔ ان کا تو سب کچھ ہی لٹ چکا تھا۔ ''تو باز نہیں آئی نا......'' جوگی دھاڑتا ہوا کرانتی کے سامنے آ کھڑا ہوگیا۔

''اب تو مجھے روک بھی نہیں سکتا۔ میں بہت شکتی شالی بن گئی ہوں۔'' کرانتی خوشی سے لبریز آواز میں بولی۔

تو شاید بھول گئی ہے کہ میں گرو ہوں تیرا تو نے میرے علم کا غلط فائدہ اٹھایا...... بھگوان تجھے معاف نہیں کرے گا۔''

''بس کرو...... کیا بگاڑا تھا میری بچی نے تمہارا کیوں مارا اسے؟'' شمائل کی امی کرانتی کو تقریباً مارنے کے انداز میں آئیں تو کرانتی کے چیلوں نے اس کو قابو کیا۔

''کیا بگاڑا......؟ تم پوچھتی ہو میں نے کیا بگاڑا تمہارا...... یاد کر نگہت...... کون ہوں میں پہچان مجھے۔'' کرانتی نے شمائل کی امی کی چوٹی زور سے کھینچی تو امی نے کرانتی کی طرف دیکھا۔

''میں نہیں جانتی...... تو قاتل ہے میری شمائل کی بس...... اور اب میں تجھے قتل کردوں گی۔''

''ہاہاہا...... میں کرانتی ہوں۔ تیری شمائل کی دوست انیتا کی ماں...... تیری شمائل نے میری انیتا کا خون کیا تھا، اپنی سالگرہ پر بلا کر میری بیٹی کی جان لی تھی اور تو کہتی ہے تیری شمائل نے کیا بگاڑا ہے۔''

''شمائل نے نہیں مارا تھا...... وہ ایک حادثہ تھا جس میں شمائل نے اپنی بہن باپ اور بھائی کو بھی کھودیا تھا۔''

''حادثہ......؟ تم لوگوں کے ناقص انتظام نے میری بچی کی جان لے لی۔''

☆......☆......☆

جو بھی تھا...... تو نے بھی تو اپنے مفاد کے لیے کتنوں کو بھینٹ چڑھادیا۔ تو نے میری بیلا کی جان لے لی...... مجھے یاد ہے کرانتی...... میرے پیچھے تو نے اپنی انیتا کے لیے میری بیلا کا خون کیا تھا۔ بہت دنوں سے تیری تلاش تھی آخر تو مل ہی گئی۔'' گرو جی نے (جوگی بابا) باتوں ہی باتوں میں کرانتی کے گرد حصار کھینچ دیا۔

''بڈھے تو بچے گا نہیں......'' کرانتی پھنکارتی ہوئی

بولی۔ ''مجھے پتہ ہے تجھے مارنے والا خود بھی موت کے منہ میں جائے گا کیونکہ تو بہت شکتی شالی ہے۔''

''تجھے میری شکتی کا اندازہ ہے......؟'' کرانتی فتحیانہ انداز میں مسکرائی۔

''وہ آتما کون تھی جو تو نے شمائل کے پیچھے لگائی تھی۔'' اب امی بولیں۔

''وہ تیری شائنہ تھی جو میرے بیروں کا مقابلہ کرتی تھی۔''

''شائنہ......'' امی کا منہ مارے حیرت کے کھلے کا کھلا رہ گیا۔

''ہاں جب میں انیتا کو لے کر اسپتال گئی تو وہاں شائنہ کی ڈیڈ باڈی تھی۔ میری انیتا راستے میں ہی دم توڑ گئی تھی۔ میں نے شائنہ کے جسم کی جگہ جلا ہوا شریر رکھ دیا اور اس کو گرو کے پاس لے آئی اس نے مجھے کالا علم سکھایا، میں نے انیتا کے شریر میں کسی اور لڑکی کی آتما ڈالنی تھی اور اس کے لئے مجھے کئی بھینٹ دینی تھی اور تو سمجھتا ہے کہ میں اب آسانی سے ہار مان جاؤں گی نہیں...... یہ تیری بھول ہے یہ'' اس کے ساتھ ہی کرانتی منہ ہی منہ میں کچھ پڑھنے لگی۔

گرو بھی مقابلے کے لئے جلدی سے منہ ہی منہ میں بڑبڑانے لگا۔

اچانک کرانتی کا مکان زور زور سے ہلنے لگا۔ جیسے زبردست زلزلہ آجاتا ہے، کرانتی کے مکان کی در و دیوار گرگئی۔ ہر طرف دھول مٹی اور سائیں سائیں کی آوازیں آرہی تھیں۔

اچانک زوردار دھماکہ ہوا اور سفید روشنی کا بہت بڑا دھماکہ ہوا اور پھر خاموشی چھاگئی۔

جب مٹی کا طوفان رکا تو دو سائے نظر آئے۔ ایک کرانتی اور دوسرا وہ گرو یعنی جوگی بابا، وہ دونوں اپنی اپنی جگہ پر کھڑے منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑا رہے تھے۔ گرو نے اپنی آنکھیں کھولیں اور تھیلے میں سے چند انسانی ہڈیاں نکالیں۔ وہ ہڈیاں ہار کی شکل میں تھیں، گرو نے ایک نظر کرانتی کو دیکھا جو ابھی بھی آنکھیں موندے منتر پڑھ رہی تھی۔ پھر جلدی سے ان ہڈیوں کے ہار پر کالا سفوف ڈالنے لگی۔

گرو نے موقع اچھا جان کر ہڈیوں کے ہار کو کرانتی کے گلے میں ڈالنا چاہا لیکن کرانتی نے اچانک گرو کو زبردست دھکا دیا تو کافی دور جاگرا، اور پھر کرانتی دوبارہ بڑبڑانے لگی۔

گرو کے سر سے خون بہنے لگا اس نے دوبارہ ہمت کی اور ہار اٹھا کر کرانتی کی طرف بڑھا لیکن کرانتی نے فوراً سے پیشتر اپنا منتر تیزی سے بڑبڑانے لگی۔ کرانتی کے چہرے پر خوشی کے اثرات تھے۔ شاید وہ کامیاب ہونے والی تھی۔

اچانک تیز بارش شروع ہوئی اور ایک سفید ہیولہ نمودار ہوا وہ ہیولہ گرو کے قریب بڑھا اور وہ ہڈیوں کا ہار اٹھا کر ہوا میں اڑتا ہوا کرانتی کے پاس آیا، اس ہیولے نے بجلی کی تیزی سے وہ ہار کرانتی کے گلے میں ڈال دیا۔

کرانتی کی آنکھیں پتھرا گئیں، شدت سے کانپنے لگی اور آگ نے اسے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ کرانتی کی فلک شگاف چیخیں فضا میں بلند ہوئیں اور وہ جل کر راکھ ہوگئی۔

مکان کے ملبے سے بہت سے ہیولے نمودار ہوئے اور روحوں کی شکل اختیار کرنے لگے۔ وہ ساری روحیں لڑکیوں کی تھیں جس میں شمائل کے ساتھ ساتھ انیتا اور بیلا کی روحیں بھی تھیں۔

جوگی وہ سارا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔

اور پھر ایک ہیولہ آہستہ آہستہ سفید کفن میں لپٹا نمودار ہوا۔ وہ شائنہ کی روح تھی جو ازل سے ابد تک اپنی بہن کی حفاظت میں مصروف تھی۔

جوگی نے ایک مولوی کو بلایا جس نے تمام مردوں کو اسلامی طریقے سے دفنادیا۔

جوگی بچوں کے شمشان گھاٹ میں اداس بیٹھا تھا کہ اسے اچانک آسمان پر سفید دھواں نظر آیا وہ دھواں بیلا کی آتما بن گئی۔ ''شکریہ پتا جی...... آپ نے مجھے اور ساری آتماؤں کو ابدی سکون دلادیا۔ اور پھر بیلا کی آتما غائب ہوگئی تو جوگی مسکرانے لگا۔

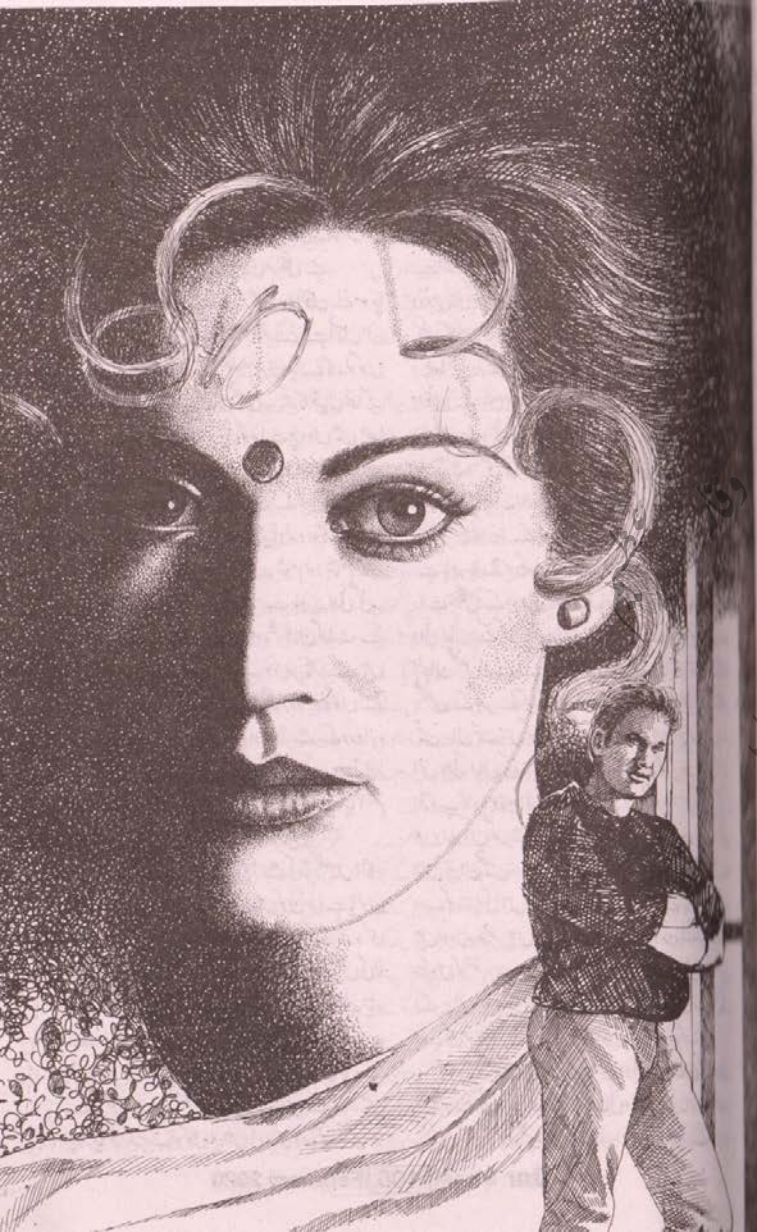

دسواں ستون

ثناء شیخ۔لاہور

جادوگرنیوں کے گھر سے منسلک پھلدار باغوں میں غلطی سے کوئی چلا جائے تو وہ زندہ واپس نہیں آتا تھا۔ وہ جادوگرنیاں اسے کھاجاتی تھیں اور بقایہ جات جادو میں استعمال کرتی تھیں۔

سوسال پہلے...... بنگال کی سرزمین پر وقوع پذیر ایک...... دہشت ناک...... قصہ

پچھلی صدی میں بنگال کے جنگل آج سے بھی زیادہ سرسبز، شاداب، خوبصورت اور پراسرار تھے۔ان جنگلوں کے آس پاس کے دیہات اور ان میں رہنے والے لوگوں کی آبادی ہندوؤں اور مسلمانوں کی اکثریت پر مشتمل تھی جہاں صبح شام کہیں مندر کی گھنٹیاں اور کہیں اذانوں کی آوازیں گونجتی تھیں۔ کچھ دیہاتوں میں مسلمانوں کی اکثریت زیادہ تھی اور کچھ میں ہندوؤں کی۔ایسے ہی ایک گھنے جنگل کے دائیں بائیں دو گاؤں آباد تھے جن میں ایک طرف ہندو اکثریت پر مشتمل گاؤں، جس کا نام اتروپ تھا اور دوسری طرف مسلم اکثریت پر مشتمل ایک گاؤں جس کا نام ساجھ تھا۔ان گاؤں کے پچھلی جانب بھی گھنا جنگل اور اس کے پیچھے کچھ گاؤں اور آگے کی جانب بھی جنگل اور پھر مزید گاؤں آباد تھے۔یوں تو ان جنگلوں اور ندیوں کے آس پاس بے تحاشہ گاؤں سہی لیکن ان میں لوگوں کی آبادی زیادہ نہیں تھی۔ ہندو اکثریت پر مشتمل گاؤں اتروپ کی آبادی بہت کم تھی اور کچھ سالوں سے اس میں تیزی سے کمی آرہی تھی لوگ وہاں سے جاتے جارہے تھے لیکن وہیں ایک گھرانہ ایسا بھی تھا جو کئی صدیوں سے وہیں کا وہیں آباد تھا۔دیکھنے میں وہ گھر یوں تو لکڑی اور بانسوں سے بنا باقی گھروں جیسا ہی تھا لیکن گاؤں کے باقی سب گھروں سے الگ تھلگ اور رقبے میں کافی بڑا تھا۔اس گھر میں ایک بوڑھا اپنی بیوی اور بیٹی کے ساتھ رہتا تھا۔اس گاؤں میں جہاں بیٹیوں کو بارہ تیرہ سال ہی کی عمر میں بیاہ دینے کا رواج تھا وہیں اس بوڑھے نے اپنی بیٹی کی شادی ادھیڑ عمر میں کی تھی۔ جس پر گاؤں کے سبھی لوگ حیران ہوتے تھے اس بوڑھے کے پاس ان کے گھر سے منسلک بہت سے آم، امرود اور اناس کے باغیچے تھے۔جن میں اب پھل تو نہ لگتے تھے لیکن ان کا گھنا پن جوں کا توں قائم تھا۔

لوگ حیران ہوتے تھے کہ آخر اتنا سب کچھ ہوتے ہوئے بھی اسے اپنی بیٹی کا بیاہ رچانے میں مشکل کیوں درپیش تھی؟ گاؤں کے سب سے پرانے مقیم ہونے کے باوجود وہ کسی سے ملتے جلتے نہیں تھے۔اسی لیے گاؤں والے ان کے ناموں سے بھی ناواقف تھے۔ لوگ ان کے مذہب کے بارے میں بھی شش و پنج میں مبتلا تھے کہ نہ تو انہیں کبھی کسی مندر آتے جاتے دیکھا گیا تھا اور نہ ہی کسی مسجد اور پھر جب اس بوڑھے کی بیوی کی موت کی اطلاع گاؤں والوں کو ملی جو انہیں اس گھر کے باہر سے گزرتے ایک راہگیر نے دی تھی تو اس دن

پورے گاؤں کی نظریں اس گھر پہ ٹنگ گئی تھیں۔

اس راہگیر کے مطابق صبح منہ اندھیرے جب وہ گاؤں لوٹ رہا تھا تو اس گھر سے کسی لڑکی کی چیخ اور پھر بین کی آوازیں آنے لگیں تو وہ رک کر سننے لگا۔ تبھی اس نے گھر کے اندر سے بوڑھے کو اپنی بیٹی کو دلاسہ دیتے بھی سنا تو اس کے لیے یہ اندازہ لگانا مشکل نہ تھا کہ اس لڑکی کی ماں اور اس بوڑھے کی بیوی مر چکی ہے۔

اس راہگیر کی بات سن کر گاؤں والوں نے سوچا کہ اب تو اس کی تدفین یا کریا کرم کرنے سے انہیں ان کے مذہب کے بارے میں معلوم ہو ہی جائے گا۔ لوگوں نے آپس میں شرطیں لگا رکھی تھیں۔ کچھ کا خیال تھا کہ جس طرح وہ اپنی بیوی اور بیٹی کو سات پردوں میں چھپا کر رکھتا ہے، وہ مسلمان ہوگا اور کچھ کا کہنا تھا کہ جس طرح وہ پرانے مندر کے کھنڈرات کے آس پاس کبھی کبھار منڈلاتے دیکھا گیا ہے وہ یقیناً ہندو ہوگا۔

صبح سے دوپہر، دوپہر سے شام اور شام سے رات ہوگئی لیکن اس گھر سے کوئی میت باہر نہ لائی گئی۔ تجسس کے مارے لوگ قبرستان اور شمشان گھاٹ سے واپس لوٹ آئے جب کہ ایک دو سر پھرے وہیں براجمان رہے۔ لیکن لاحاصل۔ اگلے روز دو لوگوں نے اس کے دروازے پہ دستک دی اور بوڑھے کے دروازہ کھولنے پر پوچھا کہ ”بابا کل آپ کے گھر سے رونے اور بین کرنے کی آوازیں آرہی تھیں۔ کوئی مر گیا ہے کیا؟ ہم اس کے تدفین یا کریا کرم کا بندوبست کریں؟“

اور ان کی اس بات پہ بوڑھے کی آنکھیں انگار اگلنے لگیں اور وہ غصے سے بولا۔ یہاں کون مرا ہے یا کون زندہ ہے۔ یہ میرے گھر کا معاملہ ہے۔ اگر آئندہ کسی نے میرے گھر سے کان لگا کر سن گن لینے کی کوشش کی تو اس کے کریا کرم یا تدفین کے بندوبست کے لیے تیار رہنا۔ جاؤ! نکلو یہاں سے۔“ اس بوڑھے نے یہ بات اس انداز اور رعب کے ساتھ کی جیسے وہ یہاں کا سب سے طاقتور اور بااثر شخص ہو۔ نہ جانے اس کے انداز میں ایسا کیا تھا کہ سب لوگوں پر اس کی ایسی دھاک بیٹھی کہ پھر کبھی کسی نے اس کے گھر کی طرف رخ نہیں کیا۔

اس راہگیر کی بات سے یہ تو طے تھا کہ اس کی بیٹی کی ماں یعنی اس بوڑھے کی بیوی مر چکی ہے لیکن انہوں نے اس کی لاش کا کیا کیا؟ یہ کوئی نہ جان سکا۔ پھر کئی سالوں بعد گاؤں والوں کو اس گھر میں ہوتی شادی کی روشنیوں اور اس گاؤں کی روایتی موسیقی کی آوازوں سے اندازہ ہوا جو کہ وہاں موجود تقریباً ہر ہندو اور مسلمان دونوں ہی گھرانوں کی درمیانی روایت میں سے ایک تھی لیکن گاؤں کا کوئی مولوی یا پنڈت آتے جاتے نہیں دیکھا گیا اور نہ ہی گاؤں کا کوئی شخص مدعو تھا۔ لیکن گاؤں والوں نے یہی اندازہ لگایا کہ آخر کار اس بوڑھے نے اپنی عمر رسیدہ بیٹی کی شادی کر ہی دی مگر بارات بھی آتے جاتے نہ دیکھی گئی۔ یہ سب باتیں انہیں اس علاقے کا سب سے مشکوک اور پراسرار گھرانہ ثابت کرتی رہیں۔

چند روز کے بعد کسی نے اس بوڑھے کو گاؤں سے باہر جاتے دیکھا۔ اور پھر کچھ مہینوں کے بعد ایک رات جنگل کے دوسری طرف آباد گاؤں ساہجہ میں رہتی دائی اماں کے گھر کا دروازہ زور زور سے بجا اور ایک انجان شخص اسے اپنے ساتھ اترو پ میں اسی بوڑھے شخص کے گھر لے گیا جہاں ننگی بچیوں نے جنم لیا اور پھر تین سال تک اس گھر میں ننگی بچیاں پیدا ہوتی رہیں۔ اس دائی اماں کی نوہائی ہی ساہجہ والوں کو پتہ چلا کہ اترو پ کا وہ بوڑھا جاب وہاں نہیں رہتا لیکن اس کی بیٹی اور داماد اس گھر میں رہتے ہیں لیکن جس بات پر دائی اماں حیران تھیں، وہ اس بوڑھے کی بیٹی کی عمر تھی اس نے سب کو بتایا کی اس کی بیٹی کے سر کے سارے بال سفید ہیں اور چہرہ جھریوں سے بھرا ہوا ہے لیکن وہ ہر سال تین بیٹیوں کو جنم دے رہی ہے۔ اور پھر چوتھے سال۔ اس کے یہاں ایک بیٹی نے جنم لیا۔ بقول دائی اماں، وہ بچی بہت ہی خوبصورت تھی، اپنی نو بہنوں سے بڑھ کر۔

جیسے ہی اس بچی کی پیدائش ہوئی، صحن میں آسمانی بجلی گرنے کی ہیبت ناک آواز سنائی دی۔ دائی اماں گھبرا کے باہر آئی تو باہر صحن میں کونلہ بنی اس بوڑھے کے داماد

کی لاش دیکھی جو اپنی بیٹیوں کی پیدائش پر اسے ساجھ سے اترو پ لاتا لے جاتا تھا۔ دائی اماں نے کمرے میں آ کر اس عورت کو اس کے شوہر کے مرنے کی اطلاع دی تو اس نے دھاڑیں مار مار کے رونا شروع کر دیا اور اپنی نومولود بیٹی کو آگ برساتی نظروں سے گھورا۔

”اس منحوس کو لے جاہیاں سے دائی اماں!“ وہ عورت چلائی تو دائی اماں اس کے پاس آئیں اور اس کے سر پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے بولیں ایسے نہیں کہتے۔ جو خدا کی مرضی۔ اس میں اس معصوم کا کیا قصور؟ اور اسے تسلی دیتی دائی اماں کے ہاتھ ایک دم رک گئے۔

کچھ دیر پہلے چاندی کے تاروں سے بھرے اس عورت کے سر پر اب ایک بھی بال سفید نہیں تھا۔ اس کے چہرے پہ آئی جھریاں بھی غائب ہو چکی تھیں۔ دائی اماں گھبرا کر پیچھے ہٹی اور پھر اس بچی پہ ایک نظر ڈالتی تیز قدموں سے باہر نکل گئی۔ وہ عورت سمجھ نہیں پائی کہ اسے اچانک کیا ہوا ہے؟ اور تبھی اس کا بوڑھا باپ اچانک کمرے میں نمودار ہوگیا۔ بابا! وہ چیخ پڑی۔ یہ منحوس آتے ہی اپنے باپ کو کھا گئی۔ آج چاند کی چودہ تاریخ کو پیدا ہونے والی نے میرے لیے یہ رات تاریک کر دی، اپنے ساتھ طوفان لا کر اماوس کی رات میں بدل دیا۔ اسے لے جاہیاں سے ورنہ میں اسے مار ڈالوں گی۔ ایک بار خود کو دیکھ لے گی تو تیری سوچ بدل جائے گی۔ بوڑھے نے مسکراتے ہوئے اپنی بیٹی سے کہا۔

کیا مطلب؟ وہ بولی اور بوڑھے نے کمرے میں پڑا ایک چھوٹا سنگھار شیشہ اٹھایا اور اس کے آگے کر دیا۔ اس نے اپنے بنا جھریوں والے تر و تازہ چہرے کو دیکھا اور پھر اپنے کالے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔ اس کے سر کے سفید بال غائب تھے۔ اس نے اپنے باپ کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ وہ آگئی ہے۔ جس کے آنے سے تو جادوگری کی وہ منزلیں آسانی سے پار کر سکتی ہے جو اب تک تیرے لیے مشکل تھیں۔ تیری نوننگی بیٹیوں کے بعد یہ اکیلی ہماری پچھلی ساری نسلوں پہ بھاری ہے۔ یہ تیرے اس انوکھے جادوگری خاندان کا دسواں ستون ہے جس کی وجہ سے ہی تجھے اور تیری سبھی نو بیٹیوں کو بھی جادوگری کے ایسے ایسے منفرد لوازمات مل سکتے ہیں جو صرف اسی جادوگر کی نسل کو ملتے ہیں جس کی نویں جنس ننگی اولاد کے بعد آخری دسویں اولاد بھی اسی جنس کی ہو اور تیرے شوہر کا مرنا اسی بات کی دلیل ہے کہ یہ تیری آخری اولاد ہے۔“

ماتم کرتی وہ عورت اپنے شوہر کی موت کو بیل میں فراموش کر کے آئینے میں اپنا سراپا دیکھ کے حیران رہ گئی۔ اس نے اگلی نظر اپنی بیٹی پہ ڈالی۔ ”یہ تیری زندگی میں اندھیری رات نہیں مشعل کی روشنی ہے۔ ایک آگ۔ ایک تپش ہے یہ۔ آرونا ہے یہ۔“ بوڑھے نے بچی کو اٹھا کر اس عورت کی گود میں دیتے ہوئے کہا۔ اور وہ عورت غور سے اپنی اس خوبصورت سی بیٹی کو دیکھنے لگی جس کا چہرہ چاند کی طرح روشن نہیں بلکہ سورج کی طرح دہکتا ہوا تھا۔

تین سال کی آرونا معصومیت سے اپنی نو بہنوں کو اپنی ماں کے ساتھ آدھی اندھیری راتوں میں نہ جانے کون کون سی عملیات میں غرق دیکھتی تھی۔ وہ ابھی بہت چھوٹی تھی اس لیے اسے ان عملیات میں شامل نہیں کیا گیا تھا لیکن اس کی چار، پانچ اور چھ سال کی سبھی بہنیں بہت وثوق سے اس سب میں غرق ہوتی تھیں۔ جادوگری خاندان کی وہ سبھی لڑکیاں جتنی بھی سیکھائی گئی ہوں، تھیں تو کم عمر بچیاں ہی۔ تو کبھی دھیان بٹنے لگتا اور ان میں سے کوئی بھی اپنے دھیان میں مگن آرونا کی طرف متوجہ ہوتی تو پاس بیٹھی ماں کے ہاتھ میں پکڑی لمبی سی ایک چھڑی اس بچی پہ پڑتی اور وہ ڈر کے پھر سے جادوئی عمل کا حصہ بننے پہ مجبور ہو جاتی۔ وہیں جب چار سال کی ہونے پر آرونا کو ان عملیات میں بٹھایا جانے لگا تو اس کا دھیان بٹنے پر اس کی ماں اس پہ کبھی چھڑی نہ اٹھاتی۔ اس کی پیدائش پہ اسے جتنی نفرت اپنی اس آخری بیٹی سے ہوئی تھی، اب سب سے زیادہ محبت بھی اسی آخری بیٹی سے تھی جس کی پیدائش کے جادوئی اثر سے اس کی ڈھلتی عمر نہ صرف رک چکی تھی بلکہ وہ اپنی عمر سے کئی دہائیاں جوان نظر آنے لگی تھی۔ کسی بھی دوسری

عام عورت کی طرح اسے بھی حسین اور سدا جوان نظر آنے کی خواہش تھی اور اس کی یہ تمنا اس کی اس آخری بیٹی نے پوری کردی تھی۔ اس کے ساتھ اس خاص سلوک پر اس کی باقی کی بہنیں اس سے کسی قدر حسد محسوس کرتی تھیں۔ اس کے پیدا ہوتے ہی گھر سے منسلک آم، امرود اور اناس کے باغات میں پھر سے پھل آنے لگے تھے۔

آرونا جیسے جیسے بڑی ہوتی جارہی تھی، اس کی سمجھداری اور ذہانت اس کی چیزوں کے مشاہدے کی صلاحیت کو دن بہ دن پروان چڑھا رہی تھی۔ وہ آٹھ سال کی تھی جب اس کا دل روز روز کے ان منتروں، آگ، چرند پرند کی لاشوں اور جانداروں کی ہڈیوں کو دیکھ دیکھ کر اوب چکا تھا۔ جتنے منتر اور جادوگری کی عملیات وہ اب تک سیکھ چکی تھی، اس کے لیے اپنی باقی بہنوں کی طرح دلچسپی کا باعث نہیں تھے۔ اس نے جب سے ہوش سنبھالا تھا وہ بہت سی ایسی چیزوں کا مشاہدہ کرچکی تھی جو اسے بہت کچھ سوچنے پہ مجبور کردیتی تھیں، جیسا کہ اس کا بوڑھا نانا مہینوں اور کبھی سالوں غیر حاضر رہنے کے بعد اچانک سے ہی گھر کے کسی بھی حصے سے نمودار ہوجاتا تھا۔ اس کے گھر کے کالے عملیات والے کمرے میں پڑی پرندوں کی لاشوں کی آنکھیں کھلتی بند ہوتی رہتی تھیں۔

دن و رات اس کے گھر اور گھر سے منسلک باغوں میں کالے سائے چلتے پھرتے نظر آتے تھے۔ جب سے ہوش سنبھالا تھا وہ یہی سب دیکھتی آئی تھی اس لیے اسے ڈر نہیں لگتا تھا۔ وہ تو خود راتوں کے اندھیروں میں اس کالے کمرے میں ماں اور بہنوں کے سنگ ناجانے کون کون سے عملیات کا حصہ ہوتی تھی۔ لیکن اب وہ ان سب چیزوں کے حقیقی اور غیر حقیقی ہونے پہ غور کرنے لگی تھی۔ اس نے دیکھا تھا کہ اس کی ماں کبھی گھر سے منسلک پھلوں کے باغیچوں میں نہیں جاتی تھی۔ جتنا ہی آرونا کو ان پیڑ پودوں سے لگاؤ تھا اتنا ہی اس کے گھر کے آنگن میں ایک پودا تک نہیں تھا۔ تو ایک بار وہ باغ کی گھاس میں اگے پیلے رنگ کے چھوٹے چھوٹے پھولوں والا ایک ننھا سا پودا جڑ سمیت اکھاڑ لائی اور اسے مٹی کی ایک چھوٹی سی ہانڈی میں مٹی ڈال کے لگا دیا۔

اگلے دن اس نے دیکھا کہ اس پودے کی ننھی منھی کونپلیں پھول بن گئی ہیں تو وہ خوشی سے جھوم گئی پر تبھی اس کی ماں اسی کھڑکی کی اندرونی جانب بنے کمرے سے گزری جس کھڑکی میں اس نے وہ پودا رکھا تھا۔ اور اس نے دیکھا کہ ماں کے پاس سے گزرتے ہی ایک دم نہ صرف وہ پھول مرجھا گئے بلکہ وہ پورا کا پورا پودا پلک جھپکتے میں سوکھ چکا تھا۔ اسے یقین سا ہوگیا کہ اس میں ضرور اس کی ماں کے وجود کی ہی کوئی پراسراریت ملوث ہے۔

اس وقت وہ اس بات سے انجان تھی کہ جن عملیات کی تعلیم اسے دی جاتی ہے وہ تو خود دنیا کا پراسرا ترین علم ہے۔ لیکن اس وقت اسے اس بات کی سنگینی کا اندازہ نہیں تھا۔ وہ سب کچھ اس کے لیے عام تھا۔ پھر بھی اس چھوٹے سے واقعے نے اسے سوچ میں ضرور ڈال دیا تھا۔ اس کا اکثر دل کرتا کہ وہ آس پاس کے جنگلوں اور ندیوں پہ گھومے پھرے لیکن اسے اور اس کی بہنوں کو صرف گھر سے منسلک ان کے اپنے ہی باغات میں گھومنے کی اجازت تھی۔ جب سے اس کا ننھا سا پودا دیکھتے ہی دیکھتے اس کی آنکھوں کے سامنے مرجھایا تھا تب سے اس کا دل کسی بھی عمل میں نہیں لگ رہا تھا۔ اسے ان مرے ہوئے پرندوں اور انسانی ہڈیوں سے گھن سی محسوس ہونے لگی تھی۔ اس کا دل بلا وجہ اداس تھا۔

اس روز بھی وہ بہت بے دلی سے رات کے آخری پہر اپنی ماں اور بہنوں کے ساتھ کسی عمل کا حصہ تھی لیکن اس کا دل نہیں لگ رہا تھا۔ سورج نکلنے والا تھا، جس کے ساتھ ہی وہ عمل ختم ہوجانا تھا۔ وہ شدت سے صبح ہونے کا انتظار کررہی تھی۔ اس کی ماں نے ایک دو بار اسے ٹوکا اور دھیان لگانے کو کہا تو وہ بے دلی سے منتر پڑھنے لگی۔ تیسری بار سختی سے ٹوکے جانے پر وہ غصے سے اٹھتی گھر سے باہر چلی آئی۔ اس کی ماں کو اس کی اس خود سری پہ حیرت ہوئی اور غصہ بھی آیا لیکن وہ اس کی لاڈلی تھی تبھی بیٹی پہ آیا غصہ پی گئی۔ وہ جانتی تھی کہ گھر سے باہر وہ زیادہ سے زیادہ اپنے آم کے باغوں میں ہی گئی

ہوگی کہ وہ ہی اس کی پسندیدہ جگہ تھی۔ اس کی ماں اپنے غصے پہ قابو پاتی اپنی باقی بیٹیوں کے ساتھ پھر سے عمل میں مصروف ہوگئی۔ وہ منہ پھلائے گھر سے باہر دوڑتے ہوئے آم کے باغ میں جا بیٹھی۔

صبح کا ہلکا ہلکا اجالا پھیل رہا تھا۔ وہ آم کے ایک درخت کے نیچے منہ بسورے بیٹھی تھی جبھی اس درخت میں اسے کچھ ہلچل محسوس ہوئی۔ وہ درخت کی شاخوں پہ دیکھنے لگی کہ تبھی کوئی دھڑام سے نیچے آ گرا۔ اسی کے ساتھ ہی پاس میں موجود ساتھ والے درختوں سے بھی کسی نے چھلانگیں لگائیں وہ دس بارہ سال کے دو لڑکے تھے انہوں نے چھلانگ لگاتے ہی اس کے درخت سے گرنے والے اپنے ہم عمر لڑکے کو مخاطب کرتے ہوئے آواز لگائی۔ ”جمال! بھاگ۔“ اور خود ان دونوں لڑکوں نے سرپٹ دوڑ لگا دی۔

جمال بیچارہ جو ابھی سنبھلنے بھی نہ پایا تھا، اپنے سر پہ اسے کھڑا پاکے گھبرا گیا۔ اپنے دوستوں کے کہنے پہ وہ آج پہلی بار کسی باغ میں پھل توڑنے آیا تھا اور اب پشیمان سا کھڑا تھا۔ اس لڑکے کی آنکھوں میں گھبراہٹ دیکھ کے وہ بہت رعب سے بولی۔ ”کون ہو تم؟ اور ہمارے باغ میں کیا کررہے ہو؟“ وہ گھبرا کے اٹھا۔ جھولی میں پڑے آم تو پہلے ہی گر چکے تھے۔ وہ انہی گرے ہوئے آموں کی طرف دیکھ کے بولا۔ ”وہ۔ میں۔ آم۔ توڑنے۔ نام کیا ہے تمہارا؟“ وہ پوچھنے لگی۔

”جمال!“ اس نے لڑکھڑاتی زبان سے جواب دیا۔

”تمہارے دوست تو بھاگ گئے، اب ان کے حصے کی سزا بھی تمہیں ہی ملے گی۔ ہمارے باغ میں جو بھی آتا ہے ہم اسے قید کرلیتے ہیں اور پھر اسے کھا جاتے ہیں۔“ وہ آنکھیں نکالتے ہوئے بولی تو وہ اس کی بات سن کے مزید گھبرا گیا۔ اس کے چہرے پہ یہ گھبراہٹ دیکھ کر وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ ”ارے بدھو! کچھ نہیں ہوتا۔ میں تو مذاق کررہی تھی۔“ اس نے زمین سے دو تین آم اٹھا کر اس کی طرف بڑھا دیے۔ اور جمال کا دل اس مہربان سی لڑکی پہ اسی وقت مہربان ہوگیا۔ کچھ ہی پل میں وہ اسی آم کے درخت کے نیچے بنے چبوترے پہ بیٹھا اس سے پوچھ رہا تھا۔ ”تمہارا نام کیا ہے؟“

”سورج!“ وہ بولی۔

”کیا؟“ وہ حیران ہوا۔ ”آرونا!“ وہ اس کی حیرت سے محظوظ ہوتے ہوئے ہنس کر پھر سے بولی۔

’اوہ! اچھا۔“ اس نے سمجھتے ہوئے کہا۔ ”تم کہاں سے آئے ہو؟“ آرونا نے بھی سوال کیا۔

”میں جنگل کے اس پار جو گاؤں ہے سا جھ وہاں رہتا ہوں۔“ جمال نے جواب دیا۔

”تو اس گاؤں میں کیا کرنے آئے ہو؟ وہ بھی اتنی صبح صبح؟“ آرونا نے پوچھا۔

دوستوں کے ساتھ جنگل کی ندی پہ سیر کرنے آیا تھا۔ تو ہمیں آموں کی خوشبو یہاں کھینچ لائی۔ کل میرے بابا مجھے شہر بھیج رہے ہیں۔ وہاں انہوں نے ایک اسکول میں میرا داخلہ کرادیا ہے اور اب میں وہیں رہوں گا۔ مجھے جنگل میں بہتی ندی دیکھنے کا بہت شوق تھا پر بابا مجھے وہاں کبھی نہیں لے کے جاتے۔ وہ کہتے ہیں یہ جنگل بچوں کے لیے محفوظ نہیں۔ تو میں نے اپنے بابا سے چھپ کے اپنے دوستوں کے ساتھ مل کے جنگل کی ندی پہ جانے کا سوچا۔ میرے بابا روز فجر کے وقت نماز پڑھنے کے لیے مجھ اپنے ساتھ مسجد لے کے جاتے ہیں اور پھر مجھے گھر چھوڑ کر جنگل میں لکڑیاں کاٹنے چلے جاتے ہیں اور پھر دوپہر کو شام ہونے سے پہلے واپس آجاتے ہیں آج وہ جیسے ہی مجھے گھر چھوڑ کے جنگل کی طرف نکلے۔ میں بھی اپنے دوستوں کے ساتھ گھر سے نکل آیا وہ سب باہر گھر کے پاس میرا انتظار کررہے تھے۔“ جمال نے نہ جانے کیسے اتنی آسانی سے سارا سچ اسے بتا دیا۔

”تو کیا جنگل میں واقعی کوئی ندی بھی ہے؟“ وہ تجسس بھرے انداز میں بولی۔ ”ہاں! بہت ٹھنڈی، صاف اور بہت خوبصورت۔“ جمال نے خوشی سے بتایا۔ ”لیکن مجھے اچھا نہیں لگ رہا کہ میں آج بابا سے چھپ کے یہاں چلا آیا اور پھر کسی کے باغ سے آم بھی چرائے۔“ وہ اچانک افسردہ دکھائی دینے لگا۔ اگر واقعی

رات اس نے اپنی ماں اور بہنوں کے ساتھ ایک جادوئی عمل ختم کرتے ہی سوال پوچھ ڈالا۔ ''کتنی بار تو بتایا ہے کہ یہی تمہاری حقیقت ہے۔ تم جادوکوری ہو۔ اور ہم لوگوں کے کام آتے ہیں۔ عام لوگوں کے۔ ان لوگوں کے، جو اپنے کام خود نہیں آ سکتے۔ ہم ان کے الٹے کام سیدھے اور سیدھے کام الٹے کرتے ہیں۔ کیونکہ ہم خاص ہیں۔ طاقتور اور علم والے ہیں۔ وہ علم جو ہماری نسلوں سے چلا آ رہا ہے اور عام دنیا سے پوشیدہ ہے۔ لوگوں پہ ہماری حکمرانی ہوتی ہے۔''

''لیکن میں نے تو اپنے گھر میں کبھی لوگوں کو آتے جاتے نہیں دیکھا۔ نہ ہم باہر لوگوں میں جاتے ہیں تو پھر یہ کون لوگ ہیں؟'' آرونا نے سوال کیا۔ ''وہ لوگ ہر جگہ ہیں۔ اس گاؤں، دوسرے گاؤں، شہروں، پورے ملک، بلکہ پوری دنیا میں ہیں۔ جن کے پاس ہمیں جانے کی ضرورت نہیں۔ وہ خود ہمارے پاس آتے ہیں۔ پوری دنیا میں ہمارے خادموں کے پاس اور ہمارے خادم ہم تک ان کے پیغام اور فریاد پہنچاتے ہیں اور ہم یہاں بیٹھے ان سب لاچاروں کے کام آتے ہیں جو اپنی خواہشوں کے ہاتھوں مجبور ہو جاتے ہیں۔'' اس کی ماں نے وضاحت کی۔

''لیکن ہم تک ان کے پیغام کون پہنچاتا ہے؟'' اس نے ایک اور سوال کیا۔ ''انہیں تم ابھی نہیں دیکھ سکتی لیکن کچھ سالوں بعد تم سب جان جاؤ گی۔ اس کی ماں نے اس کے سوالوں کو حل تو کر دیا تھا لیکن اسے تسلی بخش جواب نہیں ملے تھے۔ ''بہت سوال کرتی ہو تم آرونا!'' کمرے سے باہر جاتی اس کی ماں نے زچ ہو کے کہا۔

اور پھر آرونا نے ایک اور چیز کا مشاہدہ کیا کہ اس کی سولہ سالہ تینوں بڑی بہنیں جب سے جنگل سے لوٹی تھیں، انہوں نے باغوں میں جانا بند کر دیا تھا۔ ایک روز آرونا نے اپنی سوچ کو یقین میں بدلنے کے لیے اپنی ایک بہن کو باغ میں چلنے کو کہا پر اس نے انکار کر دیا تو اس نے دوسری پہ کوشش کی لیکن وہ بھی نہیں مانی تو اس نے اپنی بڑی تیسری بہن کے لیے ایک منصوبہ بنایا۔ وہ اپنی سب سے بڑی دو بہنوں کو آس پاس نہ پا کر تیسری بڑی بہن کو یہ کہہ کر باغ میں لے گئی کہ اسے اس کی باقی دونوں بہنیں وہاں بلا رہی ہیں۔ وہ آرونا کے ساتھ بے دھیانی میں چل تو پڑی لیکن باغ میں قدم رکھتے ہی اسے اپنے اوپر لگائی حدود کا احساس ہو گیا اور وہ پلٹ کر بھاگی۔ آرونا اسے یوں بھاگتے دیکھ کے حیران تھی۔ وہ وہیں لگے پہلے آم کے درخت کے نیچے ہی بیٹھ گئی اور سر کو تنے سے لگا کے آنکھیں بند کر کے سوچنے لگی لیکن کسی احساس پر اس نے اسی پل آنکھیں کھول کر اپنے سر پہ گھنے پتوں اور آموں سے لدے درخت کو دیکھا جو سوکھ چکا تھا۔ اس پہ لگے آم گل چکے تھے اور پتے مرجھا چکے تھے۔ جب کہ باقی باغ ویسا ہی ہرا بھرا اور پھل دار تھا۔ وہ اس درخت کے نیچے اس جگہ جہاں اس کی بہن آ کر کھڑی ہوئی تھی اس کے قدموں کے تعاقب میں زمین پر اگی اس گھاس کو دیکھنے لگی۔ اور اس نے دیکھا کہ جہاں جہاں اس کی بہن کے قدم پڑے تھے وہاں وہاں سے گھاس سوکھ گئی تھی۔ اسے اپنے بچپن کا وہ قصہ یاد آنے لگا جب اس کی ماں کے پاس سے گزرتے ہی اس کا ایک ننھا پودا دیکھتے ہی دیکھتے اس کی آنکھوں کے سامنے سوکھتا چلا گیا تھا۔

اگلے سال آرونا کی دوسرے نمبر کی تگنی بہنوں کے ساتھ بھی وہی بات دہرائی گئی۔ انہیں بھی گھر میں ایک سال بعد آیا وہ بوڑھا کچھ مہینوں کے لیے اپنے ساتھ لے گیا۔ اور اس سے اگلے سال اس کی تیسرے نمبر کی تگنی بہنوں کے ساتھ بھی یہی سب کچھ ہوا۔ تب وہ بوڑھا جانے سے پہلے پلٹا اور اپنی مکمل مسکراہٹ سے آرونا کو دیکھتے ہوئے بولا، اگلے سال تو بھی سولہ کی ہو جائے گی تو تجھے بھی لے جاؤں گا۔ اور وہ نہ جانے کیوں زندگی میں پہلی بار اندر سے کانپ اٹھی۔

وقت تیزی سے گزر رہا تھا۔ اور اس ایک سال کے عرصے میں اس نے دیکھا کہ جنگل سے لوٹی اس کی باقی کی تین بہنیں بھی اب باغوں میں نہیں جاتی تھیں لیکن اکثر آدھی رات کو ماں کے ساتھ جنگل میں جانے لگی تھیں۔ لیکن اسے ابھی جنگل میں جانے کی اجازت نہیں تھی۔ اسے جنگل کی ندی دیکھنے کا بہت شوق تھا۔ لیکن اس کی ماں نے اسے سختی سے منع کر رکھا تھا۔

اس کے سولہ کے ہونے میں ابھی کچھ دن باقی تھے جب آم کے باغ کے ایک چبوترے پہ اس نے سورج مکھی کا ایک پھول پڑا دیکھا۔ وہ ادھر ادھر دیکھنے لگی اور پھر اس نے آنکھیں بند کر کے کھولیں اور بہت اعتماد اور یقین کے ساتھ بولی۔ ''جمال! سامنے آ جا۔'' اور ایک بیس سالہ خوبرو نوجوان آنکھوں میں حیرت بھرے، ایک درخت کی اوٹ سے نکل کر اس کے سامنے آ گیا۔ ''تمہیں کیسے پتا چلا کہ میں ہوں؟ اور اتنے سالوں بعد بھی تمہیں میرا نام یاد رہا؟'' اس کا حیرت میں ڈوبا لہجہ بھی اسی کی طرح خوبصورت تھا۔ ''تمہیں کیسے بھول سکتی ہوں۔ اس باغ میں آنے والے پہلے اور آخری فرد تھے جسے سزا نہیں ملی۔'' آرونا نے جواب دیا۔ ''میرے دو دوست بھی تو تھے۔'' جمال نے کہا تو وہ بولی۔ ''وہ ڈرپوک تو بھاگ گئے تھے۔ لیکن تم نہیں بھاگے۔'' آرونا نے کہا۔ ''ہاں! اس دن تمہیں دیکھ کر میرے قدم رک گئے تھے، اور سچ بولوں تو اس وقت تھوڑا سا گھبرا بھی گیا تھا لیکن آج میں کسی سے نہیں ڈرتا۔'' جمال نے دو قدم اس کی جانب بڑھائے اور اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے مزید بولا۔ ''اور نہ ہی میں بھاگنے والوں میں سے ہوں۔'' وہ خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔ کیسی ہو؟ جمال نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔ بہت اچھی! آرونا نے بھی مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ آرونا! اس کے کانوں میں سرگوشی ہوئی۔ یہ اس کی ماں کی آواز تھی۔ یہ اس کو بلانے کا طریقہ تھا کہ وہ سب والوں کو اسی طرح دماغ کے کسی گوشے سے آتی آوازوں سے مخاطب کرتی تھی۔ مجھے جانا ہے۔ اس نے اجازت کے سے انداز میں جمال سے کہا۔ کل؟ جمال نے سوالیہ انداز میں بس ایک لفظ کہا تو آرونا نے ہاں میں سر ہلا دیا اور پلٹ کے بھاگی۔ اور وہ جو ابھی اس کے حسین سراپے پہ انگشتِ بدنداں تھا، وہیں کھڑا اب اس کے کالے سیاہ کمر سے نیچے آتے لمبے بالوں کو دیکھ کے سحر زدہ سا ہو گیا۔ وہ تو بچپن سے بھی کہیں زیادہ خوبصورت ہو گئی تھی۔

جانوروں کی ہڈیوں کو کالے کپڑے میں لپیٹتے اور طرح طرح کی خشک جڑی بوٹیوں سے بھرے شیشے کے ایک جار کو کپڑے کے ایک تھیلے میں رکھتی اس کی ماں اسے سمجھانے والے انداز میں بولی۔ ''دیکھ آرونا! کچھ دنوں میں تجھے بھی جنگل میں کچھ مہینے بتانے جانا ہے۔ تیاری کر لے۔'' اور وہ خاموشی سے بت بنی کھڑی رہی۔ کمرے سے باہر جاتی اس کی ماں نے اسے پھر سے مخاطب کیا۔ ''تیرا دل وہاں جا کر بھی لگ جائے گا۔ دل کی فکر نہ کر۔'' آخری جملہ معنی خیز انداز میں بول کے وہ تو باہر نکل گئی لیکن آرونا پلو میں چھپائے سورج مکھی کے پھول کو نکال کر دیکھنے لگی۔ تو گویا اس کی ماں سے کچھ بھی پوشیدہ نہیں تھا۔ اسے اپنی ذاتیات میں یہ مداخلت پسند نہیں آئی۔

''جب میرا بچہ بڑا ہو گا تو میں اپنے شہزادے کے لیے بہت خوبصورت دلہن لے کر آؤں گی۔'' وہ ستاروں سے بھرے آسمان کو دیکھتے ہوئے اپنی دادی کو یاد کر رہا تھا۔ جو اس کے ذہن پہ بکھرے منظر میں، وہیں اسی آنگن میں اپنے چھوٹے سے پوتے کو اپنے ساتھ لٹائے اسے سلانے کی کوشش کر رہی تھیں۔ پر مجھے تو دلہن نہیں چاہیے۔ اس نے معصومیت سے کہا۔ پر مجھے تو اپنے شہزادے کے لیے چاند سی دلہن چاہیے۔ جو سب سے خوبصورت ہو۔ دنیا کی سب سے خوبصورت لڑکی۔ پتہ ہے کل میں اتروپ کے جس گھر میں گئی تھی وہاں بھی ایک ایسی ہی چاند سی بچی پیدا ہوئی ہے۔ میں نے آج تک اتنی خوبصورت بچی نہیں دیکھی۔ اس کی دادی بولیں۔ تو کیا وہ میری دلہن ہے؟ اس کے چار سالہ پوتے نے معصومیت سے پوچھا۔ نہیں میرے بچے! خدا نہ کرے۔ تم اتروپ اور اس گھر میں کبھی مت جانا۔ اس گھر میں ایک جادوکوری رہتی ہے۔ اس کی نو تگنی بیٹیاں ہیں اور کل یہ دسویں بیٹی پیدا ہوئی ہے۔ اس کی دادی گھبراتے ہوئے بولیں۔ تو آپ اس جادوکوری کے گھر

کیوں گئیں؟ اس نے سوال کیا۔ کیونکہ وہ بڑا سا پرندہ جو اس پیاری سی بچی اور اس کی بہنوں کو آسمان سے زمین پر لایا تھا، صرف مجھ سے ملتا ہے اور سب بچوں کو میرے حوالے کر کے چلا جاتا ہے۔ اس لیے میرا اس گھر میں جانا ضروری تھا۔ تاکہ جب وہ تھیلا نیچے گرائے تو میں اسے پکڑلوں اور اس میں جو بھی بچہ اللہ میاں نے بھیجا ہے اسے اس کے ماں باپ کے حوالے کردوں۔ بہت پیاری بچی تھی، بالکل جیسے میرا جمال ہے نا پیارا سا۔ لیکن تمہارے لیے اس سے بھی پیاری شہزادی لے کر آؤں گی۔ آج اس کی دادی کی صرف یادیں اس کے ساتھ تھیں۔ شہزادی؟ اور اس گھر میں آئے گی؟ اماں! یہ وقت اس کے سوتے میں خواب دیکھنے کا ہے۔ جاگتے کے خواب اسے دن کے وقت دکھایئے گا۔ ساتھ والی چارپائی سے اس کے بابا کی آواز آئی۔

جمال نے اپنے بائیں طرف دیکھا پر اب نہ تو وہاں اس کے بابا کی چارپائی تھی اور نہ اس کے پاس لیٹی اس کی دادی۔ اور نہ ہی خواب وہ چار سال کا بچہ تھا مگر اس کی دادی کی آواز اسے اب بھی سنائی دیتی تھی اور وہ آج بھی ان سے باتیں کرتا تھا۔ میں اللہ میاں سے دعا کروں گی کہ میرے پیارے سے جمال کے لیے بھی ویسی ہی پیاری سی دلہن ہو۔ اس کی دادی کی آواز پھر سے اس کے دماغ میں گونجی۔ ویسی ہی کیوں دادی؟ وہی کیوں نہیں؟ بیس سالوں میں مجھے تو اس سے زیادہ خوبصورت اور کوئی نظر نہیں آئی۔ اس جادوگری کا جادو تو بچپن میں ہی مجھ پہ چل گیا تھا۔ اب تو بہت دیر ہو چکی ہے۔ دادی! مجھے معاف کر دینا، میں انجانے میں اس باغ میں جا پہنچا تھا۔ نہیں جانتا تھا کہ وہ اس کا گھر ہے۔ جمال اپنے ہی خیالوں میں اپنی دادی سے مخاطب تھا۔

وہ آم کے باغ میں بے چینی سے ٹہل رہی تھی۔ آرونا! وہ اپنا نام سن کے پلٹی۔ کیا بات ہے؟ تم کسی بات سے پریشان ہو۔ جمال نے اس کا چہرہ دیکھتے ہی جان لیا۔ وہ مسکرائی۔ یہ تو تم نے میرا چہرہ دیکھ کے جان لیا؟ پر بہت کچھ ہے جو تم نہیں جانتے۔ وہ سر جھکائے بولی۔ اگر میں کہوں کہ میں تمہارے بارے میں جانتا ہوں؟ تم ایک جادوگری ہو! جمال نے اطمینان سے یہ بات کہہ دی تو وہ اس کے چہرے کا جائزہ لینے لگی۔ پر جمال! یہ میرے اختیار میں نہیں تھا۔ ماں کہتی ہے کہ یہی میری حقیقت ہے، میرے خون میں ہے یہ سب۔ وہ بے بسی سے بولی۔ انسان کی حقیقت صرف انسانیت ہے۔ شیطانیت نہیں! اور جو شیطان کے راستے کو اپناتا ہے وہ اپنی اصل حقیقت کو جھٹلاتا ہے۔ اسے نہ تو خدا اپناتا ہے اور نہ ہی شیطان اس کا بھلا کر سکتا ہے۔ جمال نے بہت وثوق سے کہا تو وہ بولی۔ لیکن میری تو پچھلی کئی نسلیں اسی کو مانتی آ رہی ہیں۔ میرے گھر میں خدا کا نام کبھی نہیں لیا گیا۔ نہ ہی بھگوان کا۔۔ ہم پرانے مندر کے کھنڈر میں جاتے ضرور ہیں لیکن پوجا کے لیے نہیں۔ کسی خاص ودھی (عمل) کے لیے۔ مجھے بچپن سے یہی سب سکھایا گیا ہے میں یہ سب کرنے کے لیے مجبور ہوں۔ مگر کچھ سالوں سے میں بہت کچھ ایسا دیکھ رہی ہوں جو مجھے سوچنے پہ مجبور کرتا ہے کہ شاید یہ سب غلط ہے۔ اور میری سب سے بڑی پریشانی یہ ہے کہ کچھ دنوں میں بابا مجھے اپنے ساتھ لے جائے گا۔ جمال! وہ اچھا آدمی نہیں ہے۔ میں اس کے ساتھ جانا نہیں چاہتی پر میری ماں مجھے اس کے ساتھ بھیج رہی ہے۔ میری بہنوں کو بھی سولہ سال کی ہونے پر اس کے ساتھ بھیجا گیا تھا اور اب میری باری ہے۔ اس کے چہرے پہ پریشانی صاف دکھائی دیتی تھی۔

بابا؟ میں نے سنا تھا کہ وہ تمہاری ماں کے باپ ہیں یعنی تمہارے نانا ہوئے نا؟ جمال نے بھی باقی سب کی طرح اس گاؤں میں رہنے والے بوڑھے، اس کی بیوی اور بیٹی کے بارے میں سن رکھا تھا اور یہاں پیدا ہوئی دس بیٹیوں اور ان کے باپ یعنی بوڑھے کے داماد کی موت کے بارے میں تو اس کی دادی نے اسے خود بتایا اور خبردار کیا تھا۔

پتہ نہیں جمال! وہ میرا نانا ہے بھی یا نہیں؟ نہ جانے کون ہے۔ اور پھر اس نے اپنے گھر میں ہونے

والی مشکوک سرگرمیوں اور اس کی بہنوں کو اس بوڑھے کے ساتھ لے جانے والی ساری باتیں بتا ڈالیں۔ جمال کے چہرے پہ فکرمندی کے آثار واضح دکھائی دے رہے تھے اور اس کا دماغ تیزی سے کام کر رہا تھا۔

آرونا! کیا تمہیں واقعی یہ سب غلط لگتا ہے؟ آرونا نے ہاں میں سر ہلایا۔ کیا تم یہ سب چھوڑ سکتی ہو؟ وہ اس سوال پہ سوچ میں پڑ گئی۔ مسلمان ہو سکتی ہو؟ وہ یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتی تھی لہٰذا خاموش رہی۔ جمال پھر سے بولا، آرونا! میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ آرونا نے اس سے اتنی جلدی اس بات کی توقع نہیں کی تھی۔ اس کے چہرے پہ پریشانی کی جگہ حیرت نے لے لی۔ میرا خاندان تمہارا دشمن ہو جائے گا۔ ہمیں جادوگری کے کچھ خاص درجوں تک پہنچنے تک شادی کی اجازت نہیں ہے اور پھر تمہارے ساجھ والوں کا اعتراض۔ وہ تذبذب کا شکار تھی۔ تو یہ تو اچھا ہے۔ تمہیں ان درجوں تک نہیں پہنچنا پڑے گا۔ آرونا! میں بنا شادی کے تمہیں اپنے ساتھ نہیں رکھ سکتا۔ میرا اپنا کنبہ نہ سہی لیکن میرے گاؤں ساجھ کی بھی کچھ روایتیں ہیں وہاں زیادہ تر لوگ مسلمان ہیں۔ اور پھر مسلمان ہونے میں تمہاری اپنی نجات ہے۔ ایک بار تم مسلمان ہو کر میری بیوی بن گئی تو گاؤں والوں کے ہوتے ہوئے کوئی تمہیں وہاں سے زور زبردستی کر کے اپنے ساتھ نہیں لے جا سکتا۔ ساجھ کی پنچایت آس پاس کے سب گاؤں کی پنچایتوں سے زیادہ مضبوط اور منظم ہے۔ جمال نے آرونا کے خدشات دور کرنے کی کوشش کی۔ اور مزید کہا۔ تم سوچنے کے لیے جتنا چاہے وقت لے لو پھر جو بھی فیصلہ کرو گی، مجھے منظور ہوگا۔

جمال نے کہا تو وہ بولی۔ میرے پاس اتنا وقت نہیں ہے جمال! کل ملتے ہیں۔ وہ درختوں کی اوٹ سے نکلتے ہوئے مڑ مڑ کر جمال کو دیکھتی رہی اس نے کبھی سوچا نہ تھا کہ جمال اس کی حقیقت جاننے کے بعد بھی اس کے لیے اتنا سب کرنے کو تیار ہو جائے گا۔ وہیں دوسری جانب جمال اس حسین جادوگرنی کو درختوں کی اوٹ سے باہر نکلتا دیکھ یہ یقین نہیں کر پا رہا تھا کہ آرونا عنقریب اس کی زندگی میں شامل ہونے جا رہی ہے۔

اگلی صبح جس وقت ساری رات کی جاگی اس کی ماں اور بہنیں گہری نیند سو چکی تھیں، وہ آم کے باغ میں چلی آئی جہاں جمال پہلے سے اس کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ اس کے قریب پہنچ کر بولی۔ میں تیار ہوں، لیکن تم ایک بار پھر سوچ لو میری مدد کرنا تمہیں بھاری پڑ سکتا ہے۔ میں تمہاری مدد نہیں کر رہا آرونا! تم اپنی مدد آپ کر رہی ہو اس لیے خدا بھی تمہارے ساتھ ہے اور شاید اسی لیے اس نے مجھے تمہارا ساتھ دینے کے لیے تمہاری زندگی میں بھیجا ہے۔ وہ مسکرا کے بولا تو جواباً وہ بھی مسکرائی۔

وہ دونوں اس باغ اور پھر اترو پ سے نکل آئے۔ جنگل سے گزرتے ہوئے آرونا کو کئی بار اپنے آس پاس کسی ان دیکھے وجود کا احساس ہوا لیکن وہ ابھی جادوگری کے اس درجے تک نہیں پہنچی تھی کہ ان وجود کو دیکھ سکے۔ لیکن ان کی آہٹیں وہ سن سکتی تھی۔

جنگل کے ختم ہوتے ہی ایک بہت بڑی اور پرانی مسجد دکھائی دی اور جیسے ہی وہ دونوں مسجد کے سامنے پہنچے، ان دیکھے وجود کا احساس ایک دم ہی ختم ہو گیا۔ یہاں سے ساجھ کی حدود شروع ہوتی تھی۔ بہت ہی خوبصورت اور پررونق گاؤں تھا یہ، آرونا کے ویران اور بیابان گاؤں سے بالکل الگ۔ اسے یہاں آ کے عجیب سا سکون مل رہا تھا۔ آرونا کے دل کا سکون اس بات کی گواہی دے رہا تھا کہ وہ جو کرنے جا رہی ہے وہ درست ہے۔

اور پھر شام سے پہلے پہلے اسے کلمہ پڑھا کر مسلمان کیا گیا۔ ایک عمر رسیدہ مولوی صاحب نے اسے شفیق سے انداز میں مختصراً دین اسلام کے کچھ پہلوؤں سے روشناس کروایا۔ وہ بغور ان کی باتیں سنتی رہی۔ اور پھر کچھ دیر بعد ان دونوں کا نکاح بھی انہیں مولوی صاحب نے کروایا۔ کلمہ پڑھتے وقت آرونا پر رقت طاری تھی اور مولوی صاحب کے مختصر کلام کے دوران اسے لگنے لگا کہ جیسے اس کا وجود ہلکا پھلکا ہوتا جا رہا ہے۔ اسے محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے اب اس کی روح اس کے

جسم میں قید نہیں بلکہ اس کا جسم اس کی روح کی قید میں ہے اور وہ بادلوں کی طرح فضاؤں میں محوِ پرواز ہے۔

اتنی خوشی، اتنا سکون، اتنا لطف اس نے زندگی میں آج تک محسوس نہیں کیا تھا جو کلمہ پڑھنے کے بعد پہلی بار اس نے محسوس کیا۔ اس نے تشکر بھری نظروں سے جمال کی طرف دیکھا جو نکاح کے بعد گواہوں کے بیچ بیٹھا دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے ہوئے تھا۔ یا اللہ شکر! آرونا کی دعا میں اٹھے ہاتھوں کی گود میں سمیٹے جانے والے یہ پہلے بے زبان الفاظ تھے جو اس کے دل سے نکلے تھے۔ وہ ایک لمحے کو حیران رہ گئی۔

آج پہلی بار اس کے دل سے خدا کا نام نکلا تھا وہ بھی تشکر میں اور اتنی جلدی۔ تو کیا خدا کو اپنانا اتنا آسان تھا؟ یا پھر خدا نے اسے اپنا لیا تھا؟۔

صحیح کہا تھا جمال نے کہ انسان کی حقیقت شیطانیت نہیں انسانیت ہی ہے اور انسان کو اپنی حقیقت تسلیم کرنے کے لیے بس خدا کی طرف ایک قدم بڑھانا ہوتا ہے اور خدا اسے آگے بڑھ کے تھام لیتا ہے۔ اپنی حقیقت سمجھنا اتنا مشکل کام نہیں۔ اس نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ بے چینیوں میں گزرے اس کے کتنے سالوں کا اندھیرا بس ایک روشن ترین دن سے اس کے دلی سکون میں بدل جائے گا۔

ادھر اس کے بیابان گاؤں اتروپ کے اندھیروں میں گھرے اس کے گھر میں ایک کہرام برپا تھا۔ اس کی ماں کو خبر مل چکی تھی کہ اس کے انوکھے جادوکوری خاندان کی بنیادیں ہل چکی ہیں۔ وہ غصہ میں پاگل ہو رہی تھی۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ ابھی اسی پل کوئی عمل کرے اور اپنی بیٹی اور اس کے شوہر کو جان سے مار ڈالے۔ سارے زمانے کی کمینگی اپنے چہرے پہ سجائے وہ بوڑھا اس سے مخاطب ہوا، خبردار! ایسا کیا تو تجھ سے تیری بہت سی طاقتیں چھین لے گا۔ اپنے ہاتھوں سے اپنا دسواں ستون گرا بیٹھی تو ہم بہت نقصان اٹھائیں گے۔ ابھی تو صرف تیرے انوکھے جادوکوری خاندان کی بنیادیں ہلی ہیں۔ عمارت کو قائم رکھنا ہے تو اسے پھر سے مضبوط کر۔ اسے واپس آنے پہ مجبور کر دے۔ اس کا زندہ رہنا تیرے لیے، تیرے پورے خاندان کے لیے اور میرے لیے بھی بہت ضروری ہے۔ ہاں! اس کے مسلمان ہونے اور شادی کر لینے پر شیطان ناخوش ضرور ہے۔ اور معاف کرنا اس کا شیوہ نہیں۔ اس کی دی ہوئی مہلت کے اندر اندر ہمیں اسے واپس لانا ہوگا۔ اسے پھر سے ہماری رسموں کا حصہ بننا پڑے گا۔ نہیں تو ہم سے بہت کچھ چھن جائے گا۔

آرونا طوفان سے پہلے کی خاموشی محسوس کر رہی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ اس کی ماں اور اس کا بوڑھا نانا آرام سے بیٹھنے والے نہیں۔ تو پھر کیا بات ہے جو اب تک انہوں نے کوئی انتہائی قدم نہیں اٹھایا۔ تو تمہیں اس بات کی فکر ہے کہ سب اچھا کیوں ہے؟ شکر کرو کہ کچھ نہیں ہوا۔ جمال نے مسکراتے ہوئے آرونا کو کہا تو وہ بولی، نہیں جمال! شکر ہے کہ سب اچھا ہے لیکن فکر یہ ہے کہ یہ سب اچھا رہنے والا نہیں۔ وہ چپ بیٹھنے والوں میں سے نہیں! مجھے ڈر ہے کہ وہ کچھ بہت برا کرنے والے ہیں۔ ویسے جمال! میں اتنا کچھ تو جانتی ہوں کہ ان کا مقابلہ کر سکوں۔ اپنی ماں اور نانا جتنا نہیں لیکن کچھ علم تو میرے پاس بھی ہے۔ کم سے کم میں یہ پتہ تو کر ہی سکتی ہوں کہ ان کے ارادے کیا ہیں؟ آرونا نے کہا تو جمال کے چہرے پہ سنجیدگی چھا گئی۔

آرونا! مت بھولو کے اب تم مسلمان ہو اور مسلمان کے لیے جادو حرام ہے۔ تم چھوڑ چکی ہو وہ سب، بھول جاؤ وہ کالا علم، وہ عملیات، وہ جادوئی رسمیں، وہ سب کچھ جو تم چھوڑ آئی ہو۔ مجھ سے وعدہ کرو کہ تم کبھی اپنے ماضی کی طرف پلٹ کے نہیں جاؤ گی۔ یہی میری سب سے بڑی خواہش ہے اور خدا کی خوشنودی بھی۔ جمال نے اسے جھنجھوڑا تو اس نے وعدہ کیا کہ آئندہ وہ اس بارے میں کبھی نہیں سوچے گی، وہ اس کی خواہش کا احترام بھی کرے گی اور خدا کی خوشنودی کا خیال بھی رکھے گی۔ آرونا نے دل سے وعدہ کیا کہ وہ جادو سے کوئی مدد نہیں لے گی سو وہ نہیں جان سکتی تھی کہ اس کے

خلاف کیا منصوبہ بنایا جارہا ہے مگر اس کی چھٹی حس اسے خبردار کرچکی تھی۔

آرونا کسی آنے والی آفت کو لے کر پریشان تھی تو جمال روزگار کی وجہ سے فکرمند تھا۔ تھوڑا بہت پڑھا لکھا ہونے کے باوجود گاؤں میں اس کے لیے روزگار کے مواقع دستیاب نہ تھے اور اب تو اس پہ آرونا کی ذمہ داری بھی تھی۔ ابھی وہ اس سوچ میں محو تھا کہ دروازے پہ دستک ہوئی۔ اس کے سامنے اس کا چچا تھا جو نہ جانے کتنے سالوں بعد پاس کے گاؤں سے اس کے گھر آیا تھا اور اسے بتایا کہ جمال کی دادی ان کے خواب میں آئیں اور اس کے چچا کو تنبیہہ کی کہ جن کھیتوں پہ تو ہل چلاتا ہے اس کا آدھا حصہ تیرے مرحوم بھائی کا ہے جسے اس کے جیتے جی تو نے اپنے بھائی کے حوالے نہ کیا اور وہ ساری زندگی جنگل میں لکڑیاں کاٹتا رہا۔ اب اس کا یتیم جوان بیٹا گاؤں آچکا ہے۔ اگر تو نے اس کا حق اسے نہ دیا تو میں تجھے اپنا دودھ نہیں بخشوں گی۔ بس تب سے اس کا دل بے چین ہے اور وہ جمال کے حصے کی زمین اس کے حوالے کرنے آیا ہے۔

اس دن سے جمال آرونا کا بہت قدردان ہو گیا۔ اسے یقین تھا کہ یہ سب آرونا کی خوش بختی سے اسے ملا ہے۔ وہ دن بھر کھیتوں میں کام کرتا اور آرونا دوپہر کو اس کے لیے کھانا لے کے جاتی۔ جمال تو اپنی فکر سے آزاد ہو گیا تھا لیکن آرونا کی پریشانی ہنوز برقرار تھی۔ جمال کا گھر چونکہ کھیتوں سے کافی دور تھا تو جمال نے اپنے کھیت کے ساتھ ہی ایک چھوٹی سی کٹیا بنالی تھی جہاں وہ کام سے تھک کر کچھ دیر ستا لیا کرتا تھا۔

''آرونا! آج رات کھیتوں کو پانی لگنا ہے تو میں گھر نہیں آسکتا لیکن مجھے تمہاری فکر ہے۔ کیا تم رات اکیلی گھر میں رہ لوگی؟'' دوپہر کو کھانا کھانے کے دوران جمال نے آرونا سے پوچھا تو وہ بولی۔ ''جمال! مجھے اپنی کوئی فکر نہیں، لیکن میں تمہیں اپنی آنکھوں سے اوجھل نہیں کرسکتی۔ کیوں نہ میں بھی تمہارے ساتھ یہیں رہ لوں؟ اور جمال کو اس بات پہ کوئی اعتراض نہ ہوا۔ آرونا نے جلدی جلدی برتن سمیٹے اور جمال کو یہ کہہ کر گھر جانے کے لیے اٹھی کہ تم کام کرو میں گھر جا کر رات کا کھانا اور کچھ ضروری سامان لے کر کچھ دیر میں واپس آتی ہوں۔ اور جمال نے اسے مسکرا کر الوداع کیا۔

دوسری طرف آرونا کی ماں جو کتنے دنوں سے آج کی اماوس کی رات کا انتظار کررہی تھی، اپنے کالے علم کے ذریعے آرونا کی زندگی برباد کرنے کے در پہ تھی۔ شام ڈھلے جب آرونا کھیتوں میں داخل ہوئی تو اسے اپنے آس پاس اور خاص کر جمال کی بنائی کٹیا کے پاس کالے سائے سے منڈلاتے محسوس ہوئے۔ یہ بالکل ویسے ہی تھے جو وہ اپنے گھر میں دیکھا کرتی تھی۔ جن کے بارے میں اسے بتایا گیا تھا کہ وہ کالے جادوگروں کے وہ کارندے ہیں جو اس کی ماں اور نانا کے لیے مختلف کام سرانجام دیتے ہیں۔ اس کا دل انجانے خدشات سے دھڑک رہا تھا۔ اس سب کی اصلیت کا پتہ کروانا اور اپنی جادوئی ڈھال کے ذریعے کسی بھی خطرے کا مقابلہ کرنا اس کے لیے مشکل نہ تھا لیکن جمال سے کیے ہوئے وعدے اور جمال کے اس پہ بے انتہا اعتبار نے آرونا کو کچھ بھی کرنے سے روک رکھا تھا۔ وہ اپنی دلی کیفیت کو چھپائے خلا میں کہیں گھور رہی تھی۔ ہلکی ہلکی خنکی اور بادلوں سے ڈھکے آسمان کو دیکھتے ہوئے کھلے آسمان تلے لیٹی آرونا کو ایک دم سے احساس ہوا کہ آج اماوس کی رات ہے اور اس کے ہاں کسی کی تباہی کے خاص عمل کے لیے ایسی ہی رات کا انتخاب کیا جاتا ہے کہ جب کالی طاقتیں مزید سیاہ کار بن جاتی ہیں۔ کہیں اس کے گھر والے اسی رات کے انتظار میں تو اب تک اسے ڈھیل نہیں دیے ہوئے تھے؟ اور اس کے دل نے جواب ہاں میں دیا۔

آرونا کو شام سے اس کھیت میں منڈلاتے کالے سایوں کی موجودگی کا مقصد سمجھ آچکا تھا۔ اس نے اپنے ساتھ لیٹے جمال کو اپنے خوف سے آگاہ کرنا چاہا لیکن وہ تو آنکھیں موندے گہری نیند سو چکا تھا۔ سارے دن کے تھکے اپنے محنت کش شوہر کو اس نے بڑی محبت سے دیکھا اور اسے نیند سے جگانا مناسب نہ سمجھا کہ رات کے دوسرے پہر جمال کو اپنے کھیت کو پانی دینے کے لیے بھی اٹھنا تھا۔ لیکن آرونا نے تبھی یہ فیصلہ بھی کیا کہ وہ ساری رات جاگ کر ارد گرد کے ماحول پہ نظر رکھے گی۔ اس کا دل گواہی دے رہا تھا کہ آج رات کچھ ہونے والا ہے۔

فضا میں خنکی بڑھ گئی تھی۔ رات کا دوسرا پہر تھا اور وہ دونوں کٹیا کے باہر پڑی کھاٹ پہ سکڑے ہوئے لیٹے تھے۔ کہ تبھی جمال کی آنکھ کھلی تو اس نے آرونا کو کہا کہ باہر بہت ٹھنڈ ہے، تم اندر چلی جاؤ، میں کھاٹ کٹیا کے اندر رکھ دیتا ہوں پھر کھیتوں کو پانی بھی لگانا ہے۔ اور آرونا جس نے پوری رات ایک پل کے لیے بھی آنکھ نہ جھپکی تھی مسکرا کے جمال کو تکنے لگی۔ ٹھیک ہے۔ نیند میں جمائیاں لیتے جمال نے چادر اور تکیہ آرونا کو تھمایا اور خود کھاٹ اٹھا کے کٹیا کے چھوٹے سے دروازے سے اندر لے جانے لگا اور وہ باہر کھڑی انتظار کرنے لگی کہ کب کھاٹ پوری اندر جائے کہ تبھی وہ بھی اندر جاسکے۔

وہ جمال کو ایک پل کے لیے بھی اپنی نظروں سے اوجھل نہیں کرنا چاہتی تھی۔ کھاٹ کے آدھے حصے کے ساتھ ہی جب جمال نے کٹیا کے اندر قدم رکھا تو نہ جانے کیسے اندر اچانک آگ بھڑک اٹھی اور جمال کی چیخیں فضا میں گونجنے لگیں۔ آگ اتنی تیز اور بھیانک تھی کہ آرونا کے اندر قدم رکھنے سے پہلے ہی اس کے دیکھتے ہی دیکھتے کٹیا سے آگ کے بھیانک شعلے فضا میں ناچنے لگے۔ جمال کی چیخیں تو اسی وقت بند ہو گئیں تھیں لیکن آرونا کی چیخیں دور دور تک سنی جاسکتی تھیں۔ وہ مدد کے لیے لوگوں کو پکار رہی تھی۔ ہاتھ میں پکڑی چادر کو اس نے جمال پہ لپیٹنا چاہا لیکن اندر جمال دکھائی نہیں دے رہا تھا صرف آگ ہی آگ تھی اور دروازے میں پھنسی کھاٹ بھی آگ میں لپٹی راستہ روکے جل رہی تھی۔ اس نے باہر پڑی پانی کے گھڑے کو اندر انڈیلا مگر اس تھوڑے سے پانی سے آسمانوں کو چھوتی یہ آگ کہاں بجھنے والی تھی؟ وہ گھڑا پھینک کر یہاں وہاں پانی کی تلاش میں دوڑنے لگی۔ ٹیوب ویل بہت دور تھا اور پانی کو یہاں تک لے کر آنے کے لیے کوئی چیز موجود نہ تھی۔

آرونا روتی اور مدد کے لیے چلاتی جارہی تھی۔ اپنے اپنے گھروں کے آنگن میں سوئے گاؤں والے رات کے اس پہر آسمانوں کو چھوتے آگ کے شعلے دیکھ کر کھیتوں کی طرف لپکے تو چھوٹی سی کٹیا میں لگی اس ہیبت ناک آگ کو دیکھ کر اپنے گھروں سے بالٹیاں لانے کو بھاگے۔ لیکن جب تک آگ بجھائی گئی، جمال جہانِ فانی سے کوچ کرچکا تھا۔

صبح کی روشنی نمودار ہورہی تھی۔ آرونا غم اور تکلیف سے نڈھال تھی۔ ساری رات وہ جمال سے ایک پل کے لیے بھی غافل نہیں ہوئی تھی اور محض چند قدم کی دوری نے بس ایک ہی پل میں جمال کو اس سے ہمیشہ کے لیے چھین لیا تھا۔ اس کا دل جس چیز کی گواہی دے رہا تھا وہ قیامت اس پہ ٹوٹ چکی تھی۔ اور وہ کچھ بھی نہ کرپائی۔

جمال کا جنازہ جاچکا تھا اور وہ گاؤں کی بڑی بوڑھیوں کے بیچ بت بنی بیٹھی تھی۔ جنہوں نے اسے رلانے کی بہت کوشش کی۔ کسی نے اسے جذباتی باتوں سے اکسایا تو کسی نے اسے اس کی زندگی کے سب سے بڑے نقصان کا احساس دلانے کی کوشش کی تو کسی نے اس کے اکیلے رہ جانے کے خوف اور بے بس حالات کا شکار ہوجانے کی منظرکشی کی لیکن وہ تو جیسے کسی اور ہی دنیا میں تھی۔ بولی تو بس ایک بات، جب کسی عورت نے کہا کہ اب تو کس کے لئے جیے گی؟ تو اس نے صحن سے اندر اپنے کمرے کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے کہا۔

''اپنی آنے والی اولاد کے لیے۔''

ساجھ والوں کو اس دن تک اس کے اگلے پچھلوں کا کوئی اتا پتا نہ تھا۔ جمال نے نکاح والے دن بھی ساجھ والوں کو بس اتنا ہی بتایا تھا کہ آج سے اس کا دنیا میں بس ایک ہی رشتہ ہے اور وہ میں ہوں، لہٰذا آرونا سے کوئی استفسار نہ کیا جائے۔ اور کل تک وہی اس کی ڈھال بنا ہوا تھا لیکن اگلے روز جب اس کی ماں اور دو بہنیں اس سے ملنے آئیں تب گاؤں والوں کو پتہ چلا کہ آرونا کا

میکہ ابھی موجود ہے۔ جو کچھ ہوا میں تجھے معاف کرتی ہوں اب گھر چل۔ اس کی ماں نے کہا تو آرونا غرائی۔

ماں! تم مجھے معاف کرتی ہو؟ تم؟ اور پھر کچھ سوچ کر آرونا نے اپنے غصے کو قابو کرتے ہوئے کہا۔ میں اس گھر کو چھوڑ کر نہیں جاؤں گی تم لوگ یہاں سے چلے جاؤ۔

''آرونا! تم جب سے گئی ہو میں تمہارے پل پل کی خبر رکھتی تھی اور جیسے ہی مجھے تمہارے شوہر کے مرنے کی خبر ملی، میں تمہیں لینے آ گئی۔'' آرونا نے ماں کو شعلہ باز نگاہوں سے دیکھا اور کمرے کی طرف مڑتے ہوئے بولی۔ دروازہ بند کرتے جانا اور وہ لوگ واپس لوٹ گئے۔ اتنا اندازہ تو انہیں بھی ہو گیا تھا کہ آرونا جانتی ہے کہ جمال کی موت کے پیچھے انہی لوگوں کا ہاتھ ہے اور آرونا بھی یہ جان چکی تھی کہ اس کی ماں اور بہنوں نے اس کی آنکھوں میں اپنے لیے نفرت دیکھ کر یہ اندازہ تو لگا ہی لیا ہوگا کہ وہ یہ جانتی ہے کہ اس کے جمال کو اس سے چھیننے والے وہی لوگ ہیں۔ لیکن دونوں اطراف سے اس بارے میں بظاہر کوئی ایک لفظ نہ بولا تھا۔

آرونا نے بروقت اپنے غصہ کو قابو کر لیا تھا اور یہ اس کے لیے بہت ضروری تھا۔ وہ کچھ اور ہی سوچ کے بیٹھی تھی۔ اور پھر اس کی ماں اور بہنیں اس سے وقتاً فوقتاً ملنے آنے لگیں اور آرونا کی ناراضگی بھی بظاہر کم ہوتی رہی۔

گاؤں والوں کو ابھی آرونا کے خاندان کے بارے میں کچھ خاص علم نہ تھا کہ اس کی ماں اپنے ساتھ ہمیشہ کوئی سی دو بہنوں کو ہی لے کر آتی تھی جنہوں نے اپنے چہرے ڈھانپ رکھے ہوتے تھے۔ ان تین نقاب پوش عورتوں کو آتا جاتا دیکھ کے ساجھ میں رہنے والے لوگ بس یہی سمجھ سکے کہ آرونا کی ماں اور بس دو بہنیں ہی اس کا کل میکہ ہیں۔ لیکن ان کا تعلق اتروپ کے اس پرانے پراسرار گھر سے ہے یہ بات اب تک کسی کو معلوم نہیں تھا۔ گاؤں والے آرونا کا بہت خیال بھی رکھتے وہیں حیران بھی ہوتے کہ آخر وہ اپنی ماں اور بہنوں کے ساتھ اپنے گھر لوٹ کیوں نہیں جاتی؟ لوگ اس چیز کو آرونا کی جمال سے لازوال محبت گردانتے اور خاموش ہو رہتے کہ شاید وہ اپنے شوہر کے گاؤں اور گھر کو چھوڑ کے کہیں نہیں جانا چاہتی۔

آرونا کی ماں ایڑی چوٹی کا زور لگا چکی تھی اسے اپنے ساتھ لے جانے کے لیے لیکن اس بات کے لیے اسے کسی جادو کا سہارا لینے کو منع کیا گیا تھا۔ وہ سب کچھ اسی بوڑھے کے کہنے پہ کر رہی تھی۔ اسے انتظار تھا تو آرونا کی اولاد کے اس دنیا میں آ جانے کا۔

اور پھر وہ دن بھی آ گیا جب آرونا نے دو جڑواں بیٹیوں کو جنم دیا جن کی شکلیں ایک دوسرے سے مختلف تھیں۔ ایک کا نام آرونا نے آئینہ رکھا اور دوسری کا آمین۔

بس بہت ہو گیا۔ اس کی غیر حاضری سے میرے کتنے کام ادھورے پڑے ہیں۔ وہ ساری طاقتیں جو اس کے عمل میں موجود ہونے سے مجھے ملتی تھیں کہیں کھو چکی ہیں۔ کتنی ہی رسمیں، سدھیاں اور عمل ہیں جو اس کے نہ ہونے سے بے کار پڑے ہیں اور خاص کر وہ سب عمل جس میں میری دس کی دس بیٹیوں کا موجود ہونا لازمی ہے سب رکے پڑے ہیں۔ اور کتنا انتظار کروں؟ اس کی ماں بے چینی سے ادھر ادھر ٹہل رہی تھی اور وہ بوڑھا اپنے چہرے پہ کمینگی سجائے اطمینان سے بولا، بس تیرا انتظار ختم۔ کل تو اسے پھر سے آنے کا کہہ اور اگر وہ انکار کرے تو اس سے اقرار کروانا میرے لیے کون سا مشکل کام ہے۔

اور اگلے دن اس کی ماں اور دو بہنیں اسے آنے والی تاریخ کی ایک خاص رات کے خاص عمل میں شرکت کی دعوت دینے آن پہنچیں۔ آرونا! تو بھلے یہاں رہ لیکن اس ایک خاص رسم میں تیرا شامل ہونا تیری ماں، تیری بہنوں اور تیرے لیے ہی نہیں بلکہ تیری بیٹیوں کے مستقبل کے لیے بھی بہت ضروری ہے۔ اس رات شیطان ہم سے خوش ہو گیا تو سمجھ تو اور تیری بیٹیاں بھی اس کام میں بہت آگے جائیں گی۔ آخر جادوکوری کا خون ہیں یہ۔ اس کی ماں کے منہ سے اپنی بیٹیوں کے اس تاریک مستقبل کا ذکر سن کے وہ اندر سے کانپ گئی۔

کچھ بھی ہو میں اپنی بیٹیوں پہ کوئی شیطانی سایہ پڑنے نہیں دوں گی۔ اس نے جیسے دل میں تہیہ کیا۔ اس کی

آنکھوں کی فکر دیکھ کے اس کی ماں نے اس کے خیالات پڑھنے کی کوشش کی، جیسے وہ آرونا کی شادی سے پہلے پڑھ لیا کرتی تھی۔ لیکن اسے حیرت کا ایک جھٹکا لگا جب اسے آرونا کی سوچ تک رسائی حاصل نہ ہو سکی۔ ایسا پہلے تو کبھی نہ ہوا تھا۔ یہ کیسا بدلاؤ تھا آرونا میں؟ جو اس کی شادی یا اس کی بیٹیوں کی پیدائش کے بعد آیا تھا۔ جیسے آرونا کی پیدائش نے اس کی عمر رسیدگی کے آگے ایک ڈھال کھڑی کر دی تھی ویسے ہی ممکن ہے آرونا کی کسی ایک بیٹی کی پیدائش نے بھی آرونا کی سوچوں کو کسی کے دماغ تک نہ پہنچنے دینے کے لیے بھی کوئی ڈھال کھڑی کر دی ہو۔

آخر جادوکوری کا خون ہر نسل میں کچھ نہ کچھ رنگ تو دکھاتا ہے اور یہ سوچ کر آرونا کی ماں نے خود کو تسلی دے لی لیکن آرونا سے اس بات کا ذکر نہ کیا۔ میں سوچوں گی۔ آرونا نے ایک دم سے حامی بھر کے ماں کو مشکوک کرنے کی بجائے ٹال مٹول سے کام لیا لیکن اس کی ماں کے لیے یہی کافی تھا۔ وہ بہت پر امید ہو کے وہاں سے چلی گئی۔

عمل کی رات تک آرونا کی ماں اور بہنیں اس کے گھر کے کئی چکر لگا چکی تھیں اور اپنے ساتھ گھر چلنے پہ زور دے چکی تھیں۔ وہ سب اسے سمجھاتیں اور جادوئی رسوم میں دوبارہ شرکت کرنے پہ اصرار کرتی رہیں اور آہستہ آہستہ کر کے آرونا بالآخر اس رات کی شیطانی رسم میں شرکت کے لیے مان ہی گئی لیکن اس نے اسی وقت ان کے ساتھ چلنے سے انکار کر دیا اور بچیوں کی طبیعت کا بہانہ کر کے عمل کی رات ہی چھپ کے جنگل میں آنے کا کہہ کر انہیں واپس بھیج دیا اور اس کی بہنیں یہ سوچ کر خوشی خوشی واپس ہو لیں کہ بالآخر ان کے آئے دن آرونا کے گھر کے چکر لگانا رائیگاں نہیں گیا اور آرونا واپس ان میں شامل ہونے کے لیے تیار ہو گئی ہے۔ جبکہ حقیقت تو یہ تھی کہ آرونا تو خود جانا چاہتی تھی لیکن اس نے اپنی ماں اور بہنوں کو یہ احساس کروایا کہ وہ صرف ان کے بار بار کہنے پہ راضی ہوئی ہے۔

وقت بہت کم تھا۔ وہ جو ٹھانے بیٹھی تھی اب کر گزرنے کو تیار تھی۔ وہ سب سے پہلے اپنے گاؤں کے مکھیا کے پاس گئی اور ان سب لوگوں کو بھی اپنے ساتھ لے کے گئی جنہوں نے جمال کی زندگی میں اور اس کی موت کے بعد بھی آج تک اس کا بہت ساتھ دیا تھا۔

مجھے آپ لوگوں سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔ اس نے بولنا شروع کیا۔ اور پھر الف سے ے تک اپنے بارے میں سب کچھ بتا دیا۔ جس میں اس نے جمال اور اپنی پہلی ملاقات سے لے کر جمال کا اس سے شادی کر کے اسے اس زندگی سے نکال لے آنے تک کے سارے قصے سچائی سے بیان کر دیے تھے۔ اس کی بات سن کر بہت سے لوگ آگ بگولہ ہو گئے۔ خاص کر گاؤں کے مکھیا اور پنچائیت کے کچھ لوگ اسے جادوگرنی ہونے کے جرم میں زندہ جلا دینے پہ مصر نظر آنے لگے اور کچھ نے محض اسے گاؤں بدر کرنے کا مشورہ دیا۔ اس دوران وہ خاموش کھڑی اپنی قسمت کا فیصلہ ہونے کے انتظار میں تھی۔

جمال کی موت کے بعد سے اسے اپنی زندگی سے کوئی سروکار نہ رہا تھا، اگر فکر تھی تو صرف اپنی بیٹیوں کی۔ لیکن اپنے شوہر کے قاتلوں سے انتقام لینے کا فیصلہ تو اس نے اس کی میت کو اپنے سامنے دیکھتے ہوئے ہی کر لیا تھا۔

کوئی گناہ سے توبہ کرے تو رب بھی اسے معاف کر دیتا ہے تو بھلا ایسی صورت میں ہم کسی کو سزا دینے والے کون ہوتے ہیں۔ مجمع میں سے کسی کی شفقت بھری آواز گونجی۔

یہ کون تھا جو اس برہمی کے موقع پر درگزر کی بات کر رہا تھا؟ آرونا نے اس جانب نظریں اٹھائیں۔ یہ تو وہی مولوی صاحب تھے جنہوں نے اسے اسلام قبول کروایا تھا اور جمال سے اس کا نکاح بھی پڑھوایا تھا۔

یہ بچی اب ہمارے گاؤں کی بیٹی ہے۔ ہمیں اس سے رحم برتنا چاہیے کہ انصاف کا تقاضا یہی ہے۔ وہ مزید بولے تو پنچایت کا ایک آدمی بولا۔ اور وہ کئی سالوں سے جو نومولود بچے اغوا ہو رہے ہیں، کبھی قبروں سے مردے غائب اور کہیں مویشیوں کی کٹی پھٹی لاشیں مل رہی ہیں؟ ان کا انصاف کون کرے گا؟ ان سب کے پیچھے یقیناً انہی جادوکوریوں کا ہاتھ ہے۔ صرف ہمارے ساجھ میں

ہی نہیں بلکہ جنگل کے گرد بسے سبھی گاؤں میں یہ سب وارداتیں ہوتی آ رہیں۔ ہاں! اتروپ کی اس جادوکوری اور اس کی دس بیٹیوں کے بارے میں تو میں نے بھی سن رکھا ہے۔ ایک اور آدمی بولا۔ ہاں! میرا بھی اتروپ میں ایک بار جانا ہوا تو اس کے مشکوک خاندان کے بارے میں میں نے بھی بہت کچھ سنا۔ پھر تیسرا بولا، ارے بھائی! میں نے تو یہ تک سن رکھا ہے کہ ان جادوکوریوں کے گھر سے جڑے باغوں میں غلطی سے کوئی چلا جائے تو زندہ واپس نہیں آتا۔ یہ جادوکوریاں اسے کھا جاتی ہیں اور اس کے بچے کھچے جسمانی اعضا، خون اور ہڈیوں کو اپنے کالے جادو میں استعمال کرتی ہیں۔ ہاں! میں نے بھی سن رکھا ہے کہ دس بیٹیوں کی وہ ماں تو میرے بھی باپ کے زمانے سے زندہ ہے، کبھی بوڑھی ہی نہیں ہوتی۔ کیا بھلا کوئی عام عورت ہمیشہ اتنی جوان رہ سکتی ہے؟ اور آج تو اس نے خود ہی اپنے منہ سے سب قبول کیا ہے۔ اس کے خلاف بولنے والوں کی آواز میں امام مسجد کی آواز کہیں دب سی گئی۔ وہ پھر بھی اپنی سی کوشش کرتے رہے۔ وہ سب اتروپ کی بوڑھی مگر جوان نظر آنے والی جادوکوری اور آرونا سمیت اس کی دس جادوکوری بہنوں کی قسمت کا فیصلہ کرنے کے لیے اپنی اپنی کہہ رہے تھے لیکن آرونا کے ذہن میں بس جمال اور اس کی بیٹیوں کے چہرے گھوم رہے تھے۔

اور پھر وہ پہلی بار بولی۔ ”آپ جو بھی فیصلہ کریں بس ایک درخواست ہے، میری بیٹیوں کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔ وہ معصوم ہیں اور آپ کے ساجھ کے جمال کی بیٹیاں ہیں۔“

آرونا کے ہاتھ جڑے تھے اور آنکھوں میں آنسو تھے۔

فیصلہ ہو چکا ہے، تمہیں اور تمہاری بیٹیوں کو کوئی کچھ نہیں کہے گا، لیکن صرف ایک شرط پر کہ ان جادوکوریوں کو ختم کرنے میں تمہیں ہماری مدد کرنی ہوگی، آخری آواز مکھیا کی تھی۔

چاند کی چودھویں رات تھی۔ وہ اپنی ماں اور بہنوں سے کیے وعدے کے مطابق ساجھ اور اتروپ کے درمیان موجود جنگل کے اس مخصوص گھنے ترین حصے میں پہنچ چکی تھی جہاں چاند کی روشنی بھی ٹھیک سے نہیں پہنچ پا رہی تھی۔ گاؤں کے کچھ لوگوں کا ایک دستہ منصوبے کے مطابق اس سے کافی فاصلہ رکھے اسی جانب دبے پاؤں بڑھ رہا تھا جس جگہ انہیں دس بہنوں کو ایک خاص جادوئی رسم ادا کرنی تھی۔ سر سے پاؤں تک کالے لمبے چوغوں میں ملبوس اتروپ کی ان نو جادوگرنیوں کو بس آرونا کا ہی انتظار تھا اور جیسے ہی وہ وہاں پہنچی، دائرے کی شکل میں بیٹھی ہوئی ان جادوگرنیوں نے اس کے آتے ہی دھیمی آواز میں کچھ پڑھنا شروع کر دیا۔

وہ بھی اس دائرے میں بیٹھی بظاہر اپنی بہنوں کی طرح ہی لبوں کو حرکت دے رہی تھی مگر الفاظ ادا نہیں کر رہی تھی۔ کچھ دیر بعد ان کی پڑھائی میں تیزی آ گئی اور ان سب نے آنکھیں بند کر لیں۔ لیکن آرونا کن انکھیوں سے اپنے اردگرد کا جائزہ لیتے ہوئے درختوں کے پیچھے چھپے گاؤں والوں کو اشارے سے روکے ہوئے تھی۔ اس دائرے کے درمیان میں جلتی آگ کے پاس انسانی ہڈیاں، کچھ پرندوں کی لاشیں اور مٹی کے کچھ برتن پڑے تھے۔

عجیب سے نہ سمجھ میں آنے والے الفاظ دہراتے ہوئے ان جادوگرنیوں کے انداز میں شدت آ چکی تھی اور ان کی آواز بھی قدرے بلند ہو چکی تھی اور اسی انتہا کی کا آرونا نے فائدہ اٹھا کے گاؤں والوں کو اشارہ کیا جنہوں نے چاروں جانب سے انہیں گھیر رکھا تھا۔ وہ لوگ آہستہ آہستہ دبے قدموں سے آگے بڑھنے لگے، ان کے ہاتھوں میں بڑی بڑی بوریاں اور کچھ رسیاں تھیں۔ قریب پہنچتے ہی انہوں نے ایک ساتھ وہ بوریاں ان پر ڈال دیں اور رسیوں سے انہیں باندھنے لگے۔

ایک بوری اور رسی آرونا پہ بھی آن پڑی اور اس کا اندیشہ صحیح نکلا۔ اسے اندازہ تھا کہ گاؤں والے اسے معاف نہیں کریں گے اور اسے بھی اس کی بہنوں کے ساتھ مار ڈالیں گے اور شاید اس کی بیٹیوں کو بھی۔

گاؤں والے انہیں کھینچتے گھسیٹتے درختوں کے

تنوں کے ساتھ باندھ رہے تھے اور ایسے میں آرونا کو بس اپنی بیٹیاں یاد آ رہی تھیں۔ وہ اسی لیے گاؤں والوں کے حلیے کے بدل جانے کے خطرے کے پیشِ نظر گھر میں رکھے گندم کے ایک ڈرم میں اپنی بیٹیوں کو چھپا کر آئی تھی اور اس کے اکلوتے ہمدرد مولوی صاحب کو اس بارے میں بتاتے ہوئے آرونا نے انہیں کہا تھا کہ اگر وہ زندہ لوٹ کر نہ آئی تو اس کی بیٹیوں کو کسی محفوظ مقام پہنچا دیا جائے۔

جمال کے چاچا کے گاؤں یا پھر یتیم خانے لیکن اس کی بیٹیوں کو گاؤں والوں کے ہاتھ نہ لگنے دیں۔ گھر سے نکلتے وقت اس نے کئی بار اپنی سوتی ہوئی چند ماہ کی جڑواں بیٹیوں کو چوما اور انہیں کھجور کے پتوں سے بنے اس گندم کے ڈرم میں لیٹا کے اس کا ڈھکن اس طرح سے ڈھک دیا کہ وہ پوری طرح سے بند نہ ہو اور وہ سانس لے سکیں۔

گاؤں والے جب ان سب بہنوں کو درختوں کے تنوں سے باندھ چکے تو ان پر پٹرول چھڑکنے لگے۔ وہ سب دہشت سے چیخ رہی تھیں ماسوائے آرونا کے۔ وہ اپنے آخری وقت اپنی بیٹیوں کے لیے رو رہی تھی۔ لیکن ان نو جادوگرنیوں نے وحشت ناک انداز میں چیخ و پکار مچا رکھی تھی اور وہیں گھر پہ بیٹھی ان کی ماں جو اپنے کسی عمل میں مصروف تھی ڈر سے آنکھیں کھولے ادھر ادھر دیکھنے لگی اور تبھی اس کے کان میں کسی نے جیسے کوئی سرگوشی کی جسے سنتے ہی وہ دیوانہ وار اٹھی اور جنگل کی طرف بھاگنے لگی اور دور سے ہی اس نے آسمان میں اٹھتے آگ کے شعلے دیکھ لیے۔ وہ کچھ دور درختوں میں چھپی اپنی بیٹیوں کو جلتے دیکھ رہی تھی۔ وہ جل رہی تھیں ان کے جسموں سے آتی ان چیخوں کی آوازیں بند ہو چکی تھیں۔ اس نے شیطان کو یاد کیا اور کہا کہ میری بیٹیوں کو بچالے۔ تو اسے پھر سے سرگوشی سنائی دی۔

تو نے آنے میں دیر کر دی، یہ سب مر چکی ہیں۔ اور اس نے ایک ایک کر کے ہر درخت کے تنے سے نکلتی آگ کو دیکھا۔

آرونا! بدذات! میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گی، ابھی اور اسی وقت تجھے بھی ختم کر دوں گی۔ وہ غصے سے پاگل ہو رہی تھی۔ کہ اسے پھر سے اسی بوڑھے کی سرگوشی سنائی دی جسے اس کی بیٹیاں اپنا نانا کہا کرتی تھیں۔

غور سے دیکھ! آرونا بھی تیری ان سب بیٹیوں کے ساتھ مر چکی ہے، ساجھ والوں نے اسے بھی معاف نہیں کیا اور دیکھ اب وہ تیرے گھر کی طرف جانے کا ارادہ کر رہے ہیں۔ تو میں اب کیا کروں؟ یک دم اس کا غصہ فکر میں بدل گیا اور پھر وہ اپنے کانوں میں ہوتی سرگوشی کو بغور سننے لگی اور تیزی سے ایک طرف کو بھاگنے لگی۔ دسیوں جادوگرنیوں کو جلانے کے بعد گاؤں والے اب ان کی ماں کو پکڑنے کے لیے اتروپ کی طرف دوڑ پڑے۔ ادھر وہ جوان نظر آنے والی بوڑھی جادوگرنی سرپٹ گاؤں کی جانب بھاگے جا رہی تھی اور دوسری طرف گاؤں والے اسے پکڑنے کے لیے بھاگ رہے تھے۔

”دادا ابو! گاؤں والوں نے آرونا باجی کو بھی ان کی بہنوں کے ساتھ مار ڈالا۔“ ایک تیرہ چودہ سالہ لڑکا جسے مولوی صاحب نے گاؤں والوں پہ نظر رکھنے کے لیے ان کے پیچھے جنگل بھیجا تھا، گھر کا دروازہ دھڑام سے کھولتے ہی سامنے بیٹھے اپنے دادا سے مخاطب ہوا۔ اس کا سانس پھولا ہوا تھا۔ مولوی صاحب نے اسی خدشے کے پیشِ نظر اپنے پوتے کو گاؤں والوں کے پیچھے جانے اور انہیں بروقت آ کر اطلاع دینے کو کہا تھا۔ وہ اپنی بیٹیوں کو مولوی صاحب کے ذمے سونپ گئی تھی کہ ساجھ یا اتروپ میں اس کا اور کوئی ہمدرد نہ بچا تھا۔ مولوی صاحب! اگر میں زندہ واپس نہ لوٹی تو آپ میری بیٹیوں کو میرے گھر سے نکال کر کہیں دور کسی محفوظ مقام تک پہنچا دیجئے گا۔ مولوی صاحب یہ سوچ کر فوراً اٹھے۔ میں آتا ہوں، درواز بند کر لو۔ اور باہر مت نکلنا۔ وہ اپنے پوتے کو ہدایات دیتے ہوئے گھر سے باہر نکل آئے۔

مولوی صاحب کا رخ آرونا کے گھر کی طرف تھا۔ آرونا کے گھر کا دروازہ تیزی سے کھلا اور اس کی ماں نے اندر قدم رکھا۔ ادھر ادھر نظر دوڑانے کے بعد اس نے آنکھیں بند کیں اور پھر فوراً ہی کھول دیں۔ اس نے کمرے کے ایک طرف پڑے کھجور کے پتوں سے بنے

ڈرم کی جانب چمکتی آنکھوں سے دیکھا۔ وہ اس ڈرم کی جانب لپکی اور ڈھکن جو پوری طرح بند نہیں تھا، پورا اٹھا دیا۔ اندر دو خوبصورت بچیاں سو رہی تھیں۔ ہم عمر، جڑواں لیکن شکل وصورت میں ایک دوسرے سے بالکل مختلف۔ اس نے انہیں اٹھانے کے لیے ہاتھ بڑھائے۔

ادھر کمرے کے دروازے کو کسی نے زور سے لات مار کے کھول دیا۔ وہ ساجھ والے تھے جو اس وقت اتروپ میں جادوگرنیوں کے آبائی گھر پہ دھاوا بول چکے تھے۔ انہوں نے گھر کا چپہ چپہ چھان مارا لیکن اس جادوگرنی اور اس بوڑھے جادوگر کا کوئی نام ونشان نہ پا کر گاؤں والوں نے اس گھر کو بھی آگ لگا دی۔

عمر رسیدہ مولوی صاحب ہانپتے کانپتے جیسے ہی آرونا کے گھر پہنچے تو کھلا دروازہ دیکھ کر ٹھٹک گئے۔ کمرے تک پہنچے تو گندم کا ڈرم کھلا پڑا تھا اور اس کا ڈھکن زمین پہ گرا ہوا تھا۔ انہوں نے آگے بڑھ کر ڈرم میں جھانکا تو وہاں بچیاں موجود نہ پا کر وہیں پاس میں پڑی کھاٹ پہ بیٹھ گئے۔ وہ سمجھ چکے تھے کہ گاؤں والوں کے پہنچنے سے پہلے ہی آرونا کی ماں ان بچیوں کو لے جا چکی ہے۔ وہ آرونا سے کیا وعدہ پورا نہ کر سکے کو کہ انہوں نے اپنی سی کوشش کر ڈالی تھی لیکن قدرت کو شاید کچھ اور ہی منظور تھا۔ یا اللہ! ان بچیوں کی حفاظت فرمانا۔

ساجھ والوں نے واپس آتے ہی پہلے آرونا اور پھر مولوی صاحب کے گھر کا رخ کیا کہ انہیں اندازہ تھا کہ اس وقت ایک وہ ہی اس گاؤں میں آرونا کے سب سے زیادہ ہمدرد تھے۔ دونوں ہی جگہ بچیوں کو نہ پا کر کچھ لوگوں کو جمال کے چاچا کے گاؤں کی طرف بھی روانہ کیا گیا لیکن وہاں سے بھی وہ لوگ خالی ہاتھ لوٹے تو مولوی صاحب نے سوچا شاید ان بچیوں کے حق میں یہی اچھا تھا کہ مولوی صاحب انہیں نہ پا سکے کیونکہ وہ بھی ان بچیوں کو جمال کے چاچا کے گھر ہی پہنچانے کا ارادہ رکھتے تھے۔ اگر گاؤں والوں کو وہ وہاں مل جاتیں تو وہ ان معصوموں کو بھی قتل کر دیتے۔ گاؤں والوں کے اپنے اپنے گھر لوٹ جانے کے بعد وہ خدا سے رو رو کر معافی مانگتے رہے۔ نہ جانے انہیں آرونا کے قتل کا افسوس تھا اس کی بیٹیوں کو محفوظ نہ رکھ پانے کا۔ وہ بار بار بس یہی کہتے رہے۔ ''یا اللہ! تو مجھے معاف کر دے، مجھے اور میرے گھر والوں کو اپنے غضب سے بچا۔'' اور ان کا کنبہ انہیں اس طرح روتے دیکھ ان کے گرد جمع ہو گیا۔

اگلے روز ایک نیا تماشہ رونما تھا۔ صبح سویرے ہی گاؤں والے واردات کی صورتحال کا جائزہ لینے کے لیے جنگل میں اس جگہ پہنچے جہاں انہوں نے رات کو ان دس جادوگرنیوں کو جلا کر مار ڈالا تھا تو وہ یہ دیکھ کے حیران رہ گئے کہ وہاں لگائی گئی آگ ایک مخصوص جال جیسے دائرے کی طرح زمین پر کالا نشان بنا گئی تھی لیکن جنگل میں نہ پھیلی تھی۔ اس دائرے میں کچھ تنکوں اور لائنیں ایک خاص ترتیب لیے ہوئے تھیں اور اس بڑے سے کالے دائرے نے صرف انہیں درختوں کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا جن کے ساتھ ان دس جادوگرنیوں کو باندھ کے جلایا گیا تھا۔

اور سب سے بڑی اور چونکا دینے والی بات تو تھی کہ گاؤں والے جن دس جلی ہوئی لاشوں کو دیکھنے کی امید سے وہاں پہنچے تھے وہ سب کی سب وہاں سے غائب تھیں۔ وہ لوگ اتنا ڈر گئے کہ دم دبا کہ وہاں سے بھاگ آئے۔ پورا گاؤں اس واقعے پہ بہت خوفزدہ تھا۔

آرونا کی ماں جو ایک پرانی جادوگرنی تھی، نے یہ کالا علم اپنے باپ سے وراثت میں ملا تھا، اپنی نواسیوں کو لے کر فرار تھی۔

اور اس پرانے بوڑھے جادوگر کے بارے میں بھی لوگ لاعلم تھے لیکن اتروپ کے لوگوں نے گزرے سالوں میں اس کے کبھی کبھار گاؤں میں دیکھے جانے کی گواہی بھی دی تھی جس سے اس کے زندہ ہونے کا ثبوت بھی ملتا تھا۔

جمال کے گاؤں ساجھ والوں نے آرونا کا آبائی گھر تک جلا ڈالا تھا لیکن وہ سب اس کی ماں اور نانا کے لاپتہ ہونے سے اتنے خوفزدہ نہیں ہوئے تھے جتنا ان لاشوں کے راتوں رات غائب ہو جانے سے دہشت زدہ تھے۔ انہیں لگنے لگا تھا کہ اس میں یقیناً کسی کالے

جادو کا عمل دخل ہے اور نہ جانے وہ بوڑھا جادوگر اور ان دس جادوگرنیوں کی ماں ان سے کیا انتقام لے؟

کئی دن سکون سے گزرے تو گاؤں کے ایک نوجوان نے جنگل میں جا کر اس دائرے کے نشان کا دوبارہ جائزہ لینے کی ٹھانی لیکن وہ نشان وہاں سے ایسے غائب تھا جیسے کبھی تھا ہی نہیں۔ نہ ہی وہاں موجود کوئی درخت اسے جلا ہوا ملا اور نہ ہی زمین پہ کسی قسم کے آگ کے نشان موجود تھے۔ اس نے ساجھ آ کر یہ بات سب کو بتائی تو زیادہ تر گاؤں والوں نے یہ سمجھ کر اس کی بات کا یقین نہیں کیا کہ اسے جنگل میں وہ جگہ ملی ہی نہیں ہوگی لیکن پھر اس کے بہت اصرار کرنے پر کئی لوگ اس کے ساتھ جنگل میں اس جگہ پہنچے لیکن وہاں زمین کا لا دائرہ تو کیا، آگ سے جلے ہوئے درختوں کا بھی کوئی نام ونشان نہ تھا۔

کتنے ہی دن گاؤں والے جنگل کا کونا کونا چھانتے رہے مگر وہ جگہ تو ایسے غائب تھی جیسے یہاں کبھی کچھ ہوا ہی نہ تھا۔

دن، ہفتے اور مہینے گزرتے رہے لیکن جنگل کے اردگرد کسی بھی گاؤں میں پھر کبھی کوئی واردات نہیں ہوئی۔ اس سے پہلے قبروں سے جو لاشیں، شمشان گھاٹ سے جو ہڈیاں اور بچوں کے اغوا کی جو وارداتیں وقوع پزیر ہوتی تھیں وہ بھی مکمل طور پر ختم ہو چکی تھیں۔

گاؤں والے بہت خوش تھے کہ ان جادوگرنیوں کو جلا دینے سے ہی یہ سب ختم ہوا ہے اور اسی خوشی میں ساجھ والوں نے ایک جشن کا اہتمام کیا، میلہ لگایا گیا، مٹھائیوں کی دکانیں اور ٹھیلے سجائے گئے، جھولے لگے، روایتی گیت گائے گئے اور باجے بجائے گئے۔ سب گاؤں والوں نے میلے میں شرکت کی سوائے ایک گھرانے کے اور وہ تھا مولوی صاحب کا کنبہ۔

جس شام گاؤں والے تیار ہو کر میلے میں شرکت کے لیے جا رہے تھے اس وقت مولوی صاحب اپنے کنبہ سمیت یہ گاؤں چھوڑ کر ہمیشہ کے لیے روانہ ہو رہے تھے۔

جادوگرنیوں کو جلائے جانے کے ٹھیک ایک سال بعد منائے گئے اس جشن کی رات کی شروعات سے زیادہ روشن اس رات کا اختتام تھا جب گاؤں والوں نے میلے کے میدان سے باہر ہو رہی تیز روشنی پر غور کیا تو اندازہ ہوا کہ یہ روشنی جلتے ہوئے گاؤں کی آگ کی وجہ سے ہے۔ گاؤں والوں نے میلے کے میدان سے نکلنا چاہا تو خبر ہوئی کہ آگ صرف دور موجود ان کے گھروں اور کھیتوں میں ہی نہیں، اس میدان کے چاروں اطراف بھی لگ چکی ہے جو اندر کی طرف تیزی سے بڑھ رہی ہے۔ باہر جانے کا کوئی راستہ نہیں تھا اور پھر اس آگ نے جسے ایک بار جنگل میں لگائے جانے کے باوجود جنگل کو اپنی لپیٹ میں نہیں لیا تھا اس سپاٹ میدان سمیت پورے گاؤں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور کوئی بھی زندہ نہ بچ سکا۔

آس پاس کے گاؤں والے حیران تھے کہ یہ کیونکر ممکن ہوا مگر دوسرے گاؤں میں آئے مولوی صاحب جانتے تھے کہ آرونا جو اپنے جادوگری خاندان کا دسواں ستون تھی، اس دسویں ستون کو ڈھائے جانے کا انجام ساجھ نے دیکھ لیا تھا۔ دسویں جادوگرنیوں کو مار دینے کے بعد ساجھ میں بھی کوئی زندہ نہ بچا تھا۔

آرونا کی ماں اپنی نواسیوں کو لے کر گدھے کے سر سے سینگ کی طرح غائب تھی۔ وہ پھر بھی پلٹ کے واپس اپنے آبائی گاؤں اتروپ نہیں لوٹی اور نہ ہی اس کے آبائی گھر کو جلانے کے بعد بھی وہ بوڑھا ہی اس گاؤں میں پلٹ کے آیا لیکن اتروپ کا جلا ہوا گھر کھنڈر کی شکل میں عبرت کا نشان بنا وہیں موجود رہا۔ اور اس گھر سے منسلک آموں، امرود اور انناس کے باغ آسیب زدہ مشہور ہو گئے۔ جادوگری خاندان کا دسواں ستون آرونا تو زندہ نہ رہی اور نہ ہی اس دسویں ستون کو ڈھانے والا گاؤں ساجھ سلامت رہا لیکن اس ستون کے ملبے تلے پورا ساجھ بھی ڈھے گیا۔ آرونا کی دو جڑواں بیٹیاں اب بھی کہیں زندہ سلامت تھیں پر نہ جانے کہاں؟ کس گاؤں؟ کس شہر یا کس ملک میں؟ کسے خبر؟۔

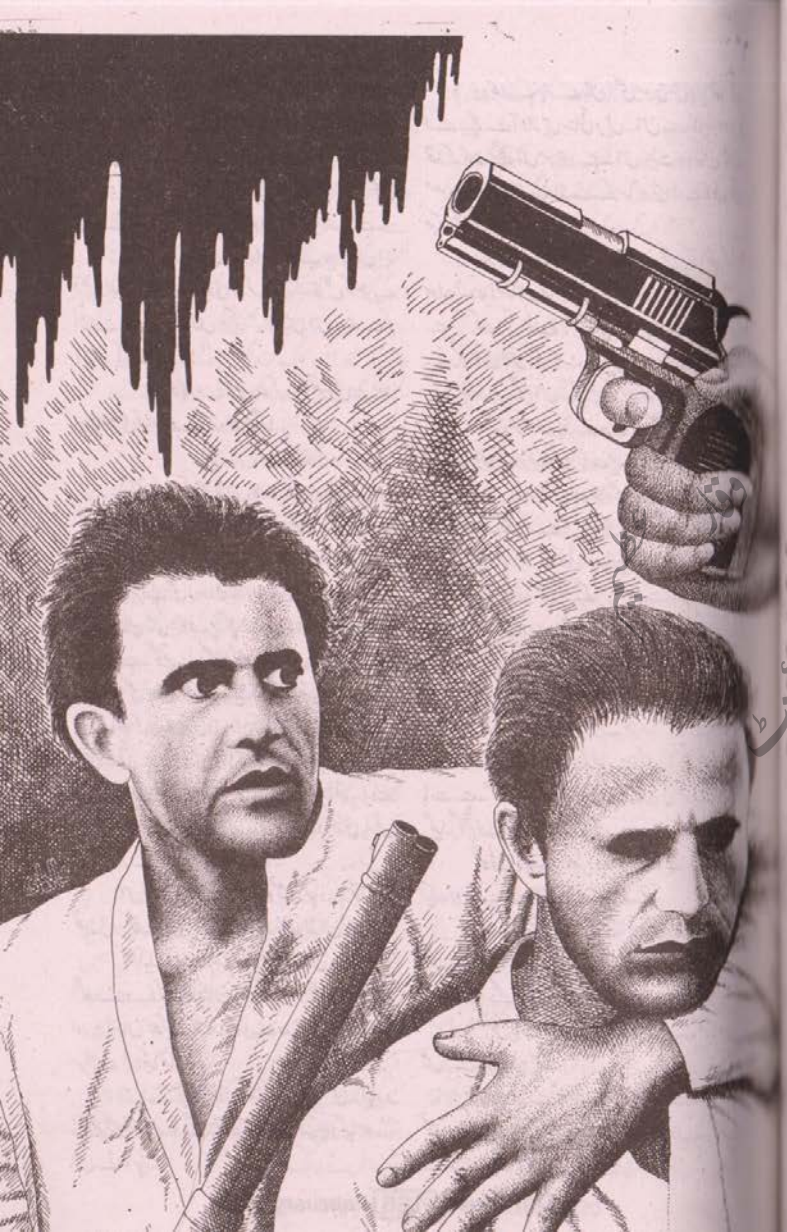

خطرناک وحشی

ایم الیاس

قسط نمبر:3

دلکش اور خوبرو حسینہ کے جسم میں جان نہیں رہی تھی کہ اس کے جسم کا سارا خون خشک ہو کر رہ گیا تھا۔ اوہ! بھگوان اس نے اپنے جاننے والے کو گھر بلا کر کتنی بڑی غلطی کی تھی، ایسی حماقت سرزد ہوئی تھی کہ فرار کی کوئی راہ نہیں رہی تھی، کیا وہ کسی کو منہ دکھانے کے قابل رہ گئی تھی لیکن پھر بھی.....

خوفناک دہشتناک اور خونچکاں بھونچکاں کہانیوں کے متلاشی قارئین کیلئے خونی کہانی

''اس لئے کہ وہ نہ صرف خطرناک بلکہ شقی القلب شخص ہے..... آپ جانتے ہیں کہ وہ چھ افراد کو قتل کر چکا ہے، ایسی سنگین واردات کبھی ہمارے ہاں نہیں ہوئی، اس لئے بہتر ہے کہ آپ اس خیال کو ذہن سے نکال دیں۔''

''بہرحال آپ کے اس مشورے کا بہت شکریہ!'' انسپکٹر سنگارا نے اکتاہٹ سے کہا۔

''اچھا اب میں چلتا ہوں۔'' سریش نے اٹھتے ہوئے کہا اور ہاتھ ملا کر باہر نکل گیا۔

انسپکٹر سنگارا نے پلٹ کر شاستری کو دیکھا۔ شاستری اس کا نیا ماتحت تھا۔ اسے ہائی وے کے گشتی آفیسر کی حیثیت سے بھی کافی تجربہ تھا، وہ ایس رجمنٹ میں بھی رہ چکا تھا جو سرحد پر تعینات کی گئی تھی۔ اس نے ہندوستان سے سرحدی جھڑپوں میں حصہ لیا تھا۔ انسپکٹر سنگارا اگرچہ اپنے نائب رام کی موت سے بہت دلبرداشتہ تھا اور دل پر جو صدمہ چھایا ہوا تھا، اسے کم نہ کر سکا تھا لیکن وہ شاستری کو نائب کی حیثیت سے پا کر مطمئن تھا۔ شاستری کے خیالات اس سے ملتے جلتے تھے۔

''شاستری.....!'' سنگارا نے کہا اور نقشے پر نظریں جما دیں۔ ''میں اس قاتل کو ہر قیمت پر پکڑ کر دم لوں گا..... کیونکہ اس نے نہ صرف میرے نائب بلکہ میرے دوستوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے..... میں یہاں بیٹھ کر بارش رکنے کا انتظار نہیں کر سکتا، تم جانتے ہو کہ جب مون سون کی بارشوں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے تو اس دس دن تک مسلسل جاری رہتا ہے، ایک گھنٹہ بھی رکنے کا نام نہیں لیتی ہے۔''

''میں آپ کے ساتھ ہوں انسپکٹر!'' شاستری نے مختصر سا جواب دیا۔ ''کیا حکم ہے؟''

انسپکٹر سنگارا کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے فائلیں ایک طرف رکھیں اور کہا۔ ''ہو سکتا ہے کہ آئندہ ہمیں سارا دن باہر ہی رہنا پڑے، سروجا اس وقت اپنی والدہ کے پاس گئی ہوئی ہے..... میں اس کے نام ایک پیغام چھوڑے دیتا ہوں، اب تم اپنی رائفل تیار کرو اور پرارتھنا کرو کہ وہ وحشی قاتل میرے ہاتھوں کیفر کردار تک پہنچے۔''

شاستری اٹھ کر اس ریک کی طرف بڑھا جہاں رائفلیں رکھی ہوئی تھیں اور انسپکٹر سنگارا اپنی بیوی کے نام پیغام لکھنے میں مصروف ہو گیا۔ اس نے نوٹ لکھ کر کمال چرن کو فون کیا۔

''سنو کالی چرن.....! میں دفتر بند کر رہا ہوں، تمہیں اس لئے اطلاع دی ہے کہ تمہیں معلوم ہو جائے

کہ میں دریا کے کنارے بنگلوں کی طرف جارہا ہوں، ہوسکتا ہے کہ اس میں مجھے تمام دن لگ جائے، اس لئے دفتر فون مت کرنا اور میرے فون کا انتظار کرنا۔"

"کیا آپ پاگل ہورہے ہیں سر.....؟" کالی چرن نے حیرت سے کہا۔ "ادھر کا راستہ بہت خراب ہے۔"

"کوئی بات نہیں، کیا راستہ خراب ہو تو میں اپنا فرض اور ذمے داری پوری نہ کروں..... قاتل کو مرے اُڑانے دوں.....؟ نہیں ہرگز.....! میں اس درندے کو آزاد دیکھنا نہیں چاہتا۔"

"انسپکٹر سنگارا نے فون بند کردیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ شاستری کو ہمراہ لے کر روانہ ہوگیا۔

☆.....☆.....☆

گوتم کی آنکھ کھلی تو اس کا سارا جسم بری طرح درد کررہا تھا۔ سر بھاری تھا اور اس کی آنکھوں میں بھی درد محسوس ہورہا تھا۔

باہر اب بھی زوردار بارش ہورہی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ آسمان میں شگاف پڑ گیا ہے، وہ بند ہونے کا نام نہیں لے رہا ہے۔ گوتم نے کبھی ایسی بارش نہیں دیکھی تھی۔ وہ سری لنکا کبھی مون سون کے مہینے میں نہیں آیا تھا۔ اس نے سن رکھا تھا کہ یہاں دس دس دن تک بغیر وقفے کے مسلسل بارش ہوتی ہے۔ ممبئی میں ایسا نہیں ہوتا تھا، وہاں صرف دو ایک دن بادل خوب برستا تو شہر جل تھل ہوجاتا تھا۔ اسے دن بڑا سوگوار لگ رہا تھا۔ اس نے سوچا کہ وہ ایسی بارش میں سمندر کے کنارے کیسے جاسکے گا۔

اس کا دل بستر چھوڑنے کو نہیں چاہ رہا تھا۔ وہ تھوڑی دیر تک یونہی آنکھیں بند کئے خالی الذہن لیٹا رہا۔

پھر ایک دم اسے کھنہ کا خیال آیا۔ اس کے بازو پر گدے ہوئے کوبرا کا نشان یاد آ گیا۔ وہ یکلخت پریشان اور ہراساں ہوگیا۔ کھنہ نے اسے حد درجہ خائف اور سراسیمہ کررکھا تھا۔

اس نے تکیے پر گردن گھما کر گھڑی دیکھی۔ گیارہ بج کر بیس منٹ ہوگئے تھے۔ "کاش! کھنہ چلا گیا ہو۔" اس نے سوچا۔

وہ کھنہ کے بارے میں ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ اسے نیچے سے آوازیں سنائی دیں۔ اس سے ظاہر ہورہا تھا کہ کھنہ بنگلے میں موجود ہے۔ اس وقت وہ کچن میں مصروف تھا اور اس اندازے کے ساتھ ہی اسے کافی کی مہک محسوس ہوئی۔

چند لمحوں کے بعد گوتم بستر سے نکل کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اسے احساس تھا کہ کھنہ بہت ہی خطرناک شخص ہے..... کوبرا کی طرح خطرناک اور چالاک.....! اس نے ٹیلی فون لائن بھی کاٹ دی تھی اور ٹی وی بھی خراب کردیا تھا۔ اب گوتم اس کے رحم وکرم پر تھا۔

وہ نہا دھو کر اور کپڑے بدل کر نیچے آیا۔ اس نے فیصلہ کرلیا تھا کہ وہ کھنہ کی ہر بات پر بلا چوں وچرا عمل کرے گا، اسی میں اس کی سلامتی اور بقا تھی۔ وہ اس کی کسی بات سے اختلاف نہیں کرے گا..... یہی ایک ایسا طریقہ تھا کہ کھنہ اس پر اعتماد کرکے کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔ وہ اس شخص کا اعتماد حاصل کرنے کی اس صورت حال سے نکل سکتا تھا۔ صبر، تحمل اور برداشت کی شدید ضرورت تھی۔

گوتم جب نیچے آیا تو اس نے دیکھا کہ کھنہ کھڑکی کا پردہ سرکا کر باہر کا جائزہ لے رہا ہے۔ اس کے قدموں کی چاپ سن کر وہ اس کی طرف مڑا۔ "آؤ شہزادے آؤ.....! میں نے کھانا تیار کرلیا ہے، بس پانچ منٹ کی بات ہے۔" اتنا کہہ کر وہ تیزی سے کچن کی طرف بڑھ گیا۔ گوتم اسے جاتا ہوا دیکھنے لگا۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ دونوں کھانے کی میز پر ایک دوسرے کے مقابل بیٹھے ہوئے تھے۔

"بڑے عیش سے رہتے ہو شہزادے.....؟" کھنہ نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا۔ "ضرورت کی ہر چیز موجود ہے، مجھے افسوس ہے۔"

"کس بات پر افسوس ہے؟" گوتم نے لقمہ منہ میں رکھتے ہوئے پوچھا۔

"بات یہ ہے شہزادے کہ دو دن سے میں سویا نہیں ہوں، میں اب سکون سے سونا چاہتا ہوں۔" کھنہ نے اپنے سر کے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔

"مجھے شہزادے مت کہو۔" گوتم نے اسے ٹوکا۔ "میرا نام گوتم ہے۔"

"ٹھیک ہے..... ٹھیک ہے..... گوتم صاحب! اس لئے شہزادہ کہہ رہا تھا کہ تمہارا یہ گھر کسی محل سے کم نہیں ہے۔" اتنا کہہ کر وہ کھانے پر جیسے ٹوٹ پڑا۔ پھر اس نے چند لمحوں کے توقف سے کہا۔ "تم فکر نہ کرو..... میں ٹیلی فون صحیح کردوں گا اور ٹی وی بھی.....! یہ کام مجھے خوب آتے ہیں، مجھے اس میں بڑی مہارت اور تجربہ حاصل ہے..... بس میں آرام سے سونا چاہتا تھا اور یہ یقین بھی کرلینا چاہتا تھا کہ کہیں تم خبریں نہ سننے لگو یا کسی کو ٹیلی فون کرنے کی حماقت نہ کر بیٹھو۔"

گوتم کی بھوک یکلخت ختم ہوگئی۔ اس نے پلیٹ ایک طرف سرکاتے ہوئے پوچھا۔ "کھنہ.....! مجھے یہ تو بتا کیا پولیس تمہاری تلاش میں ہے؟ تم مفرور ہو؟"

کھنہ نے کرسی کی پشت پر سر ٹکا دیا۔ اس کے ہونٹوں اور بھدے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے سرد لہجے میں جواب دیا۔ "ہاں! بات کچھ ایسی ہی ہے..... بس یہی سمجھ لو۔"

"وجہ کیا ہے.....؟" گوتم نے اس کے چہرے پر نظریں مرکوز کرکے سوال کیا۔

"وجہ تمہیں نہیں بتاؤں گا اور اپنی بیلٹ سے رومال نکال کر اس پر تان لیا۔

گوتم کا چہرہ زرد پڑ گیا..... اسے توقع نہیں تھی کہ اس کی بات پر کھنہ اچانک یوں برہم ہوجائے گا۔

"تم مجھ پر گولی نہیں چلا سکتے کھنہ! تم جانتے ہو کہ میں تمہاری مدد کرسکتا ہوں، میں تمہاری مدد کروں گا اس لئے رکھ لو۔" "تمہیں میری مدد ہر صورت کرنی ہوگی اس لئے کہ تم مجبور ہو، اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے تمہارے پاس!" کھنہ کے لہجے میں بڑی سفاکی تھی۔ وہ کسی درندے کی طرح اسے گھور رہا تھا۔ گوتم کو یوں لگ رہا تھا کہ وہ اگلے لمحے اسے شوٹ کردے گا لیکن وہ جانتا تھا کہ کھنہ اسے مار نہیں سکتا کیونکہ اسے مدد کی ضرورت ہے اور وہ اس کی مدد کرسکتا ہے۔

"کھنہ.....! مجھے کھل کر اور صاف صاف بتاؤ کہ آخر واقعہ کیا ہے؟ بات کیا ہے.....؟"

کھنہ کے چہرے پر ایک کرب سا ابھر آیا۔ جب وہ بولا تو اس کا لہجہ بہت تلخ تھا۔ "مجھے نفرت ہے اس دنیا سے..... ہر اس شخص سے جو مالدار ہے..... چونکہ تم فلموں کی کہانیاں لکھ سکتے ہو اس لئے تم ایک خواب ناک زندگی گزار رہے ہو مگر میں.....! میرے پاس کوئی ہنر نہیں ہے..... میرے پاس کچھ بھی نہیں..... تم جیسے لوگ کیا جانو کہ مجھ جیسے لوگ زندگی کیسے گزارتے ہیں.....؟ تمہیں کیا پتا کہ غریب ہونا کتنی بڑی لعنت ہے..... غربت کی زندگی کیا ہوتی ہے؟ ایک کتے سے بھی بدتر.....!" وہ یکلخت خاموش ہوگیا۔

"تمہارا اندازہ غلط ہے کھنہ.....! میری عمر تم سے دس برس زیادہ ہے..... میں جب تمہاری عمر کا تھا تو میں بھی یہی سمجھتا تھا کہ اس دنیا میں کچھ نہیں کرسکتا..... اس عمر میں بس کتابیں پڑھتا تھا، میرے والدین مجھ پر زور دیتے تھے کہ میں کوئی کام تلاش کروں، لیکن میں کوئی کام نہیں کرسکتا تھا، پھر میرے ماں، باپ ایک حادثے کی نذر ہوگئے تو میں دنیا میں بالکل تنہا رہ گیا، زندگی گزارنے کے لئے مجھے کام کرنے پر مجبور ہونا پڑا، میں ایک کمرے کے فلیٹ میں رہتا تھا، دو برس تک ایک کوڑا گاڑی پر کام کیا، ایک ہوٹل میں برتن دھوئے اور نوکروں کی طرح کام کیا لیکن ساتھ ہی میں لکھتا رہا، دیوانوں کی طرح لکھتا رہا.....

میں نے اپنی پہلی کتاب مکمل کرلی، میں یہ کتاب لے کر کئی پبلشروں کے پاس گیا، انہوں نے کہا کہ یہ کتاب بکواس ہے..... بیکار ہے..... ابھی تمہیں مشق کی ضرورت ہے، میں نے چھ پبلشروں سے رابطہ کیا تھا، ہر ایک نے مایوس کیا، پھر فیصلہ کیا کہ یہ کتاب ایک اور پبلشر کو دکھاؤں گا، اگر اس نے بھی ناپسند کیا تو میں پھاڑ کر پھینک دوں گا، یہ ممبئی شہر کا معمولی سا پبلشر تھا، وہ اسے چھاپنے کے لئے تیار ہوگیا، مجھے یقین نہیں آیا، اس نے رسک لیا تھا۔

جب یہ کتاب چھپی تو دکاندار اسے فروخت کرنے کے لئے تیار نہیں تھے کہ ایک نئے لکھنے والے کی کتاب ہے..... میں نے ایک فلمی اداکارہ جو اس دنیا میں نہیں ہے، وہ ادبی ذوق رکھتی تھی، میری اس سے شناسائی تھی، میں نے اپنی ایک کتاب کا نسخہ اسے پیش کیا تو اس نے مجھ سے کہا کہ میں بہت مصروف ہوں لیکن وقت نکال کر اس کتاب کو پڑھوں گی، اس نے مجھ سے کیا وعدہ پورا کیا..... ایک ریڈیو انٹرویو میں اس نے میری کتاب کا ذکر کیا اور کہا کہ میں نے کسی نئے لکھنے والے کی ایسی کتاب نہیں پڑھی..... میں نے جب یہ کتاب پڑھنا شروع کی تو اسے ختم کئے بغیر نہیں اٹھی، شوٹنگ پر بھی نہیں گئی..... اس نے کہا کہ اس ناول کی کہانی نے مجھے جھنجھوڑ کر رکھ دیا،

پھر کیا تھا، ایک برس میں میری کتاب کے دس ایڈیشن چھپے..... ہندی، اردو، تمگلو اور تامل زبان میں اس کے ترجمے ہوئے۔ اس کے بعد میرے دن پھر گئے پھر میں ناول لکھتا رہا، مجھے پہلے ناول جیسی پذیرائی تو نہیں مل سکی لیکن میں مقبول ہوتا گیا،

ایک تقریب میں اس اداکارہ سے ملاقات ہوئی تو اس نے مجھے فلمی کہانیاں لکھنے کا مشورہ دیا، ایک فلمساز نے مجھے موقع دیا۔ ''اتنا کہہ کر گوتم خاموش ہو گیا اور اس نے ایک لمحہ کے لئے کھنہ کو دیکھا اور کہا۔ ''سو میں جانتا ہوں کہ غربت کیا ہوتی ہے..... دو وقت کی روٹی کے لئے میں نے کیا کیا پاپڑ نہیں بیلے.....؟''

کھنہ اس کی کہانی بڑی توجہ اور خاموشی سے سنتا رہا۔ گوتم کے خاموش ہوتے ہی وہ ہنس پڑا۔ ''کوڑا گاڑی پر بھی کام کیا تھا..... واہ! تب تو تمہیں واقعی معلوم ہے کہ غریب ہونا کتنی بڑی لعنت ہے؟''

''ہاں کھنہ.....! مجھے معلوم ہے اور میں اپنا ماضی نہیں بھولا، اس لئے تمہیں ایسا نہیں سوچنا چاہئے کہ تم کچھ نہیں کر سکتے.....؟''

''بکواس مت کرو.....!'' کھنہ پھر بگڑ گیا۔ ''میں کوئی نصیحت سننا نہیں چاہتا..... کوئی بھاشن مت دینا..... میں اتنا جانتا ہوں کہ اگر پولیس کے ہتھے چڑھ گیا تو مجھے تیس برس کی جیل ہوگی..... تیس برس.....! میں یہ پسند نہیں کرتا کہ میں تیس برس جیل میں سڑوں۔''

''سنو کھنہ.....! بارش بہت تیز ہو رہی ہے.....

معلوم نہیں کب رکے..... اس وقت تک ہمیں ساتھ ہی رہنا ہے..... تم مجھے اپنی کہانی سناؤ اور مجھے بتاؤ کہ تم کس مصیبت میں گھرے ہوئے ہو؟''

''مصیبتیں تو میری زندگی ہیں..... میرے والد معذور ہو گئے تھے اس لئے میری ماں مجھے اور میرے باپ کو دکھ کے سمندر میں چھوڑ کر فرار ہو گئی، میں نے بچپن سے ہی اپنے باپ کی دیکھ بھال کی، سارا دن کام کرتا تھا لیکن اس کام سے مجھے جو رقم ملتی تھی وہ ناکافی ہوتی تھی، کیا کرو گے، یہ دکھ بھری اور اذیت ناک کہانی سن کر.....!'' یہ کہہ کر وہ اٹھ کھڑا ہوا، برتن سمیٹے اور کچن کی طرف بڑھ گیا۔

گوتم وہیں بیٹھا رہا۔ اس صورتحال پر غور کرتا رہا جس میں وہ اس طرح پھنس گیا تھا جس طرح مکڑی کے جال میں مکھی پھنس جاتی ہے۔ فی الحال اسے اس خونی سے بچنے کے لئے کوئی راہ نظر نہیں آتی تھی، نہ ایسی کوئی تدبیر سجھائی دی تھی کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔ وہ عجلت سے کام لینا نہیں چاہتا تھا، کیونکہ اس کا سابقہ بے حد خطرناک مجرم سے تھا۔ بہرحال اس نے فیصلہ کیا کہ وہ کھنہ کو کسی طرح بھی بے قابو نہیں ہونے دے گا اور خود اسے ہر لمحہ چوکنا اور محتاط رہنا ہوگا۔

تھوڑی دیر بعد کھنہ برتن دھو کر واپس آ گیا اور ٹیلی ویژن کو ٹھیک کرنے لگا، پھر اس نے ٹیلی ویژن کا پلگ ساکٹ میں لگا دیا۔

''میرا خیال ہے کہ اب خبریں سن لی جائیں کہ سری لنکا کی سیاست کیا رنگ بدل رہی ہے۔'' کھنہ نے یہ کہہ کر ٹیلی ویژن آن کر دیا۔

اناؤنسر نے اہم خبروں کی جھلکیاں سنائیں، پھر تفصیلات بیان کرنا شروع کیں۔ پھر خبریں ختم ہونے سے پہلے اناؤنسر نے کہا۔ ''اس سے پہلے کہ ہم موسم کے بارے میں رپورٹ پیش کریں، ہم ایک مرتبہ پھر پولیس کا یہ پیغام دہراتے ہیں کہ رتنا دیو جس نے کل رات چھ افراد

کو سفاکی سے قتل کر دیا تھا، ابھی تک مفرور ہے، خیال ہے کہ اس نے ایک پولیس افسر کی وردی پہن رکھی ہے، اس پولیس افسر کو رتنا دیو نے گزشتہ شب قتل کیا تھا، اندازہ ہے کہ اس نے کل رات کسی گاڑی سے لفٹ لی ہوگی اور اب وہ جنوب کی طرف جا رہا ہوگا، یہ پیغام اگرچہ تمام رات نشر کیا جاتا رہا ہے لیکن ابھی تک کسی گاڑی والے نے اس سلسلے میں پولیس کو کوئی اطلاع فراہم نہیں کی، اندیشہ ہے کہ لفٹ دینے والے گاڑی کے مالک کو بھی اس نے قتل کر دیا ہوگا اور اب وہ اس گاڑی میں سفر کر رہا ہوگا، اس کا حلیہ یہ ہے۔ عمر تقریباً چوبیس برس..... بھاری بھرکم جسم، بال گہرے بھورے..... بائیں بازو پر کوبرا سانپ کا نشان گدا ہوا ہے..... اگر آپ کو اس حلیے کا شخص نظر آئے تو پولیس کو فوراً اطلاع دیں..... اس شخص کے پاس جانے کی ہرگز کوشش نہ کریں، وہ مسلح اور نہایت خطرناک ہے۔ ایئرپورٹ سے لے کر کنیڈی اور نورویلیا تک پولیس نے اپنی جگہ سڑکوں پر رکاوٹیں کھڑی کر دی ہیں، اس کے علاوہ آئیشل گارڈ کی مدد بھی حاصل کر لی گئی ہے، اس کے خلاف گھیرا تنگ کیا جا رہا ہے، اس قاتل کو گرفتار کرنے کی ہر ممکن کوشش کی جا رہی ہے اور یہ پیغام ہر گھنٹے بعد نشر کیا جاتا رہے گا۔''

گوتم خاموش بیٹھا ٹیلی ویژن کو دیکھتا رہا۔ ایک سرد سی لہر اس کے جسم میں دوڑ گئی جو کسی خنجر کی نوک کی طرح تھی۔

''رتنا دیو.....! یہ تمہارا ہی نام ہے نا کھنہ.....؟'' اس نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

''اور کون ہو سکتا ہے میرے سوا.....؟'' کھنہ کے چہرے پر انتہائی سفاک مسکراہٹ بکھر گئی۔

اس نے یہ جواب دے کر اپنے بازو پر کوبرا کے نشان کو دیکھا اور قدرے توقف کے بعد بولا۔ ''تمہیں معلوم ہی ہے گوتم.....! بعض اوقات نوجوانی کے عالم میں لوگ بڑی عجیب حرکتیں کرتے ہیں، یہ نشان بھی اسی حماقت کی یادگار ہے، میں جب سولہ برس کا تھا تب ایک گروہ میں شامل ہو گیا تھا، ہم پانچ لڑکے تھے، ہم خود کو کوبرا کہا کرتے تھے، وہ سب میری ہی طرح تھے اور ہم عمر بھی..... ! زندگی کی خوشیوں اور آسائشوں سے محروم..... ! ہم لوگوں کو لوٹا کرتے تھے، اس طرح میں اپنا اور اپنے باپ کا پیٹ بھرا کرتا تھا، کمرے کا کرایہ دیتا تھا..... کبھی کبھی یہ سوچتا کہ میری ماں بھی کیسی عورت تھی.....؟ اگر میری ماں معذور ہو جاتی تو کیا میرا باپ اسے چھوڑ کر چلا جاتا یا کسی اور عورت سے شادی کر لیتا.....!

لیکن میرا باپ ایسا نہ تھا، ماں پڑھی لکھی تھی، وہ کسی اسکول میں پڑھا سکتی تھی..... کسی نرسنگ ہوم میں اسے کام مل جاتا..... یہ کیسی ماں تھی جس نے اپنے بیٹے کے مستقبل کے بارے میں نہیں سوچا..... خود غرض تھی..... باپ کہتا تھا کہ تیری ماں چونکہ بہت خوبصورت تھی، اسے کسی امیر آدمی نے ورغلا لیا، اگر وہ واجبی شکل کی عورت ہوتی تو وہ کبھی نہ جاتی..... اس نے مجھے نصیحت کی تھی کہ میں شادی کروں تو کسی حسین عورت سے بھول کر نہ کروں..... وہ بادفانہیں ہوگی..... ہاں تو میں بتا رہا تھا کہ ہر لڑکے کے بازو پر یہ نشان گدا ہوا تھا، اس وقت ہم سوچا کرتے تھے کہ یہ بڑی زبردست بات ہے، بڑے غرور اور فخر سے دوستوں اور لوگوں کو یہ نشان دکھاتے پھرتے تھے لیکن تھی بہرحال حماقت کی بات.....!

ایک دن ہم ایک امیر آدمی کا بٹوا چھین کر اس کی مزاحمت پر اس کی پٹائی کر رہے تھے کہ پولیس آ گئی، صرف میں وہاں سے بھاگ سکا تھا، باقی چاروں کو جیل ہو گئی لیکن میرے دوستوں نے میرے بارے میں پولیس کو کچھ نہیں بتایا، اس لئے میں جیل جانے سے بچ گیا، جب میں گھر واپس پہنچا تو میرے پتاجی مر چکے تھے، میں یہ جانتا تھا کہ علاقے کے تمام لوگ میرے بارے میں جانتے ہیں، اس ڈر سے کہ کہیں وہ پولیس کو میرے بارے میں نہ بتا دیں، میں پتاجی کی لاش وہیں چھوڑ کر بھاگ گیا..... اس دن کے بعد سے میں آج تک بھاگ رہا ہوں، پولیس کل رات سے پہلے میرے قریب تک نہ پھٹکی اور اب بھی اس کے ہاتھ کسی صورت میں نہیں آؤں گا، وہ مجھے جان سے تو مار سکتے ہیں لیکن گرفتار نہیں

کر سکتے..... یہ میں نے عہد کر رکھا ہے کہ میں جیل میں گھٹ گھٹ کر زندگی نہیں گزار سکتا۔"

"کیا تم نے واقعی رات چھ آدمیوں کو قتل کیا ہے؟" گوتم نے غیر یقینی نظروں سے دیکھا۔

"ہاں.....! میں نے قتل کیا ہے۔" اس نے اقرار کے انداز میں سر ہلایا۔ "یہ بات درست ہے۔"

"لیکن تم نے ان لوگوں کو قتل کیوں کیا.....؟" گوتم نے پوچھا۔ "کیا ان لوگوں نے تمہارا کچھ بگاڑا تھا؟"

"اس لئے کہ وہ سب کے سب احمق تھے..... ویسے بھی اس دنیا میں لوگ روزانہ ایک دوسرے کو مارتے رہتے ہیں۔ امریکہ، برطانیہ، فرانس اور ہندوستان کی حکومت بھی روزانہ کشمیر میں اور امریکہ اور یورپ کے ممالک ڈرون حملے کر کے سیکڑوں لوگوں کو افغانستان، پاکستان، فلسطین اور عراق میں مارتے رہتے ہیں..... اگر میں نے چھ آدمیوں کو مار دیا تو کون سی قیامت آ گئی.....؟ ان مرنے والوں نے مجھ پر دباؤ ڈالنے کی کوشش کی تھی، مجھے دھتکارا تھا اور میں اپنی تذلیل اور توہین برداشت نہیں کر سکتا تھا۔"

وہ ایک لمحے کے لئے خاموش ہوا۔ پھر اس نے کہا۔ "میں جانتا ہوں کہ پولیس ادھر ضرور آئے گی اور میں تمہیں اپنے لئے بطور ڈھال استعمال کروں گا، پولیس یہاں آئے گی تو تمہیں یہ کہنا ہوگا کہ تم یہاں تنہا ہو اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو جانتے ہو کیا ہوگا؟"

"کیا ہوگا.....؟" گوتم نے آہستگی سے پوچھا۔

"ہوگا یہ کہ ہم دونوں کی ارتھیاں ایک ساتھ ہی اٹھیں گی..... میں تمہیں ماردوں گا، اس کے بعد.....!" اس نے اپنا جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

☆.....☆.....☆

"بس آگے کچا راستہ ہے، گاڑی یہیں روک دو..... یہاں سے ہم پیدل چلیں گے۔" انسپکٹر سنگارا نے ہدایت دی۔ شاستری نے گاڑی ایک طرف روک دی۔ اس نے بھی دیکھ لیا تھا کہ راستہ بہت خراب ہے۔

انسپکٹر سنگارا نے وائرلیس آن کر کے ہیڈ کوارٹر میں کالی چرن سے رابطہ کیا اور اسے بتانے لگا۔ "میں انسپکٹر سنگارا بول رہا ہوں، ہم شاہراہ پر اس مقام پر پہنچ چکے ہیں، جہاں سے کچا راستہ دریا کی طرف جاتا ہے، یہاں سے ہم پیدل جائیں گے کیونکہ راستے میں گڑھے ہیں، گاڑی اس میں پھنس سکتی ہے۔"

"ایک منٹ انسپکٹر سنگارا.....! سریش نے چار گارڈز بھیج دیئے ہیں، دو نصف گھنٹے تک آپ کے پاس پہنچ جائیں، بغیر کوئی مدد لئے..... پلیز! انتظار کر لیں۔"

"مجھے کسی کی مدد کی ضرورت نہیں ہے، میرے ساتھ شاستری ہے، ان لوگوں کو ادھر مت آنے دینا۔" اس نے یہ کہہ کر رابطہ منقطع کر دیا۔ پھر اس نے شاستری سے کہا۔ "اچھا..... اب ہم چلتے ہیں۔"

انہوں نے اپنی اپنی رائفلیں اور سینڈوچز سے بھرا تھیلا اٹھایا جو پلاسٹک کا تھا، پھر وہ جیپ سے باہر آ گئے اور بارش میں بھیگتے ہوئے کچے راستے پر ہو لئے۔

کافی فاصلہ طے کرنے کے بعد وہ ایک درخت کے نیچے رک گئے جو سڑک کے کنارے تھا۔ انسپکٹر نے شاستری سے کہا۔ "ایک میل اور چلنے کے بعد دریا آ جائے گا، اس کچے راستے کے اختتام پر ہی پہلا بنگلہ ہے..... میں آگے جاؤں گا، تم میرے پیچھے رہ کر میری حفاظت کرو گے اور ہاں یہ بات یاد رکھو کہ ہمیں ہر صورت میں گولی چلانے میں پہل کرنی ہے۔"

"سر! آپ اس بات سے واقف ہیں کہ میں فوج میں رہ چکا ہوں، جنگل اور جھاڑی جھڑ یوں میں اس قسم کی مہموں میں شریک رہ چکا ہوں، مجھے ان معاملات کا اچھا خاصا تجربہ ہے، اس لئے بہتر ہے کہ میں آگے جاؤں اور آپ میری حفاظت کریں۔"

انسپکٹر سنگارا نے اپنے نئے ماتحت کو غور سے دیکھا۔ اس نے بڑی معقول بات کہی تھی، اس میں خود غرضی نہیں تھی کہ کہیں وہ حملہ آور کی فائرنگ کا نشانہ بن جائے، وہ بالکل رام کی طرح تھا۔ اس نے کہا۔ "چلو یوں ہی سہی!"

نصف گھنٹہ وہ پانی اور کیچڑ میں چلتے ہوئے

آہستہ آہستہ بڑھتے رہے پھر انسپکٹر سنگارا رک گیا۔

"بس اب ہم اپنی منزل پر آ پہنچے ہیں۔" انسپکٹر سنگارا نے کہا۔ "وہ سامنے مسٹر گپتا سین کا بنگلہ ہے جو کولمبو میں رہتے ہیں، بنگالی ہیں اور یہاں سے بیرون ملک ناریل کا تیل اور چائے ایکسپورٹ کرتے ہیں۔ وہ بیوی، بچوں کے ساتھ سال ڈیڑھ سال بعد یہاں آتے ہیں، وہاں بھی ان کا اپنا فلیٹ ہے۔" پھر اس نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا۔ "ان سب بنگلوں کی چابیاں میرے پاس ہیں۔" اس نے چابیوں کا ایک گچھا نکال کر اس میں لگی ایک چابی انگلی میں پکڑ کر کہا۔ "مسٹر گپتا سین کے بنگلے کی چابی یہ ہے۔"

شاستری نے اس کے ہاتھ سے چابی لے کر کہا۔ "آپ یہاں ٹھہریں..... میں جا کر جائزہ لیتا ہوں۔"

شاستری درختوں کے درمیان سے ہوتا ہوا بنگلے کی طرف بڑھ گیا۔ چند لمحوں کے بعد وہ لمبی لمبی گھاس پر لیٹ کر آگے سینے کے بل گھسیٹ رہا تھا اور پھر چند لمحوں کے بعد وہ انسپکٹر سنگارا کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

انسپکٹر سنگارا ساکت و جامد اپنی جگہ کھڑا رہا، وہ بت بن گیا تھا۔ رائفل اس کے ہاتھوں میں دبی ہوئی تھی اور اس کی نگاہیں بنگلے پر جمی ہوئی تھیں۔ اس کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ ایک ایک منٹ کسی صدی کی طرح بھاری تھا، پھر جیسے دس صدیاں گزر گئیں لیکن شاستری کا کوئی پتا نہیں تھا۔ کیا یہ ساتواں قتل ہوگا اس جنونی درندے کا.....؟ اس نے سوچا۔ ابھی وہ کوئی فیصلہ کرنا ہی چاہتا تھا کہ اس نے شاستری کو بنگلے کی آڑ سے سامنے آتے دیکھا۔ شاستری نے ہاتھ کا اشارہ دیا تو انسپکٹر سنگارا تیزی سے بنگلے کی طرف بڑھا۔

وہ بنگلے میں بہت احتیاط سے داخل ہوئے۔ انہوں نے نہ صرف ایک ایک کمرہ اور واش روم دیکھ لیا بلکہ بستروں کے نیچے بھی جھانک کر تسلی کر لی، اس کے علاوہ کچن، اسٹور اور چھت بھی دیکھ لی۔ وہاں رتنا دیو کیا بلی کا بچہ بھی نہ تھا۔ شام چار بجے تک ایک ایک کر کے تمام بنگلے دیکھ لئے لیکن قاتل وہاں نہیں تھا۔

"اب بس مسٹر گوتم نائیکے کا بنگلہ رہ جاتا ہے۔" انسپکٹر سنگارا نے کہا۔ "وہ یہاں سے نصف میل کے فاصلے پر ہے اور یہ آخری بنگلہ ہے۔"

"تو آیئے..... ادھر بھی چلیں۔" شاستری نے بنگلے کا تالا مقفل کرتے ہوئے کہا۔

☆.....☆.....☆

رتنا دیو عرف کھنہ ٹی وی پر ایک گھنٹے سے ایک امریکی فلم جو جرم اور سزا کے موضوع پر تھی، بڑی دلچسپی اور توجہ سے دیکھ رہا تھا۔ اس میں ایک قاتل کو دکھایا گیا تھا کہ وہ کس کامیابی سے قتل کی واردات کرتا پھر رہا تھا، پولیس اسے گرفتار کرنے میں ناکام تھی، وہ پولیس کو چکمہ دے کر نکل جاتا تھا۔ اس دوران اس کے تبصرے بھی جاری تھے۔

گوتم نے اسکاچ کی ایک چسکی لی اور کھنہ کے کسی تبصرے پر کوئی رائے زنی نہیں کی۔ اس کی نظریں اسکرین پر تھیں لیکن اس کا ذہن کھنہ کے الفاظ میں الجھا ہوا تھا۔ اس نے ایک بار نہیں دو تین مرتبہ یہ الفاظ بڑی سنجیدگی اور رعونت سے دہرائے تھے۔ "لوگ جب مجھ پر دباؤ ڈالتے ہیں تو میں انہیں سخت سبق دیتا ہوں، انہیں ایک لمحہ بھی زندہ رہنے نہیں دیتا فوراً ہی جان سے مار دیتا ہوں۔"

گوتم نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ کھنہ کو ہرگز اس بات کا موقع نہیں دے گا کہ وہ اسے جان سے مار دے۔

"کیا تم بھی ایسی ہی واہیات کہانیاں لکھتے ہو؟" اس مرتبہ کھنہ نے اس سے سوال کیا۔

"بھگوان نہ لکھوائے مجھ سے ایسی کہانیاں.....!" گوتم نے جواب دیا۔ "میں ٹی وی کے لئے کہانیاں نہیں لکھتا جبکہ مختلف چینلز والے فرمائش کرتے رہتے ہیں۔"

"میرا خیال ہے کہ تم ایک کہانی کے عوض فلمساز سے خاصی رقم اینٹھ لیتے ہو؟"

"رقم اینٹھتا نہیں ہوں بلکہ اپنی محنت اور دماغ سوزی کا معاوضہ لیتا ہوں۔"

"کتنی رقم کما لیتے ہو.....؟ تمہیں ایک فلم کا کیا

معاوضہ ملتا ہے؟'' کھنہ نے دریافت کیا۔

''میں سال میں صرف دو فلمیں کرتا ہوں...... میری سالانہ آمدنی لاکھوں میں ہے لیکن مجھے ٹیکس بھی دینا پڑتا ہے لہٰذا سال بھر میں لاکھ ڈیڑھ لاکھ پیدا کرلیتا ہوں، ہندوستان میں ٹیکس نہیں لیا جاتا ہے بلکہ چمڑی ادھیڑ لی جاتی ہے لہٰذا مشکل سے مجھے ساٹھ ہزار ملتے ہیں۔''

حقیقت میں اس کی آمدنی پندرہ بیس لاکھ سے کم نہیں تھی، صرف ایک فلم کی لیکن وہ کھنہ کے سامنے اپنی امارت جتانا نہیں چاہتا تھا۔

''ساٹھ ہزار......! اس وقت تمہارے پاس کچھ رقم ہوگی......؟'' کھنہ نے کہا۔

''پانچ چھ ہزار روپے ہوں گے...... میرے لئے رقم کافی تھی اس لئے اتنی رقم لے کر ہی چلا ہوں۔''

''کیا تم مزید رقم کا بندوبست کسی طرح کرسکتے ہو؟'' کھنہ نے کہا۔

''ہاں......! بینک آف کولمبو سے مزید رقم کا بندوبست ہوسکتا ہے۔'' گوتم بولا۔

''یہ اچھی خبر ہے...... مجھے کچھ رقم کی ضرورت ہے...... تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں؟'' کھنہ نے کہا۔

''نہیں......!''

''تمہیں ایک بات بتاؤں...... آج تک میں نے جو رقم اُڑائی ہے وہ صرف دو سو روپے تھی اس کے علاوہ ایک سنہری گھڑی بھی تھی لیکن وہ سونے کی ثابت نہ ہوئی، اس پر سونے کا پانی چڑھایا ہوا تھا۔'' کھنہ نے بتایا۔

''کیا یہ دھوکے بازی نہیں؟''

''آج کل لوگ زیادہ رقم اور قیمتی اشیاء لے کر نہیں نکلتے ہیں۔'' گوتم نے بتایا۔

کھنہ نے سر ہلا کر اتفاق کیا اور پھر اٹھ کر چلتا ہوا کھڑکی کے پاس جاکر پردہ سرکا کر باہر دیکھنے لگا اور وہیں سے بولا۔ ''ڈاکا زنی کی وارداتیں بہت بڑھ گئی ہیں، ایک بار میں تین ڈاکوؤں کے نرغے میں آ گیا اور سات ہزار روپے سے محروم ہوگیا، وہ مجھے سر پر ضرب لگا کر بے ہوش نہ کرتے تو میں ان کے لئے موت بن جاتا...... ان لوگوں کو میں نے بہت تلاش کیا، لیکن وہ نہیں ملے۔''

گوتم کو یہ سن کر خوشی ہوئی لیکن اس نے چہرے سے ظاہر ہونے نہیں دیا۔

''بارش ہلکی ہوگئی ہے۔'' کھنہ نے چند لمحوں کے بعد کہا۔ ''اس کا مطلب ہے کہ پولیس والے جلد ہی ادھر آجائیں گے...... تمہیں یاد ہے نا کہ پولیس والوں سے کیا کہنا ہے؟ اس میں بھول چوک نہیں ہونا چاہئے۔''

''تم نے پہلے ہی سب کچھ بتادیا ہے۔'' گوتم نے خشک لہجے میں کہا۔ ''کیا کوئی یہ سبق ہے جو تمہارے سامنے دہراؤں؟''

''بس یہ بات ذہن میں رکھنا کہ اگر تم نے ذرا سی بھی چالاکی دکھائی تو تم زندہ نہیں رہو گے۔''

''میں کوئی چالاکی اس لئے دکھانا نہیں چاہتا کہ میں زندہ رہنا چاہتا ہوں۔'' گوتم نے سنجیدگی سے کہا۔

''بہرحال تم واقعی بہت معقول، دوراندیش اور سمجھ دار آدمی ہو...... تم زندہ رہنا چاہتے ہو اور میں بھی زندہ رہنا چاہتا ہوں اور ساتھ ہی پولیس کے ہاتھ آنا نہیں چاہتا، اگر ایسا ہوا تو وہ صرف میری لاش ہی حاصل کرسکتے ہیں اس لئے بہتر ہے کہ تم اپنا خیال رکھو۔''

''گاڑی میں میری ضروری چیزیں رکھی ہوئی ہیں، کپڑے، ٹائپ رائٹر اور کاروباری کاغذات، تمہیں اعتراض نہ ہو تو وہ چیزیں لیتا آؤں؟'' کھنہ کافی دیر تک اس کے چہرے کو گھورتا رہا جیسے وہ چہرے سے اس کے ارادے کو بھانپ رہا ہو، پھر اس نے کہا۔ ''جاؤ......! جا کر لے آؤ لیکن یہ بات یاد رہے کہ کوئی چالاکی نہ کرنا، ورنہ فوراً شوٹ کردوں گا۔'' اس نے بیلٹ سے پستول نکال لیا۔ ''میں دو چیزوں میں بڑا ماہر ہوں، کھانا پکانے اور پستول چلانے میں...... میرا نشانہ خطا نہیں جاتا...... جاؤ جتنی جلدی اپنی چیزیں لے کر آسکتے ہو، آجاؤ۔'' اس نے کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے کہا۔ ''میں تمہیں صرف پانچ منٹ دے رہا ہوں۔''

ابھی گوتم دروازے کے پاس ہی پہنچا تھا کہ کھنہ کی آواز گونجی۔ اس کے قدم رک گئے۔ وہ کہہ رہا تھا۔

''گوتم...... گوتم......! ذرا ٹھہرو...... پولیس آ گئی ہے۔''

''کیا......؟'' گوتم نے اس کی طرف حیرت سے دیکھا۔ ''کیا میں باہر نہیں جاؤں؟''

''نہیں...... یہ بات نہیں......! تم باہر ضرور جاؤ...... گاڑی سے سامان نکالو لیکن یاد رکھو اگر فائرنگ ہوئی تو سب سے پہلے دنیا سے تم رخصت ہوگے۔'' کھنہ کے لہجے میں سفاکی آمیز دھمکی تھی۔ گوتم کا جسم مفلوج ہو کر رہ گیا۔ اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ کیا کرے، کیا نہ کرے۔

''رک کیوں گئے......؟ جاؤ...... باہر جاؤ لیکن یاد رکھنا میری نظریں تم پر جمی ہوئی ہیں...... تم نے ذرا بھی حماقت کی تو اپنی جان سے جاؤ گے۔''

گوتم دروازے کی طرف بڑھا تو اس کے قدم لڑکھڑا رہے تھے۔

☆......☆......☆

بیلا کو اچانک کچھ خیال آیا تو اس نے رونا دھونا موقوف کیا اور کھڑکی سے جگ موہن کو اپنی گاڑی سے جاتے دیکھتی رہی۔ اس نے اطمینان سے گہری سانس لی۔ اس کے لئے یہ تجربہ بہت ہولناک اور تلخ رہا تھا، زہر آلود......! پھر وہ کھڑکی سے ہٹ کر کرسی پر آ بیٹھی۔ اس نے آنکھیں بند کرلیں اور اپنی زندگی کے بارے میں غور کرنے لگی۔ اس کے ساتھ جو واقعہ پیش آیا تھا، اس کا سبب خود اپنی ذات تھی۔ اس نے اپنے شوہر سے بے وفائی اور بددیانتی کی تھی جو نفرت کے باوجود اس سے شدید محبت کرتا تھا...... وہ ایک مثالی شوہر تھا جس کے اعتماد کو میں نے پارہ پارہ کیا تھا۔ اس ہولناک تجربے سے گزرنے کے بعد اسے گوتم بڑی شدت سے یاد آیا، اسے دوسرے لوگ بھی یاد آئے جو سب کے سب ہوس کے پجاری تھے۔ وہ عورت کے نہیں بلکہ جوانی اور فتنہ خیز حسن کے بھوکے تھے، یہ پجاری کبھی اس کا سہارا نہیں بن سکتے تھے۔

میں بھی کتنی بے وقوف ہوں...... احمق ہوں۔ اس نے اپنے آپ سے کہا۔ میں اب اپنی زندگی کے انداز اور طور طریقے کو بدل دوں گی...... میں صرف گوتم کی ہوں اور آخری سانس تک اس کی ہوکر رہوں گی، اگر کسی نے اس کی طرف میلی آنکھ سے دیکھا تو اس کی آنکھ پھوڑ دوں گی، اپنی تمام تر محبت اس کے چرنوں میں ڈال دوں گی اور اس کے چرنوں میں سر رکھ کر معافی مانگ لوں گی، اس کی داسی بن جاؤں گی۔ اس نے جیسے ہی دل میں یہ فیصلہ کیا تو اس نے اپنے سارے وجود میں مسرت کی لہر اترتی محسوس کی۔

اسے یاد آیا...... جگ موہن نے اس سے کہا تھا۔ ''نہیں...... مسٹر گوتم نے آپ کی نگرانی پر مامور نہیں کیا...... میں جس کے لئے کام کر رہا ہوں، اس کا نام کسی قیمت پر بتا نہیں سکتا۔''

اس بات کا مطلب صاف ظاہر تھا۔ وہ کوئی اور ہی تھا جو اس کی نگرانی کرا رہا تھا......؟ کون ہوسکتا ہے وہ......؟ بیلا سوچتی رہی۔ اسے یاد آیا کہ جب سے گوتم فلمی دنیا میں صف اول کے کہانی نویسوں میں شامل ہوا تھا، ملنگا تری کا غلام ہوکر رہ گیا تھا۔ جب سے اس کی شادی گوتم سے ہوئی، وہ سخت برہم تھا، اگرچہ ملنگا تری نے کبھی اس بات کا اظہار نہیں کیا تھا لیکن وہ جانتی تھی کہ اس سے کتنی نفرت کرتا ہے۔ اس کی باتوں اور سلوک سے اس نے محسوس کرلیا تھا، اسی وجہ سے وہ اسے سخت ناپسند کرتی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ ملنگا تری اس سے گوتم کو چھین لینا چاہتا ہے، ان کی شادی کے بندھن کو توڑ دینا چاہتا ہے۔ اس کا مطلب تھا کہ ملنگا تری نے ہی جگ موہن کو اس کی نگرانی پر مامور کیا تھا۔ بیلا نے اپنے دل میں ملنگا تری کے لئے نفرت کے شدید ترین جذبات محسوس کئے۔

وہ گوتم کے پاس جانا چاہتی تھی، اس سے اپنی غلطیوں کی معافی مانگنا چاہتی تھی، اپنی بے وفائیوں کا اعتراف کرنا چاہتی تھی۔ لاجونتی نے اسے بتایا تھا کہ گوتم کو دہلی کے ایئرپورٹ پر دیکھا تھا لیکن گوتم نے اس سے کہا تھا کہ وہ ملنگا تری کے کام کے لئے سری لنکا جا رہا ہے، پھر اسے دہلی یا دبئی جانے کی کیا ضرورت تھی۔ سری لنکا، کولمبو کے مضافات میں گوتم کا بنگلہ تھا۔ گوتم اس

سے کئی مرتبہ اس بنگلے کا ذکر کر چکا تھا اور اس سے وہاں چلنے کا اصرار بھی کیا تھا مگر اس نے گوتم کی درخواست ہمیشہ ہی ٹھکرا دی تھی۔ ملنگا تری نے شاید فلم کا اسکرپٹ لکھنے کے لئے وہاں بھیج دیا تھا۔ وہ دبئی میں نہیں ہوسکتا تھا، نہ وہ لڑکیوں کا رسیا تھا۔ اس نے فوراً ہی گوتم کے پاس جانے کا فیصلہ کرلیا تھا۔

وہ بیڈ روم کی طرف بڑھی، دروازے کے پاس اب بھی گوتم کا وہ ریوالور پڑا تھا جس سے تھوڑی دیر قبل اس نے جگ موہن پر فائر کرکے اسے فرار ہونے پر مجبور کردیا تھا۔ بیلا ریوالور اٹھا کر اسے وینٹی بیگ میں رکھنے کے لئے بڑھی تو اس کی آنکھیں حیرت اور غصے سے پھیل گئیں۔ اس میں جو رقم تھی، وہ نہ صرف غائب تھی بلکہ وہ نیکلس بھی غائب تھا جو ہفتے کے روز جیولری شاپ سے لائی تھی۔ وہ سمجھ گئی کہ جگ موہن نے اس وقت ہاتھ کی صفائی دکھائی جب وہ اوپر والے بیڈ روم میں اس کو رقم دینے کے بہانے گئی تھی۔ اب اسے نیکلس جانے کا غم تھا اور نہ رقم کے چوری ہونے کا......! بس اب وہ گوتم کے پاس جانا چاہتی تھی۔ اس نے ریوالور وینٹی بیگ میں رکھ لیا۔ جلدی جلدی پاسپورٹ نکالا اور پھر امریکی ڈالر، ہندوستانی کرنسی اور کپڑے رکھنے لگی۔

کوئی ایک گھنٹے کے بعد وہ ٹیکسی سے ایئرپورٹ کے لئے روانہ ہوگئی۔

☆......☆......☆

انسپکٹر سنگارا اور شاستری نے جھاڑیوں کے پیچھے چھپے ہوئے گوتم کو دوبارہ گیراج کی طرف واپس جاتے دیکھا تھا۔

''شاستری......! تم یہیں ٹھہرو...... میں جا کر گوتم سے بات کرتا ہوں۔'' انسپکٹر سنگارا نے اس سے کہا۔

''ٹھیک ہے سر......! میں یہیں رک کر آپ کو کور کرتا ہوں، آپ محتاط رہئے گا، ہوسکتا ہے کہ رتنا دیو وہاں ہو۔''

انسپکٹر سنگارا آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا گیراج کی طرف بڑھا۔ اس کے ہاتھ میں رائفل تھی اور وہ بے حد چوکنا تھا۔ گوتم گاڑی سے ٹائپ رائٹر نکال رہا تھا کہ انسپکٹر سنگارا دروازے پر پہنچ گیا۔ ''ہیلو...... مسٹر گوتم!''

گوتم نے پلٹ کر دیکھا اور ٹائپ رائٹر دوبارہ گاڑی میں رکھ دیا۔ ''ہیلو انسپکٹر سنگارا! اس موسم میں یہاں؟ کیا بات ہے......؟''

دونوں نے گرم جوشی سے ہاتھ ملائے۔ ''یہی سوال میں آپ سے بھی کرسکتا ہوں مسٹر گوتم! ایسے موسم میں آپ کو یہاں آنے کی کیا ضرورت تھی؟''

''میں ایک فلم کے اسکرپٹ پر کام کر رہا ہوں...... اس لئے یہاں چلا آیا۔'' گوتم نے جواب دیا۔ ''مجھے کیا پتا تھا کہ یہاں ایسا موسم ہوگا، میں کئی بار یہاں آچکا ہوں لیکن کبھی ایسے موسم سے سابقہ نہیں پڑا۔''

''کیا آپ ابھی آئے ہیں؟'' انسپکٹر سنگارا نے پوچھا۔

''نہیں رات کو پہنچا تھا، راستہ بہت خراب تھا، بس قسمت تھی جو میں خیریت سے اپنے گھر پہنچ گیا۔''

''بنگلہ تو ٹھیک ہے نا......'' انسپکٹر سنگارا نے سوال کیا۔ ''آپ نے کوئی خرابی اور گندگی تو نہیں پائی؟''

گوتم کے جی میں آیا کہ وہ اسے فوری طور پر لاؤنج میں رتنا دیو کی موجودگی سے باخبر کردے لیکن وہ جانتا تھا کہ کھنہ کے پستول کی زد میں ہے اور پھر وہ انسپکٹر کو بھی نشانہ بنادے گا۔ دو جانیں خطرے میں تھیں۔ اس لئے جبر سے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''ہاں بھئی بھابی نے بڑی جانفشانی سے اس کی نگرانی کی ہے...... اسے اپنا گھر سمجھا...... میری طرف سے بھابی سجاتا کا شکریہ ادا کردینا، میں کسی دن خود آکر ان کا شکریہ ادا کردوں گا۔''

انسپکٹر سنگارا نے مڑ کر شاستری کو اشارہ کیا۔ وہ بھی جھاڑیوں کی اوٹ سے نکل آیا تو انسپکٹر سنگارا نے کہا۔ ''مسٹر گوتم! آپ ان سے ملیں، یہ مسٹر شاستری ہیں، میرے نائب......!''

''آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی، مسٹر شاستری!''

گوتم نے اس سے گرم جوشی سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ ''آپ دونوں رائفلیں لئے ہوئے ہیں، ایسا لگ رہا ہے جیسے شکار پر نکلے ہیں؟''

''ہاں......! آپ ایسا ہی سمجھ لیں۔'' انسپکٹر سنگارا نے سر ہلا دیا۔

''اندر تشریف لائیں میرے ساتھ......! کیوں نہ ایک کپ چائے یا کافی پی لیں۔'' گوتم نے کہا۔

''نہیں بھئی...... آپ کی اس دعوت کا شکریہ......! آپ ہماری حالت نہیں دیکھ رہے ہیں، ہم آپ کے بنگلے کو گندا کرنا نہیں چاہتے اور پھر آپ کی بھابی کو پتا چل گیا، ہم نے اس حالت میں آپ کے ہاں قدم رکھا تھا تو وہ ہماری کلاس لے لیں گی۔'' سنگارا نے مٹی میں بھرے ہوئے جوتوں کی طرف اشارہ کیا۔

''انہیں یہیں باہر اُتار کر اندر آجائیں۔'' گوتم نے کہا۔ ''مجھے لگتا ہے اس وقت آپ کو کافی کی اشد ضرورت ہے۔''

شاستری اور انسپکٹر سنگارا نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ انہیں واقعی کافی کی طلب محسوس ہورہی تھی۔ بادام و چنے سے بھوک تو مٹ گئی تھی لیکن تھکن نہ اتری تھی۔ ان کے پاس جن بنگلوں کی چابیاں تھیں، ان گھروں کے کچن میں کافی، چائے اور خشک دودھ موجود تھا، انہوں نے کسی چیز کو بھی ہاتھ نہ لگایا تھا، وہاں صرف پانی پی کر پیاس بجھائی تھی۔

انسپکٹر سنگارا نے سر کو جنبش دی۔ ''ٹھیک ہے مسٹر گوتم! اس وقت ہمیں واقعی کافی کی سخت ضرورت محسوس ہورہی ہے، شکریہ!''

''آپ جوتے اتار کر اندر آئیں، میں کافی تیار کرتا ہوں، بھابی کو بتانے کی ضرورت نہیں کہ آپ کس حالت میں تھے۔'' اتنا کہہ کر گوتم نے ٹائپ رائٹر اٹھایا اور برآمدے سے گزر کر بنگلے میں داخل ہوگیا۔ انسپکٹر سنگارا اور شاستری نے جوتے اور برساتیاں اتاریں۔ اس دوران انسپکٹر سنگارا نے اپنے ماتحت سے کہا۔ ''ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے شاستری......! بظاہر تو سب ٹھیک معلوم ہوتا ہے لیکن ہمیں بہت زیادہ ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔''

''رائفلوں کا کیا کریں؟'' شاستری نے پوچھا۔ ''کیا ساتھ ہی رکھیں یا......!''

''رائفلیں یہیں چھوڑ دو۔'' انسپکٹر سنگارا نے ہولسٹر میں لگے ہوئے پستول کو تھپتھپا کر کہا۔ ''بس اپنی آنکھیں کھلی رکھنا۔''

پھر دونوں موزے پہنے ہوئے بنگلے میں داخل ہوگئے۔

''کچن میں گوتم کافی تیار کرچکا تھا۔ اسے معلوم نہیں تھا کہ کھنہ اس وقت بنگلے میں کہاں چھپا ہوا ہے، لیکن اسے یہ معلوم تھا کہ وہ لاؤنج ہی میں کہیں نہ کہیں موجود ہے۔ اس نے دھمکی دی تھی کہ دونوں کی ارتھیاں ایک ساتھ ہی اُٹھیں گی۔ اسے خود اپنے آپ پر حیرت ہورہی تھی کہ ان حالات سے گزرنے کے باوجود وہ کتنے اطمینان سے کام کررہا ہے۔ اسے اپنے آپ پر پورا قابو تھا، وہ خوف زدہ نہیں تھا اور نہ اس پر سراسیمگی طاری تھی۔ صورتحال جو رخ اختیار کررہی تھی، وہ ایک کامیاب فلم کے لئے بہت اچھی کہانی کی بنیاد بن سکتی تھی۔

ملنگا تری ایسی کہانی پسند کرتا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ تماشائیوں کا رجحان وقت کے ساتھ ساتھ بدلتا جارہا ہے، اسے کسی کی سیوا نہیں کرنا ہے، صرف پیسہ کمانا ہے لیکن اس وقت وہ جانتا تھا کہ آگ سے کھیل رہا ہے۔ کھنہ کسی بھی وقت آپے سے باہر ہوسکتا ہے لیکن وہ یہ بھی جانتا تھا کہ اس نے ہوشیاری سے کام لیا تو وہ کھنہ کو قابو میں کرسکتا ہے۔

گوتم کافی کے مگ لے کر ڈرائنگ روم میں آیا تو دونوں پولیس افسر وسط میں کھڑے ڈرائنگ روم کا جائزہ لے رہے تھے۔

''آپ کھڑے کیوں ہیں......؟ تشریف رکھیں۔'' گوتم نے کہا۔

پھر اس نے دونوں پولیس افسروں کو کافی کے کپ تھما دیئے۔ وہ ایک کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا، وہ دونوں بھی اس کے مقابل بیٹھ گئے، پھر گوتم کو جیسے کچھ یاد آیا۔

وہ بولا۔ ''ایک منٹ میں بسکٹ وغیرہ لیتا آؤں۔''

''نہیں.....! اس تکلف کی ضرورت نہیں۔'' شاستری نے کہا۔ ''ہم جب دفتر سے نکلے تھے تو سر نے سینڈوچز لے لئے تھے، ابھی کچھ دیر پہلے ہی ہم نے سینڈوچز کھالئے ہیں۔''

انسپکٹر سنگارا نے کافی کا ایک گھونٹ لیا اور گوتم کا چہرہ غور سے دیکھنے لگا۔

پھر اس نے کافی کا دوسرا گھونٹ لیا اور بولا۔ ''بات یہ ہے مسٹر گوتم! ہم ایک قاتل کی تلاش میں ہیں، میرا خیال تھا کہ وہ یہیں کہیں روپوش ہوگا لیکن ہم نے تمام بنگلے دیکھ لئے، وہ ان میں نہیں ہے، اس کا مطلب ہے کہ میرا خیال غلط تھا۔''

''قاتل.....؟ آپ کا مطلب رتنا دیو سے تو نہیں.....؟ اس کے بارے میں ریڈیو پر میں نے اعلان سنا تھا۔'' گوتم نے اپنے خیال کا اظہار کیا۔ ''ہر آدھ گھنٹے بعد اس کے بارے میں اعلان دہرایا جارہا ہے۔''

''ہاں.....ہم اس کی تلاش میں خوار ہورہے ہیں لیکن مایوس نہیں ہیں، کیونکہ آج تک کوئی قاتل قانون کے لمبے ہاتھوں سے نہیں بچا ہے، زندہ یا مردہ دھر لیا گیا۔'' پھر اس نے قدرے توقف کے بعد کہا۔ ''آپ رنجیت کو تو جانتے ہی ہوں گے؟''

''رنجیت.....؟ ہاں.....ہاں.....اوہی جن کے چائے کے باغات اور مختلف فارمز ہیں..... میں جب پہلی مرتبہ یہاں آیا تو ان سے میری کافی ملاقاتیں رہیں، وہ میرے بنگلے پر کبھی کبھی شام گزارنے آجاتے تھے، وہ بہت ہی نفیس اور پیارے آدمی ہیں، کیوں کیا ہوا نہیں.....؟''

''کبھی ان کی بیوی اور بیٹی سے بھی آپ کی ملاقات ہوئی ہے؟'' انسپکٹر سنگارا نے پوچھا۔

''اتفاق سمجھیں کہ کبھی ان کی بیوی سے ملاقات نہیں ہوئی، البتہ ان کی بیٹی سے ایک دو ملاقاتیں ضرور ہوئی ہیں، ایک مرتبہ اپنے والد کے ساتھ یہاں آئی تھی، پھر یہاں کے ایک ریسٹورنٹ میں.....! وہ بہت اچھی، پیاری اور معصوم سی لڑکی تھی، کیوں کیا ہوا؟'' گوتم نے سوال کیا۔

''یہ شخص جنونی اور سفاک قاتل ان کے باغات میں داخل ہوا اور تینوں کو اس نے کلہاڑی سے قتل کردیا۔'' انسپکٹر سنگارا نے بتایا۔

''اوہ بھگوان! تو وہ تینوں.....!!'' گوتم نے جملہ مکمل چھوڑ دیا۔ خوف اور دہشت سے اس کی زبان گنگ ہوکر رہ گئی۔

''میرا نائب جس سے آپ بھی میرے دفتر میں مل چکے ہیں اور جسے میں سجاتا سنگھے بیٹے سے بڑھ کر چاہتے تھے، وہ فارم پر حالات کا جائزہ لینے گیا تو اس خونی بھیڑیے نے اسے بھی قتل کردیا، اب شاستری اس کی جگہ پر آیا ہے۔''

گوتم کو بڑا صدمہ ہوا۔ وہ تینوں بڑے معصوم اور شریف تھے رنجیت خصوصاً غریبوں کے بہت کام آتا تھا۔ وہ حسین لڑکی جو انتہائی معصوم تھی، اس پر ہاتھ اٹھانا تو کجا کبھی ڈانٹا بھی نہیں جاسکتا تھا..... اُسے ان کی موت کی خبر سے دھچکا لگا تھا۔ اگر طبعی موت ہوتی تو بھی اسے دکھ ہوتا لیکن انہیں قتل کردینا انتہائی سفاکی کا کام تھا۔

گوتم تیزی سے سوچنے لگا کہ کیا وہ ان دونوں کو پولیس افسروں کو بتادے کہ وہ سفاک اور شقی القلب قاتل اس کے گھر میں موجود ہے اسے پکڑلو..... اس کا جسم گولیوں سے چھلنی کردو، اس کی لاش کے ٹکڑے ٹکڑے کرکے کتوں کو کھلادو..... یہ انسان نہیں خون آشام بھیڑیا ہے..... لیکن یہ موقع چغلی کھاتی ہونے کا نہیں تھا۔ اسے کہنہ کی دھمکی اچھی طرح یاد تھی۔ اس نے دل ہی دل میں فیصلہ کرلیا اور کہا۔ ''تو مسٹر سنگارا.....! آپ کا خیال ہے کہ یہ خطرناک قاتل ابھی تک اس علاقے میں موجود ہے؟''

''اس کا قوی امکان ہے کہ مسٹر گوتم.....! ریاستی پولیس اور نیشنل گارڈز اس کی تلاش میں سرگرداں ہیں، ریاستی پولیس کا خیال ہے کہ اس نے کسی گاڑی والے سے لفٹ لے کر اسے موت کے گھاٹ اتار دیا اور فرار ہوکر

کینڈی پہنچ گیا ہے اور وہاں سے شاید کولمبو شہر چلا جائے۔''

گوتم نے سر کو جنبش دی..... اسے یقین تھا کہ لاؤنج میں کہنہ کہیں نہ کہیں موجود ہے اور وہ ساری گفتگو سن رہا ہے اور اس کے ہاتھ میں بھرا ہوا پستول موجود ہے، وہ کسی بھی لمحے خون خرابے پر آمادہ ہوسکتا ہے۔ اس خیال سے اسے بے چینی ہونے لگی۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ ان کا بھی خون ہو۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اب ان دونوں کو چلتا کردینا چاہئے۔

انسپکٹر سنگارا نے اپنی کافی ختم کرکے مگ میز پر رکھ دیا، پھر وہ جانے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا اور بولا۔ ''اچھا مسٹر گوتم! کافی کا بہت شکریہ.....! بڑی زبردست کافی بنائی آپ نے..... اس نے ساری تھکن اتار دی، اب ہم چلتے ہیں..... ویسے کیا آپ یہاں کافی عرصہ قیام کریں گے؟''

''ایک دو ہفتے تو ٹھہرنے کا پروگرام ہے ہی..... لیکن یہ بھی ہوسکتا ہے کہ قیام طویل ہوجائے، اس کا انحصار کام ختم ہونے پر ہے لہٰذا میں کوئی حتمی بات اس لئے نہیں کہہ سکتا کہ ابھی میں نے کام شروع ہی نہیں کیا۔''

''کہیں تو میں اپنی بیوی کو یہاں بھیج دوں تاکہ وہ آکر دیکھ بھال کرلے؟'' انسپکٹر سنگارا نے کہا۔

''نہیں جناب.....! فی الحال اس کی کوئی ضرورت نہیں۔'' گوتم نے کہا۔ ''جب بھی اس کی میں نے ضرورت محسوس کی تو آپ کو فون کردوں گا۔''

وہ دونوں باہر نکل گئے..... گوتم انہیں رخصت کرنے باہر آیا۔ انہوں نے بوٹ پہن کر برساتیاں جسموں پر ڈالیں، رائفلیں اٹھائیں اور گوتم سے ہاتھ ملا کر چلے گئے۔ کچے راستے سے کیچڑ اور پانی میں چھپ چھپ کرتے جنگل کی طرف نکل گئے۔

☆.....☆.....☆

''تو میرا خیال غلط ہی نکلا۔'' انسپکٹر سنگارا نے تھوڑی دور آگے جاکر کہا۔ ''بہرحال یہ میرا اندازہ تھا..... یہ کوئی ضروری نہیں کہ انسان کا اندازہ ہمیشہ ہی درست ثابت ہو..... ویسے پہلی بار میرا اندازہ غلط ثابت ہوا ہے کیونکہ میں اندازے بہت سوچ سمجھ کر قائم کرتا ہوں۔''

شاستری نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا۔ درحقیقت اس کے باس نے جو کچھ کہا تھا، اسے جھٹلایا نہیں جاسکتا تھا۔ دونوں قدم اٹھاتے ہوئے جنگل میں نکل آئے تھے۔ اچانک شاستری ٹھہر گیا۔ ''جناب.....! ذرا ایک منٹ کے لئے ٹھہر جائیں۔''

انسپکٹر سنگارا نے پلٹ کر اس کی طرف دیکھا۔ شاستری پیچھے تھا۔ ''کیا بات ہے؟''

''سر! میرا خیال ہے کہ رتنا دیو، مسٹر گوتم کے بنگلے ہی میں موجود ہے اور مسٹر گوتم اس خوف سے کہ کہیں رتنا دیو انہیں موت کے گھاٹ نہ اتار دے، اسے پناہ دیئے ہوئے ہیں۔''

''کیا کہہ رہے ہو.....؟'' انسپکٹر سنگارا نے الجھ کر اسے گھورا۔ ''آخر تم نے یہ بات کس بناء پر کہی ہے؟''

''یہ صرف میرا خیال ہے..... میرا اندازہ ہے کہ رتنا دیو وہیں چھپا ہوا ہے۔'' شاستری نے بڑے اعتماد سے کہا۔

''مگر تمہیں کس بناء پر یہ..... اندازہ ہوا؟ انسپکٹر سنگارا نے کہا۔

''آپ مجھے ایک بات بتائیں جناب کہ آخر ان کے ٹیلی فون کا کنکشن کیوں کٹا ہوا تھا.....؟ کیا آپ نے دیکھا تھا کہ ٹیلی فون کا تار دیوار میں لگے ہوئے ساکٹ سے نکلا ہوا تھا..... آپ جب مسٹر گوتم سے باتیں کررہے تھے تو اس وقت میں ان کے ڈرائنگ روم کا جائزہ لے رہا تھا، آپ کا کیا خیال ہے؟ کیا مسٹر گوتم یہ حرکت کرسکتے ہیں کہ تار کھینچ کر ٹیلی فون بیکار کردیں؟''

انسپکٹر سنگارا کے ماتھے پر شکنیں گہری ہوگئیں۔ اسے خود پر بے حد غصہ آیا کہ آخر اس نے یہ بات کیوں نظر انداز کردی تھی۔

''میرا خیال ہے کہ ہمیں فوراً واپس جاکر معلوم کرنا چاہئے۔'' انسپکٹر سنگارا نے کہا۔ ''چلو واپس چلتے ہیں۔''

''نہیں سر! ایسا نہ کریں، یہ بہت بڑی غلطی ہوگی۔'' شاستری نے کہا۔

"غلطی کیوں ہوگی؟" انسپکٹر سنگارا نے حیرت سے کہا۔

"اس لئے کہ ہم واپس گئے تو رتنا دیو، مسٹر گوتم کو زندہ نہیں چھوڑے گا۔" شاستری بولا۔

"تو تمہارا خیال ہے کہ رتنا دیو وہاں موجود ہے؟"

"جی ہاں.....! میرا خیال ہے کہ وہ وہیں موجود ہے اور اس نے مسٹر گوتم کو یرغمال بنا رکھا ہے، اس لئے کہ اگر ہم واپس گئے اور پوچھ گچھ شروع کی تو رتنا دیو سب سے پہلا شکار مسٹر گوتم کو بنائے گا۔" شاستری نے متفکرانہ انداز میں کہا۔ "اس لئے میں وہاں جانے کا مشورہ نہیں دوں گا، وہ ان کے ساتھ ہم دونوں کو بھی نشانہ بنانے سے نہیں چوکے گا۔"

"کیا پولیس کی بھاری جمعیت کے ساتھ ہم اس پر حملہ کر کے اسے گرفتار تو کر سکتے ہیں؟" انسپکٹر سنگارا بولا۔

"میرا خیال ہے کہ ایسا کرنا بھی کسی لحاظ سے مناسب نہ ہوگا، اگر پولیس پارٹی یا نیشنل گارڈ بنگلے پر یلغار کر دیتی ہے تو مسٹر گوتم کی جان خطرے میں پڑ جائے گی..... رتنا دیو سب سے پہلے انہیں ہی نشانہ بنائے گا تاکہ ان کی طرف سے مطمئن ہو کر وہ دوسروں سے مقابلہ کر سکے اس لئے جلد بازی سے اگر کوئی قدم اٹھایا گیا تو وہ بے حد نقصان دہ ثابت ہوگا۔" شاستری نے کہا۔

"پھر کیا کیا جائے.....؟" انسپکٹر سنگارا نے سر کھجایا۔ "ہم عجیب مشکل میں پھنس گئے ہیں۔"

"ہمیں انتظار کرنا چاہئے جناب! معاملہ ٹھنڈا ہونے کا انتظار کرنا چاہئے.....! میرا اندازہ غلط ہوا، تب بھی کوئی بات نہیں لیکن اگر یہ بات ٹھیک ہوئی تو ہمیں چاہئے کہ اسے یہ یقین دلا دیں کہ وہ مسٹر گوتم کے بنگلے میں نہیں ہے، اسے یقین آ گیا تو وہ مطمئن ہو جائے گا، پھر ہم بڑے اطمینان سے کارروائی کر کے اسے زندہ گرفتار کر سکیں گے۔"

"کیا کارروائی کریں گے.....؟" انسپکٹر سنگارا نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ "کیا کوئی کارروائی نقصان دہ نہیں ہوگی؟"

"آپ اجازت دیں تو میں کل پھر یہاں واپس آؤں گا۔" شاستری نے کہا۔ "میں فوج میں تھا تو میں نے گوریلا جنگ کی تربیت حاصل کی تھی یعنی چھپ کر اور گھات لگا کر حملہ کرنے والوں کے خلاف کارروائی کرنے کی تربیت حاصل کی تھی۔ اس کے علاوہ میں نے ایک جگہ بیٹھ کر چند دنوں تک انتظار کرنے کی تربیت بھی حاصل کی ہے، میں چھپ کر اس کی گھات میں بیٹھ جاؤں گا اور رتنا دیو کو اس بات کا اطمینان ہو جائے گا کہ اس کی نگرانی نہیں ہو رہی تو وہ یقیناً باہر نکلے گا..... آخر ایک نہ ایک دن تو اسے باہر آنا ہے، آخر وہ کب تک محصور رہے گا، یہ اس کے لئے کسی جیل سے کم نہیں، وہ جیسے ہی باہر آئے گا، میں اسے شکار کر لوں گا۔"

"مجھے تمہاری یہ تجویز بالکل پسند نہیں آئی شاستری.....! اگر رتنا دیو وہاں موجود ہے تو مسٹر گوتم کی جان خطرے میں ہے، میرا خیال ہے کہ ہمیں فوراً واپس جا کر حقائق معلوم کرنے چاہئیں۔" انسپکٹر سنگارا نے پریشان ہو کر کہا۔

"اگر ہم نے ایسا کیا تو مسٹر گوتم کا زندہ بچنا محال ہوگا سر.....! جب میں بنگلہ دیش کی سرحد پر تھا تو لوگوں کو نشانہ بنانے والے ایک شخص نے ہمارے بیس جوانوں کو مار دیا تھا، میں اسے شکار کرنے کے لئے دس دنوں تک جنگل میں ایک مقام پر چھپا رہا، آخر وہ قاتل بے فکر اور بیزار ہو گیا جیسے ہی وہ اپنی کمین گاہ سے باہر آیا تو میں نے اسے نشانہ بنا لیا..... یہ کام ماہرین کا ہے سر! میں اس کا ماہر ہوں اور آپ مجھ پر اعتماد کر سکتے ہیں۔" شاستری نے مضبوط لہجے میں کہا۔

"تمہارا کیا خیال ہے کہ کالی چرن کو کم از کم تمہاری اس تجویز اور رتنا دیو کی موجودگی کی اطلاع دے دی جائے؟"

"نہیں جناب! بہتر یہ ہے کہ ہم کسی کو اس کی موجودگی کی اطلاع نہ دیں۔" شاستری کہنے لگا۔

"اس لئے.....!"

"اطلاع دینے میں کیا حرج ہے.....؟ میں چاہتا ہوں کہ تمام باتیں اس کے علم میں رہیں۔" انسپکٹر سنگارا درمیان میں بولا۔

"آپ پہلے میری بات پوری طور سے سن لیں..... میں کل یہاں آ کر نگرانی کروں گا، ہم وائرلیس سے باہمی رابطہ رکھیں گے، اگر آپ نے کالی چرن کو بتا دیا تو ان کے لئے صبر و ضبط مشکل ہو جائے گا، وہ فوراً ہی کارروائی کے لئے حرکت میں آ جائیں گے اور اس وقت ہمیں اس سے بچنا بھی ہے، ہمیں یہ بھی تو پتا نہیں کہ رتنا دیو واقعی وہاں موجود ہے بھی یا نہیں.....!"

"ٹھیک ہے..... ٹھیک ہے..... تمہاری بات سو فیصد درست ہے۔" انسپکٹر سنگارا نے تائیدی انداز میں سر ہلایا۔ "کالی چرن کو تو کچھ بتانا ہی پڑے گا، وہ ہمارے واپس نہ آنے کی بے چینی سے انتظار کر رہا ہوگا اور اسے تشویش ہو رہی ہوگی۔"

"آپ انہیں صرف اتنی بات بتا دیں کہ ہم نے تمام بنگلے چھان لئے، وہاں رتنا دیو کا کوئی وجود نہیں۔" شاستری نے کہا۔

☆.....☆.....☆

گوتم انہیں جاتے ہوئے دیکھتا رہا تھا، وہ اپنی گاڑی سے ٹیک لگائے ہوئے تھا، لیکن اس کے اندر ایک ہیجان تھا۔ غم سے اس کا سینہ پھٹ رہا تھا، اس کا دل اندر ہی اندر کوئی مسل رہا تھا۔ اس کے ذہن میں انسپکٹر سنگارا کے الفاظ گونج رہے تھے۔

"آپ کو رنجیت، اس کی بیوی اور بیٹی تو یاد ہوں گے.....؟ رتنا دیو نے ان تینوں کو کلہاڑی کے وار کر کے ہلاک کر دیا۔"

"بہت عمدہ گوتم.....! تم نے تو واقعی کمال کر دکھایا۔" رتنا دیو کی سرد اور سخت آواز سے اس کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔

گوتم نے آواز کی سمت دیکھا۔ وہ ہاتھ میں پستول لئے دروازے میں کھڑا تھا، اس کے چہرے پر قہر تھا، آنکھوں میں وحشیانہ چمک تھی۔ "اندر آ جاؤ تاکہ اطمینان سے بیٹھ کر بات کریں..... اب وہ لوگ واپس نہیں آئیں گے، میری تلاش میں جنگل کی طرف بڑھ گئے ہیں..... چلو اندر آ جاؤ۔" اس نے پستول لہراتے ہوئے اندر آنے کا اشارہ کیا۔ گوتم کا کھڑے رہنا، اسے خوف زدہ کئے دے رہا تھا۔

گوتم کے دل میں شدید نفرت اور غصے کی لہر اٹھی تو اس نے اندر ہی اندر اس کا گلا گھونٹ دیا۔ وہ رتنا دیو یا کہنہ پر ظاہر کرنا نہیں چاہتا تھا کہ اسے کیسا غصہ آ رہا ہے۔ کاش! اس کے پاس پستول یا کوئی ایسی چیز ہوتی جس سے وہ اسے موت کے گھاٹ اتار دیتا۔

اس کے حکم کی تعمیل کرنا گوتم کی مجبوری تھی۔ وہ لڑکھڑاتے قدموں سے واپس آ گیا۔ کہنہ نے پستول ہولسٹر میں رکھتے ہوئے کہا۔ "گوتم.....! تم نے بڑی عمدگی اور خوبصورتی سے بے وقوف بنا کر انہیں ٹالا ہے، اس خوشی میں آج میں رات کو تمہیں بہترین کھانا کھلاؤں گا..... تمہیں مرغی پسند ہے.....؟ میں بہترین اور لذیذ چکن بروسٹ بناؤں گا۔"

"مجھے بھوک نہیں ہے اور نہ ہی کوئی ڈش کھانے کی خواہش ہے۔" گوتم نے بے بسی سے کہا۔

"اس وقت تمہیں اسکاچ کی ضرورت ہے گوتم!" کہنہ شراب کی الماری کی طرف بڑھ گیا۔ ایک گلاس میں اس نے اسکاچ انڈیلی اور واپس آ کر گوتم کو تھما دی۔ "اب ذرا دیر میں تمہاری طبیعت بحال ہو جائے گی۔"

گوتم نے جلدی سے تمام اسکاچ ایک ہی سانس میں غٹا غٹ حلق میں اتار لی۔ اس وقت اسے واقعی اسکاچ کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔ کہنہ ایک کرسی کے ہتھے پر بیٹھا اسے غور سے دیکھ رہا تھا اس کا چہرہ سپاٹ تھا۔

"تم بہت وحشی اور سفاک شخص ہو بلکہ شقی القلب کہنا درست ہوگا کہنہ! اس لئے کہ تم نے ایک اچھے اور شریف شخص کو بربریت اور بہیمانہ طریقے سے قتل کیا۔" گوتم نے بے بسی، غصے اور بے خوفی سے اپنے جذبات کا اظہار کیا۔

"مجھے نہیں معلوم تھا کہ وہ تمہارا دوست ہے.....

اگر معلوم ہوتا تو بھی اس سے کیا فرق پڑتا..... اس احمق نے مجھ پر دباؤ ڈالنا چاہا تھا، دھمکایا تھا..... دھتکارا تھا..... ایسی صورت میں، میں پاگل ہو جاتا ہوں، مجھ پر ایک جنون سوار ہو جاتا ہے..... میں تمہیں بتاؤں کہ کیا ہوا تھا؟ گاڑی کا تصادم ہوا، دو پولیس والے موقع پر ہی ہلاک ہو گئے، میں نے دیکھا کہ وہ زندہ ہیں اور آخری سانس لے رہے ہیں، میں نے اس تکلیف اور اذیت سے نجات دینے کے لئے جلد ہی انہیں اس سنسار سے اوپر کی دنیا میں بھیج دیا، ایک طرح سے میں نے ان پر ترس کھایا تھا۔ ورنہ انہیں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرنا پڑتا..... میں گرفتاری کے خوف سے دس میل تک بھاگتا رہا، میں نے دو دن سے کچھ نہیں کھایا تھا، میں بے انتہا بھوکا تھا، میں نے اس کے گھر پہنچ کر دروازے پر دستک دی، اس نے دروازہ کھولا تو میں نے اس سے کھانا مانگا۔'' یہ واقعہ بیان کرتے ہوئے اس کا لہجہ سخت ہو گیا۔ ''جانتے ہو اس نے کیا جواب دیا، اس نے کہا تھا کہ دفع ہو جاؤ..... میں ہٹے کٹے اور پیشہ ور بھکاریوں کو کھانا نہیں دیتا، اتنا کہہ کر زور سے اس نے دروازہ بند کر دیا تھا۔

اس وقت میری حالت تباہ کن تھی..... میں کہاں جاتا؟ مجھے کھانا کہاں سے ملتا..... ؟ بارش بہت تیز ہو رہی تھی، میں پانی میں شرابور تھا اور تمہیں معلوم ہے گوتم! جب مجھے کسی چیز کی ضرورت ہوتی ہے اور کوئی الو کا پٹھا مجھے وہ چیز دینے سے انکار کر دیتا ہے تو میرا دماغ الٹ جاتا ہے اور جب میرا دماغ الٹ جاتا ہے تو پھر اس الو کے پٹھے کی خیر نہیں ہوتی، میں وہاں سے شیڈ میں پہنچا جہاں مجھے ایک کلہاڑی مل گئی، وہ کلہاڑی لے کر میں پلٹا، دروازہ توڑ کر اندر گھس گیا۔

وہ اپنی بیوی کے ساتھ کھانے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ میں نے ان دونوں کو کلہاڑی سے وار کر کے ختم کر دیا، پھر میں نے چیخنے اور چلانے کی آوازیں سنیں۔ ایک لڑکی سیڑھیوں سے اتر رہی تھی اور دیوانوں کی طرح چیخ رہی تھی۔ اس کی چیخوں نے مجھے پاگل اور مشتعل کر دیا، میں اس کے پیچھے لپکا، وہ الٹے پاؤں بھاگی، میں اس کے پیچھے بالائی منزل کے کمرے میں پہنچا۔ وہ بہت حسین اور پرکشش تھی، اس وقت مجھے بھوک نہ لگی ہوتی اور جنون سوار نہ ہوا ہوتا تو اس کی عزت میرے ہاتھ سے محفوظ نہ رہتی..... میں نے اندھے جنون میں اس کا بھی کام تمام کر دیا اور پھر نیچے واپس پہنچا..... ڈٹ کر کھانا کھایا، کھانا بہت لذیذ اور عمدہ تھا، میری پسند کی ڈشیں تھیں۔'' اس نے تصور ہی تصور میں پٹخارے لیتے ہوئے کہا۔ ''کھانے کی مقدار اتنی تھی کہ پانچ سات آدمی پیٹ بھر کے کھاتے، پھر بھی بچ جاتا، اگر وہ مجھے کچھ کھانا دے دیتا تو کیا فرق پڑتا، اس خود غرض اور کمینے کا یہی حشر ہونا تھا.....

اس دوران ٹیلی فون کی گھنٹی بھی بجتی رہی..... مجھے یقین تھا کہ پولیس والے ہی فون کر رہے ہوں گے..... مجھے اس بات کا بھی یقین تھا کہ پولیس کچھ دیر بعد ہی وہاں پہنچے گی اس لئے میں شیڈ میں جا چھپا۔ میرا اندازہ درست ثابت ہوا۔ یہ دیکھ کر کہ پولیس والا صرف ایک ہے، میں دبے پاؤں واپس گیا، اس پولیس والے کو کلہاڑی سے ٹھکانے لگا دیا اور اس کی گاڑی لے کر وہاں سے بھاگ نکلا، یہ ہے تمام واقعہ..... وہ سب احمق تھے الو کے بچے تھے۔''

کھنہ خاموش ہو گیا۔ وہ گہری نظروں سے گوتم کو گھورتا رہا اور پھر بولا۔ ''گوتم..... تم ایسی بے وقوفی نہ کرنا۔'' یہ کہہ کر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ ''اچھا اب میں جا کر مرغی تیار کرتا ہوں..... تم دو ایک جام اور چڑھا لو، طبیعت بہل جائے گی، اعصاب بھی ہلکے اور پرسکون ہو جائیں گے۔''

گوتم نے نظریں اٹھا کر دیکھا۔ کھنہ اسے تیز نظروں سے گھور رہا تھا اور اس کے موٹے، بھدے ہونٹوں پر سفاکانہ مسکراہٹ تھی۔ گوتم کے جسم میں خوف کی سرد لہر کسی تیز دھار چاقو کی طرح اتر گئی۔ پھر کھنہ کی نظر ٹیلی فون کے ٹوٹے ہوئے تار پر پڑی۔

''اوہ..... ! میں بہت بڑا گدھا ہوں اسے ٹھیک کر دینا چاہئے تھا مجھے!'' پھر اس نے گوتم کی طرف گھوم کر کہا۔ ''انہوں نے اس کے بارے میں تو کچھ نہیں کہا..... ؟ میں نے ساری باتیں سنی تھیں..... ہو سکتا ہے

کہ ان کی اس پر نظر نہ پڑی ہو..... وہ بوڑھا انسپکٹر خیر عقل سے پیدل ہی لگتا ہے مگر اس کا نائب بہت خطرناک شخص ہے..... مجھے ہر صورت ہوشیار رہنا چاہئے..... خیر تم یہیں ٹھہرو..... میں دیکھتا ہوں کہ میں نے کوئی اور حماقت تو نہیں کی اور ہاں دیکھو تم کوئی حماقت نہ کرنا۔'' اس کا آخری جملہ خطرناک دھمکی لئے ہوئے تھا۔

وہ سیڑھیاں چڑھتا ہوا اوپر گیا۔ چند لمحوں کے بعد وہ گوتم کی برساتی پہن کر نیچے آیا اور بولا۔ ''میں باہر جا رہا ہوں۔'' وہ دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔

گوتم نے اٹھ کر گلاس کو مزید اسکاچ سے بھر دیا۔ وہ بڑی ہولناک قسم کی صورتحال سے دوچار تھا۔ ایسی حالت میں کچھ کر بھی تو نہیں سکتا تھا۔ مزید اسکاچ اس کے حلق سے اترتے ہی اس کے اعصاب پھول کی طرح ہلکے ہو گئے۔ رنجیت، اس کی بیوی اور بیٹی کے قتل کے واقعے نے اس کے ذہن پر جو اثر ڈالا تھا، وہ زائل ہو گیا۔ اس نے گھڑی دیکھی سات بج چکے تھے۔

سورج مغربی وادی میں ڈوب گیا تھا اور اندھیرا تیزی سے پھیل رہا تھا۔ رات سر پر تھی، ایک منحوس رات.....!

معلوم نہیں یہ قاتل کب تک اس کے سر پر سوار رہے گا؟ اس نے تھکے تھکے ذہن سے سوچا، پھر اس کا ذہن انسپکٹر سنگارا اور شاستری کی طرف گیا۔ انہوں نے کیا ٹیلی فون کے اکھڑے ہوئے تاروں کو دیکھ لیا تھا..... ؟ کیا انہیں شبہ ہو گیا تھا کہ جس خطرناک قاتل کی تلاش ہے، وہ یہیں چھپا ہوا ہے..... ؟ پولیس یوں بھی بڑی شکی ہوتی ہے، ٹوٹے تار ان کی نظروں میں ضرور آ گئے ہوں گے۔

وہ اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگا، ٹہلتا رہا۔ وہ جانتا تھا کہ پولیس کبھی کھنہ کو زندہ نہ پکڑ سکے گی۔ وہ سخت خوف زدہ تھا۔ اسے اپنی زندگی بے حد عزیز تھی۔ اس کی کوشش یہی تھی کہ وہ کھنہ کو ایسا کوئی موقع نہ دے کہ جھٹ سے اکھڑ جائے، غصے سے پاگل ہو کر اسے بھی ٹھکانے لگا دے..... اس کی نظروں کے سامنے ایسا گھپ اندھیرا تھا کہ کچھ بھائی نہ دیتا تھا۔

کوئی نصف گھنٹہ بعد کھنہ واپس آیا، اس وقت گوتم اسکاچ کا تیسرا گلاس چڑھانے کے بعد کرسی پر بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ جوں ہی کھنہ نے دروازہ بند کیا، گوتم چونک کر کرسی پر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا اور اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے سوچا۔ کاش! یہ واپس نہ آتا، انسپکٹر سنگارا اور شاستری کی گولیوں نے اسے بھون دیا ہوتا تو دنیا والوں کو ایک سفاک درندے سے نجات مل گئی ہوتی۔

''وہ دونوں الو کے بچے جا چکے ہیں..... اندھے ہیں..... ان کی نظر ٹیلی فون کے تار پر نہیں پڑی ہو گی ورنہ وہ کمینے نہ جانے کیا ہنگامہ کھڑا کرتے..... میرے ہاتھ سے وہ قتل ہو جاتے..... قتل کرنے میں مجھے بڑا مزا آتا ہے..... میں نے کارتک ان کا تعاقب کیا ہے، وہ جا چکے ہیں۔'' گوتم نے گہرا سانس لیا۔ کھنہ اسے بھی قتل کر دیتا..... وہ جان بچ جانے پر بھگوان کا شکریہ ادا کر رہا تھا۔

''اچھا گوتم..... ! اب میں کھانا تیار کرتا ہوں، تم یقیناً بھوکے ہو گے۔'' کھنہ بولا۔

''ٹھیک ہے۔'' گوتم نے سر ہلاتے ہوئے گہرا سانس لیا۔

''گوتم! تم آج رات اپنے کمرے میں سوؤ گے میں کمرہ باہر سے بند کر دوں گا، میں بہت کچی نیند سوتا ہوں، اگر رات کے وقت کوئی بات ہوئی تو میں خود اس سے نمٹ لوں گا، لہٰذا تمہیں پریشان اور فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔'' یہ کہہ کر وہ کچن کی طرف بڑھ گیا۔

☆.....☆.....☆

بیلا کو لمبو ایئر پورٹ پر ٹرالی میں اپنا سوٹ کیس، وینٹی بیگ رکھے لاؤنج کے وسط میں کھڑی تھی۔ باہر تیز بارش ہو رہی تھی۔ اسے یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ گوتم کا بنگلہ کہاں ہے..... صرف اتنا جانتی تھی کہ یہ بنگلہ دریا کنارے نورو ویلیا میں ہے۔ گوتم نے اسے یہاں کئی مرتبہ آنے کے لئے کہا لیکن اس نے ہمیشہ یہ جاننے کے باوجود انکار کیا تھا کہ سری لنکا ایک بہت خوبصورت سرسبز و شاداب ملک ہے لیکن اب اسے گوتم کی رفاقت کی ضرورت تھی اور وہ ہر

قیمت پر اس کے بنگلے پر پہنچنا چاہتی تھی۔

بیلا ٹرالی لے کر کاؤنٹر کی طرف بڑھ گئی۔ وہاں بیٹھی ہوئی لڑکی ایک شخص سے کہہ رہی تھی۔ ''مسٹر تیج ناتھ! میں آپ کو ہرگز یہ مشورہ نہیں دوں گی کہ اس سے سفر کریں..... بہتر ہے کہ آپ کل تک انتظار کی زحمت کرلیں، یہ زیادہ بہتر اور مناسب ہوگا۔'' پھر اس نے بیلا کی طرف دیکھ کر کہا۔ ''مسز پلیز! ایک منٹ۔''

اس شخص نے جسے کاؤنٹر والی لڑکی نے مسٹر تیج ناتھ کہہ کر مخاطب کیا تھا، اس نے پلٹ کر بیلا کو دیکھا۔ ان دونوں کی نظریں آپس میں پیوست ہوگئیں۔ بیلا کو اپنے جسم میں برقی رو دوڑتی ہوئی محسوس ہوئی۔ اس کے اندر کی عورت جسے اس نے تھپک تھپک کر سلا دیا تھا، وہ پھر سے ایک دم بیدار ہوگئی جس کی وجہ سے وہ صبح ہی ایک انتہائی تلخ تجربے سے دوچار ہوئی تھی..... یہ شخص تیج ناتھ بڑی سحر انگیز شخصیت کا مالک تھا۔ بیلا اس سے جیسے سب کچھ بھول گئی۔

''پہلے ان محترمہ کی بات سن لو روزی!'' تیج ناتھ نے کہا۔ ''مجھے کوئی جلدی نہیں ہے۔''

''فرمائیے مس.....!'' اس لڑکی نے بیلا کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ ''کیا حکم ہے؟''

''میں مسز گوتم نائیک ہوں..... کیا میرے شوہر نے کل آپ کے ہاں سے گاڑی کرائے پر لی تھی؟''

گوتم کا نام سن کر لڑکی سرتاپا پگھل گئی۔ ''وہ ممبئی سے اپنی گاڑی لے کر آئے تھے، وہ اسی گاڑی میں اپنے بنگلے کی طرف روانہ ہوئے تھے۔''

''کیا آپ بتا سکتی ہیں کہ میں نورویلیا..... سمندر کے کنارے کس طرح پہنچ سکتی ہوں؟'' بیلا نے کہا۔ ''میں اپنے شوہر کے بنگلے پر جانا چاہتی ہوں..... میں چاہتی ہوں کہ آپ میری رہنمائی کریں۔''

''آپ نورویلیا تک تو جا سکتی ہیں..... لیکن ان کی رہائش گاہ تک پہنچنا ممکن نہیں ہے۔'' لڑکی نے جواب دیا۔

''معاف کیجیے گا شریمتی جی!'' تیج ناتھ نے کہا۔ ''میں مسٹر گوتم کا ہمسایہ ہوں، میرا بنگلہ ان کے بنگلے کے قریب ہے۔'' بیلا نے اپنے حسین چہرے پر دلکش تبسم سجاتے ہوئے تیج ناتھ کی طرف دیکھا۔

''کیا اتفاق ہے مسٹر تیج ناتھ.....! میرا خیال ہے کہ گوتم نے مجھ سے آپ کا تذکرہ ضرور کیا ہے۔'' حالانکہ بیلا کی یہ بات سو فیصد جھوٹ تھی۔

''میں ادھر ہی جا رہی ہوں لیکن آج رات نہیں.....! مس روزی نے بتایا ہے کہ بارش کی وجہ سے وہاں پہنچنا بہت مشکل ہے..... شاید آپ کے شوہر آپ کو لینے کے لئے آئے ہوں..... اگر نہیں پہنچے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ بارش کی وجہ سے انہیں دشواری ہوئی ہوگی۔''

بیلا مسکراتی ہوئی کاؤنٹر سے قدرے ہٹ گئی۔ تیج ناتھ اس کے ساتھ تھا۔ وہ بولی۔ ''انہیں اطلاع نہیں ہے کہ میں آ رہی ہوں، میں دراصل اپنے شوہر کو سرپرائز دینا چاہتی ہوں۔''

تیج ناتھ نے گہری نظر سے اس کا جائزہ لیا۔ اس نے بشرے سے بھانپ لیا کہ وہ شوہر کے پاس جانے کے لئے بہت بیتاب ہو رہی ہے۔ وہ بولا۔ ''آپ آج رات کو وہاں کسی قیمت پر نہیں جا سکتیں، ہاں البتہ صبح بارش رک گئی تو آپ وہاں جا سکیں گی، اگر آپ کو کوئی اعتراض نہ ہو تو میں خود آپ کو وہاں لے جا سکتا ہوں۔''

''یہ تو آپ کی بڑی عنایت ہوگی..... اس کا مطلب یہ ہے کہ آج رات کے لئے مجھے کسی ہوٹل میں قیام کرنا ہوگا؟''

بیلا نے بڑی بے بسی سے دلکش انداز سے مسکراتے ہوئے تیج ناتھ کی طرف دیکھا۔ یہ اس کی وہ قاتل مسکراہٹ تھی جس نے اسے ماضی میں بہت سی کامیابیوں سے ہمکنار کیا تھا۔ پھر اس نے پوچھا۔ ''مسٹر تیج ناتھ! کیا آپ یہاں کسی اچھے ہوٹل سے واقف ہیں؟''

تیج ناتھ نے ناقدانہ انداز سے اس کا سرتاپا جائزہ لیا۔ اس کے حسن کی حشر سامانیاں واضح تھیں۔ تیج ناتھ نے مسکرا کر جواب دیا۔ ''میں ہر دو تین ماہ بعد آتا ہوں،

یہاں ایک نہایت عمدہ ہوٹل ہے، اس ہوٹل کا نام سندر سپنا ہے..... واقعی وہ اپنے نام سے مناسبت رکھتا ہے، وہیں میرا قیام ہوتا ہے، اکثر مسافر اور سیاح اس میں ٹھہرتے ہیں، آپ کہیں تو میں آپ کے ٹھہرنے کا بندوبست کردوں؟''

''اگر آپ کو زحمت نہ ہو تو.....!'' وہ بولی۔

''اس میں زحمت کی کیا بات ہے.....؟ یہ تو میری عزت افزائی ہے..... میں ٹیکسی کا انتظام کرتا ہوں، بہتر ہے کہ آپ اپنا سامان یہیں چھوڑ دیں..... ارے ہاں.....! کیا آپ مسٹر گوتم کو فون نہیں کریں گی؟''

''نہیں.....! دراصل میں اچانک ان کے سامنے جانا چاہتی ہوں۔'' وہ رسیلی آواز میں بولی۔

ان دونوں نے مسکرا کر ایک دوسرے کو دیکھا۔ دونوں اس مسکراہٹ میں پوشیدہ پیغام سے واقف تھے۔

''اچھا.....! آپ یہاں انتظار کریں، میں انتظام کر کے ابھی واپس آتا ہوں۔'' تیج ناتھ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔

بیلا پر نشے کی سی کیفیت طاری ہو رہی تھی..... وہ بھول گئی تھی اسے آج سنیل کے ساتھ کس تجربے سے گزرنا پڑا تھا..... وہ پھر کاؤنٹر کی طرف بڑھ گئی۔ کاؤنٹر پر بیٹھی کروزی سے پوچھا۔ ''یہ مسٹر تیج ناتھ کون ہیں اور کیا کرتے ہیں؟''

روزی نے دلکش انداز سے مسکراہٹ کو اپنے ہونٹوں پر بکھیرتے ہوئے جواب دیا۔ ''یہ ممبئی شہر کے نہیں بلکہ ہندوستان کے بہت بڑے اور نامور وکیل ہیں..... تیج ناتھ فی کمپنی کے سینئر پارٹنر بھی ہیں..... ممبئی میں وکیلوں کی ایک بہت بڑی فرم ہے جس کے مالک ہیں..... آپ کے شوہر کی طرح یہ بھی ایک بہت اہم شخص ہیں۔''

''بہت بہت شکریہ!'' بیلا نے جواب دیا اور وہاں سے ہٹ آئی۔

وہ کوئی پانچ سات منٹ کے بعد واپس آیا۔ اس نے آتے ہی معذرت خواہانہ لہجے میں کہا۔ ''مجھے افسوس ہے کہ آپ کو اتنی دیر انتظار کرنا پڑا..... مجھے ہوٹل میں کمرا حاصل کرنے میں قدرے مشکل پیش آئی، سیاح اس پر ٹوٹ پڑے تھے، میری پرانی شناسائی کام آ گئی، منیجر نے بندوبست کر دیا..... بارش کی وجہ سے ہر شخص ہوٹل میں ٹھہرنے کا فیصلہ کر چکا تھا، ہوٹل کے تمام کمرے بھر چکے ہیں۔''

بیلا نے اس کی وضاحت کو سنا اور مسکرا دی۔ پھر وہ دونوں باہر آ گئے۔ وہ گاڑی سے ہوٹل پہنچے۔ مختصر سے راستے میں وہ دونوں ایک دوسرے سے مزید بے تکلف ہوگئے ویسے بیلا کی یہ عادت تھی کہ وہ جلد ہی گھل مل جاتی تھی۔

ہوٹل پہنچ کر بیلا کو احساس ہوا کہ کس قدر اہم شخص ہے تیج ناتھ.....! ہوٹل کے منیجر سے لے کر ہر شخص اس کے آگے بچھا جا رہا تھا۔

ان کے کمرے برابر، برابر تھے۔ بیلا نے اپنے کمرے کا جائزہ لیا۔ اسے توقع نہیں تھی کہ کولمبو میں اس کے شہر سے اچھا ہوٹل ہوگا۔ اس نے اپنے کمرے کا جائزہ لیا۔ کمرا بڑے شاندار انداز میں سجا ہوا تھا۔ واقعی کمرا ایک سندر سپنا معلوم ہوتا تھا۔

''اچھا اب آرام کیجیے۔'' تیج ناتھ نے کہا۔ ''مسز گوتم! ساڑھے آٹھ بجے نیچے کھانا ساتھ ہی کھائیں گی نا؟''

''ضرور.....! بیلا نے مسکرا کر کہا۔ ''میرا خیال ہے جب ہوٹل اتنا اچھا ہے تو کھانے بھی مزیدار ہوں گے۔''

''جی ہاں!'' تیج ناتھ نے کہا۔

چالیس منٹ کے بعد وہ تیج ناتھ کے ساتھ ریستوران میں بیٹھی رات کا کھانا کھا رہی تھی۔ ساتھ ساتھ وہ مختلف موضوعات پر باتیں بھی کرتے جا رہے تھے۔ واقعی کھانا اس قدر مزیدار تھا کہ ٹینس کلب کا کھانا بھی اس کے سامنے ہیچ تھا لیکن اس نے اچانک ہاتھ کھینچ لیا۔

تیج ناتھ نے کہا۔ ''مسز گوتم! آپ تکلف نہ کریں اور لیجیے..... کیا کھانا پسند نہیں آیا؟''

''بس.....! میں تکلف نہیں کر رہی..... میں اچھے کھانے کی دلدادہ ہوں..... میں نے واقعی کبھی ایسا

لذیذ اور عمدہ کھانا نہیں کھایا..... ہاتھ رک نہیں رہا ہے۔"

"پھر کیا بات ہے جو آپ نے اچانک ہاتھ روک لیا؟" تیج ناتھ نے حیرت سے کہا۔

"اصل میں، میں اپنا وزن بڑھنے سے روکنا چاہتی ہوں، مجھے اس بات کا بہت خیال رکھنا پڑتا ہے، میں نہیں چاہتی اور نہ ہی پسند کرتی ہوں کہ میں موٹی اور بھدی ہو جاؤں..... عورت کا سارا حسن، دلکشی اور کشش اس کے متناسب جسم سے ہوتی ہے۔"

"میرا خیال تھا کہ آپ کو اپنے وزن کے علاوہ دوسروں کا بھی خیال رکھنا ہوتا ہے۔" تیج ناتھ نے کہا۔

"آپ کی بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ آپ کیا کہنا چاہ رہے ہیں؟" بیلا نے بے چینی سے کہا۔

"چلئے چھوڑیے اس بات کو!" تیج ناتھ نے کہا۔ پھر سگریٹ اس کی طرف بڑھایا۔ "آپ پیتی ہیں؟"

"نہیں.....!! اس وقت نہیں۔" بیلا نے کولڈ ڈرنک کی گلاس سے چسکی لیتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔ اس کے سامنے میز پر جو شخص بیٹھا تھا، وہ نہ صرف بے حد خوبصورت اور وجیہہ تھا بلکہ اس میں ایک عجیب سا سحر تھا۔ اس شخص نے ابھی کیا کہا تھا..... "آپ کو دوسروں کا خیال رکھنا ہوتا ہے.....؟"

"آپ کیا کرتے ہیں مسٹر تیج ناتھ!" بیلا نے اس کے چہرے پر نگاہیں مرکوز کر کے سوال کیا۔

"میں ایک وکیل ہوں۔" اس نے جواب دیا۔

"کیا آپ یہاں تعطیلات منانے آئے ہیں.....؟"

"کاروبار کے سلسلے میں بھی اور کچھ تفریح کے لئے بھی..... دراصل آپ کے شوہر سے مجھے کچھ کاروباری معاملات طے کرنے ہیں۔"

بیلا کے جسم میں ایک ناگوار تناؤ سا پیدا ہوا۔ اس نے قدرے تلخی سے کہا۔ "کیا گوتم نائیکے سے.....؟"

"جی ہاں.....! یہ بات آپ کو معلوم ہوگی کہ مسٹر گوتم اور ملنگا تری مل کر ایک بہت بڑی فلم بنا رہے ہیں، ایسی فلم جو آج تک ہندوستان میں نہیں بنائی گئی اور نہ ہی کسی نے اس کے متعلق سوچا..... میں اس سلسلے میں قانونی کارروائیاں مکمل کروں گا۔"

بیلا کے ذہن میں ایک آتش فشاں پھٹ پڑا۔ یہ الو کا پٹھا ملنگا تری بھی یہاں آ چکا تھا..... یہ وہی شخص تھا جو اس کے خیال میں اس کی نگرانی کر رہا تھا..... اس کا مطلب ہے کہ تیج ناتھ کو بھی ضرور اس بات کا کچھ نہ کچھ علم ہوگا، جبھی تو اس نے دوسروں کا خیال رکھنے کا جملہ کہا تھا اور اس کے بعد جیسے انجانے تصورات بکھر گئے۔ وہ منصوبے جو اس نے تیج ناتھ کے حوالے سے بنائے تھے، سب منہدم ہو گئے تھے، اسے ایک مرتبہ پھر گوتم کی یاد بری طرح آئی تھی۔

"گوتم کو یہاں اس لئے بھیجا گیا ہے کہ وہ آرام و سکون کے ساتھ فلم کا اسکرپٹ لکھ سکیں۔" تیج ناتھ کہہ رہا تھا۔ "مسٹر ملنگا تری کو گوتم کی صلاحیتوں پر بہت اعتماد ہے، گوتم کی ان کے دل میں بڑی قدر ہے۔"

"میں جانتی ہوں..... وہ لوگ جن کے پاس طاقت اور اختیارات ہوتے ہیں، ان میں اور ایک گینگسٹر میں کوئی فرق نہیں ہوتا..... وہ دوسروں کی صلاحیتوں کو اپنے فائدے کے لئے استعمال کرتے ہیں، یہ خود غرضی اور دولت کمانے کے ماہر ہوتے ہیں۔" بیلا نے مسکراتے ہوئے سرد لہجے میں کہا۔ "آپ شاید میری بات سے اتفاق کریں؟"

"آپ کے کہنے کے مطابق کیا مسٹر گوتم کو اس بات کا علم نہیں کہ آپ آ رہی ہیں؟" تیج ناتھ نے دریافت کیا۔

بیلا چونک گئی پھر اس نے سنبھل کر کہا۔ "میں شاید بتا چکی ہوں کہ میں انہیں سرپرائز دینا چاہتی ہوں۔"

"آپ یہاں آ گئی ہیں مسز گوتم! کیا اچھا ہوتا کہ آپ اس سے روانگی سے قبل مشورہ کر لیتیں؟" تیج ناتھ نے کہا۔

"کیا آپ کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ میرے

شوہر مجھے دیکھ کر خوش نہیں ہوں گے.....؟ کیا آپ میرے یہاں آنے پر معترض ہیں مسٹر تیج ناتھ! یہ بتائیں کہ آپ کو ہمارے ذاتی معاملات میں دخل دینے کا کیا حق ہے.....؟ ہم میاں، بیوی ہیں، میں ان کی کوئی دوست اور محبوبہ نہیں ہوں۔" اس نے نہایت سخت لہجے میں کہا۔

تیج ناتھ کے چہرے پر اب بھی مسکراہٹ تھی، جیسے اس نے بیلا کے لہجے کا اور اس کی بات کا کوئی اثر نہ لیا ہو۔

"آپ بے حد جذباتی ہو رہی ہیں..... بات محض اتنی سی ہے مسز گوتم کہ مسٹر ملنگا تری یہ چاہتے ہیں کہ گوتم بغیر کسی مداخلت کے یہ اہم اسکرپٹ مکمل کر لیں، کوئی بھی کاروباری یہ پسند نہیں کرتا ہے کہ اسے زبردست نقصان ہو..... آپ یہ بات جانتی ہیں کہ جب کوئی فلم فلاپ ہو تو سارا سرمایہ ڈوب جاتا ہے، لینے کے دینے پڑ جاتے ہیں چونکہ یہ بہت بڑا پروجیکٹ ہے۔ اس لئے مسٹر گوتم بھی پوری توجہ اور انہماک سے اپنا کام مکمل کرنا چاہتے ہیں، اس کے علاوہ موسم بھی ایسا نہیں ہے کہ آپ وہاں جائیں کیونکہ وہاں کے حالات آپ کے مزاج پر گراں گزریں گے..... مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ تمام علاقہ کیچڑ اور دلدل میں بدل گیا ہے، تین دن کی مسلسل دھار بارش سے سڑک بھی بہہ گئی ہے..... اس طرح آپ بنگلے میں قید ہو کر رہ جائیں گی اور اپ کی موجودگی کے باعث مسٹر گوتم اپنے کام پر پوری توجہ نہ دے سکیں گے۔"

بیلا کے لئے ایک ایک لفظ ناگوار تھا۔ اس کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔ وہ تنک کر بولی۔ "بہتر ہوتا کہ آپ ہمارے معاملات میں مداخلت نہ کریں، خواہ آپ ملنگا تری کے احکام کے تحت ہی ایسا کیوں نہ کر رہے ہوں؟"

"میں مداخلت نہیں کر رہا پلیز..... مسز گوتم! آپ میری بات کو سمجھنے کی کوشش کریں..... آپ کو شاید اس بات کا احساس نہیں ہے کہ مسٹر گوتم اس وقت کتنے اہم اور بڑے منصوبے پر کام کر رہے ہیں..... آپ کی فہرست سے ان کی تخلیقی صلاحیتیں متاثر ہو سکتی ہیں..... میں یہ بات بڑی معذرت کے ساتھ کہہ رہا ہوں کہ آپ ابھی بہت کم عمر اور ناسمجھ ہیں..... شاید آپ کو علم نہیں کہ مسٹر گوتم کن صلاحیتوں کے مالک ہیں، یہ بہت اہم منصوبہ ہے اور پھر بہت بڑی رقم کا بھی معاملہ ہے، ہو سکتا ہے کہ آپ کی وجہ سے مسٹر گوتم وقت مقررہ تک یہ کام مکمل نہ کر سکیں۔"

"اگر ایسا ہوا تو کیا مسٹر ملنگا تری بہت زیادہ پریشان ہوں گے؟" بیلا نے پوچھا۔

"جی ہاں.....! اس کے ساتھ ہی مسٹر گوتم بھی بہت زیادہ نقصان میں رہیں گے۔"

"میرا خیال ہے کہ آپ کے تمام خیالات غلط ہیں..... میں گوتم کو جتنا جانتی ہوں، ایک بیوی ہونے کے ناطے کوئی دوسرا نہیں جانتا، وہ مجھے دیکھ کر بے انتہا خوش ہوں گے..... مجھے ایسا لگتا ہے کہ میرے یہاں آنے سے آپ کو زیادہ پریشانی ہے کیونکہ آپ کو ملنگا تری سے بڑی رقم ملنے کی امید ہے..... میں اسے فون کر کے تمام معاملات طے کر لوں گی تاکہ اس کا کلیجہ ٹھنڈا ہو جائے، وہ راتوں کو سکون سے سو سکے۔" بیلا نے سرد لہجے میں کہا۔

"یہ تو بہت اچھی بات ہے مگر افسوس یہ ہے کہ آپ مسٹر گوتم سے فون پر بات نہیں کر سکتیں۔" تیج ناتھ نے کہا۔

"کیوں.....؟" بیلا نے تیز لہجے میں پوچھا۔

"کیا اس کے لئے مجھے ملنگا تری سے اجازت لینی ہوگی.....؟"

"نہیں..... نہیں.....! یہ بات نہیں۔" تیج ناتھ نے جلدی سے کہا۔ "میں انہیں کئی مرتبہ فون کر چکا ہوں، ان کا فون خراب ہے، شاید بارش کی وجہ سے ڈیڈ ہو گیا ہے۔"

"بہتر ہے کہ آپ اس موضوع پر مجھ سے کوئی بات نہ کریں۔" وہ سپاٹ لہجے میں بولی۔

"پہلی مرتبہ مسٹر تیج ناتھ کے چہرے سے مسکراہٹ کافور ہو گئی۔ اس نے غور سے بیلا کو دیکھتے

ہوئے قدرے ناگواری سے کہا۔ ”پھر آپ ہی بتائیں گی کہ آپ کو کس موضوع پر گفتگو کرنا پسند ہے.....؟ آپ کا پسندیدہ موضوع کون سا ہے؟“

”میں اس موضوع کے سوا ہر موضوع پر بات کرنے پر تیار ہوں۔“ وہ بولی۔

”تو پھر میں آپ کی ذات کے بارے میں گفتگو کرنا پسند کروں گا۔“ تیج ناتھ نے کہا۔

”یہ کوئی دلچسپ موضوع نہیں ہے۔“ وہ مسکرائی۔ ”میں ایک عام سی ہستی ہوں، آپ جیسی شخصیت نہیں!“

”مگر میں آپ سے متفق نہیں ہوں..... آپ جوان ہیں مسز گوتم.....! یہ آپ کی خوش قسمتی ہے کہ آپ گوتم جیسی نامور اور امیر و کبیر شخص کی بیوی ہیں..... کیا آپ چاہتی ہیں کہ اسے کھو دیں؟“ تیج نے رک رک کر بڑی سنجیدگی سے کہا۔

”یہ فیصلہ کرنا میرا کام ہے..... ویسے میں آپ کی ایک غلط فہمی دور کر دوں تو بہتر ہے..... آپ یہ بات اچھی طرح جان لیں کہ میں گوتم کو کبھی نہیں کھو سکتی، میں گوتم کو خوب جانتی ہوں، وہ مجھ سے محبت کرتا ہے۔“

”یہ محض خام خیالی ہے۔“ تیج ناتھ نے تبصرہ کیا۔ ”محض خود فریبی.....!“

”اگر یہ بات ہے تب بھی اس سے آپ کا کوئی تعلق نہیں.....“ اس نے تیز نظروں سے تیج ناتھ کو گھورتے ہوئے کہا۔

”میں یہ بات کہنا نہیں چاہتا تھا لیکن میرے خیال میں بہتر ہے کہ آپ کو اس سے آگاہ کر دوں تاکہ آپ سپنوں کی دنیا سے نکل کر حقیقی دنیا کی سنگلاخ زمین پر دم رکھ دیں۔“ تیج ناتھ نے بھی اسے اسی لہجے میں جواب دیا۔ ”آپ کے شوہر کے پاس وہ تمام شہادتیں، ثبوت اور اسباب موجود ہیں جن کی بناء پر وہ کسی بھی مشکل کے بغیر آپ سے طلاق لے سکتا ہے۔“

بیلا کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ ”بہت دلچسپ اور سنسنی خیز اطلاع ہے، ویری ویری تھینکس.....!“

”خیر میں سچ کہہ رہا ہوں۔“ تیج ناتھ نے کہا۔ ”اس لئے بہتر ہے کہ وہی کریں جو میں کہہ رہا ہوں، آپ کل صبح کی پرواز سے واپس چلی جائیں، اس طرح آپ بدمزگی اور خواری سے بچ جائیں گی، یہ میرا مخلصانہ مشورہ ہے۔“

بیلا نے اپنی کافی کا آخری گھونٹ لے کر ختم کی اور مگ رکھ کر بولی۔ ”مجھے نیند آ رہی ہے..... میں اپنے کمرے میں جا رہی ہوں، کل صبح خود ہی اپنے شوہر کے پاس چلی جاؤں گی، مخلصانہ مشورے اور کھانے کا بہت بہت شکریہ!“

وہ تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی ریستوران سے باہر آ گئی۔

☆.....☆.....☆

اگلے روز ناشتے کے بعد شاستری نے اپنی مہم پر روانہ ہونے کی تیاریاں شروع کر لیں تو انسپکٹر سنگارا نے بے چین ہو کر کہا۔ ”احتیاط سے کام کرنا..... میرے لئے ہر ایک کی زندگی کام سے زیادہ عزیز اور قیمتی ہے۔“

”آپ بے فکر رہیں سر!“ شاستری نے بڑے اعتماد سے کہا۔ ”ویسے کوئی اطلاع.....؟“

”میں نے کالی چرن اور سریش سے بات کی ہے..... جن جن کسانوں کے ہاں فون ہیں، ان سے بھی بات ہوئی، میرا خیال ہے کہ رتنا دیو اس علاقے میں نہیں ہے، میرا شک تھا کہ یہاں کے کسان کافی خوشحال ہیں، شاید ان سے رقم وصول کرنے میں نہ لگا ہو۔“ انسپکٹر نے بتایا۔

”بشرطیکہ وہ مسٹر گوتم کے بنگلے میں نہ ہو..... میرا اب یہی خیال ہے کہ وہ وہیں موجود ہے، اگر ٹیلی فون کا تار اکھڑا ہوا نہ ہوتا تو مجھے شک نہ ہوتا، اس لئے میں مسٹر گوتم کے گھر کو چیک کرنا چاہتا ہوں۔“ شاستری نے کہا۔

”میرا خیال ہے کہ تم تنہا ادھر نہ جاؤ۔“ انسپکٹر سنگارا نے فکرمندی سے کہا۔ ”میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔“

(جاری ہے)

آسیبی ڈھانچہ

خلیل جبار

خوفناک اور سرکش ڈھانچے کو قبرستان میں دفن کر دیا گیا تھا، اب اس علاقے کے لوگ پرسکون ہو گئے تھے ان کے دل سے ڈر نکل چکا تھا کہ اب ڈھانچہ کو کوئی بھی نقصان نہیں پہنچائے گا۔

دل کی دھڑکن..... تہہ و بالا کرتی رات کے اندھیرے میں جنم لینے والی ڈراؤنی کہانی

دانش کی جیسے ہی کھڑکی پر نظر پڑی۔ اس کا دل دھک سے رہ گیا۔ خوف سے اس کا خون خشک ہو کر رہ گیا تھا۔ کھڑکی سے باہر ایک انسانی ڈھانچہ کھڑا تھا۔ اس کی آنکھیں زیرو بلب کی طرح چمک رہی تھیں۔ ڈھانچہ اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

”کک..... کک..... کون ہو تم؟“ دانش نے خوف کی حالت میں بھی اس سے سوال کر لیا۔

”تم کون ہو مجھ سے سوال کرنے والے، سوال مجھے تم سے کرنا چاہیے۔ میں کئی سالوں سے اس کوارٹر میں رہ رہا ہوں، تمہاری ہمت کیسے ہوئی میرے اس کوارٹر میں گھسنے کی۔“ ڈھانچے نے کہا۔

”میں واقعی اس کوارٹر میں آج ہی آیا ہوں۔“ دانش نے بتایا۔

وہ رات ہی فیکٹری میں کام کرنے آیا تھا۔

دانش پہلے نوری آباد کی کئی ٹیکسٹائل ملز میں کام کر چکا تھا۔ ان دنوں وہ بے کار تھا۔ اس کا تعلق حیدر آباد شہر سے تھا۔ کراچی کی ایک ٹیکسٹائل ملز میں نوکری مل گئی تھی۔ ٹیکسٹائل ملز میں کام کرنے والے بلاز مین کو کوارٹر دیئے جاتے تھے تاکہ وہ ٹیکسٹائل ملز کے قریب ہی رہ سکیں۔ ایک کوارٹر خالی ہونا تھا مگر اس میں دو ہفتے لگنا تھے۔ اسی وقت دانش کو جیسے تیسے گزارا کرنا تھا۔ ایک کوارٹر خالی ضرور تھا لیکن وہ کسی کو دیا نہیں جاتا تھا۔ دانش کے علم میں جب خالی کوارٹر کا آیا تو اس نے کوارٹرز انچارج سے وہ کوارٹر مانگ لیا۔ انچارج نے اسے کوارٹر استعمال کرنے سے منع کر دیا۔ مگر دانش بضد تھا۔ فی الحال اسے وہ کوارٹر دے دیا جائے۔

''سر جی یہ کوارٹر لے کر پریشان ہو جائیں گے۔''

''کیوں پریشان ہو جاؤں گا۔''

''اس کوارٹر میں جو جاتا ہے۔ ایک رات بھی صحیح سے گزار نہیں سکتا اور آدھی رات میں کوارٹر چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوتا ہے۔ اس لیے ہم اب وہ کوارٹر کسی کو نہیں دیتے۔'' انچارج نے بتایا۔

''سلیم میاں میں بھاگنے والوں میں سے نہیں ہوں۔'' دانش نے کہا۔

''دیکھ لیں کوارٹر کے اس کمرے میں آسیب ہے۔''

''میں اس آسیب سے دوستی کر لوں گا۔'' میں لوگوں سے دوستی کرنے میں دیر نہیں کرتا ہوں۔''

کوارٹرز انچارج سلیم نے اسے پر اعتماد لہجے میں بات کرتا دیکھ کر کوارٹر دے دیا تھا۔ دانش کا خیال تھا کہ کوارٹرز انچارج سلیم اسے یہ کوارٹر دینا نہیں چاہتا اس لیے ایسی بات کر رہا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ کوارٹر وہ اپنے کسی دوست کو دینا چاہتا ہے۔ اس لیے آسیب زدہ قرار دے کر اسے ڈرا رہا ہے۔ اس کوارٹر میں جب دانش آیا وہ بہت گندا ہو رہا تھا۔ گندگی کے سبب سخت بدبو آ رہی تھی۔ ایسی حالت میں وہ کس طرح سو سکتا تھا۔ دانش نے کمرے سمیت پورے کوارٹرز کی صفائی کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ کوارٹرز کو قابل استعمال بنانے کو اسے خاصی محنت کرنا پڑی تھی۔ کوارٹر صاف ستھرا ہو جانے پر وہ سونے کے لئے بیڈ پر لیٹ گیا۔

دانش ٹیکسٹائل ملز کی مشینوں کا ماہر انجینئر تھا۔ ایک سال سے بے روزگار تھا۔ وہ مسلسل بے روزگاری سے تنگ آ گیا تھا۔ اس لئے روزگار کے سلسلے میں کراچی آ گیا تھا۔ ایک مختصر سا انٹرویو کر کے اسے ٹیکسٹائل ملز میں نوکری دے دی گئی تھی۔ اسے ڈیوٹی جوائن کرنے کے لئے پندرہ دن کی مہلت اس لیے دی گئی تھی کہ اسے جو کوارٹر دینا تھا وہ دس دن بعد خالی ہونا تھا۔ بے روزگاری سے تنگ دانش نے فوراً ہی ڈیوٹی جوائن کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ وہ مختصر سے سامان کے ساتھ کراچی آ گیا۔ اسے فیکٹری پہنچنے میں دیر ہو گئی تھی۔ دانش رات کو وہاں پہنچا تھا۔ اس کے اتنے جلدی آنے پر کوارٹرز انچارج سلیم بھی پریشان ہو گیا کہ اسے کون سا کوارٹر دے سب ہی کوارٹر استعمال میں تھے۔ کوئی بھی کوارٹر خالی نہ تھا۔ ایک آسیبی کوارٹر کے دانش کی مدد کرنے پر اس نے آسیب زدہ کوارٹر دانش کو دے دیا۔

''تم کو یہ کمرہ چھوڑنا پڑے گا۔'' ڈھانچے نے کہا۔

''کیوں چھوڑنا پڑے گا۔'' دانش نے پوچھا۔

''بس میری مرضی میں نہیں چاہتا کہ اس کمرے میں کوئی رہے۔''

''تم کیوں نہیں چاہتے میں نہیں رہوں۔''

''میرے مرنے سے پہلے یہ کوارٹرز میرے استعمال میں تھا۔ میں اس دنیا میں نہیں ہوں اس لیے اب یہ میری ملکیت ہے۔''

''اچھا تم مر چکے ہو۔'' دانش نے کہا۔

''ہاں میں مر چکا ہوں۔''

''مردے کا اصل ٹھکانہ قبرستان ہوتا ہے تم بھی دوسروں کی طرح قبرستان میں جا کر رہو۔'' دانش نے کہا۔

''تمہیں باتیں بنانا بہت آتی ہیں۔''

''یہ تمہیں کیسے اندازہ ہوا۔ ابھی ملاقات کو چند منٹ ہوئے ہیں اور میرے بارے میں اتنا جان گئے ہو۔''

''میرے کسی انسان کو نظر آنے پر وہ حواس باختہ ہو جاتا ہے اور کمرے سے نکل بھاگتا ہے تم مجھ سے ڈرنے کے بجائے کمرے میں ڈٹے ہوئے ہو۔ اس بات سے اندازہ ہو رہا ہے۔ کہ تم باتیں کرنے کے شوقین ہو اس لیے تمہیں باتیں بنانی آتی ہیں۔'' ڈھانچے نے کہا۔

''تم کیسے مر گئے تھے؟'' دانش نے پوچھا۔

''میں اس ٹیکسٹائل ملز میں ملازم تھا اور میں اپنی حماقت سے مرا تھا۔''

''اپنی حماقت سے تمہارا انتقال ہوا ہے۔''

''مجھے سگریٹ پینے کا بہت شوق تھا۔''

''سگریٹ پینے سے تمہارا یہ حال ہوا ہے۔''

''پہلے پوری بات سن لو پھر اپنی چونچ کھولنا۔'' ڈھانچے نے کہا۔

''مجھے تم بہت دلچسپ لگ رہے ہو، باہر کیوں کھڑے ہو، اندر آ جاؤ۔'' دانش نے کہا۔

وہ ڈھانچہ کھڑکی کے راستے اندر چلا آیا۔

دانش کو اس ڈھانچے سے خوف ضرور آ رہا تھا مگر اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اور اگر اس نے اسے نقصان پہنچانے کی کوشش کی وہ کسی سخت چیز کے وار سے اس ڈھانچے کی ہڈیاں اس کے جسم سے الگ کر دے گا۔

''میں اس دن مشینوں کی صفائی کر رہا تھا۔ جس کی وجہ سے میرا پورا جسم مٹی کے تیل میں ہو گیا تھا۔ کپڑے بھی تیل سے تر تھے۔ کام کرتے ہوئے مجھے سگریٹ کی طلب ہوئی میں نے جیسے ہی سگریٹ سلگانے کے لئے ماچس کی تیلی جلائی تو آگ میرے کپڑوں میں لگ گئی۔ مجھے کچھ نہ سوجھا۔ میں نے اپنے آپ کو آگ سے بچانے کے لئے پانی کے ڈرم میں چھلانگ لگا دی۔ بس میری یہی حماقت تھی۔''

''پانی سے آگ نہیں بجھی ہو گی۔'' دانش نے کہا۔

''وہ پانی نہیں مٹی کے تیل سے بھرا ڈرم تھا۔ چند لمحوں میں میرے جسم کا سارا گوشت جل گیا تھا۔ ڈھانچہ باقی بچ گیا تھا۔ میرا ڈھانچہ مٹی کے تیل سے باہر نکلا اور اپنے کوارٹر کی طرف بھاگا جو مجھے دیکھتا۔ خوف زدہ ہو کر وہاں سے بھاگ جاتا۔ میں اپنے کمرے میں آ کر چھپ گیا اور جب سے یہاں رہ رہا ہوں۔ اس جگہ رہنے کے لئے جو بھی آتا تھا۔ میں اسے ڈرا کر بھگا دیتا تھا۔ اس طرح یہ کوارٹر مستقل میرے پاس آ گیا ہے۔ میں بھی اس کا اتنا عادی ہو گیا ہوں کہ، یہاں سے جانا نہیں چاہتا۔''

''تم مر چکے ہو تمہیں قبرستان میں دفن ہو جانا چاہئے تھا۔'' دانش نے کہا۔

''میں مرنے کے بعد آسیب میں تبدیل ہو گیا ہوں۔ اس لیے میں آسانی سے ادھر ادھر چلا جاتا ہوں۔'' ڈھانچے نے کہا۔

''مجھے تم سے دلی ہمدردی ہے۔ تمہارے ساتھ اچھا نہیں ہوا۔''

''ہاں یہ بات میں بھی جانتا ہوں، اب تم یہاں سے چلتے پھرتے نظر آؤ۔''

''کیوں؟'' میں نے تمہیں بتا دیا ہے، اب یہ کوارٹر میرا ہے اور میں یہاں کسی دوسرے انسان کی موجودگی برداشت نہیں کرتا۔'' ڈھانچے نے کہا۔

''یہ کوارٹر بہت گندا اور خراب ہو رہا تھا۔ میں نے اس کمرے کو چمکانے میں بڑی محنت کی ہے۔ اپنے شہر سے یہاں آنے تک سفر بھی کیا ہے۔ اس لئے تھکن سے چور، چور ہو چکا ہوں۔ تم کیسے بے مروت ہو جو ایک رات بھی مجھے یہاں رکنے پر تیار نہیں ہو۔''

''کیا میں نے تمہیں صفائی کرنے کا حکم دیا تھا۔''

''نہیں میں نے اپنی مرضی سے کمرے کی صفائی کی ہے تا کہ رات سکون کی نیند سو سکوں۔'' دانش نے کہا۔

''مجھے تم سے دلی ہمدردی ہے کہ تم نے اس کمرے کو صفائی کرنے میں بڑی محنت کی ہے لیکن میں یہ کسی صورت گوارا نہیں کروں گا۔ تم یہاں رات بسر کرو۔'' ڈھانچے نے کہا۔

''مجھ میں اب اتنی بھی ہمت نہیں ہے کہ بیڈ سے

اٹھ کر باہر جا سکوں۔“ اس نے کہا۔
”میں تمہیں زبردستی بیڈ سے اٹھا کر پھینک دوں گا۔“ ڈھانچے نے کہا۔
”پھینک دو۔“
دانش کا خیال تھا کہ وہ ایسا نہیں کرے گا۔ کوارٹر کی صفائی کرتے ہوئے دانش بری طرح تھک چکا تھا۔ اس میں اتنی ہمت نہ تھی کہ وہ بیڈ سے اٹھ جاتا۔ اگر اس میں ہمت ہوتی۔ اٹھ سکے تو وہ پہلے ہی ڈھانچے کو دیکھ کر بھاگ چکا ہوتا۔ ڈھانچہ نے آگے بڑھ کر جیسے ہی دانش کو گلے سے پکڑ کر اٹھانا چاہا۔ اسے ایک زوردار جھٹکا لگا اور وہ گھبرا کر پیچھے ہٹ گیا۔ دانش بھی اس کے اس طرح پیچھے ہٹنے پر حیرت زدہ ہو گیا تھا۔
”تم...... تم نے کوئی ایسا تعویذ پہنا ہوا ہے۔ جس کی وجہ سے میں تمہیں کسی بھی قسم کا نقصان نہیں پہنچا سکتا۔“ ڈھانچے نے اعتراف کیا۔
اس کی بات پر دانش کو یاد آ گیا۔ وہ کچھ دن پہلے بیمار پڑ گیا تھا اور مولوی صاحب نے اسے ایک تعویذ گلے میں ڈالنے کو دیا تھا۔ اس وقت اس کے گلے میں وہی تعویذ موجود تھا۔
”کمال ہے تم تھوڑی دیر قبل بڑی بات کر رہے تھے اور ایک معمولی تعویذ کی بدولت میرے قریب نہیں آ سکتے۔“ دانش نے اس کا مذاق اڑایا۔
”میں تسلیم کرتا ہوں واقعی اس تعویذ کی وجہ سے میں تمہارے پاس نہیں آ سکتا۔ ورنہ تمہیں اس کمرے سے نکال باہر کرنا میرے لئے معمولی بات تھی۔“ ڈھانچے نے کہا۔
”اب تم کمرے سے باہر نکل جاؤ مجھے سخت نیند آ رہی ہے۔“ ”میں کسی قسم کی مداخلت پسند نہیں کرتا۔“ دانش نے کہا۔
ڈھانچے کی بات سن کر اسے اعتماد آ گیا تھا۔
”میں ابھی جا رہا ہوں مگر میں تمہیں اس حرکت کا مزا چکھا کر رہوں گا۔“ یہ کہتے ہوئے ڈھانچہ کمرے سے باہر نکل گیا۔

تھکن بہت زیادہ ہو گئی تھی اس لئے دانش صبح خاصی دیر تک سوتا رہا جب کوارٹر انچارج نے اس کے دروازے پر دستک دی۔ وہ بیدار ہوا۔
”ارے تم کوارٹر میں موجود ہو، رات کیسے کمرے میں گزار دی۔“ اس نے پوچھا۔
”سو کر گزار دی اور کیسے گزارتا۔“ دانش نے کہا۔
”رات تم کو یہاں کچھ نظر نہیں آیا۔“
”تم اس ڈھانچے کے بارے میں پوچھنا چاہتے ہو جو اس کوارٹر کو اپنی ملکیت سمجھتا ہے۔“ دانش نے پوچھا۔
”ہاں میں اس کے بارے میں پوچھ رہا ہوں۔“ کوارٹر انچارج نے کہا۔
”وہ رات کو آیا تھا۔ میں نے اس سے کہہ دیا تھا کہ میں بہت تھکا ہوا ہوں اس لئے میں کسی قسم کی کوئی گڑبڑ نہیں چاہتا اس لئے نو دو گیارہ ہو جاؤ۔“
”اور وہ چلا گیا۔“ اس نے حیرت سے دانش کو دیکھا۔
”ہاں وہ چلا گیا تھا جبھی میں پرسکون نیند سویا ہوں۔“
”کمال ہے تم پہلے شخص ہو جو تم نے اسے بھگا دیا۔“
”میں نہا لوں پھر ناشتہ کروں گا۔“ یہ کہتے ہوئے دانش نہانے چلا گیا۔
دانش نے ناشتہ کر کے اپنی ڈیوٹی جوائن کر لی۔ ٹیکسٹائل ملز میں جس کو بھی دانش کے آسیب زدہ کمرے میں رات گزارنے کے بارے میں پتا چلا وہ حیران رہ گیا۔ سب ہی حیرت زدہ تھے۔
رات ہونے پر ڈھانچہ دوبارہ دانش کے پاس آ گیا۔
”تم نے ایک رات یہاں گزارنے کی بات کی تھی۔ آج پھر میرے کمرے میں آ گئے ہو۔“
”میں واقعی تمہارا کمرہ چھوڑ دیتا مگر اب نہیں

چھوڑوں گا۔“
”کیوں نہیں چھوڑو گے۔“
”رات میں بہت تھکا ہوا تھا۔ اس کے باوجود تم نے مجھے گلے سے پکڑ کر باہر پھینکنے کی کوشش کی تھی۔ میرے گلے میں پڑے تعویذ کی بدولت بچ گیا۔ اس بات پر مجھے غصہ آ گیا اور میں نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ اب اس کوارٹر میں رہوں گا، تمہیں یہاں رہنا ہے تو پھر کسی اور کوارٹر میں اپنا ٹھکانہ بنا لو۔“
”میری اس کوارٹر سے یادیں جڑی ہوئی ہیں۔ میں کسی طرح اس کمرے سے خود کو جدا نہیں کر سکتا۔“ ڈھانچے نے کہا۔
”جب تک میں یہاں ہوں مجھے برداشت کرو، جیسے تیسے دن گزار لو۔ پھر کچھ دن گزرنے پر تمہارے متعلق سوچوں گا۔“ دانش نے کہا۔
”تم یہ اچھا نہیں کر رہے ہو۔“
”تم نے کون سا یہاں آنے والوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا ہے، جو مجھے اس اچھے سلوک کی توقع کر رہے ہو۔“
”دانش میری ایک بات کان کھول کر سن لو جس دن تم نے اپنے گلے سے تعویذ اتار کر کہیں رکھا اس دن کمرے سے باہر تمہاری لاش پڑی ہو گی۔“
”یہ بات بتانے کا بہت بہت شکریہ۔“ دانش نے کہا۔
”ڈھانچے کو اس کی بات پر بہت غصہ تھا لیکن وہ کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔“ ”میں دن بھر کا تھکا ہوا ہوں، تم اب سو جاؤ، میں سونا چاہتا ہوں۔“ دانش نے کہا۔ ڈھانچہ کمرے سے چلا گیا۔
”کئی دن گزر گئے۔ ڈھانچہ وہاں آتا ضرور تھا لیکن کھڑکی سے دانش کو دیکھ کر چلا جاتا تھا۔ جو کوارٹر دانش کو ملنا تھا۔ وہ خالی ہو چکا تھا۔ لیکن دانش کو وہ کوارٹر پسند آ گیا تھا۔ اس لئے دانش نے اس کوارٹر میں رہنا پسند کر لیا تھا۔ ٹیکسٹائل ملز کے مالکان اور مزدور بھی اس کے کوارٹر میں رہنے پر حیران تھے۔ ایک ماہ ہونے پر وہ

تم آزاد ہو......!

کانٹوں پر رہتے ہوئے بھی ہوا کے گیلے جھونکے محسوس کر کے پھول کی طرح مسکرایا کرو۔ شک وشبہ کو اپنے دماغ میں کسی صورت بھی پیدا نہ ہونے دو۔ زندگی کا ہر لمحہ، ہر پل محبت کا ہے۔ اس لیے وقتی خوشی کو دائمی مسرت جانا کرو۔ سب سے پیار کرو، سب کو اچھا سمجھو لیکن کسی سے یہ توقع نہ رکھو کہ وہ بھی تم سے پیار کرے اور اچھا سمجھے۔
تم دن کے آفتاب کے سامنے بھی آزاد ہو، تم رات کے چاند ستاروں کے سامنے بھی آزاد ہو۔ تم وہاں بھی آزاد ہو جہاں نہ سورج ہے نہ چاند ہے، نہ تارے ہیں، بلکہ کائنات کی طرح آنکھیں بند رکھنے کے بعد بھی آزاد ہو لیکن تم غلام ہو تو اس چیز کے سامنے جس سے تم محبت کرتے ہو۔
(ایس امتیاز احمد۔ کراچی)

چند دن کی چھٹی پر اپنے گھر چلا گیا۔ اس کی ملاقات مسجد میں مولوی کرامت سے ہو گئی۔ اس نے مولوی صاحب کو خود پر گزرنے والی کہانی سنا دی۔ جس پر مولوی صاحب مسکرا دیئے۔ کچھ دیر تک وہ کچھ پڑھتے رہے اور پھر بولے۔
”جس شخص کا وہ ڈھانچہ ہے وہ مر چکا ہے۔ آسیب نے اس ڈھانچے پر قبضہ کر لیا ہے۔ بظاہر ایسا لگتا ہے ڈھانچہ خود چل رہا ہے۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔ آسیب کی مدد سے ڈھانچہ حرکت کرتا ہے۔ ایک جگہ سے دوسری جگہ چلا جاتا ہے۔ آسیب کا جہاں کہیں بھی بسیرا ہو، وہ یہ

چاہتا ہے کہ اس جگہ پر کسی انسان کی مداخلت نہ ہو، آسیب نے مرنے والے کے کمرے پر قبضہ کرلیا ہے۔ اور وہ اس کمرے میں کسی کو آنے نہیں دیتا، میں تم کو پانی کی بوتل دوں گا، بوتل کے پانی پر میرا دم کیا ہوا ہوگا۔ تم کسی بہانے سے ڈھانچے کو اپنے پاس بلا کر اس پر بوتل کا پانی ڈال دینا۔ اس طرح وہ ڈھانچہ آسیب کے قابو میں نہیں رہے گا۔ تم پہلی فرصت میں اس ڈھانچے کو قبرستان میں دفن کرا دینا تاکہ پھر کوئی آسیب اس پر قابض نہ ہوسکے۔'' مولوی صاحب نے کہا۔

دانش نے کراچی جانے سے قبل مولوی صاحب سے پانی کی بوتل لے لی تھی۔ رات میں جب دانش اپنے بیڈ پر لیٹا ہوا تھا۔ اسے کھڑکی میں ڈھانچہ کھڑا ہوا نظر آیا۔

''کیا بات ہے ان دنوں مجھ سے ناراض رہنے لگے ہو؟'' دانش نے پوچھا۔

''ہاں میں تم سے ناراض ہوں۔ تم نے میرے کوارٹر پر قبضہ کرلیا ہے۔''

''اب یہ ناراضگی ختم کردو اور میرے پاس آؤ، ہم دوستی کرلیتے ہیں۔''

''میں تم سے دوستی نہیں کرسکتا۔''

''کیوں؟''

''میری ایک شرط ہے۔ اس کے تحت تم سے دوستی ہوسکتی ہے۔''

''شرط ہے کیا شرط ہے؟''

''تمہیں میرا کوارٹر چھوڑنا ہوگا، اس صورت میں دوستی ہوسکتی ہے۔'' ڈھانچے نے کہا۔

''اچھا اندر آجاؤ، اس مسئلے پر بات کرلیتے ہیں۔'' دانش نے کہا۔

''میں اندر آجاتا ہوں، مگر میری شرط یہی ہے کہ دوستی کرنے کی خاطر تمہیں اس کوارٹر کو چھوڑنا پڑے گا۔ کیا تمہیں یہ منظور ہوگا۔''

''مجھے یہ احساس ہوگیا ہے کہ تمہارے ساتھ واقعی زیادتی ہوگئی ہے۔ مجھے تمہارے کوارٹر پر قبضہ نہیں کرنا چاہئے تھا۔'' دانش نے کہا۔

ڈھانچہ چلتا ہوا کمرے میں آگیا۔ اس کے کمرے میں آنے پر دانش اٹھ کھڑا ہوا۔ ''میں تمہاری کیا خدمت کروں۔'' دانش نے پوچھا۔

''میں ایک مرا ہوا انسان ہوں اور مرے ہوئے لوگ کچھ نہیں کھاتے۔''

''اچھا ایسی بات ہے۔'' یہ کہتے ہوئے دانش نے اچانک سے وہ بوتل سائیڈ سے نکالی اور بوتل کا پانی اس پر چھڑک دیا۔ ایک زوردار چیخ بلند ہوئی اور ڈھانچہ زمین پر گر پڑا۔ آسیب ڈھانچے سے نکل گیا تھا۔ دانش نے اسی وقت انچارج کوارٹرز کو بلایا اور اس کو ڈھانچے کی تدفین کے متعلق بات کی وہ اس ڈھانچے کی تدفین کو تیار ہوگیا۔ کوارٹرز کے مکین پہلے ہی اس ڈھانچے کے کبھی کبھار نظر آنے پر پریشان ہوجاتے تھے۔ ڈھانچے کی تدفین ہوجانے پر سب کے دلوں سے ڈھانچے کا خوف نکل جاتا تھا۔

دوسرے دن صبح ہونے پر ڈھانچے کو قریبی قبرستان میں دفن کردیا گیا۔ اس کی تدفین میں ٹیکسٹائل مل کے خاصے لوگ شریک ہوئے۔ جو شریک نہ ہوسکے تھے ان کو کوارٹر کے نزدیک ایک جگہ ڈھانچہ کو کچھ دیر رکھ دیا گیا تھا تاکہ لوگوں کے ذہنوں میں اچھی طرح سے یہ بات سمجھ میں آجائے کہ اس علاقے میں نظر آنے والے ڈھانچے کی تدفین ہوچکی ہے۔

ڈھانچے کی تدفین ہوچکی تھی۔ وہ ڈھانچہ پھر دوبارہ کسی کو نظر نہ آیا۔ اس کے نظر نہ آنے پر کوارٹرز کے لوگ بھی مطمئن ہوچکے تھے۔ رات میں بھی وہ ادھر سے ادھر جانے پر کسی طرح کا خوف محسوس نہیں کرتے تھے۔

دانش بھی خوش تھا کہ اس کی تھوڑی بہادری کا مظاہرہ کرنے پر آسیبی ڈھانچے سے نجات مل گئی تھی۔ اس کے کارنامے سے کوارٹرز کے لوگوں میں اس کی بڑی عزت ہوگئی تھی۔

حقیقت

رضوان علی سومرو۔ کراچی

بزرگ نے منہ ہی منہ میں کچھ پڑھ کر لڑکی پر پھونک ماری تو لڑکی پر سوار جن گویا ہوا۔ یہ شعبدے صرف بچوں کو متاثر کرسکتے ہیں مجھے نہیں تو بزرگ مسکرانے لگے اور دوسری مرتبہ لڑکی پر دم کیا تو......

ایک ضدی جن کی ہٹ دھرمی جس کی وجہ سے گھر والے پریشان تھے، ناقابل فراموش کہانی

رات دبے پاؤں گزرتی جارہی تھی رات کے ... میں چند منٹ باقی تھے۔

ریکس اسٹار کلب کی رونقیں دیکھ کر یوں لگتا تھا ... رات ابھی ابھی جوان ہوئی ہے۔ کلب کے اندر ... قریب قریب ساری میزیں بھر چکی تھیں ... اسٹار کلب اپنے مخصوص طریقے کے پروگرامز کی ... مشہور تھا ہر ویک اینڈ پر کلب کی طرف سے کسی نہ کسی غیر ملکی رقاصہ کا پروگرام رکھا جاتا اور پھر اس کی بھرپور طریقے سے تشہیر کی جاتی تھی، آج ایک اسپینی رقاصہ کا ناچ تھا جس کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ رقاصہ دنیا کے مختلف حصوں پر فارم کرچکی ہے اسٹیج پر ریشمی پردہ لہریں لے رہا تھا قریب قریب سب کی نگاہیں ادھر لگی ہوئی تھیں دفعتاً ایک خوش پوش اور وجیہہ نوجوان اندر داخل ہوا اس نوجوان نے نہایت قیمتی نیلے رنگ کا

سوٹ پہن رکھا تھا نوجوان کی عمر پچیس سال کے آس پاس تھی ہال میں داخل ہوتے ہی اس نے ادھر اُدھر نظریں ڈورانا شروع کردیں وہ کسی کو ڈھونڈ رہا تھا اسٹیج کے قریب لگی ہوئی میز پر سے ایک لڑکی نے ہاتھ اُٹھا کر اسے اپنی جانب متوجہ کرلیا نوجوان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس لڑکی کی میز کے قریب پہنچ گیا لڑکی بہت دلکش تھی اس نے نہایت ہی چست قسم کا لباس زیب تن کر رکھا تھا جس سے اس کی رعنائیاں پھوٹی پڑ رہی تھیں۔ اور آس پاس کے لوگ اس کو بری طرح سے گھور رہے تھے لیکن لڑکی کو اس کی چنداں پرواہ نہیں تھی۔

کیسے ہو رمیش۔۔۔۔ لڑکی نے اس کی جانب دیکھ کر مسکرا کر پوچھا۔

بھگوان کی کرپا ہے۔ اتنا کہہ کر رمیش کرسی پر بیٹھ گیا۔

لڑکی نے ویٹر کو بلا کر آرڈر پلیس کیا اور رمیش کی جانب متوجہ ہوگئی رمیش کو اس کی آنکھوں میں گہری سنجیدگی نظر آئی تھی۔

میں نے تم کو ایک سیریس میٹر ڈسکس کرنے کے لیے بلایا ہے۔ لڑکی نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

کیسا میٹر گیتا۔ رمیش مسکرا کر بولا۔

ہماری شادی کا مسئلہ۔۔۔۔ گیتا بدستور اسی لہجے میں بولی۔

رمیش نے جواب دینے کے لیے منہ کھولا تھا کہ اسی پل ویٹر اپنے آرڈر کے لیے آن کھڑا ہوا۔

تھوڑی دیر کے بعد۔۔۔۔ گیتا نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

ویٹر کے جانے کے بعد رمیش نے کہا تم جانتی ہو۔ ابھی ہماری یونیورسٹی لائف ہے اور نہ میرے پاس کوئی جاب ہے تعلیم کے بعد ہی میں شادی کے بارے میں کچھ سوچ سکتا ہوں۔

مجھ سے پیار کرنے سے پہلے یہ سب سوچنا تھا ناں۔ گیتا نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

ایسی بات نہیں ہے گیتا میں چاہتا ہوں کہ تم مجھے تھوڑا وقت دو۔

وقت۔۔۔ گیتا ہنس پڑی۔۔۔ کچھ دیر تک ہنسنے کے بعد گیتا نے کہا پاپا اپنے جیسے ہی کسی بزنس مین سے میری شادی کردیں گے اور پھر تم ساری زندگی وقت کا انتظار کرنا۔۔۔ گیتا کا لہجہ نہایت چبھتا ہوا تھا۔

میں اگر تم سے مندر میں شادی کرلوں تو رکھوں کہاں میں خود بھی گھر سے آئے پیسوں پر چل رہا ہوں۔۔۔ رمیش نے بیچارگی سے کہا۔

ویٹر کی آمد سے گیتا رک گئی ویٹر کے آرڈر پلیس کرنے کے دوران گیتا بالکل خاموش رہی لیکن رمیش کی اس کے چہرے پر برہمی صاف نظر آرہی تھی۔

تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ میں نے کسی کمزور سے پریم کیا ہے۔۔۔ گیتا نے غصے سے کہا۔

گیتا پلیز ذرا تمیز سے۔۔۔ رمیش کے چہرے پر ہلکا سا غصہ نظر آیا تھا۔

میں صرف یہ پوچھنا چاہتی ہوں کہ مجھ سے شادی کروگے کہ نہیں۔۔۔ گیتا کا لہجہ تلخی تھا۔

کروں گا مگر۔۔ مجھے وقت دو۔۔۔۔ میں تم سے بہت پریم کرتا ہوں۔

پریم مائی فٹ۔۔۔ گیتا بھنا کر اُٹھ کھڑی ہوئی اور اپنے وینٹی بیگ سے چند بڑے نوٹ نکالے اور میز پر پٹخ کر بولی اگر تم مجھ سے پیار کرتے ہو تو کل رات تک میں تمہارا انتظار کروں گی اس کے بعد میں ڈیڈی کی مرضی سے شادی کرلوں گی۔۔ اتنا کہہ کر گیتا بڑے بڑے قدم اُٹھاتی ہوئی ہال سے باہر نکل گئی اس کے چہرے پر غصہ صاف عیاں تھا جبکہ رمیش اسے روکتا رہ گیا۔

ہال میں موسیقی شروع ہوچکی تھی اسٹیج پر رقاصہ اپنے ڈھیلے ڈھالے لباس میں ہلکورے لیتی اسٹیج پر جلوہ گر ہوچکی تھی رمیش چند لمحات تک سوچتا رہا پھر اس نے چائے کا کپ اُٹھا کر اپنے ہونٹوں سے لگا لیا اس کی نظریں رقاصہ پر تھیں لیکن دماغ کہیں اور تھا۔

☆......☆......☆

گیتا نہایت ہی غصے میں باہر نکلی تھی لیکن پارکنگ تک پہنچتے پہنچتے اس کا غصہ جیسے جذبات بن کر آنکھوں سے بہنے لگا تھا ویسے بھی آنکھوں کا کوئی دین ایمان نہیں ہوتا موقع بہ موقع بہنا شروع ہوجاتی ہیں سچ تھا کہ وہ رمیش سے بیحد محبت کرتی تھی غصہ میں وہ رمیش سے نہ جانے کیا کچھ کہہ گئی تھی جیسے ہی گیتا کار پارکنگ تک پہنچی کار غایب دیکھ کر اس کا غصہ دوبارہ لوٹ آیا تھا اب وہ غصہ رمیش پر نہیں بلکہ کار ڈرائیور پر تھا چنانچہ اس نے موبائل نکال کر سارا غصہ ڈرائیور پر نکال دیا تھا۔

ڈرائیور نے دس منٹ میں آنے کا کہا تھا چنانچہ دس منٹ اس نے روڈ پر کھڑے ہونے کو ترجیح دی تھی ڈرائیور ہوٹل میں چائے پینے چلا گیا تھا چنانچہ وہ گاڑی بھی ساتھ لے گیا تھا گیتا روڈ پر آکر کھڑی ہوگئی تھی اسے کھڑے ہوئے کچھ دیر ہی ہوئی تھی کہ اچانک وہ چونک پڑی۔

وہ ایک فقیر تھا جو اس کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا اور اس نے گیتا کے سامنے سوال کردیا تھا۔

بیٹی۔۔ بہت بھوکا ہوں۔۔۔۔۔۔ اس کے لہجے میں لجاجت تھی۔

گیتا کو اس کی حالت دیکھ کر ترس آگیا تھا اس کی عمر ساٹھ سال کے نزدیک تھی اس کے کپڑے پھٹے ہوئے تھے سر اور ڈاڑھی کے بال بے تحاشہ بڑھے ہوئے تھے اس کی حالت دیکھ کر ایسا لگتا تھا کہ وہ کافی دنوں سے بھوکا ہے گیتا نے پرس نکالا ہی تھا کہ اس کی کار آن کھڑی ہوئی گیتا نے پرس سے چند نوٹ نکالے اور اس فقیر کے حوالے کرتے ہوئے گاڑی میں سوار ہوگئی گیتا کے سوار ہوتے ہی گاڑی آگے بڑھ گئی نوٹ دیکھتے ہی فقیر کی آنکھوں میں ایک چمک سی آگئی گیتا نے بڑے نوٹ اس کے حوالے کردیئے تھے دوسرے ہی پل اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے وہ زیر لب بڑبڑا کر دھیمی آواز میں بولا۔

جا بیٹی اللہ تجھے ہدایت دے آفتوں سے نجات دے۔۔۔۔ اتنا بول کر وہ فقیر ان نوٹوں کو جیب میں ٹھونس کر تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

قسمت میں لکھا ہوتا ہے وہ تو ضرور ہوکر رہتا ہے لیکن دعا ایک ایسی چیز ہے انسان پر آیا برا وقت اور آفات دعاؤں کی بدولت دور ہوجاتی ہیں تیز رفتاری بہت سارے حادثات کا موجب ہے بعض دفعہ تو تیز رفتاری کے سبب انسان اپنی جان سے بھی ہاتھ دھو دیتا ہے ایسا ہی کچھ گیتا کے ساتھ بھی ہوا تھا۔

کار میں بیٹھتے ہی گیتا کا دل پھر غم سے بھر گیا تھا اس کو رمیش کے ساتھ گزارے وہ سارے لمحات یاد آنے لگے تھے کہ وہ پہلی بار رمیش کو دیکھنے پر دل ہار گئی تھی وہ تھا اتنا بجیلا یونیورسٹی کی وہ ملاقات اب بھی یاد تھی پھر آہستہ وہ رمیش ایک دوسرے کے قریب آنے لگے تھے دوریاں نزدیکیوں میں بدل گئیں پھر ایک وقت ایسا آیا کہ گیتا رمیش کے بغیر ایک پل کا تصور بھی نہیں کرسکتی تھی وہ یہی سوچ رہی تھی کہ رمیش کو دھمکی تو دے آئی تھی کیا وہ دوسرے دن آئے گا کہ نہیں سوچتے سوچتے اس نے سر سیٹ کی پشت سے ٹکا دیا اور آنکھیں بند کرلی تھیں۔

اچانک ایک تیز قسم کے جھٹکے سے اس کی آنکھ کھل گئی اس نے دیکھا کہ گاڑی سڑک پر لہرا رہی ہے اور ڈرائیور گاڑی سنبھالنے کی کوششوں میں لگا ہوا ہے اس کے چہرے سے بدحواسی ظاہر ہورہی تھی گیتا کچھ سمجھنے کی کوشش کررہی تھی کہ کار لہراتی سامنے سڑک کے موڑ پر ایک پرانے برگد کے پیڑ سے ٹکرا گئی کار کے ٹکراتے ہی بونٹ کھل گیا اور ہارن کی تیز آواز سناٹے کو مجروح کیے جارہی تھی گاڑی کے پیڑ سے ٹکراتے ہی گیتا کا سر ڈرائیونگ سیٹ سے ٹکرایا، سر کے ٹکراتے ہی گتیا کو ایسا لگا جیسے کہ ہزاروں سورج ایک ساتھ ہی طلوع ہوکر غروب ہوگئے ہوں پھر گیتا کا ذہن اندھیروں میں ڈوب گیا۔

نہ جانے کتنی دیر تک وہ بے ہوش رہی پھر ایک عجیب سی بو نے اس کو ہوش میں آنے پر مجبور کردیا وہ بو

پٹرول سے مشابہہ تھی جو کہ کار کے اندر پھیلی ہوئی تھی شاید کار سے پٹرول رس رہا تھا جو کہ کسی بھی حادثے کا موجب ہوسکتا تھا۔

گیتا نے وحشت زدہ انداز میں ڈرائیور کو ہلایا جو کہ اسٹیئرنگ پر سراوندھا کئے پڑا تھا گیتا کے ہلانے سے اس کی حالت میں کوئی فرق نہیں پڑا تھا شاید وہ مرچکا تھا یا بے ہوش تھا۔

اچانک گیتا کو فوری طور پر کسی خطرے کا احساس ہوا پٹرول کی بو بہت شدید تھی گیتا نے باہر نکلنے میں ہی عافیت سمجھی تھی۔

جیسے ہی وہ باہر نکلی اور چند گھڑی ہی گئی ہوگی کہ گیتا کو تیز دھماکے کی آواز سنائی دی دھماکہ سنتے ہی گیتا اچھل پڑی۔ گیتا نے پلٹ کر دیکھا تو اس کی کار آگ کے شعلوں کی لپیٹ میں تھی کار کے ساتھ ساتھ وہ پیڑ بھی جل رہا تھا اچانک گیتا چونک پڑی اس کے کانوں نے ایک عجیب سی آواز سنی وہ آواز ایک تیز سیٹی سے مشابہہ تھی پھر فضا چیخوں سے گونج اُٹھی ان چیخوں میں درد و اذیت کا عنصر موجود تھا جیسے کوئی کسی کو ذبح کررہا ہو وہ چیخیں ڈرائیور کی ہرگز نہیں تھیں ایسا لگتا تھا کہ جیسے کوئی غیر انسانی مخلوق اذیت میں مبتلا ہو۔

اچانک گیتا کی آنکھوں نے ایک حیرت انگیز منظر دیکھا اس پیڑ سے جلتے ہیولے نہایت تیزی سے باہر نکل رہے تھے وہ ہیولے اوپر اٹھ کر فضا میں تحلیل ہوجاتے۔

اچانک گیتا نے ایک دوسرے دھماکے کی آواز سن کر اچھل کر دور جاپڑی اس کا سر کسی ٹھوس چیز سے ٹکرایا تھا۔اور پھر اس کو کچھ ہوش نہ رہا۔

ہوش آنے پر گیتا کو اپنے جسم میں شدید قسم کی کمزوری کا احساس محسوس ہورہا تھا سر میں نہایت شدید قسم کا درد محسوس ہونے لگا تھا یوں لگ رہا تھا جیسے کہ سر پر کوئی ہتھوڑے برسا رہا ہو اور آنکھوں کے گرد سرخ دھبے ناچ رہے تھے ایسا لگ رہا تھا کہ جسم بالکل سن پڑگیا ہو ایسے میں کچھ عجیب قسم کی آوازیں کانوں میں پڑ رہی تھیں جو کہ ذہن پر ناگوار سا تاثر چھوڑ رہی تھیں اس نے آنکھیں بند کرلے تھیں ذہن پر دھندسی جمی محسوس ہورہی تھی اسے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کرے۔

اچانک وہ اچھل پڑی وہ اسپتال کا کمرا تھا

وہ اسپتال کا ہی کمرا تھا سفید پردے چاروں طرف موجود تھے کمرے میں بے حد ٹھنڈ تھی لازماً وہ ٹھنڈ اے سی کی تھی یہ لازمی طور پر اسپتال کا پرائیویٹ وارڈ تھا گیتا کو اس بات کی حیرت تھی کہ اگر وہ اسپتال میں ہے تو اس کے ممی پاپا کہاں ہیں اور نہ ہی خیال رکھنے والی کوئی نرس موجود تھی کمرے میں چاروں طرف سناٹا تھا۔

اچانک اُسے وہ حادثہ یاد آیا حادثے کی یاد آتے ہی گیتا کے رونگٹے کھڑے ہوگئے اس کا ڈرائیور یقینی طور پر مرچکا تھا۔

اچانک اس کو وہ ہیولے یاد آئے جو اس جلتے پیڑ سے برآمد ہوئے تھے اچانک اس کی نظر اپنے ساتھ والے بیڈ پر پڑی جس پر کوئی شخص چادر اوڑھے لیٹا ہوا تھا چادر سے اس کا سر ڈھکا ہوا تھا وہ حیران رہ گئی اس کا مطلب وہ کسی ۔۔۔ پرائیویٹ وارڈ میں نہیں تھی پرائیویٹ وارڈ میں تھی وہ شخص چادر اوڑھے پڑا تھا کوئی مردہ ہو گیتا کسی نرس وغیرہ کو بلانے کے بارے میں سوچنے لگی تھی۔

اچانک وہ چادر ہلی آہستہ آہستہ وہ چادر سرکنے لگی تھی جیسے ہی چادر سرکی اس کی پیشانی نظر آنے لگی تھی اس کی پیشانی پر سفید سفید کوئی چیز حرکت کررہی تھی وہ کانپ گئی شاید کوئی خطرناک قسم کی بیماری والا مریض اس کے ساتھ رکھا گیا تھا اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سرد لہر دوڑ گئی تھی اب وہ سفید چادر پوری ہٹ چکی تھی اس کے سامنے جو منظر آیا تھا اس کو دیکھ کر اس کی چیخ نکل گئی۔

☆......☆......☆

وہ ایک عجیب انسان تھا جس کے پورے جسم پر سفید سفید بچھو کلبلا رہے تھے۔ جو اس انسان کے منہ اور نتھنوں میں آجا رہے تھے وہ کوئی اور نہیں تھا ڈرائیور تھا جو کہ مرچکا تھا جسکا پورا جسم ان

بچھوؤں سے بھرا ہوا تھا۔

وہ دھیرے سے اُٹھ کر بیٹھ گیا اس نے گیتا کی جانب دیکھا تو گیتا کو اس کی آنکھوں میں سرخی تیرتی نظر آئی آنکھیں بہت زیادہ سرخ تھیں جیسے ان میں خون اتر آیا ہو۔

اچانک اس نے اپنا بھاڑ سا منہ کھول کر ہنسنا شروع کر دیا اور پھر وہ بستر سے نیچے اتر گیا اس کے اترتے ہی اس کے پیروں میں کلبلاتے ہوئے بچھو فرش پر رینگنے لگے تھے۔

یہ منظر دیکھ کر گیتا کی فلک شگاف چیخیں نکلنا شروع ہو گئی تھیں۔ پھر اس کے ذہن میں جیسے اندھیرا چھا گیا۔

آنکھ کھلی تو گیتا کو اپنی طبعیت کافی بہتر محسوس ہو رہی تھی گیتا نے حیرت اور خوف بھری نظروں سے چاروں طرف دیکھا اس کی سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ ابھی کچھ دیر پہلے اس نے اپنے برابر والے بیڈ پر فضلو کو دیکھا تھا اس کو اچھی طرح یاد تھا کہ وہ مر چکا تھا تو کیا اس نے اس کا بھوت دیکھا تھا اس نے خوف بھری نظروں سے برابر والے بیڈ پر دیکھا تو وہاں کوئی نہ تھا۔

اچانک اس نے اپنے سامنے اپنے پاپا اور ممی کو موجود پایا جو اس کو محبت بھری نظروں سے دیکھ رہے تھے اور دو تین ڈاکٹرز اور چند پولیس والے بھی موجود تھے گیتا کو ہوش میں آتا دیکھ کر اس کی ماں تیزی سے اس کی جانب بڑھی۔

کیا ہوا میری بچی ... تو ٹھیک تو ہے...... اس کی والدہ کے لہجے میں تشویش تھی۔

میں ٹھیک ہوں ماں بس سر میں درد ہے...

گیتا نے بھرائی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

گیتا کو ہوش میں آتا دیکھ کر ایک پولیس انسپکٹر اس کی جانب بڑھا۔

کیا... میں جان سکتا ہوں... مس گیتا کہ یہ حادثہ کیسے پیش آیا... انسپکٹر کا لہجہ نہایت شائستہ تھا۔

انسپکٹر کے سوال پر گیتا کے ذہن میں حادثہ کی یاد تازہ ہو گئی اچانک اس کو وہ ہیولے یاد آنے لگے تھے جو اس نے پیڑ سے نکلتے دیکھے تھے۔

گیتا کو خاموش دیکھ کر انسپکٹر پھر بولا مس گیتا آپ نے جواب نہیں دیا۔

مجھے نہیں معلوم کہ یہ حادثہ کیسے پیش آیا یہ تو فضلو ہی بتا سکتا تھا میں پچھلی سیٹ پر سو رہی تھی جب میری آنکھ کھلی تو میں نے فضلو کو اسٹیئرنگ پر سر اوندھا کیے دیکھا پہلے لگا کہ وہ بے ہوش ہو چکا ہے اور میرے چیک کرنے پر اندازہ ہوا کہ وہ مر چکا ہے... گیتا نے بھرائی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

ہوں... تھوڑے توقف کے بعد انسپکٹر نے پھر کہا مس گیتا کیا فضلو پی کر گاڑی چلاتا تھا۔

نہیں... انسپکٹر اس کا مجھے نہیں معلوم...

گیتا نے جواب دیا اتنا کہہ کر وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا سر دبانے لگی تھی اس کے چہرے سے تکلیف کا اظہار ہو رہا تھا یہ دیکھ کر ڈاکٹر اور نرس تیزی سے اس کی جانب بڑھے۔

مس گیتا ایک سوال اور پوچھوں... انسپکٹر اس کی تکلیف کی پروا کیے بغیر بولا۔

ایک منٹ انسپکٹر ذہنی طور پر آپ کے کسی سوال کا جواب دینے پر آمادہ نہیں آپ اس کی حالت دیکھ رہے ہیں، یہ آپ کے کسی سوال کا جواب نہیں دے گی...

ڈاکٹر نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

اوہ ٹھیک ہے ڈاکٹر ہم انتظار کریں گے... اتنا کہہ کر انسپکٹر اپنے ساتھیوں کے ساتھ روم سے باہر نکل گیا۔

انسپکٹر کے جانے کے بعد ڈاکٹر بھی تھوڑی دیر کے بعد چلا گیا۔

بیٹا اب کیسی ہو.... اس کے جانے کے بعد اس کے پاپا نے شفقت بھرے لہجے میں پوچھا۔

ٹھیک ہوں پاپا... گیتا کی آواز میں نقاہت تھی۔

مگر یہ حادثہ کیسے ہوا فضلو کیا پی کر گاڑی چلا رہا تھا وہ تو بھگوان نے کرم کیا کہ تمھاری جان بچ گئی اور فضلو سورگ سدھار گیا... گیتا کی ماں نے تشویش بھرے لہجے میں کہا۔

حادثہ کی بات پر گیتا کے ذہن میں رات والے واقعات گھوم گئے تھے وہ ہیولے کیسے تھے جو اس درخت سے برآمد ہوئے تھے اس کو ایسا لگ رہا تھا کہ وہ ضرور کسی بڑی مصیبت میں پھنسنے والی ہے۔

دو دن میں گیتا کی اسپتال سے چھٹی ہو گئی تھی گیتا اب اسپتال سے اپنے گھر آ گئی تھی گیتا اسپتال سے آنے کے بعد صرف یہی سوچ رہی تھی کہیں ایسا تو نہیں کہ رمیش آیا ہو اور اسے نہ پا کر چلا گیا ہو گیتا کو مکمل بیڈ ریسٹ کا کہا گیا تھا۔

رات کے بارہ بج چکے تھے گیتا سونے کی نیت سے بستر پر پہنچ چکی تھی گھر آنے سے رات تک گیتا صرف اور صرف رمیش کے بارے میں سوچ رہی تھی اس کی آنکھیں چھت پر تھیں۔ اچانک وہ چونک پڑی اس کی آنکھیں حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئیں وہ ایک عجیب وضع قطع کی مکڑی تھی جو چھت پر چپکی ہوئی تھی وہ عام مکڑیوں سے مختلف تھی۔ اچانک اس کا سائز بڑھنا شروع ہو گیا اور دیکھتے دیکھتے ہی وہ کافی بڑی ہو گئی تھی۔

اچانک گیتا کا منہ نہ چاہتے ہوئے بھی کھل گیا اس نے بند کرنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکی اسی پل وہ مکڑی دھپ سے اس کے کھلے منہ میں جا گری اور ... میں گرتے ہی اس کی آنکھیں چڑھ گئیں اور پھر اس کو ... کچھ احساس نہ رہا... اس کے چہرے کا رنگ سرخ ہو گیا تھا۔

☆......☆......☆

لکشمی دیوی کے لیے وہ لمحہ حیران کن تھا۔

گیتا کے انکار نے اس کے دل کو بہت زیادہ صدمہ دیا تھا وہ سوچ نہیں سکتی تھی ایک دھارمک پریوار سے تعلق رکھنے والی ایک لڑکی ناستک کیسے ہو سکتی ہے گیتا کے اسپتال سے آنے کے تیسرے دن کی بات ہے گیتا کی والدہ کے کہنے پر مندر میں پوجا کے لئے گئے تھے تاکہ بھگوان کا شکر ادا کیا جاسکے کہ اس کی جان بچ گئی تھی۔ چنانچہ یہ تینوں مندر چلے گئے تھے جیسے ہی کار مندر کی سیڑھیوں کے پاس پہنچ کر رکی تو گیتا کو بہت زیادہ گھبراہٹ محسوس ہونے لگی تھی۔

میں اندر نہیں جاؤں گی ممی... گیتا نے گھبراتے ہوئے کہا۔

کیوں... بیٹی... بھگوان کے آگے تو ماتھا ٹیکنا ضروری ہے... لکشمی دیوی ناصحانہ لہجے میں بولی تھیں۔

میں اندر نہیں جاؤں گی ممی... مجھے گھبراہٹ ہو رہی ہے... گیتا نے جواب دیا۔

میں نہیں جانتی چلنا ہوگا بھگوان کے دوار آ کر خالی جانا پاپ ہے.... لکشمی دیوی غصے سے بولیں۔

ارے... نہیں جانا چاہ رہی تو مجبور کیوں کر رہی ہو..... راجیو شکلا تنک کر بولے۔

نہیں.... گیتا کو چلنا ہوگا مندر کے اندر مندر کے گیٹ سے واپس جانا اپ شگون ہے... لکشمی دیوی بدستور غصے سے بولیں۔

بیٹی چلی جاؤ... تمھاری ماں نہیں مانے گی...

راجیو شکلا لکشمی کی طرح زیادہ دھرم کرم والے تو نہ تھے مگر لکشمی کی بات کو انکار نہیں کرتے تھے۔

چنانچہ مجبوراً گیتا کو نہ چاہتے ہوئے بھی مندر کی سیڑھیاں چڑھنی پڑ گئی تھیں سیڑھیاں چڑھتے وقت اس کے چہرے کا رنگ عجیب سا ہو رہا تھا کہ وہ گناہ کرنے جا رہی ہو۔

دیوی کی مورتی کے پاس پہنچ کر لکشمی اور راجیو تو پوجا پاٹ میں لگ گئے لیکن گیتا ان کو دور کھڑی عجیب نظروں سے دیکھتی رہی اس کے چہرے پر بیزاری تھی۔

اچانک ایک طویل العمر پجاری جس کی عمر ستر سال ہو گی اس کے نزدیک آیا اور اس نے پوجا کا تلک گیتا کے ماتھے پر لگانا چاہا تو گیتا تڑپ کر پیچھے ہٹ گئی۔

کیوں... کیا ہوا بیٹی پجاری نے سوالیہ نظروں سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھا۔

گیتا نے کوئی جواب نہ دیا یہ سب دیکھ کر لکشمی

گیتا کے نزدیک آئی اور بولی۔

چلو۔۔۔ بیٹی بھگوان کے آگے ڈنڈوت (سجدہ) کرو۔

لکشمی کی بات سن کر گیتا کے چہرے پر غصے کے آثار نظر آگئے۔

اس سے قبل کہ وہ جواب دیتی پجاری نے گیتا کا بازو پکڑ کر اسے مورتی کی جانب دھکیلنے کی کوشش کرنے لگا۔

گیتا نے فوراً ہی اپنا ہاتھ چھڑایا اور غصے سے بولی۔

میں اس پتھر کو سجدہ کروں۔۔۔ جس میں حرکت کرنے کی بھی طاقت نہیں۔۔۔۔۔ سجدہ تو صرف اور صرف رحمان اور رحیم کو کیا جاتا ہے۔

گیتا کے منہ سے یہ باتیں سن کر پجاری لکشمی اور راجیو کے چہرے پر خوف اور لرزے کے آثار نظر آنے لگے تھے یوں تھر تھر کانپنے لگے تھے جیسے حق سننا ان کے لئے بہت بڑا گناہ ہو۔

پجاری نے غصہ سے گیتا کا ہاتھ پکڑنے کی کوشش کی مگر اس کے بعد جو ہوا وہ سب کے لئے حیران کن تھا۔

ایک دھان پان سی لڑکی کے ہاتھ کا تھپڑ کھا کر پجاری یوں ہوا میں اُڑتا ہوا اس مورتی سے ٹکرایا تھا کہ جیسے کہ وہ کوئی فٹبال ہو۔

مورتی سے ٹکراتے ہی پجاری بکرے کی طرح ڈکراتے ہوئے بے حس و حرکت ہوگیا۔

گیتا کی ماں پجاری کی بے عزتی دیکھ کر تھر تھر کانپنے لگی تھی لیکن دوسرا پل اور زیادہ خوف زدہ کرنے والا تھا مندر میں موجود تمام لوگ گیتا کو بہت بری نظروں سے گھورنے لگے تھے۔

کیونکہ دور کہیں سے ہوا کے دوش پر تیرنے والی اذان کی آواز سن کر گیتا نے ڈوپٹہ سر پر لے لیا تھا۔

☆......☆......☆

مندر والا واقعہ پورے شہر میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گیا تھا پورے شہر میں بس ایک ہی لڑکی کا ذکر تھا جس نے دیوتاؤں کو گالی تھی کالی ماتا کے بڑے بت کو پتھر کہا تھا چنانچہ بہت سے انتہا پسند ہندو گیتا کی جان کے دشمن بن گئے تھے دھرم کے بڑے بڑوں نے گیتا کی موت کا فرمان جاری کردیا تھا۔ لکشمی کو گیتا کی اس حرکت پر بہت زیادہ ملال تھا چونکہ وہ ماں تھیں انہوں نے اپنی بیٹی سے نفرت بھی نہ کرسکیں۔ چنانچہ انہوں نے گیتا کو سمجھانے کا فیصلہ کرلیا تھا لکشمی دیوی زیادہ دھارمک خاتون تھیں۔

بھگوان بھگوان اور کالی ماتا کرتی ہوئی جب گیتا کے کمرے میں داخل ہوئیں لیکن جو انہوں نے دیکھا وہ لمحہ اس کے لئے حیرتوں کا تھا گیتا کو جس حالت میں دیکھا اس منظر کو دیکھ کر ان کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں ہو رہا تھا گزشتہ سارا واقعہ ان کے ذہن میں تازہ ہوگیا کہ کس طرح گیتا نے دیوی کی توہین کی تھی یہ لمحہ ان کے لئے شاکڈ تھا کہ ایک ہندو لڑکی بھلا نماز کیسے پڑھ سکتی تھی لیکن گیتا نماز فجر ادا کرنے میں مصروف تھی اپنی بیٹی کو شلوار قمیض میں دیکھ کر اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی کیونکہ گیتا رات کو سوتے وقت بھی شلوار قمیض اور ... نہیں پہنتی تھی لکشمی دیوی نے گیتا کو بہت آوازیں دیں گیتا نماز میں مصروف رہی جیسے ہی اس نے سلام پھیرا ان کی آنکھیں دیکھ کر وہ چونک گئیں اتنی سرخ آنکھیں انہوں نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھیں جیسے ان میں خون اتر آیا ہو لکشمی ایک پل کے لئے کانپ گئی تھیں پھر وہ اس کمرے میں نہیں رکی تھیں نماز کے بعد گیتا تنویمی انداز میں چلتی بستر پر لیٹ گئی تھی۔ یہ خبر راجیو شکلا کے لئے بھی اتنی ہی چونکا دینے والی تھی جتنی لکشمی کے لئے تھی۔

یہ۔۔ کیا بک رہی ہو تم۔۔ گیتا اور نماج (نماز) ۔۔۔۔۔ راجیو شکلا حیرت سے بولے۔

میں سچ کہہ رہی ہوں۔۔۔ وہ نماج (نماز) پڑھ رہی تھی میں نے خود دیکھا ہے۔۔۔ لکشمی تشویش زدہ لہجے میں بولیں۔

یقین نہیں آتا۔۔۔ راجیو کے چہرے پر بے یقینی تھی۔

مجھے لگتا ہے اس پر کسی بری شکتی کا سایہ ہے۔۔۔

یہ گیتا نہیں ہے اس نے جس طرح مجھے گھورا تھا۔ اس کی آنکھیں اتنی سرخ۔۔۔ بھگوان جانتا ہے میرا دل اندر سے ڈر گیا تھا۔

تو پھر کیا کرنا چاہیے۔۔۔ راجیو نے پریشان کن لہجے میں کہا۔

کسی گیانی کو بلانا ہوگا وہی گیتا کو اچھا کرسکتا ہے ایک پنڈت کو میں جانتی ہوں جو مہان گیانی ہے تنتر ودیا میں اس کا کوئی مقابلہ نہیں کرسکتا۔۔۔ لکشمی دیوی عقیدتمندانہ لہجے میں بولیں۔

کیا نام ہے ان کا۔۔۔ راجیو شکلا نے پوچھا۔

ان کا نام پنڈت شیو دیال ہے وہ شیو اور پاربتی دیوی کے اوتار ہیں وہی ہیں جو ہماری مدد کرسکتے ہیں۔ لکشمی دیوی کا انداز بدستور عقیدتمندانہ تھا۔

کہاں ہے ہیں وہ۔۔۔ راجیو نے لکشمی کی باتوں سے متاثر ہوکر پوچھا۔

میں نے فون کردیا ہے وہ کل آجائیں گے۔

مندر والے واقعے کے دو دن کے بعد کی بات ہے گیتا اپنے کمرے میں بالکل اکیلی تھی اس کی ماں نے جب سے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تھا اور اس نے بھگوان کا انکار کیا تھا ان کے دل میں گیتا کا ڈر پیدا ہوگیا تھا وہ یہ سمجھنے لگی تھیں کہ جیسے گیتا کے اندر کوئی بری آتما ہے انہوں نے دل میں سوچا کہ گیتا کو بھگوان کو ارپن کرنا چاہیے تاکہ اس کا برا سایہ اس سے دور ہوجائے اور وہ ٹھیک ہوجائے۔ ان کے جانے کے بعد وہ اپنے کمرے میں بالکل اکیلی تھی مندر والا واقعہ اس کے ذہن میں تازہ تھا وہ سوچ رہی تھی ایسا کیسے ہوسکتا ہے کہ اس کے ہاتھ سے کوئی پجاری زخمی ہوجائے سوچ سوچ کے اس کا سر درد سے پھٹنے لگا تھا سر میں درد ہونے کے سبب اس نے سوچا کہ تھوڑا آرام کرلوں وہ بستر پر لیٹی ہی تھی کہ اس کو ایسا لگا کہ جیسے کہ اس کے ساتھ کوئی لیٹا ہے گرم سانسوں کی آواز اس کو اپنے کانوں کے پاس آتی محسوس ہو رہی تھی۔

گیتا بہت زیادہ ڈر گئی تھی اور وہ اُٹھ بیٹھی جیسے ہی وہ اُٹھی اس کی چیخ نکل گئی اس نے صاف محسوس کیا تھا جیسے کسی بخار زدہ ہاتھ نے اس کی کلائی تھام لی ہو۔ یوں لگ رہا تھا جیسے کوئی تپتا ہوا لوہا اس کے ہاتھ آگیا ہو۔۔۔۔۔ وہ بے ہوش ہوکر بیڈ پر گر پڑی تو اچانک گیتا کے کمرے میں گلاب کے پھولوں کی مسحور کن خوشبو پھیل گئی تھی۔

گیتا کی والدہ جب پرساد لے کر اس کے کمرے میں داخل ہوئیں وہ یہ دیکھ کر چونک گئیں گیتا اپنے کمرے میں بے ہوش پڑی تھی اور ایک نہایت ہی مسحور کن خوشبو سے پورا کمرا مہک رہا تھا اچانک انہوں نے دیکھا کہ گیتا کے چہرے پر کچھ ہے جیسے ہی وہ آگے بڑھیں۔ ایک سیاہ رنگ کی مکڑی گیتا کے چہرے پر بیٹھی تھی لکشمی دیوی یہ دیکھ کر کانپ گئیں جیسے ہی انہوں نے آگے بڑھ کر مکڑی کو ہٹانا چاہا تو ان کے حلق سے زوردار چیخ نکلی انہیں ایسا لگا کہ جیسے انہوں نے مکڑی کو نہیں بلکہ جلتے انگارے کو چھو لیا ہو۔۔۔۔ وہ چلاتی ہوئی باہر کی جانب بھاگیں۔۔۔ پھر ان کو حیرت کا ایک شدید قسم کا جھٹکا لگا تھا۔

گیتا ان کو فریج کے پاس کھڑی نظر آئی گیتا کے ہاتھ میں پانی کا ایک بڑا سا جگ تھا جو اس نے لکشمی دیوی کے دیکھتے ہی دیکھتے منہ سے لگا لیا تو لکشمی دیوی کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں کیونکہ وہ پانی گیتا نے غٹاغٹ پی لیا۔ اتنی نازک سی دھان پان سی لڑکی کے لئے یہ ممکن نہ تھا۔۔۔ لکشمی دیوی کو پورا یقین ہوچکا تھا کہ ان کی بیٹی پر کسی بری شکتی کا سایہ ہے اب پنڈت جی ہی تھے وہ نیا پار لگا سکتے تھے۔

☆......☆......☆

مندر میں دیوی کے آگے سجدے سے انکار کی خبر پورے شہر میں پھیل چکی تھی یہ خبر رمیش تک بھی پہنچی تھی چنانچہ اس نے سچ جاننے کے لئے گیتا سے ملنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ رمیش نے اپنی موٹر سائیکل بنگلے سے بہت دور کھڑی کی تاکہ وہ گیتا سے چوری چھپے مل سکے رات کے بارہ بج چکے تھے چونکہ گزشتہ بہت دنوں سے سردی

کی شدت میں اضافہ ہو چکا تھا اسلئے سردی سے بچنے کے لئے رمیش نے ایک موٹی جیکٹ پہن رکھی تھی رمیش آہستہ آہستہ چلتا ہوا بنگلے کے پچھلے حصے کی جانب پہنچ گیا۔۔۔۔ بنگلے کے عقبی حصے پر ایک خالی پلاٹ تھا، خیر دیوار پھلانگ کر بنگلے کے اندر کمروں میں پہنچا جا سکتا تھا۔

جیسے ہی رمیش بنگلے کے عقبی حصے کی طرف پہنچا اس کی آنکھیں حیرت سے کھل گئیں۔۔۔۔۔۔ وہ ٹھٹک کر رک گیا اور خوف سے کھڑکی کی جانب دیکھنے لگا۔

وہ لوگ تعداد میں چار تھے جو بالکونی کے سامنے کھڑے اوپر دیکھ رہے تھے ان کے چہرے ڈھاٹوں سے ڈھکے تھے۔

آج اس کا کام تمام کرنا ہے۔۔۔ سالی دیوتاؤں کو گالی دیتی ہے ان کو پتھر کہتی ہے سالی مسلمان ہوگئی ہے۔۔۔۔ ان ڈھاٹا برداروں میں سے ایک شخص بولا۔

ہاں۔۔ بھائی اگر ہم نے اس کو نہ مارا تو کالی دیوی کا شراپ ہمیں نشٹ کردے گا ویسے بھی ان ملیچھوں سے دھرتی کو پوتر کرنا ہمارا دھرم ہے۔۔۔ دوسرا بولا۔

سارا دیش اس دھکاری (ملعون) کو مارنے پر ادتارو ہے مگر کوئی کچھ نہیں کر رہا۔۔ اس لئے کہ اس کا باپ بہت امیر ہے۔۔۔

امیر ہے تو کیا کچھ بھی کرے گا۔۔۔ اس کی بیٹی کو مرنا ہے تو مرے گی۔۔۔ پہلے والے نے غصے سے جواب دیا اور اپنے ساتھ لائے بیگ اور ایک بڑی سی مضبوط رسی نکال لی اور دوسرے بیگ سے ایک کنڈا نکال کر اس کنڈے کے سرے رسی کے ساتھ جوڑنے لگا تھا دوسرے ہی پل اس نے اس رسی کو اس لوہے کی گرل سے انکا دیا تھا ایسا رمیش نے ایسا فلموں میں دیکھا تھا وہ سارے ایک ایک کرکے اس رسی کی مدد سے بالکونی میں پہنچ چکے تھے۔

رمیش چلانا چاہتا تھا مگر چلا نہیں پایا گیتا کی جان خطرے میں تھی چنانچہ وہ بھی کسی نہ کسی طرح رسی کی مدد سے بالکونی میں پہنچ گیا۔۔۔۔ ابھی وہ سوچ ہی رہا تھا کہ کہاں جائے کیونکہ وہ چاروں انتہا پسند قاتل بالکونی سے آگے جا چکے تھے۔

اچانک اس کو چلانے کی آواز سنائی دی آواز مردانہ تھی جو کہ بالکونی کے ساتھ والے کمرے سے آرہی تھی آواز میں بے حد ڈر موجود تھا جیسے کمرے کے اندر کوئی شخص نہیں بلکہ کوئی بلا ہو پھر اس کو ایک سے زیادہ لوگوں کے چلانے کی آواز سنائی دی تھی جیسے ہی وہ اس کمرے میں پہنچا جہاں سے آواز آئی کمرے کا منظر دیکھ کر اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں رمیش خوف سے کانپنے لگا تھا اس کو ایسا لگ رہا تھا جیسے کہ وہ کوئی فلمی منظر دیکھ رہا ہو۔

☆......☆......☆

وہ چاروں فضا میں معلق تھے اور ان کی آنکھیں خوف اور دہشت سے پھٹی ہوئی تھیں اور وہ چاروں دائرے کی صورت میں گردش کر رہے تھے اور اس دائرے کے وسط میں گیتا کھڑی اور چاروں کو گھور رہی تھی گیتا کی آنکھیں سرخ تھیں اور ان میں غصہ موجود تھا اچانک گیتا کے منہ سے نکلتی آواز سن کر رمیش چونک پڑا تھا کیونکہ اس کے منہ سے مردانہ آواز نکلی تھیں وہ کہہ رہی تھی۔

تم۔۔۔ گیتا کو مارنے آئے ہو۔۔۔ لیکن آج وہ میری حفاظت میں ہوں۔۔۔ اس آواز میں غصہ اور سختی موجود تھی۔

مم۔۔۔ معاف کردو۔۔۔ چاروں گھگیاتے ہوئے بولے ان کی آواز میں خوف تھا۔

ہرگز نہیں غلطی کی سزا صرف موت ہے۔۔۔ گیتا نے سخت لہجے میں جواب دیا تھا۔

نن۔۔ نہیں۔۔ ہمیں مت مارو۔۔۔۔ چاروں بیک وقت چلائے۔

تاکہ تم کسی اور بے گناہ اور مظلوم کو ماردو۔۔۔ گیتا کا لہجہ بدستور سخت تھا۔

اچانک اگلا منظر دیکھ کر رمیش کی چیخ نکل گئی ان چاروں پر نہ جانے کہاں سے اُڑتے ہوئے پتنگوں نے حملہ کیا تو اس سے پہلے کمرے میں پتنگے نہ تھے لیکن چند لمحوں میں ہزاروں پتنگوں سے کمرہ بھر چکا تھا سرخ رنگ کے ان پتنگوں نے تیزی سے ان پر حملہ کیا اور اس کے بعد دوسرا لمحہ اس سے زیادہ حیران کن تھا وہ پتنگوں نے بڑی اسپیڈ سے ان چاروں کے جسم سے گوشت کو ایسے چٹ کیا تھا کہ جیسے کوئی آرا مشین لکڑی کا برادہ کردیتی ہے جب وہ پتنگے غائب ہوئے تو وہاں صرف اور صرف راکھ جیسی کوئی موجود تھی جو کہ کمرے کی فضا میں پھیلی ہوئی تھی ایک عجیب سی بو کمرے میں موجود تھی یہ منظر دیکھ کر رمیش کی گھگی بندھ گئی۔

اچانک گیتا نے رمیش کی جانب دیکھا تو رمیش کو اس کی آنکھوں میں خون اترا ہوا نظر آیا یہ منظر دیکھ کر رمیش کی چیخ نکل گئی اس نے بھاگنے میں ہی عافیت سمجھی تھی اور بدحواسی میں وہ بالکونی سے نیچے گر پڑا تھا پھر اس کو کچھ ہوش نہ رہا۔

آنکھ کھلی تو رمیش اسپتال میں تھا اس کی ٹانگ ٹوٹ چکی تھی اس کو بے ہوش حالت میں سیکورٹی گارڈ نے پہنچایا تھا جو ہر دو گھنٹے کے بعد بنگلے کے عقبی حصے کا چکر لگاتا تھا پولیس نے رمیش پر بنگلے میں ڈکیتی کی نیت سے گھسنے کا شک کیا تھا جبکہ سچ کیا تھا یہ گیتا اور رمیش ہی جانتے تھے پولیس صرف رمیش کے ٹھیک ہونے کا انتظار کر رہی تھی تاکہ سچائی معلوم کی جاسکے لیکن رمیش بے ہوش تھا اور اس کی بے ہوشی طویل ہو چکی تھی۔

راجیو شکلا کو یہ بات پتہ لگی تو وہ رمیش کو دیکھنے آفس کے بعد نکل کھڑے ہوئے تھے رات کے سات بج چکے تھے اندھیرا ہو چلا تھا چونکہ سردیوں میں اندھیرا جلد ہو جاتا ہے جیسے ہی راجیو شکلا کی کار بڑے چوک سے نکل کر مین روڈ تک آئی۔ اسی پل ڈرائیور چونک پڑا اور بریک لگا کر کار روک دی اور خوفزدہ نظروں سے سڑک پر دیکھنے لگا تھا۔

کیا ہوا۔۔۔ شنکر کار روک کیوں دی۔۔۔ راجیو چونک کر بولے ان کا سر سیٹ کی پشت سے ٹکا تھا۔

صاحب۔۔۔ سامنے دیکھیں۔۔۔ شنکر کانپتے ہوئے بولا تھا۔

جیسے ہی انہوں نے باہر دیکھا تو وہ کانپ گئے اب ڈرنے کی باری راجیو شکلا کی تھی۔

وہ چار نقاب پوش تھے وہ بیچ سڑک پر جدید اسلحے سے لیس تھے اور چاروں اسطرح کھڑے تھے کہ کار کے گزرنے کی جگہ بھی نہ تھی۔

یہ۔۔ اُس پاپن کا باپ ہے جس کی وجہ سے ہمارے چار بہترین آدمی غائب ہوگئے ہیں۔۔ مار دو سالے کو۔۔۔ ان میں سے ایک آدمی بولا۔۔۔ اس کی آواز سے غصہ صاف محسوس ہو رہا تھا۔

راجیو شکلا نے یہ منظر دیکھا تو فوراً ہی گاڑی سے بھاگ کھڑے ہوئے ان کی پھرتی قابل دید تھی جس نے ان چاروں کو بھی حیران کر دیا تھا راجیو شکلا کو دیکھ کر انہوں نے گولیاں چلانا شروع کردی تھیں۔ لیکن ان کی قسمت اچھی تھی کہ وہ ایک گلی میں گھس گئے اس گلی کا نام غفور بستی تھا غفور بستی مسلمانوں کی بستی تھی جہاں مسلمان کافی بڑی تعداد میں رہتے تھے یہ بستی مسلمانوں کے امن و اتحاد کی مثالی بستی تھی اس بستی کے اندر کوئی بھی شرپسند داخل ہونے سے پہلے دس بار سوچتا تھا کیونکہ یہ بستی جس آدمی کے نام پر تھی وہ مسلمانوں کا ایک بڑا لیڈر تھا جس کی دھاک اور دبدبہ غیر مسلمانوں پر بھی موجود تھا غفور بھائی مسلمانوں کے ساتھ ساتھ دوسرے تمام مذاہب کے لوگوں کا بھی خیال رکھتے تھے۔

راجیو شکلا جیسے ہی اس گلی میں داخل ہوئے انہوں نے دیکھا کہ گلی کے دونوں اطراف مکانات موجود تھے تمام مکانات کی طرز تعمیر ایک ہی طرح کی تھی۔ جیسے ہی انہوں نے دروازہ بجایا تو چند لمحوں کے بعد ایک بوڑھا آدمی باہر نکلا جس کی عمر ساٹھ سال کے قریب تھی اس بوڑھے نے کانپتے ہوئے راجیو کو سوالیہ نظروں سے دیکھا تو راجیو ہانپتے ہوئے بولے۔

مم۔۔ میری مدد۔۔ کک کرو۔۔۔۔ تم۔۔ کو تمھارے اللہ کا واسطہ ہے۔

اتنا سننا تھا کہ اس بوڑھا شخص اگے سے ہٹ گیا

اور مسکرا کر بولا بابو۔ اندر آجاؤ تم فکر نہ کرو۔

اتنا سننا تھا کہ شدید خوف کے باوجود راجیو دل میں شرمندہ سا ہوگیا اور سوچنے لگا کہ ایک اس کے اپنے دھرم والے ہیں جو اس کی جان لینا چاہتے ہیں اور ایک مسلمان ہیں جو کہ اس کی جان بچا رہے ہیں۔ وہ سوچ ہی رہا تھا کہ وہ شخص دوبارا بولا۔

بابو۔۔۔ ڈرو۔۔۔ مت تم اللہ کی پناہ میں ہو اور تمہاری جان وہی بچائے گا۔

اتنا سن کر راجیو پھر شرمندہ ہو کر اندر داخل ہوگیا۔

وہ چاروں بھی راجیو کے پیچھے بستی میں اندر داخل ہونے لگے تھے کہ اچانک ان میں سے ایک نے ان کو روک دیا۔

جانتے ہو۔۔۔ یہ بستی غفور بھائی کی ہے۔۔ اور جس نے اس میں پناہ لے لی تو غفور بھائی اس کا سہارا بن جاتا ہے۔

تو پھر۔۔۔۔۔۔ دوسرا بولا۔

میرا خیال ہے واپس جانا چاہئے۔۔۔۔ پہلا نے جواب دیا۔

ان مائیچھوں کو زندہ جلا دینا چاہیے۔۔ تیسرا شخص دانت پیس کر بولا۔

چلو۔۔ یار واپس تم غفور بھائی کو جانتے نہیں ہو اس لئے ایسا کہہ رہے ہو۔۔۔ پہلے بندہ نے دوبارا کہا۔

چنانچہ یہ چاروں ہی لڑتے جھگڑتے واپس ہوگئے تھے۔

راجیو ان کے گھر میں داخل ہوگیا تھا اور ان کی مہمان نوازی دیکھ کر حیران ہوگیا معمولی سا گھر تھا دو کپڑوں میں خوش رہنے والے تھے مگر انہوں نے اپنی استطاعت کے مطابق راجیو کی خدمت کی تھی مسلمانوں کے بارے میں راجیو شکلا جو سوچتے تھے وہ غلط ثابت ہوا تھا وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ جن مسلمانوں کو وہ انتک وادی سمجھتے رہے تھے مگر مسلمان تو امن و محبت کے داعی ثابت ہوئے تھے۔

☆.....☆.....☆

پنڈت شیو دیال ہری دوار سے پہنچ چکے تھے اور راجیو کے بنگلے کے مہمان خانے میں ٹھہرے تھے راجیو شکلا نے جیسے ہی پنڈت کو دیکھا تو نہ جانے کیوں پنڈت ان کو کوئی اچھا آدمی نہیں لگا تھا پنڈٹ شیو دیال کی عمر پچپن سال کے قریب جسم فربہ اور قد درے پھیلا ہوا تھا جس کی وجہ سے یہ اپنے قد سے چھوٹا محسوس ہو رہا تھا اس نے گیروے رنگ کا کرتا پہن رکھا تھا اس کے چہرے اور آنکھوں سے عجیب سی وحشت اور مکاری نظر آتی صاف محسوس ہو رہی تھی راجیو نے چاہا کہ وہ اس کو بیٹی کے علاج کے لئے منع کردیں مگر وہ ایسا نہ کرپائے کیونکہ وہ دیکھ رہے تھے کہ ان کی دھرم پتنی کیسے پنڈت جی کے آگے بچھی جا رہی تھی۔

دھن بھاگ ہمارے سوامی جو آپ پدھارے۔۔۔ لکشمی دیوی عقیدتمندانہ انداز میں بولیں۔

تمہاری پتری کہاں ہے ہم دیکھنا چاہتے ہیں وہ کون سی بری شکتی ہے جو اس کو تنگ کر رہی ہے۔

پنڈت شیو دیال کی آواز سن کر راجیو ایسا لگا کہ جیسے کسی نے بہت سے پتھر ایک ساتھ کسی پہاڑ سے لڑھکائے ہوں۔

سوامی ۔۔ وہ اپنے کمرے میں آرام کر رہی ہے۔۔ لکشمی دیوی نے مسکرا کر جواب دیا۔

چلو۔۔ پرنتو۔۔ ایک بات جب وہ شکتی نشٹ ہوجائے گی تو۔۔ تم آشرم کے لئے دس لاکھ کا دان دو گی۔۔۔ پنڈت نے سنجیدگی سے کہا۔

راجیو نے دیکھا کہ دس لاکھ کی بات پر اس کی چھوٹی چھوٹی آنکھوں میں ایک چمک سی ابھر آئی ہے اس چمک کو وہ اچھی طرح جانتے تھے راجیو کو ایسا لگا کہ آشرم کے نام پر ان کی اپنی جیب بھر رہی ہے۔

ضرور۔۔ پنڈت جی۔۔ میں آپ کو مایوس نہیں کروں گی۔۔ لکشمی نے پنڈت کی بات کا مثبت جواب دیتے ہوئے کہا۔

پھر وہ تینوں آہستہ آہستہ چلتے ہوئے گیتا کے

کمرے میں داخل ہوگئے۔

گیتا اپنے بستر پر لیٹی ہوئی تھی اور اس کی آنکھیں بند تھیں۔ پنڈت نے جب گیتا کو دیکھا تو اس کے منہ میں پانی بھر آیا وہ دل ہی دل میں سوچنے لگا اتنی خوبصورت لڑکی شاپت کیسے ہوسکتی ہے وہ دل ہی دل میں اس کے قرب کی تمنا کرنے لگا تھا اچانک اس کے ذہن میں خیال پیدا ہوا یہ لڑکی کہیں سے بھی شاپت نظر نہیں آتی کیوں نہ حالات کا فائدہ اُٹھایا جائے۔ چند لمحے تک سوچنے کے بعد وہ لکشمی دیوی سے مخاطب ہوا۔

دیوی۔۔۔ تمہاری پتری پر بڑا خطرناک شراپ ہے۔۔۔ ہمیں اس کمرے میں اکیلے اس کے ساتھ ایک جاپ کرنا ہوگا جس کے بعد وہ شراپ ختم ہوجائے گا۔۔۔۔ پنڈت نے مکاری سے کہا۔

(راجیو نے یہ دیکھا کہ اس جملے کے ساتھ ہی پنڈت کی آنکھوں میں ایک چمک دوڑ گئی ہے۔

ضرور پنڈت جی آپ ایک مہمان گیانی ہیں آپ میری بچی کو اچھا کردیں ہم چلے جاتے ہیں اس کمرے سے۔۔ لکشمی دیوی نے اتنا ہی کہا تھا کہ راجیو بول پڑے۔

یہ کیا کر رہی ہو تم۔ ہم میں سے کوئی نہ کوئی اس کے ساتھ ضرور ہونا چاہیے تاکہ جو بھی ہو ہمارے سامنے ہو۔۔ راجیو کے لہجے میں تشویش تھی۔

اتنا سننا تھا کہ پنڈت گرج کر بولا۔

دھکاری تو نے ہمارا اپمان کیا ہے تیری پتری پر یہ شراب صرف ہم ہٹا سکتے ہیں ہم جا رہے ہیں۔۔ پنڈت کا لہجہ غصیلا تھا۔

پنڈت جانے ہی لگا تھا کہ لکشمی دیوی نے اس کو روک لیا اور لرزتے ہوئے بولی۔

شما چاہتی ہوں ۔۔۔ پنڈت جی میرے پتی آپ کا مہاتما کو جانتے نہیں۔

لکشمی دیوی کے نزدیک پنڈت پجاریوں کی اعلیٰ دھرم تھی اور ان کی ناراضگی گناہ تھی چنانچہ وہ پنڈت کے غصے سے کانپ گئی۔

اور نہ چاہتے ہوئے بھی راجیو کو لکشمی کے ساتھ کمرے سے باہر جانا پڑا تھا۔

جب وہ جانے لگے تو پنڈت نے کہا۔

دیکھو دیوی تمہاری بچی کے چلانے کی آواز تمہارے کانوں میں آئے تو گھبرانا مت وہ چیخیں اس آتما کی ہونگی جس نے اس کو وش میں کر رکھا ہے۔۔ پنڈت نے مکاری سے کہا۔

ان دونوں کے کمرے سے باہر جانے کے بعد پنڈت مکاری سے مسکراتا ہوا گیتا کے سرہانے کے پاس پہنچ گیا اس کی آنکھوں میں ہوس ناچ رہی تھی وہ گیتا کے سراپے کو بھرپور نظروں سے دیکھتا رہا اور زیر لب بڑبڑایا۔

اگر حسن و جوانی کی اس گنگا میں جو نہ نہائے وہ تو بے وقوف ہی کہلائے گا۔۔۔ یہ کہتا ہوا وہ اس کے سرہانے بیٹھ گیا گیتا کی آنکھ کھل چکی تھی لیکن اس نے آنکھ بند ہی رکھی تھی پنڈت نے گنگناتے ہوئے آہستہ آہستہ اپنے جسم کے کپڑے اتارنا شروع کردیئے اس کی نظر میں گیتا پر کوئی آتما نہ تھی ویسے بھی یہ پنڈت اتنا اتنا علم والا نہ تھا بس یہ تو ایک معمولی پجاری تھا لیکن لوگوں کو بے وقوف بنانا بہت اچھے سے جانتا تھا وہ چند ہی منٹوں میں وہ زیر جامہ میں موجود تھا جیسے ہی اس نے گیتا کے گالوں کو چھوا۔۔

اسی پل اس نے آنکھیں کھول دیں۔۔۔ گیتا کی آنکھیں چھت پر گڑی تھیں۔۔ وہ لال سرخ آنکھیں دیکھ کر پنڈت کانپ گیا۔ جیسے ہی اس نے گیتا کو ہاتھ لگایا اسی پل اس کو ایک زوردار جھٹکا لگا اور وہ اُڑتا ہوا الماری سے ٹکرایا تھا۔

پنڈت کے حلق سے دلخراش چیخ نکلی گیتا اُٹھ کھڑی ہوئی اس نے دوسرے ہاتھ کا اشارہ کیا تو اس بار پجاری کو دوسرا جھٹکا لگا اور ہوا میں اوپر اُڑتا ہوا چھت سے ٹکرایا تو پنڈت کی چیخیں بلند ہو رہی تھیں چند ہی منٹوں میں وہ اچھا خاصا زخمی ہوچکا تھا اسی پل دروازہ کھلا اور

گیتا کے ماں باپ اندر داخل ہوئے انہوں نے پنڈت کی حالت دیکھی تو صورتحال سمجھنے میں دیر نہ لگی تھی لازماً اس نے گیتا پر بری نظر ڈالی تھی راجیو کو شدید غصہ آنے لگا تھا جبکہ لکشمی دیوی اپنا اعتماد ٹوٹتا دیکھ کر سناٹے میں تھیں۔

دروازہ کھلتے وہ زخمی اسی حالت میں بھاگا، اس نے پیچھے مڑ کر دیکھنا بھی گوارہ نہ کیا تھا۔ لکشمی دیوی نے پنڈتوں کے متعلق جو بت تراشے تھے اب وہ ٹوٹ چکے تھے۔

گیتا اب کمرے کی فضا میں معلق تھی اس کے دونوں ہاتھ پھیلے ہوئے تھے اس کی آنکھیں اور چہرا سرخ تھا، اسے دیکھ کر وہ دونوں چونک پڑے تھے گیتا کے منہ سے دو آوازیں نکلی تھیں ایک مرد کی دوسری گیتا کی اپنی میں گیتا کو چھوڑ۔۔ کر نہیں جاؤں گا وہ صرف میری ہے ---یہ صرف میری ہے۔۔۔ مردانہ آواز سخت اور بھاری تھی۔۔ گیتا کی والدہ تھر تھر کانپنے لگی تھیں۔

وہ دونوں گیتا کو اسی حالت میں چھوڑ کر کمرے سے باہر نکل آ گئے، لکشمی کو بڑا افسوس تھا کہ پنڈت نے ان کو دھوکہ دیا تھا جیسے ہی وہ کمرے سے باہر نکلے ان کا مالی ان کو کھڑا نظر آیا تھا جو چلانا سن کر اندر آ گیا تھا مالی ان کے پاس آیا اور بولا۔

صاحب۔۔آپ سید بابا کو بلا لیں اب وہی ہیں جو بیٹا کو ٹھیک کر سکتے ہیں۔

مسلمان۔۔ لکشمی زیر لب بڑبڑائیں۔

ہاں تو کیا ہوا ایک پنڈت کو دیکھ ہی لیا ہے۔۔ اور مسلمان مجھے یقین ہے دھوکہ نہیں دیتے۔۔۔ راجیو برہمی سے بولے۔

لکشمی دیوی نے کوئی جواب نہ دیا۔

☆......☆......☆

مالی سید بابا کو بلانے چلا گیا تھا جو مالی کے ہی محلے میں رہتے تھے سید بابا کی کہانی بھی عجیب تھی ان کا اصل نام سید علی تھا آج سے بیس سال پہلے ان کی بیٹی شدید بیمار تھی مرنے کے قریب آ چکی تھی پھر ان کو کسی بزرگ کا سایہ نصیب ہو گیا پھر ان کی دعاؤں کی برکت سے وہ بالکل ٹھیک ہو گئی اس کے بعد وہ اسی بزرگ کے ہو کر رہ گئے ان کے آستانہ کا فیض تھا کہ آج وہ روحانی علوم سے مال مالا تھے۔

جیسے ہی سید بابا راجیو کے گھر میں داخل ہوئے وہ دونوں متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے تھے اسقدر سادہ اور دل میں اتر جانے والی شخصیت تھی ان کی سفید لباس میں ملبوس تھے ان کے چہرے پر سفید رنگ کی ریش نے ان کو مزید رونق بخشی تھی اور سر پر نماز والی ٹوپی تھی۔ راجیو ان سے بہت متاثر ہوئے تھے اس کے دل میں مسلمانوں اور اسلام کے لئے نرم گوشہ پیدا ہو چکا تھا۔

جیسے ہی وہ کمرے میں داخل ہوئے گیتا چونک کر اٹھ بیٹھی۔

السلام وعلیکم ---۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی وہ بلند آواز میں بولے۔

وعلیکم السلام ---۔ گیتا کے منہ سے از خود مردانہ آواز نکلی تھی۔

گیتا کے منہ سے سلام کا جواب سن کر راجیو اور لکشمی دونوں چونک پڑے تھے۔

کیوں تنگ کر رہے ہو۔۔ میاں اس بچی کو۔۔۔ سید بابا مسکرائے۔

تم۔۔۔ سے مطلب گیتا نے غصے سے جواب دیا۔

میاں یہ بچی بھی انجان اور بے گناہ ہے اس کو چھوڑ دو۔

بے گناہ۔۔۔ گیتا نے جواب دینے کے بجائے ہنسنا شروع کر دیا تھا۔

لگتا ہے تم ایسے نہیں مانو گے۔۔ سید بابا نے غصے سے کہا اور دوسرے پل سید بابا نے زیر لب کچھ پڑھنا شروع کر دیا تھا جیسے ہی انہوں نے گیتا کی جانب پھونک ماری تو گیتا کے حلق سے چیخ نکلی اور بیڈ پر تڑپنا شروع کر دیا۔

کون ہو۔۔ تم ---۔ سید بابا غصے سے بولے۔

گیتا اب سنبھل چکی تھی جواب دینے کے بجائے

اس نے منہ کھولا تھا اور منہ کے کھلتے ہی جو منظر سامنے آیا تھا اس کو دیکھ کر لکشمی کی چیخ نکل گئی۔۔۔۔

وہ بہت سے چھوٹے چھوٹے سے سانپ تھے جو اس کے منہ سے نکل کر فرش پر رینگنے لگے تھے پورے کمرے میں چاروں طرف سانپ ہی سانپ تھے سانپوں کو دیکھ کر وہ دونوں تو نکل بھاگے لیکن سید بابا اسی جگہ کھڑے تھے سانپوں کو دیکھ کر سید بابا مسکرائے اور بولے۔

یہ شعبدے صرف بچوں کو متاثر کر سکتے ہیں۔۔۔ مجھ کو نہیں اب دیکھ۔

سید بابا نے کچھ پڑھ کر پھونکا ہی تھا کہ فرش سے بولے نکل نکل کر ان کو کھانے لگے تھے سید بابا کی آنکھیں بند تھیں اور وہ زیر لب کچھ پڑھ رہے تھے پھر انہوں نے پھونک ماری اور گیتا کے حلق سے چیخ نکلی اور وہ بیڈ پر تڑپنے لگی۔

مجھے ---- بچاؤ۔۔ جسم بہت جل رہا ہے ایسا لگ رہا جیسے آگ ہو۔۔ گیتا کے منہ سے مردانہ آواز نکلی۔

اس کی بات سن کر سید بابا مسکرا کر بولے۔

شہزادے اب کھل جاؤ ورنہ یہ آگ تم کو جلا کر خاک کر دے گی۔

گیتا کے چہرے سے تکلیف کا اظہار ہو رہا تھا اس کے والدین اب کمرے میں داخل ہو چکے تھے وہ بولے سانپوں کو کھا کر غائب ہو چکے تھے۔

م۔۔ میرا نام اشقر ہے۔۔ اور میں ایک جن ہوں۔۔۔ گیتا میں موجود جن نے کہا۔

مسلمان ہو۔

جی اللہ کا شکر ہے۔۔۔ جن نے کراہتے ہوئے کہا۔

تم اس کو کیوں پریشان کر رہے ہو۔

اس کی گاڑی کی ٹکر سے میرے پورے خاندان والے مل گئے وہ میری قسمت تھی جو میں بچ گیا۔

تو اس کا مطلب تم اس کو بے قصور کو مار دو۔۔

ماہنامہ ڈر ڈائجسٹ کی دستیابی

مہران نیوز ایجنسی
حیدر آباد
0222-780128

الفتح نیوز ایجنسی
مہران مرکز سکھر
071-5613548

احمد نیوز ایجنسی
شاہی بازار بہاولپور
0300-6836902

الشیخ نیوز ایجنسی
اخبار مارکیٹ ملتان
0300-7388662

انصاری بک اسٹال
پرنس روڈ کوئٹہ
0333-7842310

اقبال پرویز نیوز ایجنسی
گجرانوالہ سٹی
0333-8103489

اشرف بک ایجنسی
کمیٹی چوک راولپنڈی
051-5531610

اس نے کوئی قصور نہیں کیا بات اس کے علاوہ کچھ اور بھی ہے سچ بولو۔۔سید صاحب غصے سے دہاڑے۔

گیتا چند لمحے خاموش رہی پھر اس کے منہ سے آواز نکلی۔

میں اس سے محبت کرتا ہوں۔۔اس کو روز اس پیڑ سے گزرتے دیکھتا تھا جب سے ہی میرے دل میں اس کی چاہت پیدا ہوگئی تھی حادثے والے دن بھی یہ ادھر سے گزری تھی اور میری قسمت تھی جو میں بچ گیا اور بروقت اس پیڑ سے نکل سکا لیکن میرے گھر والے جل گئے۔۔۔جن نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

مجھے افسوس ہے تمھارے گھر والوں کا تم اس کو کب کا مار چکے ہوتے اگر اس سے محبت نہ کرتے ہوتے۔ایسی ہی بات ہے ناں۔۔۔سید بابا نے سنجیدگی سے کہا۔

ہاں میں اس سے نفرت نہ کر سکا مگر اس کے جسم پر تو تسلط رکھ سکتا ہوں۔

نہیں۔۔۔اس حادثے میں اس کا کوئی قصور نہ تھا ویسے بھی ہمارا مذہب کسی بے گناہ پر ظلم کرنے سے منع فرمایا ہے اور اللہ نے معاف کرنے کی تاکید کی اور ہمارے نبی ﷺ نے بھی اپنے دشمنوں کو معاف کرتے تھے اور میں چاہتا ہوں تم معاف کردو۔۔سید بابا نے کہا۔

سید بابا کے منہ سے یہ سب سن کر راجیو اور لکشمی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے ان کا دل ایک عجیب انداز میں دھڑک رہا تھا ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے کسی نے ان کے دل کی دنیا میں ہلچل مچادی ہو۔انہوں نے دیکھا کہ گیتا کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں پھر اس کے لب ہلے مجھے معاف کردیں میں چلا جاتا ہوں اس کے جسم سے۔میں بھول گیا میں اتنے مہربان اور محبت کرنے والے نبی ﷺ کا امتی ہوں جو خود پر ظلم کو بھی معاف کردیتے تھے۔

اس کی بات سن کر سید بابا مسکرانے لگے ان کی آنکھوں سے تشکر کے آنسو بہہ نکلے تھے۔۔پھر سید بابا نے گیتا کو بے ہوش ہوتے دیکھا تو آہستہ سے اس کے قریب گئے اور ماتھے پر انگلی رکھ کر کچھ پڑھنے لگے۔

اب۔۔۔تمھاری بچی اچھی ہوگئی ہے۔۔۔۔ اب اللہ کا شکر ادا کرو۔۔۔سید بابا مسکرا کر راجیو شکلا سے مخاطب ہوکر بولے۔

جیسے ہی وہ کمرے سے باہر جانے لگے تھے اسی پل راجیو اور لکشمی ان کے پیروں پر گر گئے تھے۔

ارے۔۔ارے۔۔۔جھکا صرف اللہ کے آگے جاتا ہے۔۔۔بندوں کے آگے نہیں۔سید بابا بولے۔

ہم بھی آپ کے اللہ کے ہونا چاہتے ہیں ہم جان گئے ہیں کہ پتھروں کا سچ کیا ہے۔۔۔راجیو شکلا آنسو بھری آواز میں کھڑے ہوتے ہوئے بولے۔

ماشااللہ۔۔سید بابا مسکرائے۔

اور دونوں میاں بیوی کی نگاہیں احساس تشکر سے سجدہ ریز ہوگئیں۔

☆.....☆.....☆

راجیو شکلا اور لکشمی اب مسلمان ہوچکے ہیں اور گیتا نے بھی توحید کا کلمہ پڑھ لیا ہے راجیو شکلا نے اپنا اسلامی نام عبدالشکور رکھا ہے اور لکشمی دیوی اب شگفتہ بن چکی ہیں اور گیتا غزل کہلاتی ہے رمیش کا اسپتال میں ہوش آنے کے بعد دماغی توازن بگڑ گیا تھا ہوش میں آنے کے بعد وہ بہکی بہکی باتیں کرنے لگ گیا تھا راجیو کا اسلام قبول کرنا ہندو انتہا پسندوں نے قبول نہیں کیا اور انھیں تنگ کیا جانے لگا تو ایک روز چپ چاپ انہوں نے ہندوستان چھوڑ دیا اور امریکہ شفٹ ہوگئے۔

اشفر جن آج بھی غزل سے محبت کرتا ہے۔ اور جب تک زندہ ہے کرتا رہے گا وہ پیڑ جہاں سے پہلی بار اشفر نے غزل کو دیکھا تھا آج بھی جلی حالت میں موجود ہے۔

لاسٹ ڈنر

ایس امتیاز احمد-کراچی

ایک سیدھے سادھے شخص کی داستان عبرت جو کہ چکنی چپڑی باتیں کرنے والی پر مکمل اعتماد کر بیٹھا تھا مگر جب اس کی حقیقت کھلی تو اس کے چودہ طبق روشن ہوگئے۔

کھانے کا شوق.....کبھی کبھی.....انسان کو موت کی دہلیز تک بھی.....پہنچا دیتا ہے

چھیالیس سال کی عمر میں بھی ٹام ہنگری اگر بیوی جیسی نعمت سے محروم تھا تو اس میں بھی خدا کی کوئی مصلحت تھی ورنہ بیس بیس سال کے لونڈے اس کے سامنے بیاہے گئے اور اب بیس بیس سال کے بیٹوں کے باپ تھے۔ٹام کے جاننے والے اس کے مصلحت والے فلسفے کو مجبوری کا نام دیتے تھے اور کھلم کھلا اسے چیلنج کرتے تھے کہ وہ جس عورت پر انگلی رکھ دے تو خواہ وہ اس کی ماں کے برابر ہو یا بیٹی کے تیسرے دن وہ اسے منگنی کی انگوٹھی پہنا دیں گے البتہ نابالغ ہوئی تو اس کے بالغ ہونے کا انتظار کرنا پڑے گا۔یہ انگلی رکھنے کا مسئلہ بھی کافی ٹیڑھا تھا کیونکہ ٹام ہنگری سیدھا سادھا آدمی تھا اور سیدھی سادی عورت چاہتا تھا۔سلیقہ مند۔کفایت شعار اور امور خانہ داری میں ماہر اور جیسے جیسے وقت گزرتا جارہا تھا ٹام ہنگری کے معیار پر پوری اترنے والی

عورتیں عنقا ہوتی جارہی تھیں۔ اس کے ہم عصر ایسے بھی تھے جو پوتوں، نواسوں کو اٹھائے پھرتے تھے اور آتے جاتے کہیں مل جاتے تھے تو ازدواجی زندگی کے فضائل پر ہزار بار کہی ہوئی باتیں کہنے کے بعد افسوس سے سر ہلاتے ہوئے اپنی راہ لیتے تھے۔ ''یہ تمہاری بدقسمتی ہے ٹام کہ تم اتنی بڑی دنیا میں اکیلے ہو۔''

چنانچہ ازدواجی زندگی کے تمام فوائد، فضائل اور اسرار و رموز کے اظہر من الشمس ہونے کے باوجود ٹام ہنگری جانتا تھا کہ ہر راہ چلتی لڑکی یا آشنا ناآشنا عورت کے سامنے وہ شادی کی درخواست نہیں رکھی جاسکتی جس میں شرط اول یہ تھی کہ وہ کھانا پکانا جانتی ہو۔ کھانا یوں تو ہوٹلوں میں بھی مل جاتا تھا لیکن ہر جگہ وہی دس بارہ قسم کے سالن اور دو چار فضول قسم کی میٹھی چیزیں۔

اول تو ہر سالن کھایا نہیں جاسکتا اور گزشتہ پچیس سال سے وہ ہر ہوٹل میں اتنی بار کھانا کھا چکا تھا کہ وہ جس ہوٹل میں جاتا تھا بیرے بغیر پوچھے اس کے سامنے ایک چیز لا کر رکھ دیتے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ٹام ہنگری کو آٹھ دس چیزوں میں سے ان کی پکائی ہوئی کون سی چیز پسند ہے۔

یہ بھی اکثر ہوتا تھا کہ وہ کسی چیز کا آرڈر دیتا تھا۔ ''سوری سر۔ یہ ختم ہوگئی۔'' وہ دوسری چیز منتخب کرتا۔ وہ بھی نہ ملتی۔ مجبوراً جو ملتا زہر مار کرنا پڑتا۔ بے شک شہر کے بڑے بڑے ہوٹلوں کے باورچی ماہر تھے اور ایسی ایسی چیزیں تیار کر لیتے تھے جن کا تذکرہ اس نے صرف کھانے پکانے کی کتابوں میں پڑھا تھا۔

لیکن سال میں ایک بار ان ہوٹلوں میں قدم رکھنے کے بعد ٹام ہنگری کی طبیعت دو دن اور جیب ہفتہ بھر تک متاثر رہتی تھی۔ ٹام ہنگری کو اپنے کپڑے خود دھونے جھاڑ دینے اور برتن صاف کرنے میں اعتراض نہ تھا۔ اچھا کھانا اس کی سب سے بڑی کمزوری تھا مگر وہ چٹورا نہیں تھا بس اچھا کھانا وہ ضرورت سے زیادہ کھا جاتا تھا۔

بنیادی بات یہ ہے کہ ہر مرد کے دل کا راستہ اس کے معدے سے گزرتا ہے۔

چنانچہ ٹام کو یقین کامل تھا کہ کبھی نہ کبھی اس کو وہ عورت ضرور مل جائے گی جو اور کچھ کرے نہ کرے اسے عمدہ اور نت نئے لذیذ کھانے پکا کر کھلا سکے گی۔

زندگی کے چھیالیس سال پورے ہونے کے تھے کہ اس کی تلاش ختم ہوگئی۔ وہ اسپتال کے اس وارڈ میں لیٹا تھا جہاں عموماً ہیضے کے مریض رکھے جاتے ہیں۔ دو دن قبل اس نے ایک دوست کی شادی میں کچھ زیادہ کھالیا تھا جس سے کچھ متلی اور قے وغیرہ ہونے لگی تھی کہ لوگ اسے اٹھا لائے اور ڈاکٹروں نے باقاعدہ ہیضے کا علاج شروع کر دیا۔ اسے ایک ڈاکٹر کی یہ بات سن کر بڑی ہنسی آئی کہ

وہ مرجائے گا۔ فاقے سے مرتے تو اس نے بہت سنا تھا لیکن زیادہ کھالینے سے مرنے کا تصور واقعی مضحکہ خیز تھا۔ اگر آدمی کو اچھا کھانے کو ملے اور وہ خوشی خوشی پیٹ بھر کر کھائے تو بھلا مر کیسے سکتا ہے۔

چنانچہ تیسرے دن وہ بھلا چنگا ہو گیا۔ وہ دن بھر مختلف مریضوں کے پاس عیادت کے لئے آنے والوں کا دل بہلانے کے لیے جاتا رہا اور انڈے، پھل دودھ جو وہ استعمال نہیں کر سکتے تھے رزق کو ضائع ہونے سے بچانے کے لیے کھاتا رہا۔ اس نیک دلی کے صلے میں اسے مزید تین دن اسپتال میں گزارنے پڑے لیکن یہ ہی تین دن اس کی زندگی کا اہم موڑ بن گئے۔

چوتھے دن صبح کے وقت وہ اخبار دیکھ رہا تھا اور ان تمام ہوٹلوں کے اشتہارات پڑھنے کے بعد جہاں چینی انڈونیشی اطالوی اور ہندوستانی کھانے ملتے تھے اس نے ضرورت رشتہ کے اشتہاروں پر نظر ڈالی۔ اٹھارہ سالہ دراز قد، بائیس سالہ لیڈی ڈاکٹر،

جھوٹ، بائیس سال کی کوئی لیڈی ڈاکٹر آج تک دیکھنے میں نہیں آئی۔ چالیس سالہ تنہا خاتون۔ یہ چل سکتا ہے۔ ذاتی مکان اور فارم شہر سے بہتر میل دور پر فضا مقام جسے شوہر کی نہیں خدمتگار کی ضرورت ہے۔ ہر صفت عورت۔ امور خانہ داری میں ماہر، شوہر تمام مالی

تفکرات سے آزاد ہوگا اور دنیا کی ہر نعمت اس کے دسترخوان پر ہوگی۔ خاتون کھانا پکانے میں ثانی نہیں رکھتی۔ آگے پتا تھا۔

آخری جملہ پڑھ کر ٹام ہنگری کو یوں محسوس ہوا جیسے یہ اشتہار اسی کے لیے ہے۔ اشتہار نہیں یہ اس کے نام ایک کھلا خط ہے۔ بے شک خدا بڑا کارساز ہے اور اس نے ہر مرد اور ہر عورت کا جوڑا آسمانوں پر بنایا ہے اور ہر کام کا ایک وقت معین کیا ہے۔

اسی وقت ٹام ہنگری نے ایک دردناک رقت انگیز خط لکھا جس میں اپنی زندگی بھر کی تنہائی کا ذکر بڑے موثر پیرائے میں کیا۔ اس بات کا رونا رویا کہ خدا کی ذات کے سوا اس کا کوئی نہیں۔ اپنی بیماری کا تذکرہ کیا اپنی صفات بیان کیں، وفاداری کا یقین دلایا، عصمت کا وعدہ کیا، جیون بھر ساتھ نبھانے کی قسم کھائی، اسے اپنے خوابوں کی شہزادی وغیرہ بھی کہا اور خط کے اوراق کو خوشبو میں بسا کر ان اوراق کو لفافے میں ڈالا۔ پتے کے علاوہ اس پر یہ بھی لکھ دیا کہ نامہ بر دے کے لفافہ یہ انہیں کہہ دینا۔ بھیجنے والے نے دل بھیج دیا ہے اس میں وغیرہ۔ پھر اس نے دل کا بوجھ ہلکا کرنے اور انتظار کے لمحات کے کرب کو کم کرنے کے لئے سارے وارڈ کا چکر لگایا اور جہاں جو کچھ ملا خدا کا شکر ادا کر کے کھالیا۔ آخر کار ڈاکٹروں نے اسے کمرے میں قید کر دیا اور اسے بتادیا۔

ایک ہفتے تک کچھ کھانے سے قبل وہ اپنی تجہیز و تکفین کا بندوبست کر لے وصیت نامہ تیار کر لے اور اگر کوئی آخری خواہش ہو تو بیان کر دے۔

تیسرے دن اس نے اپنی آخری خواہش بیان کی تھی کہ اسے کہیں سے ایک چکن روسٹ کر کے لا دیا جائے مگر ڈاکٹر بڑے سنگدل تھے۔ انہوں نے وہی ابلا ہوا پتلا پانی جیسا پتلا سوپ اور ایک اونس دلیہ دو اونس دودھ کے ساتھ دے کر اسے ٹرخا دیا۔

چوتھے دن اس کی آنکھ کھلی تو وہ سمجھا کہ اس کی ازدواجی زندگی تمام ہو چکی اور جہنم میں کوئی بدروح اسے گناہوں کی سزا دینے پر مامور کر دی گئی ہے۔ بے شک اس کے اعمال ہی ایسے تھے۔ اس نے ڈر کر آنکھیں بند کر لیں۔ خدایا میرے گناہوں کو معاف فرما۔ میں کبھی چرچ نہیں گیا۔ اگر گیا تو صرف شادیوں میں۔ پڑوسیوں کی مرغیاں اور انڈے اور پھل چرائے اور.....

''ٹام ڈیر۔'' شہد کی طرح رس گھولنے والی میٹھی آواز اس کے کانوں میں ٹپکی۔ ''کیا حال ہے اب تمہارا۔'' ٹام نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ وہ اسپتال کے اسی کمرے میں تھا مگر تنہا نہیں تھا۔

پانچ فٹ آٹھ انچ لمبی اور پانچ فٹ نو انچ چوڑی ایک عورت اس کے سامنے بیٹھی تھی۔ اس نے منہ پر پوڈر تھوپ رکھا تھا جو پسینے کے ساتھ مل کر یوں لگتا تھا جیسے اس نے منہ پر مکھن لگا رکھا ہے۔ اس کا رنگ چاکلیٹ کی طرح تھا اور بال سویوں کی طرح موٹے اور سیدھے ''تم کون ہو؟'' اس نے دہشت زدہ ہو کر پوچھا کیونکہ عورت مسکرا بھی رہی تھی۔ جواب میں اس نے اپنے بلاؤز میں ہاتھ ڈالا اور دو تربوزوں کے درمیان سے ایک مختصر تعویذ نما کاغذ برآمد کیا جو ٹام کی شادی کی درخواست تھی۔ پسینے میں تر ہونے کے بعد تحریر بدنما دھبوں کی طرح نظر آرہی تھی اور خوشبو کی جگہ بھینس کے جسم کی سی بو آرہی تھی۔

''میرا نام مس بیبی کک ہے۔'' اس نے پھولوں کا گلدستہ ٹام ہنگری کے سینے پر رکھ دیا۔ ''میں تمہیں لے جانے آئی ہوں۔''

''کہاں؟'' ٹام ہنگری نے اس قیدی کی طرح پوچھا جسے سزا ہو چکی ہو۔ پھول اسے یوں لگا جیسے تابوت پر رکھے ہیں۔ ''تمہارے ساتھ ڈیئر۔ تمہارے خط نے مجھے بہت متاثر کیا اور تمہاری حالت دیکھ کر تو میری آنکھوں میں آنسو آگئے۔ کیا حالت کر دی ہے ان ظالموں نے تمہیں دلیہ کھلا کر۔ بھلا دواؤں سے اس بیہودہ خوراک سے بھی کوئی ٹھیک ہوا ہے۔ صحت کے لئے دودھ۔ پنیر، انڈے، اچھے مزیدار کھانے اور آرام چاہیے۔'' وہ ٹام ہنگری کے سر کو محبت سے سہلاتے

ہوئے بولی۔ اپنے گنجے سر پر اس کے کھردرے ہاتھ کا لمس ٹام کو بہت اچھا لگا۔ اس سے اچھے ٹام کو ان کھانوں کے نام لگے جو اس کے ہونٹوں سے نکلے۔ وہ گنوا رہی تھی کہ اسے کیا کچھ پکانا آتا ہے۔

اور ٹام کو اس کے ساتھ وہ سکھ ملے گا جس کا خواب ہر مرد دیکھتا ہے۔ پرسکون گھر۔ خدمت اور محبت رفاقت.....

مگر ٹام کے فیصلے کی بنیاد ان میں سے کوئی چیز نہ تھی۔ اس عورت کو وہ سب کچھ پکانا آتا تھا جو کتابوں میں لکھا ہوتا تھا اور جو شہر کے بڑے بڑے ہوٹلوں کے باورچی ہی پکا سکتے ہیں اور ٹام ہنگری کو یہ سب کچھ کسی شرط کے بغیر کسی معاوضے کے بغیر مل رہا تھا۔ بے شک حسن صورت کوئی چیز نہیں۔ خدمت محبت رفاقت بھی ثانوی حیثیت رکھتی ہیں۔

اصل بات یہ تھی کہ دل کی اس سنسان راہ گزر سے ہو کر جو معدے سے گزرتی ہے یہ دعوت اس کے دل میں اتر گئی تھی۔ اپنی تمام وسعت کے باوجود۔

شام سے قبل ٹام ہنگری نے اپنا سامان سمیٹا اور وہ انگوٹھی مس بیسی کی سب سے چھوٹی انگلی میں پہنانے کی ناکام کوشش کرنے کے بعد اس کے بیگ میں ڈال دی۔ جو ٹام کے باپ سے یہ بھی سنا تھا کہ یہی انگوٹھی اس کی اپنی ماں کو ذرا ڈھیلی رہی تھی۔ وقت کے ساتھ ساتھ انگوٹھی کچھ سکڑتی جا رہی ہے۔

تین گھنٹے بعد وہ مس بیسی کک کے ساتھ ایک آسیب زدہ قصبے میں پہنچا جہاں سورج غروب ہونے کے فوراً بعد ہی ہو کا عالم تھا۔ گلیوں میں کتے تک نہ تھے۔ بوڑھے لوگ سرِ شام افیون کی گولی کھا کر لیٹ جانے کے عادی معلوم ہوتے تھے۔ بچے اگر تھے تو بڑے سعادت مند قسم کے جو نہ ہنس رہے تھے نہ رو رہے تھے اور جو عورتیں صلح جو کہ کہیں سے ان کے لڑنے کی آواز نہ آ رہی تھی۔ جنرل اسٹور پر دو چار نوجوان گلی سڑی لڑکیوں سے بادلِ نخواستہ معاشقہ لڑا رہے تھے۔ ایک وحشت زدہ کیفے میں بھی کچھ اسی قسم کی کیفیت تھی۔

ٹام ہنگری کو رہنے کے لئے ایک صاف ستھرا کمرہ ملا جو اس کے پرانے کمرے سے کہیں زیادہ صاف اور آرام دہ تھا۔ کھلی کھڑکی سے فطرت کا سارا حسن اپنے حقیقی رنگ میں نظر آتا تھا اور ہوا میں تازگی کی مہک محسوس ہوئی تھی۔ سامان کے انتخاب اور آرائش میں اس سلیقے کا پتہ چلتا تھا جو صرف ایک عورت کے وجود سے آتا ہے۔ ہر چیز قاعدے قرینے سے لگی ہوئی گرد سے بے نیاز اور بے داغ تھی۔ اس کے مقابلے میں ٹام ہنگری کا پرانا کمرہ کباڑ خانہ تھا۔

اس نے اطمینان کا پہلا سانس لیا ہی تھا کہ مس بیسی کک نے رات کے کھانے کی اطلاع دی تو حیران رہ گیا۔ ابھی انہیں پہنچے ہوئے مشکل سے ایک گھنٹہ ہوا تھا اور اتنے کم وقت میں اس کی ہونے والی بیوی نے ڈنر تیار کر لیا۔

ٹام ہنگری اوپر سے نیچے آیا تو اس کی حیرت میں مزید اضافہ ہوا۔ میز پر انواع و اقسام کے کھانے بڑی نفاست سے چنے ہوئے تھے۔ یہ احساس اس کو ہوا کہ اس نے انتالذیذ کھانا زندگی میں کبھی نہیں کھایا۔ جب اس کی ہونے والی خدمت گزار بیوی نے نوکر کو حکم دیا کہ وہ مالک کے ہاتھ دھلوائے۔

''مالک'' ٹام ہنگری کو اس ایک لفظ نے فرش سے عرش پر پہنچا دیا۔ اور اس نے کونے میں کھڑے ہوئے مظلوم صورت شخص کو پہلی بار دیکھا۔ جو گرم پانی اور صابن لے کر یوں اس کی طرف بڑھا جیسے وہ سوتے میں چل رہا ہو ہاتھ دھوم کر ٹام ہنگری نے خادم کا شکریہ ادا کیا۔ بیوی کو گڈ نائٹ کہا اور بل ادا کئے بغیر خواب گاہ کی طرف چل پڑا۔

زندگی میں یہ پہلا موقع تھا کہ اس نے اتنا اچھا کھانا اتنی عزت کے ساتھ کھایا اور اسے کچھ ادا نہیں کرنا پڑا تھا۔ مفت ڈنر کے ساتھ مالک ہونے کے احساس نے اسے ایک نئی مسرت سے آشنا کیا۔ بے شک یہ اس کا اپنا گھر تھا یہ اس کی اپنی بیوی تھی۔ یہ اس کا اپنا خادم تھا۔ یہ اس کی اپنی خواب گاہ تھی۔ کہنے والے سچ کہتے

تھے کہ وہ اب تک اتنی بڑی نعمت سے محروم تھا اور زندگی کا کتنا بڑا حصہ ضائع ہو گیا مگر اب تک وہ بیوی بچوں کی محبت جیسی انمول شے سے محروم رہا تو یہ بھی قدرت کی کوئی مصلحت تھی۔ شاید اسے بیسی کک جیسی مثالی بیوی کا انتظار کرنا تھا۔

دیر آید درست آمد۔ اس کے ذہن میں اب سارے دلائل حسن حیرت کے حق میں تھے۔ صورت کا کیا ہے حسن پر وقت گزرنے کے ساتھ زوال آتا ہے۔ سیرت دائمی اور حقیقی شے ہے۔ عورت کا جسم تو بازار کی جنس ہے بیوی کا تصور ایک خوبصورت احساس ہے۔

طے شدہ پروگرام کے مطابق اگلے دن انہیں شادی کے فرض سے سبکدوش ہو جانا تھا۔

ٹام ہنگری کی شادی کا خوبصورت دن بڑے اہتمام سے طلوع ہوا۔ پرندوں نے اپنے سریلے نغموں سے فضا کو معمور کر لیا اور سورج کی سنہری کرنیں خواب گاہ کے دریچے پر دستک دینے لگیں۔

ٹام ہنگری نے اپنے آخری خوبصورت خواب کو ادھورا چھوڑا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ زندگی میں کبھی اس نے خود کو اتنا مستعد اور چاق و چوبند محسوس نہیں کیا تھا۔ عمر کے بیس سال جیسے معذرت کر کے واپس چلے گئے تھے ان مہمانوں کی طرح جو میزبان کے تیار ہونے سے قبل ہی کسی دعوت میں پہنچ جائیں۔ شباب کی قوت اس کی رگ رگ میں نشہ بن کر دوڑ رہی تھی اور خود اعتمادی کا ایک نیا جذبہ جسم میں انگڑائیاں لے رہا تھا۔

وہ ناشتے کی میز پر پہنچا تو پھر جذباتی ہو گیا۔ مس بیسی کک ناشتہ سجائے روایتی بیویوں کی انداز میں اس کا انتظار کر رہی تھی۔ اسے تھوڑی سی ندامت ہوئی جو خجالت ہی کا ایک روپ تھی۔ بدلہ ہوا اور اجنبی روپ۔

''آئی ایم سوری ڈارلنگ'' اس نے پرانے خاوندوں کی طرح کہا۔ ''رات مجھے بڑی پرسکون نیند آئی۔ تمہیں انتظار کرنا پڑا۔''

''انتظار کیسا ڈیئر۔ تمہیں آرام کی سخت ضرورت تھی۔ ان کمینے ڈاکٹروں نے تمہاری نیند کا بھی راشن مقرر کر رکھا تھا۔'' بیسی نے کہا۔ اس وقت وہ ٹام ہنگری کو اپنے شوخ رنگ کا لباس میں مقفل جسم کے انبار کے باوجود بے حد حسین لگی کیونکہ اس کی صورت کے گرد بے غرض محبت اور خلوص کا روشن ہالہ تھا اور میز پر کھانے کی درجن بھر چیزیں موجود تھیں۔

رات کو اس نے ایک بات محسوس نہیں کی تھی۔ وہ اجنبی تھا۔ ڈرا ہوا تھا یا تھکان اور بھوک سے بے حال تھا یا حد سے زیادہ خوش تھا کہ اس نے اپنی زندگی کے اس نئے موڑ کے علاوہ کچھ نہیں سوچا تھا مگر اب وہ ناشتے کی میز پر بیٹھا تو اس نے چار آدمیوں کی میز پر تین آدمیوں کے ناشتے کا بندوبست دیکھا۔ تین کپ۔ تین بڑی پلیٹیں اور تین چھوٹی۔ وہ کچھ دیر تک منتظر رہا کہ ملازم ان کے ساتھ آ کر بیٹھے تو وہ شروع کرے مگر بیسی نے اسے اشارہ کیا تو وہ کھانے میں مصروف ہو گیا۔ بیسی نے تیسرے شخص کے لیے کھانے کی ہر چیز پلیٹ میں ڈالی تھی۔ اس کے لئے چائے بھی بنائی تھی مگر اس کرسی پر کوئی نہ آ کر بیٹھا تھا۔ ٹام ہنگری کو تعجب ضرور ہوا مگر اس نے کوئی تعرض نہ کیا۔

دوپہر کے کھانے پر بھی اس نے یہی تماشہ دیکھا۔ کھانے کی ہر چیز تیسرے غیر حاضر شخص کے لیے رکھی گئی جو آخر تک نہ آیا اور اس کے حصے کا کھانا پھینکا گیا۔

ایک سے ایک مزیدار چیز جس کے لیے ٹام ہنگری زندگی بھر ترستا رہا، کوڑے میں ڈال دی گئی۔ چونکہ لنچ کے فوراً بعد انہیں شادی کے لئے تیار کرنی تھی اس لئے ٹام ہنگری کو سوال جواب کا موقع نہ ملا مگر یہ بات اسے معلوم ہو گئی کہ گھر کا ملازم البرٹ کھانے کے دوران دست بستہ کھڑا رہا تھا مگر اس تیسری کرسی پر نہیں بیٹھا تھا۔ کھایا اس نے بھی وہی تھا جو پکا تھا مگر وہ نہیں جو پھینک دیا گیا تھا۔

شام سے قبل وہ دونوں گرجا سے لوٹے۔ شادی کی تقریب میں گاؤں کے چند افراد شریک تھے مگر باہر تماشہ دیکھنے والے کافی لوگ تھے۔ لوفر نوجوان اور ان کی

فاقہ زدہ گرل فرینڈز۔ انہوں نے سیٹیاں بجائیں تالیاں پیٹیں ذومعنی فقرے کسے اور غلط قسم کے اشارے کئے مگر عروسی جوڑا پہنے ہوئے بیسی کک اور سوٹ میں ملبوس ٹام ہنگری ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے آگے بڑھتے گئے اور بدتہذیبی کے اس مظاہرے کو نظر انداز کردیا۔ دنیا میں یونہی ہوتا آیا ہے۔ نوجوانوں نے شادی کو صرف اپنا حق سمجھ رکھا ہے۔

بیسی نے کھانے کا زبردست انتظام کیا تھا اور حقیقت یہ ہے کہ ٹام ہنگری نے جو کچھ اس شب کھایا اس کا نہ کسی کتاب میں تذکرہ تھا نہ اس نے کوئی چیز کبھی خواب میں دیکھی تھی۔ ذائقہ، خوشبو، رنگت۔ ہر چیز انوکھی اور لاثانی تھی عروسی جوڑے میں بیسی کک کرسمس ٹری کی طرح لگ رہی تھی اور اس کی شرمیلی مسکراہٹ میں خودسپردگی کا وہ انداز تھا۔ جس میں ٹام ہنگری کے لئے اعلیٰ شراب کی پوری بوتل سے زیادہ نشہ تھا۔

صرف ایک نظر اس نے تیسری خالی کرسی کے سامنے رکھے ہوئے کھانے کی ہر ڈش کو دیکھا اور ایک نظر البرٹ کو جو کونے میں سرنگوں کھڑا تھا اور اس نے اپنی خوشی میں البرٹ کو شریک کرنے کے علاوہ فراخدلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے دعوت دے ڈالی کہ وہ ان کے ساتھ خالی کرسی پر آبیٹھے مگر اس کا جواب دینے سے پہلے بیسی کک نے کہا۔ ''البرٹ کھا چکا ہے ڈارلنگ۔ تم کھاؤ۔'' اور البرٹ نے بڑی افسردہ مسکراہٹ سے اقرار کیا۔

''بیسی ڈارلنگ۔ کیا آج کسی مہمان کو آنا تھا۔'' ٹام ہنگری نے سرسری طور پر پوچھا اور تیسری کرسی کو دیکھا۔ ''نہیں۔ مگر تم باتوں میں ہی یہ رات گزار دو گے کیا۔'' بیسی کک نے شرماتے شرماتے کہا۔ ''کھانا کیوں نہیں کھاتے بھوک اڑ گئی ہے تمہاری'' ایسی یادگار دعوت میں حد سے زیادہ خوشی کے باعث ٹام ہنگری کی روح قفس عنصری سے پرواز کرسکتی تھی مگر بھوک نہیں اُڑ سکتی تھی۔ وہ اتنا کھا گیا کہ بھاری پیٹ اور اس سے کہیں زیادہ بھاری بیوی نے اس پر رات کو بھاری کردیا اور اس نے محسوس کیا کہ حسن صورت کو بھی بالکل نظر انداز تو خیر نہیں کیا جاسکتا مگر زندگی اسی کا نام ہے۔ اس نے ایک ٹرک پر لکھا ہوا دیکھا تھا۔ ''گلوں سے خار بہتر ہیں جو دامن تھام لیتے ہیں۔''

ٹام ہنگری کی زندگی بالکل بدل گئی۔ صبح دوپہر اور شام اچھے سے اچھا کھانا اور فارغ وقت میں سوتے رہنا یا ریڈیو پر موسیقی کے بین الاقوامی پروگرام سنتے رہنے کے سوا اس کا کوئی کام نہ تھا۔ ہر کام وقت پر ہوجاتا تھا۔ اس کے کپڑے دھل جاتے تھے استری ہوجاتے تھے غسل کے وقت تیار مل جاتے تھے۔ اشارے پر ہر چیز حاصل ہوجاتی تھی۔ بیوی اس پر فریفتہ تھی اور اسی پر اپنی مسکراہٹ کے موتی اور اداؤں کے خزانے لٹاتی رہتی تھی۔

ٹام ہنگری کے لئے صرف دو باتیں تشویش کا باعث تھیں۔ ایک تو خالی کرسی جس کے سامنے سے دن میں تین بار ایک سے ایک مزیدار کھانا اٹھا کر پھینک دیا جاتا اور دوسری بات یہ تھی کہ کھانا اگر پکانے والا کوئی نہ تھا تو پکایا کیوں اور پکالیا تھا تو پھینکنے کی کوئی وجہ نہ تھی کیونکہ ٹام کی طرح دنیا میں ایسے بہت سے تھے جو بدستور ہوٹلوں میں کنکر پتھر مچھر مکھیوں والے ملغوبے کھارہے تھے کیونکہ ان کے مقدر میں کوئی بیسی کک نہ تھی اور ان کے علاوہ لاکھوں ایسے تھے جو ان کے خواب بھی نہیں دیکھتے تھے کیونکہ خالی پیٹ نیند ہی نہیں آتی تھی۔ رات کا مسئلہ دوسرا تھا اور زیادہ تشویشناک بھی۔

تیسرے دن اس نے اپنے شوہرانہ اختیارات کو استعمال کرنے کی کوشش کی۔ ''بیسی ڈارلنگ۔ میری سمجھ میں یہ کھانا پھینکنے کی بات نہیں آئی۔''

''اوہ ڈیئر۔ مجھے معلوم نہیں تھا تم بھوکے رہ جاتے ہو۔ آج سے میں کچھ زیادہ پکالوں گی۔'' بیسی نے کہا۔ ''میرا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا۔ مجھے بھوک ہوگی تو میں تم سے پوچھے بغیر بھی......'' اس نے تیسری کرسی کے سامنے رکھے ہوئے کھانے کی طرف اشارہ کیا۔ ''ایسا کبھی نہ کرنا ڈیئر۔ پلیز۔'' وہ لجاجت سے بولی۔

''اگر رزق کو یوں ضائع کرنے کا فائدہ کیا ہے۔ کیا ہم کسی بھوکے کا پیٹ نہیں بھر سکتے تو کچھ کم پکا کے بچت تو کرسکتے ہیں۔'' اس نے تعجب سے کہا۔ ''مجھے دکھ ہوتا ہے۔ آخر تمہارا پیسہ......''

''ٹام ڈارلنگ۔'' بیسی نے کہا۔ ''اس میں تمہارا پیسہ تو خرچ نہیں ہوتا نا۔ اس بات کو چھوڑ دو۔ اور......'' وہ رکتے رکتے بولی...... ''اس موضوع کے علاوہ تم جس موضوع پر چاہو گفتگو کرسکتے ہو۔'' ٹام ہنگری نے خاموش ہوجانا بہتر سمجھا۔ واقعی اسے اپنے کام سے کام رکھنا چاہیے۔ آخر اس کی جیب سے کیا جاتا ہے اور اس کے حصے سے کیا جاتا ہے جو وہ اعتراض کرے۔

ایک مہینے بعد ٹام ہنگری صحت اور مسرت کی قابل رشک تصویر بن گیا۔ تفکرات سے آزاد زندگی آرام اور بہترین غذا کے علاوہ دیہات کی خوشگوار فضا نے اس پر بڑا اچھا اثر ڈالا۔ اس کا جسم بھر گیا۔ رخسار سرخ ہوگئے آنکھوں میں چمک آگئی اور اس نے لکڑیاں کاٹنے، مرغیوں کو دانہ ڈالنے اور دودھ دوہنے کے علاوہ جسمانی طاقت کے بہت سے مظاہرے کئے۔

ایک بار وہ دودھ نکال رہا تھا کہ بھینس نے اس کے لات ماردی اور وہ بالٹی سمیت اُلٹ گیا۔ جواباً اس نے بھینس کے لات رسید کی اور مس بیسی کک کو بھینس کے ٹخنے پر ہلدی چونا قسم کی چیزیں تھوپ کر پٹی باندھنی پڑی۔

ایک بار کسی نے احاطے کی دیوار پر سے سر نکال کر اچانک کہا۔ ''بڈھے کھڑوس اس چڑیل نے پھنسالیا تجھے۔'' تو وہ مرغیوں کو دانہ ڈالنا چھوڑ کر دوڑا اور دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ مجرم کو فرار ہونے کے لیے کافی وقت مل گیا تھا لیکن دو فرلانگ کی ریس کے بعد ٹام نے اسے جالیا اور اس کو ایک مکہ مار کے دوسرا مکہ مارنے کی حسرت لئے لوٹ آیا۔ کیونکہ دوسرے مکے میں اس کے ہاتھ سے مقتول ہوجانے کا ڈر تھا۔

اس ایک ماہ کے دوران بیسی کک کی محبت دن دونی رات چوگنی ترقی کرگئی اور ٹام ہنگری اس کے اور اس کی عنایتوں کے بار تلے دبتا چلا گیا۔ تیسرے غیر حاضر شخص کا کھانا باقاعدگی سے پھینکا جاتا رہا اور البرٹ پہلے سے زیادہ مظلوم ومحروم ہوگیا۔ کیونکہ بیسی کے ساتھ اب ٹام ہنگری بھی اسے وقت بے وقت ڈانٹنے ڈپٹنے لگا۔ اسے ذرا ذرا سے کام کے لئے دوڑانے لگا اور معمولی قصور پر جائز ناجائز کہنے لگا۔ مگر البرٹ نے ذلت کو اپنا مقدر سمجھ رکھا تھا چنانچہ اس نے کسی بات کا جواب دینا تو درکنار برا تک نہیں مانا۔

پھر ایک رات جب اس پر عشق سے زیادہ کھانے کی لذت کا نشہ تھا ٹام ہنگری کی بیوی نے بڑی محبت سے کہا۔ ''ٹام ڈیئر۔ کبھی تم نے یہ بھی سوچا کہ خدانخواستہ تم نہ رہے تو میرا کیا بنے گا۔

ٹام نے یہ واقعی نہیں سوچا تھا چنانچہ وہ اس سوال پر بھونچکا رہ گیا۔ ''میرے نہ رہنے کا کیا سوال ہے بیسی ڈارلنگ۔ میں کبھی تمہیں چھوڑ کر کہیں نہیں جاسکتا۔''

''مجھے تمہاری محبت پر شبہ نہیں ہے ٹام ڈارلنگ۔ زندگی کا کیا بھروسہ ہے۔ آدمی بلبلہ ہے پانی کا۔''

''میرا ارادہ ابھی مرنے کا بھی نہیں ہے۔ تم میرا اتنا خیال رکھتی ہو۔ میری صحت بہت اچھی ہے۔ عمر بھی زیادہ نہیں اس گاؤں میں تو کوئی سائیکل بھی نہیں چلاتا کہ حادثہ ہوجائے۔'' ٹام نے کہا۔

''اوہ ڈیئر۔'' وہ اٹھلا کر اس کے گلے سے لگ کر بولی۔

''فرض کرو...... خدانخواستہ...... خدا نہ کرے تمہارا ہارٹ فیل ہوجائے۔ تمہیں سرطان ہوجائے۔ یا کوئی تمہیں قتل کردے۔''

''اول تو ایسی باتیں فرض کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ دوسرے تم میرے بغیر بھی تو رہ سکتی ہو۔ یا یہ بھی تو ممکن ہے کہ ان ہی اسباب کی بناء پر تم مجھے چھوڑ جاؤ۔ ٹام نے کہا۔

مسز ٹام نے اپنے شوہر کو پھر چوما۔ تم اتنے اچھے شوہر ہوکر بھی ایسی باتیں کرتے ہو۔ میں مرجاؤں گی تو تم دوسری شادی کرلو گے۔ تمہیں کوئی اور دیکھ بھال

کرنے والی مل جائے گی۔ میں کیا کروں گی۔ میرے مستقبل کی کوئی فکر نہیں تمہیں؟ کیا یہ تمہاری ذمہ داری نہیں ہے کہ اپنے جیتے جی میرے لئے کوئی ایسا بندوبست کر جاؤ کہ میرا مستقبل محفوظ ہوجائے۔'' بات اب ٹام کی سمجھ میں آنے لگی تھی۔ ''تمہارا مطلب شاید انشورنس سے ہے؟''

''تمام ذمہ دار شوہر یہی کرتے ہیں۔ بیوی بچوں کا مستقبل انہیں سب سے زیادہ عزیز ہوتا ہے۔''

''بیوی بچے؟ لیکن بچے کہاں ہیں؟'' ٹام نے حیرانی سے کہا۔ ''تم تو بالکل احمق ہو۔'' وہ شرما کر بولی۔ ''کیا واقعی تمہیں پتہ نہیں۔''

دوسرے دن ایک منحنی سا شخص انشورنس کے کاغذات لئے وارد ہوا تو ٹام کا دل چاہا وہ کہے کہ ''قبلہ پہلے آپ۔'' مگر اس نے دوسری نظر اپنی زوجہ کے تندور نما پیٹ پر ڈالی۔ سر ہلا کر تسلیم کیا کہ میں واقعی احمق ہوں مجھے کچھ پتہ نہیں چلتا اور دستخط کردیئے۔ پانچ ہزار پونڈ کی انشورنس کی رسمی کارروائی پوری ہوتے ہی منحنی شخص نے اسے مبارکباد دی کہ اب اس کی زندگی بے وقعت نہیں رہی اور اس لطیفے پر خود ہی دانت نکالتا ہوا رخصت ہوگیا اور اگر وہ خود نہ جاتا تو ٹام اس کے لات مار کر اسے رخصت کردیتا۔

آہستہ آہستہ ٹام کے لئے تیسری خالی کرسی کا وجود ایک چیلنج بن گیا۔ شجر ممنوعہ کی طرح اس راز کی سربستگی میں ٹام کے لئے ایک پراسرار دلکشی پیدا ہوتی گئی۔ اس پر یہ انکشاف بھی ہوا کہ البرٹ کے سوا اس گھر میں گاؤں کا کوئی فرد کبھی نظر نہیں آیا۔ کیوں؟ مس بیسی کک شادی سے پہلے بھی اتنی ہی تنہا تھی یا شادی کے بعد لوگوں نے اس سے ملنا چھوڑ دیا ہے۔ وہ خود تو اتنی محبت کرنے والی اور ایثار کرنے والی اور اتنی مہمان نواز ہستی ہے کہ کوئی فرد اسے پسند کر ہی نہیں سکتا۔ یقیناً بیسی نے شادی کر کے ان سب سے قطع تعلق کرلیا ہے۔ اصولاً یہ بات مناسب نہیں۔ آدمی کو اپنے ہمسایوں سے تو ضرور تعلق رکھنا چاہیے اور شادی کوئی محبت کی قینچی تو ہے نہیں کہ سارے رشتوں کو منقطع کردے۔

البرٹ کی مظلومیت بھی بڑی پراسرار تھی۔ زیادہ تر تو وہ خاموش رہتا تھا۔ کسی کونے میں بیٹھا اونگھتا رہتا یا گھٹنوں میں سر دیئے بیٹھا رہتا تھا۔

لیکن دوبار ٹام ہنگری نے اسے چوری چوری میاں بیوی کی پرائیویٹ باتیں سنتے پکڑا اس وقت وہ اتنا مستعد اور ہوشیار نظر آرہا تھا کہ ٹام نے اس کے دو ہاتھ مارے تو خلاف معمول ٹام کو خونخوار نظروں سے گھورتا ہوا چلا گیا۔ اس کی صورت پر سدا کی یتیمی اور دائمی قسم کی افسردگی کہیں نہ تھی۔ کبھی کبھی وہ ٹکٹکی باندھے ان دونوں کو دیکھتا رہتا تھا اور زیر لب کچھ کہہ بھی جاتا تھا مگر بیسی کی زبان سے لعنت ملامت کے بدترین الفاظ اور گالیاں سن کر وہ بھیگی بلی بن جاتا تھا اور کان دبا کے باہر نکل جاتا تھا۔

بالآخر ٹام ہنگری نے اس معمے کو حل کرنے کا فیصلہ کیا۔ ''البرٹ'' اس نے ایک دن کہا۔ ''تم مجھ سے کچھ بدگمان معلوم ہوتے ہو۔''

''نو سر۔'' اس نے کہا۔ ''میں آپ کا ادنیٰ غلام ہوں۔'' کوشش کے باوجود اس کے انکسار میں تلخی تھی۔ ''میں ان فضول باتوں پر یقین نہیں رکھتا۔ ہم انسان ہیں اور خدا کی نگاہ میں برابر ہیں۔'' ٹام نے فلسفیانہ انداز میں کہا۔ ''بے شک ہم خدا کی نگاہ میں برابر ہیں۔'' البرٹ نے اتفاق کیا۔ ٹام نے سر کھجایا۔ ''کیا تم مجھے اپنا دوست نہیں سمجھ سکتے ہو؟''

''نو سر۔'' اس نے سپاٹ لہجے میں کہا اور اس طرح پہلی کوشش ناکام ہوگئی۔

دوسری بار اپنی بیوی کی غیر حاضری میں اس نے البرٹ کو اپنے ساتھ بیٹھا لیا اور اس کے لیے شراب کا ایک جام بھرا۔ ''البرٹ۔ تمہیں کتنا عرصہ ہوگیا یہاں۔ یہ لو۔'' اس نے جام البرٹ کے سامنے رکھا۔ ''پچیس چھبیس سال سر۔'' اس نے مختصراً کہا۔ ''شکریہ۔'' اور ایک سانس میں جام خالی کردیا۔ ''کتنے؟ چھبیس سال؟'' ٹام نے تعجب سے کہا۔ ''یہیں اسی

گاؤں میں؟'' ٹام نے اس کا جام پھر بھر دیا۔ وہ پھر ندیدوں کی طرح پی گیا اور ٹام کو اندازہ ہوا کہ وہ ان سب نعمتوں سے محروم نہیں ہوتا جو اس کے مقدر میں ہیں یا اس شخص کے مقدر میں جو کبھی موجود نہیں ہوتا مگر جس کا کھانا ہمیشہ پھینکا جاتا ہے۔ پہلی بار اسے بیسی کے اس غیر انسانی سلوک پر غصہ آیا۔ کتنا بڑا گناہ ہے کہ گھر میں ایک شخص بھوکا ہے مگر رزق ضائع کیا جارہا ہے۔

''یہ پانچواں مکان ہے۔ مالکن نے کسی ایک جگہ زیادہ عرصہ قیام نہیں کیا۔'' اس کی زبان ذرا سی کھلی۔ ٹام نے تیسری بار پورا گلاس بھر دیا۔ البرٹ نے اسے بھی ایک سانس میں خارج کردیا تو وہ حیران رہ گیا۔ اسے البرٹ پر ترس بھی آیا۔ نہ جانے کتنے برسوں کا پیاسا ہوا ہے بیچارہ۔ چلو آج اسے بھی اپنے ارمان نکالنے دو۔ جتنی پی سکتا ہے۔ اس نے دوسری بوتل کھولی۔ ''بار بار مکان بدلنے میں کیا مصلحت ہے؟''

ٹام نے پھر اس کا گلاس بھرا۔ اس بار البرٹ نے صرف ایک گھونٹ لیا اور گلاس رکھ دیا۔ ''وہ ایک جگہ رہ نہیں سکتی۔ اسے پکڑے جانے کا ڈر رہتا ہے۔'' البرٹ نے اطمینان سے کہا۔ ٹام کے ہاتھوں میں گلاس کانپا۔ ''پکڑے جانے کا؟ کس جرم میں؟''

البرٹ مسکرایا۔ ''قتل کے جرم میں۔'' وہ اب پوری طرح نشے میں تھا اور ٹام جانتا تھا کہ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے سب سچ ہے۔ اس نے بیوی کی غیر حاضری اور اس صورت حال سے فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کرتے ہوئے ایک قدم آگے بڑھا۔ ''تم نے ابھی تک گلاس خالی نہیں کیا۔ ختم کردو دوست۔'' ٹام نے اپنا گلاس اٹھاتے ہوئے کہا۔ ''بیسی نے کسے قتل کیا تھا۔'' البرٹ نے گلاس ٹکرایا اور خالی کردیا۔ ''اپنے شوہر کو۔'' ٹام کو یوں محسوس ہوا جیسے اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا رہا ہے اور دنیا گھوم رہی ہے۔ ''مس بیسی کک نے اس سے پہلے بھی شادی کی تھی؟''

البرٹ نے اثبات میں سر ہلایا۔ ٹام کو سخت صدمہ ہوا مگر خالی کرسی کے سامنے میز پر کھانا رکھنے والی بات واضح ہوگئی۔ ''یہ تیسری کرسی غالباً وہ اپنے مرحوم شوہر کی یاد میں رکھتی ہے۔ بیسی کو بہت محبت ہوگی اس سے۔'' ٹام نے کہا مگر اسے فوراً ہی اپنے سوال کے بے مقصد اور احمقانہ ہونے کا احساس ہوا۔ اگر اسے محبت ہوتی اپنے شوہر سے تو وہ اسے قتل ہی کیوں کرتی۔

''کرسی وہ اپنے چوتھے شوہر کی یاد میں رکھتی ہے بیسی کو واقعی بڑی محبت تھی اس الو کے پٹھے سے۔'' البرٹ نے کہا ٹام اچھل پڑا۔ ''چوتھا شوہر۔ چار شوہر کرچکی ہے وہ۔'' اس نے بے یقینی سے البرٹ کو دیکھا۔ ''چھ۔'' البرٹ نے گلاس کو ٹام کے سامنے رکھا۔ ''تم ساتویں ہو۔ گلاس بھرو۔'' وہ تحکمانہ انداز میں بولا۔ اس کی شخصیت کا یہ روپ شراب کے نشے نے بے نقاب کیا تھا لیکن وہ نشے میں ہونے کے باوجود غلط باتیں نہیں کررہا تھا۔ اس کی باتوں میں ربط تھا اور ایک ناقابل تردید حقیقت کا اظہار۔

''کہاں گئے وہ سب؟''

ٹام نے کانپتے ہاتھوں سے بوتل اٹھائی اور گلاس بھر دیا۔ ''مر گئے۔'' البرٹ نے گلاس دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔ ''بیسی نے سب کو قتل کردیا۔'' ٹام کے ہاتھوں سے گلاس چھوٹ گیا۔ اس کے کپڑے خراب ہوگئے۔ ''معاف کرنا۔ گلاس پھسل گیا۔'' اس نے گھبراہٹ پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ ''تم جھوٹ بول رہے ہو۔''

البرٹ ہنسا۔ ''تم خوفزدہ ہوگئے ہو۔''

ٹام نے سر ہلایا۔ ''تم...... تم ٹھیک کہتے ہو۔ لیکن اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ تم جو کچھ کہہ رہے ہو وہ درست ہے۔''

''تم چاہو تو اپنی بیوی سے بھی پوچھ سکتے ہو۔'' البرٹ نے کہا۔ ''کیا اس نے تمہارا پانچ ہزار پاؤنڈ میں بیمہ نہیں کرایا؟''

''کرایا ہے۔'' ٹھنڈا پسینہ ٹام کے جسم سے پھوٹ پڑا۔ ''کیا اس نے یہ نہیں کہا کہ آدمی کو اپنے بیوی بچوں کے مستقبل کا تحفظ کرنا چاہیے؟ یہ نہیں بتایا کہ وہ

ماں بننے والی ہے؟ اور کیا تم نے اس بکواس پر یقین نہیں کیا؟'' البرٹ نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔ ''اس میں حرج ہی کیا۔ کون سی غلط بات ہے۔'' ٹام نے کہا۔ ''کیا عورتیں ماں نہیں بنتیں؟''

''بہت جلد تمہیں معلوم ہوجائے گا بیٹے۔ تمہاری زندگی کے تھوڑے سے دن رہ گئے ہیں۔ بیسی کک پھر بیوہ ہونے والی ہے۔ اس کے تمام شوہر اس کے لئے پانچ پانچ ہزار پونڈ کی بیمہ کی رقم کے سوا کچھ چھوڑ کر نہیں مرے۔ سب فلاش تھے اور نکھٹو تھے تمہاری طرح چنانچہ بیچاری بیسی کک کو پریمیم بھی پلے سے ادا کرنا پڑتا تھا۔ کسی کو ایک قسط دی دو۔'' البرٹ نے افسوس سے سر ہلاتے ہوئے کہا اور پھر قہقہہ مار کر ہنسا۔ ''اولاد کسی نے نہیں چھوڑی۔''

''یہ بڑی عجیب بات ہے۔'' ٹام نے کہا۔ ''کوئی عورت چھ شوہروں کو قتل کر کے بھی یوں آزادانہ پھر رہی ہے؟''

''تمہارے لیے عجیب بات ہے۔ وہ تو ساتویں کو قتل کر کے بھی یوں ہی پھرتی رہے گی۔ بیسے کی رقم وصول کر کے وہ گاؤں چھوڑ جائے گی۔ پھر کسی نئی جگہ پر وہ دو چار مہینے یا سال بھر اپنی بیوگی کی دکھ بھری زندگی رو رو کر کاٹے گی۔ پھر کوئی نہ کوئی الو کا پٹھا پھنس جائے گا۔ کام چور نوالہ حاضر قسم کا جیسے کہ تم ہو۔'' البرٹ پھر قہقہہ مار کر ہنسا۔

''سور کے بچے۔'' ٹام نے اچانک اسے گردن سے پکڑ لیا۔ تم بکواس کرتے ہو۔ تمہیں یہ سب کیسے معلوم ہوا اور آج مجھے بتانے کے بجائے تم نے آج سے پہلے پولیس کو کیوں نہیں بتایا۔''

البرٹ نے اپنا کالر چھڑایا۔ ''آرام سے بیٹھ کر بات کرو۔ پولیس میں جانے کا سوال ہی نہیں تھا۔ کیونکہ..... میں خود بیسی کک کی مدد کرتا رہا ہوں۔ تم مجھے بھلے مانس لگتے ہو اور میں کچھ تنگ بھی آ گیا ہوں اس دھندے سے چنانچہ میں خود تمہیں موقع دے رہا ہوں کہ تم بھاگ جاؤ۔'' البرٹ نے سنجیدگی سے کہا۔ ''نہیں جاؤ گے تو جان سے جاؤ گے۔''

ٹام ہنگری آرام سے بیٹھ گیا۔ واقعی مشتعل ہونے کا کوئی فائدہ نہیں۔ بیسی کک شہر گئی ہوئی ہے۔ یقیناً اس کی واپسی تک البرٹ سے اس کے سارے جرائم کی تفصیل معلوم کی جاسکتی ہے۔ بس ذرا عقل سے کام لینے کی ضرورت ہے۔ ''آئی ایم سوری البرٹ'' اس نے کہا۔ ''مجھے دراصل اس انکشاف نے وقتی طور پر دیوانہ کر دیا تھا کہ میری بیوی چھ آدمیوں کی قاتل ہے۔ میں اسے بے حد مخلص اور سیدھی سادی عورت سمجھتا تھا۔ ٹام نے پھر البرٹ کا گلاس بھرا۔ دوسری بوتل بھی خالی ہوگئی۔

''وہ شیطان سے زیادہ خطرناک ہے۔ اپنی المیہ اداکاری معصومیت سے وہ کسی کو شبہ نہیں ہونے دیتی کہ وہ پانچ پانچ ہزار پاؤنڈ میں شوہروں کو قتل کر رہی ہے۔ اول تو اس کا کوئی قریبی عزیز یا رشتہ دار نہیں۔ کسی ایک جگہ وہ قیام نہیں کرتی اور ہر شوہر کو ٹھکانے لگانے کا وہ نیا طریقہ اختیار کرتی ہے۔ ایسا کہ سب اس کی موت کو اتفاقیہ حادثہ سمجھیں۔ مثلاً اپنے دوسرے شوہر کو اس نے زہر دیا تھا۔ البرٹ نے کرسی پر نیم دراز ہوتے ہوئے کہا۔

''زہر سے تو آدمی فوراً مر جاتا ہے۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ کسی کو پتا نہ چلے۔''

البرٹ ہنسا۔ ''اس نے یہ زہر ایک ہی دفعہ میں نہیں دیا تھا۔ وہ کھانے میں تھوڑا تھوڑا سنکھیا ملاتی گئی۔ وہ شخص تمہاری طرح چٹورا تھا اور بیسی کک کھانا بہرحال اچھا پکاتی ہے۔ وہ ہر روز نئی ڈش تیار کر کے اس بدبخت کے سامنے رکھتی گئی اور وہ مزے لے لے کر کھاتا رہا۔ بہت خوش تھا تمہاری طرح کہ نہ کام نہ کاج اور.....''

''یہ کیا رٹ لگا رکھی ہے تم نے۔ تمہاری طرح تمہاری طرح'' ٹام نے چڑ کر کہا۔

''آہستہ آہستہ سنکھیا اس پر اثر کرنے لگا۔ اس کی صحت خراب رہنے لگی۔ اور وہ کمزور ہوتا چلا گیا مگر اس نے کھانا نہیں چھوڑا بیسی اسے علاج کے لئے شہر بھی لے گئی لیکن وہاں ڈاکٹروں نے بیسی کے شوہر کو ہاضمے کی خرابی کا مریض سمجھا اور اس کا کھانا پینا بند کر دیا۔ وہ شخص اس طریقہ علاج سے گھبرا گیا اور ہفتہ بھر بعد بھاگ آیا اس ایک ہفتے کے دوران بھی بیسی چوری چھپے اسے سنکھیا ملے ہوئے لذیذ کھانے فراہم کرتی رہی اور یہ کہتی رہی کہ ڈاکٹر گدھے ہیں تمہیں بھوکا مار دیں گے۔ بھلا کھائے بنا آدمی صحت مند کیسے ہوسکتا ہے۔ انجام ظاہر ہے۔ مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔

تین مہینے بعد ایک شب بیسی نے اس کے دکھوں کا خاتمہ کرنے کے لیے فیصلہ کن خوراک دے دی اور صبح وہ بیچارہ ناشتہ کئے بغیر چل بسا۔'' البرٹ کہتا رہا اور ٹام نے محسوس کیا کہ جیسے یہ اس کی اپنی داستان ہے۔ تاریخ اپنے آپ کو دہرا رہی ہے۔ نکھٹو۔ کام چور نوالہ حاضر۔ چٹورا۔ مہینہ بھر سے وہ لذت بخش کھانوں میں ملا ہوا سنکھیا مزے لے لے کر کھا رہا ہے اور خوش ہے۔

''تیسرا شوہر پہلے ہی سے بیمار تھا۔'' البرٹ نے کہا۔ شراب کے سرور میں البرٹ اعتماد استقلال کی تصویر بنا بیٹھا تھا اور ٹام کو پرانا محکوم اور مجبور فقیر قسم کا البرٹ اور اس وقت اپنے سامنے بیٹھا ہوا مردود الگ الگ افراد نظر آتے تھے۔

''شادی کے بعد وہ کوئی چھ ماہ زندہ رہا اور اس دوران پاس پڑوس کے لوگ مسلسل عیادت کے لئے آتے رہے۔ ہر شخص نے مس بیسی کک کے اس جذبہ خدا ترسی کو سراہا جس نے اسپتال میں پڑے ہوئے لاوارث شخص کو سہارا دیا اور جب تک وہ زندہ رہا اس کی مسلسل تیمارداری کی۔ وہ ٹی بی کا مریض تھا مگر اسے تازہ ہوا کے بجائے ہر رات کاربن ڈائی آکسائیڈ ملتی تھی۔ سردی کے حوالے سے تمام کھڑکیاں اور دروازے بند کر دیتی تھی اور کمرے کے باہر ایک انگیٹھی سلگا کر رکھ دیتی۔ انگیٹھی کے اوپر الٹے پیالے کی طرح ٹین کا گول اسٹان سا رہتا تھا جس کا پائپ شوہر کے کمرے میں اس کے پلنگ کے عین نیچے کھلتا تھا۔ چنانچہ تازہ کاربن ڈائی آکسائیڈ براہ راست اس تک پہنچتی تھی۔ پھر مس بیسی کک اس کی دوائیں بدلنے لگی۔ آئی این ایچ اور پی اے ایس کی گولیوں کی جگہ وہ اسپرین اور مانع حمل گولیاں کھاتا رہا اور فوت ہوگیا۔

بیسی کک کو معلوم تھا کہ اس نے دس ہزار پونڈ کی انشورنس کرا رکھی ہے اور اس کی بیوی اس سے طلاق لے چکی ہے مگر اس کی موت کے بعد جب انشورنس کمپنی والے آئے تو اس نے بڑی اچھی اداکاری کی۔ خوب روئی پیٹی اور مرنے والے کے لئے مغفرت کی دعا بھی کی جس نے اسے بتائے بغیر اس کا اتنا خیال رکھا۔

ٹام تصویر حیرت بنا بیٹھا تھا۔ البرٹ کی باتیں اسے دہشت زدہ کر رہی تھیں اور اس کے لیے یہ یقین کرنا مشکل تھا کہ وہ اپنے چٹورپن اور سادہ لوحی کے باعث خوفناک قسم کے قاتلوں میں گھر گیا ہے۔

''یہ تفصیلات تمہیں کیسے معلوم ہیں۔'' اس نے البرٹ سے پوچھا۔ ''میں نے بتایا کہ میں بیسی کے ساتھ تھا۔ میں اسے سنکھیا لا کے دیتا رہا۔ اسپرین اور مانع حمل گولیاں بھی میں ہی لاتا تھا۔ البرٹ نے کہا۔ خیر۔ تیسرا تیر نے گیا تھا کہ ڈوب گیا اس کی انشورنس خود بیسی نے کرائی تھی۔ وہ خاصا احمق تھا اور جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے وہ کوئی آوارہ گرد قسم کا فقیر ٹائپ تھا جو ایک دن بیسی کے دروازے پر ایک روٹی کا سوال کرنے آیا تھا اور بیسی نے اس سے شادی کر لی۔ اس قسم کے لوگوں کی بیسی کو ہمیشہ تلاش رہتی ہے جن کے آگے پیچھے کوئی نہ ہو یا جو نکھٹو ہوں اور پٹے ہوں تمہاری..... معاف کرنا بیسی نے بعد میں سینہ کوبی کرتے ہوئے بتایا کہ اس بیچارے کو تو تیرنا بھی نہیں آتا تھا پتہ نہیں کون دشمن اسے بہکا کر اپنے ساتھ لے گیا۔

بیسی تو اس رات شہر میں تھی اور وہاں اس کی موجودگی کے اتنے گواہ تھے کہ وہ ہر منٹ کا حساب دے سکتی تھی۔ مارا تو اسے میں نے تھا اور جھیل کے وسط میں دھکا دے کر چلا آیا تھا۔ اس کے بچنے کا سوال ہی نہ تھا۔ اس کے بعد بیسی نے گاؤں چھوڑ دیا کیونکہ لوگ الٹی

سیدھی باتیں کرنے لگے تھے۔

پھر چوتھا آیا۔ بڑا آدمی تھا۔ نیک دل خوش مزاج۔ بات بات پر ہنسنے ہنسانے والا۔ وجیہہ اور تندرست۔ وہ دوسرے گاؤں میں تنہا رہتا تھا۔ ایک چھوٹی سی کوٹھری اس کے پاس تھی اور وہ چھوٹے موٹے کام کر کے مچھلیاں پکڑ کے گزارہ کرتا تھا۔ بیسی نے کوٹھری کو باقاعدہ مکان کی شکل دے دی اور اس سے شادی کرلی۔ گاؤں کے ساتھ ہی بیسی نے اپنا نام بھی بدل لیا تھا اور اس وقت ڈورتھی کہلاتی تھی۔ اس کی ذہانت کا اندازہ تم یوں بھی کرسکتے ہو کہ گزشتہ تین شوہروں کے بیمے کی رقم اس نے تین الگ الگ کمپنیوں سے وصول کی تھی تاکہ شک نہ پیدا ہو۔ یہ بھی کسی کو معلوم نہ ہو پاتا تھا کہ انشورنس والے کب آئے اور اسے کتنی رقم دے گئے۔ نہ مرنے والے کا کوئی ہوتا تھا اور نہ بیسی کا کوئی ہے۔ وہ جہاں چاہے اجنبی بن کر رہ سکتی ہے۔

خیر ڈورتھی یعنی بیسی کا پروگرام چوتھے کو کسی مختلف طریقے سے ٹھکانے لگانے کا تھا مگر کرنا خدا کا یہ ہوا کہ خود بیسی کو اس سے محبت ہوگئی سچ مچ کی محبت۔ اس کا ارادہ چوتھے کی انشورنس کرانے کا بھی نہ تھا مگر شامت اعمال کہ وہ ایک عورت کے عشق میں مبتلا ہوگیا۔ ایک بدنام قسم کی خطرناک حد تک حسین عورت جس کے چاہنے والے ناآسودہ شوہر بھی تھے اور دل پھینک نوجوان بھی۔ اس کی بے وفائی نے ڈورتھی یعنی بیسی کو اس سے برگشتہ کردیا۔ اس نے اپنے شوہر کی بے وفائی کا......گلہ نہیں کیا لیکن اس کے رقیبوں کے ناموں کا سر عام اعلان کرنے لگی جو اس عورت کی وجہ سے ڈورتھی کے شوہر کو قتل کرنے کی دھمکیاں دیتے رہتے تھے اور اس کا سہاگ اجاڑنے پر آمادہ تھے۔

ایک شب ڈورتھی نے اپنے شوہر کو اس عورت کے ساتھ جھیل پر بیٹھے دیکھا اور اوپر چٹان سے اتنا بڑا پتھر لڑھکایا کہ وہ دونوں مستقل طور پر ایک دوسرے سے چپک کر رہ گئے۔ وہ پتھر اتنا بڑا تھا کہ مجھے دن کے وقت بیسی کے ساتھ جا کر اسے چٹان کے کنارے تک دھکیل کر لے جانا پڑا تھا۔ رات کو اکیلی بیسی نے اسے ایک اشارے سے گرا دیا۔

بیسی کو آج تک اس کی موت کا دکھ ہے۔ اس کی موت کا بھی اور اس بات کا بھی کہ اس کی انشورنس نہ ہوسکی۔ بہر حال وہ مہینوں افسردہ رہی اور راتوں کو اٹھ اٹھ کر روتی رہی اور اس مقام پر جا کر اس مٹی کو اپنے سر پر ڈالتی رہی چومتی رہی چاٹتی رہی جہاں چوتھے شوہر کا لہو جذب ہوا تھا۔ لوگوں نے اس کی دیوانگی کی حد تک بڑھی ہوئی محبت کو دیکھا اور دو سال بعد جب اس کے پانچویں شوہر نے خودکشی کی تو کسی کو شبہ نہ ہوا کہ ایسی شوہر پرست قسم کی عورت قتل بھی کرسکتی ہے۔

پانچواں شوہر ذہنی مریض تھا۔ ڈرتھی نے خود اس کے بارے میں بہت سی داستانیں مشہور کردی تھیں۔ وہ رات کو نیند میں چلتا ہے اس پر مرگی کے دورے پڑتے ہیں۔ دو ایک بار جب وہ گھر میں موجود ہی نہ تھا۔ ڈورتھی نے اپنے کپڑے پھاڑ لئے اور چیختی چلاتی باہر بھاگی۔ لوگ گلیوں میں نکل آئے اور ڈورتھی نے ان سے پناہ مانگی۔ کیونکہ اس کے شوہر پر جنوں کا دورہ پڑا تھا۔ اور اس نے ڈورتھی کے کپڑے پھاڑ دیئے تھے۔ اس کے جسم پر نیل ڈال دیئے تھے اور اسے کاٹ کاٹ کر زخمی کردیا تھا۔ لوگ اس کے شوہر کو لالٹین لئے رات بھر کھیتوں اور جنگلوں میں ڈھونڈتے پھرے مگر وہ کہیں ہوتا تو ملتا۔ دوسرے تیسرے دن جب وہ لوٹا تو خود ڈورتھی نے لوگوں کو منع کردیا کہ وہ اس کے شوہر کے سامنے کوئی بات نہ کریں۔ کہیں اس پر پھر دورہ نہ پڑ جائے۔

ایک بار ڈورتھی نے اسے ڈھلوان چھت پر چڑھا دیا کہ وہ آتش دان کی چمنی کو صاف کردے اور پھر نیچے سے سیڑھی ہٹالی۔ پاس پڑوس کے دو چار لوگوں کو بلا کر اس نے یہ تماشا دکھایا اور انہیں بتایا کہ وہ خودکشی کرنے کے لئے اوپر چڑھا ہے کیونکہ ڈورتھی نے اس کے لئے مرغی تلنے سے انکار کردیا تھا۔

جب لوگ اسے زبردستی اتار کر نیچے لائے تو وہ

یہی کہہ رہا تھا کہ وہ چمنی سے دھواں صاف کرنے چڑھا تھا لیکن چمنی تو میں ایک دن پہلے ہی بالکل صاف کرچکا تھا۔ اس کی بات پر کسی نے یقین نہیں کیا۔

اسی رات ہم نے پھانسی لگادی۔ میں نے اسے ڈنڈا مار کر بے ہوش کیا اور اوپر اٹھایا ڈورتھی نے اس کے گلے میں پھندا ڈال کر کھینچ لیا۔ جب اس کی لاش ملی تو ڈورتھی نے رو رو کر بتایا کہ وہی مرغی والی بات اس کے ذہن پر سوار تھی۔ کہتا تھا ''ابھی تو تم نے اپنے یاروں کو جمع کرلیا تھا مگر میں سب سے سمجھ لوں گا۔'' مجھے کیا معلوم تھا ایک مرغی کے لئے وہ جان دے دے گا۔ ڈورتھی کو پھر پانچ ہزار پونڈ مل گئے۔

ٹام ہنگری اب غصے کی حد سے گزر چکا تھا۔ اب اس کا ذہن کام کر رہا تھا۔ ''میری سمجھ میں یہ نہیں آیا کہ اس نے ایک ہی بار پچاس ہزار کا بیمہ کیوں نہیں کرالیا۔''

یہ سن کر البرٹ ہنسا۔ ''پچاس ہزار کے بیمے کے لئے میڈیکل وغیرہ کا چکر ہوتا ہے۔ پانچ کا بیمہ کوئی بھی ایجنٹ تھوڑے سے کمیشن کے لالچ میں فوراً کرادیتا ہے۔ خیر اس کے بعد ہم نے پھر وہ گاؤں چھوڑ دیا۔

چھٹا شوہر چھ مہینے زندہ رہا۔ وہ ناشتے کے لئے نیچے آرہا تھا اور ابھی اس نے پہلی سیڑھی پر ہی قدم رکھا تھا کہ تختہ ٹوٹ گیا۔ اب تختے کے عین نیچے وہ لوہے کی نوک دار سلاخوں والا دروازہ رکھا تھا۔ جو مویشیوں کے باڑے کے لئے بنوایا گیا تھا۔ وہ بارہ فٹ کی بلندی سے دروازے پر گرا تو سلاخیں اس کے جسم کے پار ہوگئیں۔ دس منٹ بعد جب وہ مر گیا تو ڈورتھی نے چیخ ماری اور بے ہوش ہوگئی تاکہ اسے کوئی کام نہ کرنا پڑے۔ لوگوں نے آ کر اس کے جسم کو سلاخوں سے چھڑایا۔ یہ کوئی سال بھر پہلے کی بات ہے۔ اس وقت ہم یہاں نہیں تھے۔ یہاں آئے ہوئے ہمیں تین ماہ ہوئے ہیں۔ بیمے کی رقم جو تمہاری بیوی نے پانچویں کمپنی سے وصول کی وہ کرسٹائن کے نام سے کی تھی۔''

''اور اب وہ بیسی کک ہے یقیناً میرے لئے اس نے کسی چھٹی بیمہ کمپنی کی خدمات حاصل کی ہوں۔ مگر مسٹر البرٹ مجھے ٹھکانے لگانے کے لئے اس نے کیا سوچا ہے۔ تو تم اس کے رازدار ہو تمہیں معلوم ہوگا۔'' ٹام نے کہا۔

البرٹ نے نفی میں سر ہلایا۔ ''سوچا تو ضرور ہوگا کچھ نہ کچھ مگر مجھے ابھی نہیں بتایا۔ خیر اس معاملے میں تمہیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ وہ خاصی ذہین ہے۔''

ٹام پھر غصے کو پی گیا۔ ان حالات میں ٹھنڈے دماغ سے کام لینے کی ضرورت تھی۔

''البرٹ۔ مجھے ان چھ بدنصیبوں کی موت کا افسوس تو ہے مگر اس سے زیادہ مجھے اس بات کا صدمہ ہے کہ تم نے بلاوجہ اس خونخوار عورت کا ساتھ دیا۔ آخر تمہیں اس کا کیا ضرورت تھی۔ کیا ملا تمہیں اس کا صلہ؟ کیا انعام دیا اس نے تمہیں سوائے ذلت اور گالیوں کے۔''

''کیسا صلہ؟ انعام کس بات کا۔'' وہ خلا میں دیکھتے ہوئے بولا۔ ''کیا محبت صلہ مانگتی ہے۔ انعام چاہتی ہے وفاداری کا؟''

ٹام بھونچکا رہ گیا۔ ''تم۔ تم اس کی محبت میں سب کچھ کرتے رہے۔ کیا تم پاگل ہو۔''

''نہیں۔'' البرٹ ہنسا۔ ''میں اس کا پہلا شوہر ہوں۔ وہ واحد شخص جس نے اس سے محبت کی۔ جیسے اس کا چوتھا شوہر وہ واحد شخص تھا جس سے اس نے محبت کی! جنون عشق کی غارت گری کے انداز۔''

ٹام خالی گلاس ہاتھ میں تھامے البرٹ کو دیکھتا رہا۔ نہ جانے کس وقت بیسی اندر داخل ہوئی اور اس نے ان دونوں کو دو خالی بوتلیں اور دو خالی گلاس لئے بیٹھے دیکھا۔

ٹام ہنگری کے لئے اب شبہے کی کوئی گنجائش نہ تھی اگر اس نے خود ہی اپنی زندگی کی حفاظت نہ کی تو اس کے مقدر میں موت ہے اور بیسی کک کے نصیب میں پانچ ہزار پاؤنڈ۔ زندگی کے کتنے دن باقی ہیں۔ یہ اسے خود معلوم نہ تھا۔ سابقہ شوہر تین ماہ بھی زندہ رہے تھے اور دو سال بھی اور ٹام ہنگری کو شوہر بنے دو ماہ ہونے والے تھے۔

بیسی کک نے یقیناً اس کی دنیا سے رخصتی کا

معقول بندوبست کرلیا ہوگا اور بس موقع کی منتظر ہوگی۔

اس رات وہ بھیانک خواب دیکھتا رہا۔ اپنی تجہیز و تکفین کے مناظر۔ قتل کے سین۔ وہ سب جو اس نے البرٹ سے سنا تھا اور وہ چونک چونک کر اٹھتا رہا۔ ہر بار اسے وہ قاتلہ عرف زہریلی ناگن اپنے اتنے قریب نظر آئی کہ وہ اس کے وجود سے بھی ڈرنے لگا جیسے اس سے مس ہوتے ہی وہ بھسم ہوجائے گا۔

چوتھی بار اس نے اپنی لاش کو کنوئیں میں پڑا دیکھا تو وہ لرز کر اٹھ بیٹھا۔ پسینہ اس کے جسم پر بہہ رہا تھا۔ مگر ساتویں شوہر کی پہلی بیوی غائب تھی۔ نیچے سے اس کے بولنے کی آواز یوں سنائی دے رہی تھی جیسے وہ عمداً اپنی آواز پر قابو پانے کی کوشش کررہی ہے۔ وہ دبے پاؤں باہر نکلا اور اپنی بیوی بیسی کک کی باتیں سننے نیچے اتر آیا۔ وہ دونوں باورچی خانے میں تھے جہاں البرٹ سوتا تھا۔ ''کتے۔ تم نے اسے سب بتادیا۔ مجھے معلوم ہے۔'' بیسی کی بپھری ہوئی آواز آئی۔ ''جینی میں نے اسے کچھ نہیں بتایا۔'' البڑکی آواز ائی۔ مدھم سی آواز اور کمزور۔ ''احتجاج اور اعتراف کرتی ہوئی۔ تم بکتے ہو۔ جب میں آئی تو تم نشے میں دھت تھے۔ تم نے دو بوتلیں خالی کردی تھیں۔ مگر وہ ہوش میں تھا۔ اس کا مطلب ہے زیادہ شراب اس نے تمہیں پلائی۔ اس نے تم سے سب اگلوالیا۔ اب ہمیں اسے فوراً ٹھکانے لگانا ہے۔'' وہ بولی تو ٹام کے پیر کانپنے لگے۔ اس نے ایک ہاتھ سے دیوار کا سہارا لیا۔

''جینی۔ پلیز۔ البرٹ نے کہا۔'' تم نے مجھے برباد کردیا۔'' آخر کب تک......''

''شٹ اپ یو باسٹرڈ'' وہ اسے دھکا دیتے ہوئے بولی۔ ''میں تمہیں ابھی اس گھر سے نکال دوں گی۔ باقی زندگی تمہاری شکل نہیں دیکھوں گی۔ سمجھے؟ میں تم سے وعدہ کرچکی ہوں پھر یہ کیا بکواس ہے؟''

''یہ بکواس نہیں ہے۔ اس سے پہلے بھی تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ یہ آخری ہوگا۔'' وہ کچھ دیر بعد بولا۔ ''یاد ہے نا؟''

''البرٹ۔'' اس نے اپنا لہجہ بدل کے کہا۔ ''اس مرتبہ میں حلفیہ کہہ رہی ہوں۔ مجھے اپنا وعدہ یاد ہے لیکن اب جو میں کہتی ہوں وہ کرو۔ تم نے دیکھا ہے یہاں کے لوگ ریچھ کیسے پکڑتے ہیں۔ گڑھا کھود کر اوپر گھاس بچھا دیتے ہیں۔ کل رات کو ایک ایسا گڑھا کھودو۔ جھیل کے پیچھے سے جنگل میں جانے والے راستے پر۔ پرسوں میں اسے خرگوش کے شکار پر لے جاؤں گی۔ تم گڑھے کے قریب کسی درخت کی اوٹ میں چھپ جانا۔ جب وہ قریب آئے تو ڈنڈا مار کر اس کی گردن توڑ دینا۔ بے شک پہلے سر پر ڈنڈا مار کر اسے بے ہوش کردینا۔ پھر ہم اسے گڑھے میں ڈال کر لوٹ آئیں گے۔ جنہیں لاش ملے گی وہ سمجھیں گے کہ کسی نے ریچھ پکڑنے کے لئے گڑھا کھودا تھا اور وہ اس میں گرا تو گردن ٹوٹ گئی۔''

چنانچہ قتل سے پہلے ہی ٹام نے چشم تصور سے اپنی وفات کا پورا منظر دیکھ لیا اور واپس لوٹ آیا۔ قدرت نے اس کو کافی مہلت دی تھی۔ بستر پر لیٹ کر اس نے آنکھیں بند کرلیں مگر صبح تک اس کا ذہن فرار کے مختلف منصوبے بناتا رہا۔ ناشتے کی میز پر اس نے پیٹ میں درد کی شکایت کی اور کہا کہ ''وہ شہر جاکر کسی ڈاکٹر سے ملنا چاہتا ہے۔ یہ اچھا خاصا معقول بہانہ تھا۔ ''ڈاکٹر؟ پیٹ کے درد کے لئے۔'' وہ اٹھی اور ایک الماری کی طرف بڑھی۔ ''یہ لو۔ کار۔ مینیٹو مکسچر۔ آج دو تین خوراکیں پیو گے تو آرام آجائے گا۔ دوپہر کو میں تمہارے لئے فروٹ کسٹرڈ بنادوں گی جیلی اور کریم کے ساتھ۔ ٹام نے مجبوراً ایک خوراک دوا پی لی اور دوسری ترکیب سوچنے لگا۔ دوپہر تک وہ بہرحال زندہ رہے گا۔ کھانا کھانے میں کیا حرج ہے۔ مجھے آج ویسے بھی شہر جانا ہے۔ ٹام نے کہا۔ ایک دوست سے ملنا تھا۔ شام کو چلا جاؤں گا۔''

''لیکن ڈیئر۔ موسم تو دیکھو کتنا خراب ہورہا ہے۔'' وہ محبت سے بولی۔ ''ابھی تم پیٹ کے درد کی شکایت کررہے تھے اب کہیں نمونیہ نہ ہوجائے۔ شام کو جاؤ گے تو لوٹتے لوٹتے رات ہوجائے گی۔''

''نمونیہ تو مجھے ہو ہی نہیں سکتا۔'' اس نے مزاح کا پہلو نکالتے ہوئے کہا۔ ''تم نے مجھے کھلا کھلا کر اتنا مضبوط کردیا ہے۔''

اس نے قطعی طور پر نفی میں سر ہلایا۔ ''دوست سے کل پرسوں مل لینا۔ بارش سر پر کھڑی ہے۔ آج تو میں تمہیں ہرگز نہ جانے دوں گی۔''

''پرسوں؟'' ٹام نے بے بسی سے اس کونے کی طرف دیکھا جہاں ایک دونالی بندوق کھڑی تھی۔ مگر دل ہی دل میں اس نے گالی دے کر کہا۔ ''ہاں۔ پرسوں وہ جنازے میں شرکت کے لئے پہنچ ہی جائیں گے۔''

دوپہر کو بارش شروع ہوگئی۔ اور شام تک جاری رہی۔ ٹام نے اپنے رویے سے قطعی ظاہر نہ ہونے دیا کہ وہ متفکر ہے۔ اس نے اپنا موڈ رومانٹک رکھا اور موسم کی مناسبت سے محبت بھرے ڈائیلاگ بھی بولے۔ یہ کہا کہ ''پیٹ کا درد ایک خوراک میں غائب ہوگیا ہے اور اب اس کا دل ایک خاص ڈش کھانے کا خواہشمند ہے۔''

دوپہر کے کھانے میں بڑا اہتمام تھا مگر ٹام کے ذہن پر یہ بات سوار رہی کہ یہ اس آخری کھانے کی طرح ہے جو موت کی سزا سے پہلے ملزم کو دیا جاتا ہے۔

''کل ہم خرگوشوں کے شکار پر چلیں۔'' شام کو اس کی بیوی نے اعلان کیا اور اسے وہ دونالی بندوق دکھائی جو کونے میں کھڑی تھی۔ ''بہترین بندوق ہے یہ۔ اس نے بندوق کو کندھے سے لگایا۔ ایسے زبردست نشانہ ہے میرا کہ کوئی بچ کر جا ہی نہیں سکتا۔ تم حیران رہ جاؤ گے ڈیئر۔'' اس نے بندوق کی نالی کا رخ ٹام کی طرف کرتے ہوئے کہا۔ ٹام کی آدھی جان نکل گئی۔ حیران رہ جانے کا وقت ہی کہاں تھا۔ وہ دنیا پر الوادعی نظریں بھی نہ ڈال پائے گا۔ ''ڈرو نہیں۔'' ٹام کی بیوی نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''بندوق خالی ہے مگر تمہارا رنگ اڑ گیا ہے۔ بھنا ہوا خرگوش کھایا ہے تم نے کبھی۔''

اس رات پہلی بار ٹام سے کھانا نہ کھایا گیا۔ اس نے البرٹ کو بھی نہیں دیکھا۔ شاید وہ قبر کھودنے چلا گیا تھا۔ جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا۔ ٹام کی گھبراہٹ بڑھتی جارہی تھی۔ اس کے ذہن میں یہ خیال بھی آیا کہ وہ پہل کرتے ہوئے اپنی بیوی کو اس بندوق سے ٹھکانے لگادے مگر زندگی میں اس نے چوہا تک نہ مارا تھا۔ کسی عورت پر گولی چلانا یا کلہاڑی سے اس کا سر پھاڑ دینا اس کے لئے ناممکن تھا۔ گلا گھونٹنے کا سوال ہی نہ تھا کیونکہ اس کا گلا ٹام کے ہاتھوں کی گرفت میں نہ آتا۔ پھر وہ اتنی کمزور بھی نہ تھی۔ وہ یقیناً خود کو چھڑا لیتی۔ رات کو ٹام کے سامنے اس نے بندوق میں گولیاں بھریں تو احمق ہونے کے باوجود ٹام ہنگری نے دیکھ لیا کہ اس نے خرگوش مارنے کے لئے شیر مارنے والی گولیاں بھری ہیں۔ خرگوش سے بڑا جانور جو اس گولی سے مر سکتا تھا وہ خود تھا۔

آدھی رت کو اس نے آہستہ سے کروٹ لی اور اپنی بیوی کے خراٹے سنے۔ پھر پوری احتیاط اور دھک دھک کرتے دل کے ساتھ وہ بستر سے نیچے اترا اور چند لمحے کھڑا رہا۔ مگر بیوی کی نیند میں فرق نہ آیا تھا۔ تاہم وہ اس کے لئے تیار تھا کہ بیوی جاگ اٹھے تو چونکے بغیر کہہ دے گا کہ وہ پانی پینے جارہا ہے۔ یہ ہوتا ہی رہتا تھا۔ دبے پاؤں مختلف چیزوں سے بچتا ہوا وہ دروازے تک پہنچا اور پلٹ کر دیکھا۔ مطمئن ہوکر اس نے لکڑی کے زینے پر پہلا قدم رکھا۔ زینہ تھوڑا سا چرچرایا تو وہ رک گیا۔ اس نے دوسری سیڑھی پر آہستہ سے قدم رکھا تھا کہ تختہ دب گیا۔ اس نے پاؤں واپس اٹھالیا اور بیٹھ کر غور سے تختے کو دیکھا جو درمیان میں سے ٹوٹا ہوا تھا۔ اگر وہ پیر کا پورا دباؤ ڈال دیتا تو نیچے جاتا۔ نیچے شاید پھر کوئی لوہے کی سلاخوں والا دروازہ ہوگا۔ حفظ ماتقدم اس نے سوچا اور زینے کو چھوڑ کر اگلے زینے پر اتر گیا۔

آخری زینے پر قدم رکھنے کے بعد اس نے زینے کے نیچے جھانک کر دیکھا۔ اندھیرے میں اسے بہت سا کاٹھ کباڑ پڑا دکھائی دیا۔ اگر وہاں پر گرتا اور اس کا سر گردن یا ریڑھ کی ہڈی سلامت رہتے تب بھی خوفناک دھماکہ ہوتا۔ اس نے کونے میں رکھی ہوئی بندوق اٹھالی۔ پھر وہ تیز تیز قدموں سے باہر نکلا اور اس

راستے کی طرف بھاگنے لگا جہاں البرٹ اس کی قبر کھودنے میں مصروف تھا۔ اس کا سانس پھول گیا۔ تاریک راستے پر بار بار اس کا پاؤں جھاڑیوں میں الجھا اور پتھروں سے ٹکرایا۔ وہ گرا تو کانٹے اس کے ہاتھوں میں چبھ گئے۔

دن کی بارش کے سبب جگہ جگہ کیچڑ اور پھسلن تھی۔ اس کا پاؤں جب بھی پانی سے بھرے ہوئے کسی گڑھے میں جا پڑتا تھا تو چھینٹے اس کے منہ تک آتے تھے۔ ایک میل تک دوڑنے کے بعد بالآخر اس نے مٹی کا ایک تودہ سا دیکھا جس پر لالٹین رکھی ہوئی تھی۔ وہ رک گیا۔ آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگا۔ ریت کے ڈھیر میں مسلسل اضافہ ہو رہا تھا۔ اگرچہ وہ کھودنے والے کو نہیں دیکھ سکتا تھا مگر ہر ایک منٹ بعد بیلچہ بھر مٹی باہر آ رہی تھی۔ قریب پہنچ کر وہ لیٹ گیا اور اندر جھانکا۔ آٹھ فٹ گہرے گڑھے میں البرٹ تنہا پسینے میں شرابور موجود تھا۔ اس کا جسم منہ اور سر مٹی میں بھرے ہوئے تھے۔ ٹام فوری طور پر گولی نہیں چلانا چاہتا تھا چنانچہ وہ پیچھے ہٹ گیا اور ایک جھاڑی کی اوٹ میں بیٹھ گیا۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد اس نے اپنی بیوی کی آواز سنی۔ البرٹ۔ آواز بہت قریب سے آئی تھی ٹام چوکنا ہو گیا۔ البرٹ اس کی بیوی پھر چلائی۔ وہ سخت وحشت زدہ اور پریشان تھا اور لالٹین لئے بھاگی چلی آ رہی تھی۔

''کیا بات ہے جینی۔'' البرٹ نے گڑھے کے اندر سے جواب دیا۔ ''البرٹ بھاگ گیا۔'' وہ پھولی ہوئی سانسوں سے بولی۔ ''یوفول میں نے تم سے کہا تھا کہ وہ اتنا احمق نہیں ہے۔ سارا دن میں نے اس کی ایک نہ چلنے دی۔ مگر وہ سوتے سے اٹھ کر فرار ہو گیا۔ اس نے ٹوٹے ہوئے تختے پر قدم ہی نہیں رکھا۔ اس کی آواز میں ہسٹریائی کیفیت تھی۔ ''وہ ہمیں پکڑوا دے گا البرٹ۔''

اسی وقت ٹام نے بندوق سے نشانہ لیا اور گولی چلا دی۔ وہ لالٹین سمیت گڑھے میں الٹ گئی اور اس کے گرتے ہوئے جسم کے ساتھ مٹی بھی گری اور اوپر رکھی ہوئی لالٹین بھی سرک کر اندر لڑھک گئی۔

''جینی۔'' البرٹ چلایا۔ ''جینی ڈارلنگ۔'' مگر تیل جینی کے کپڑوں پر پھیل گیا تھا اور لالٹین بجھ گئی تھی۔ لیکن شعلوں نے جینی کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ ٹام نے اوپر سے دیکھا کہ البرٹ جینی سے لپٹ کر اس کے لباس کو پھاڑ کر پھینکنے کی اور دونوں ہاتھوں سے جلے ہوئے کپڑوں کی آگ بجھانے کی وحشیانہ کوشش کر رہا ہے۔ پھر اس نے اوپر دیکھا اور اس کی نظر ٹام پر پڑی۔

''تم..... تم نے اسے مار دیا'' وہ اندر لگی ہوئی رسی کے سہارے باہر نکلنے کی جدوجہد کرتے ہوئے بولا مگر آگ نے رسی کو بھی جلا دیا تھا۔ رسی ٹوٹ گئی۔ وہ واپس اندر جا گرا۔ گوشت اور خون کی جلنے کی بو ٹام کو شدت سے محسوس ہوئی۔

''تم ذلیل، کمینے، کتے۔'' البرٹ گلا پھاڑ کر چلایا۔ ''تم نے اسے میرے سامنے کیوں۔ پہلے مجھے گولی کیوں نہیں ماردی۔ تم نے جینی کو مار دیا اب مجھے چھوڑ دیا۔ اس نے ٹام پر بیلچہ کھینچ کر مارنے کی کوشش کی۔ ٹام تھوڑا سا پیچھے ہٹ گیا۔ ''کیا تم بھی مرنا چاہتے ہو؟'' ٹام نے سکون سے کہا۔ بیلچہ اس سے چار گز دور جا کر گرا تھا۔ ''ہاں۔'' وہ چلایا۔ ''میں بھی مرنا چاہتا ہوں۔ جینی کے بغیر زندہ رہنا نہیں چاہتا۔ مجھے بھی مار ڈالو۔''

''آل رائٹ۔'' ٹام نے دوسری بار بندوق اٹھائی اور البرٹ کے سر کا نشانہ لیا۔ بندوق کی دوسری نالی سے دوسری گولی سیدھی اس کے دماغ میں پیوست ہو گئی۔ وہ جینی کے اوپر گر پڑا اور ساکت ہو گیا۔ پھر ٹام نے خالی بندوق کو گڑھے میں پھینکا اور بیلچہ اٹھا کر مٹی گڑھے میں ڈالنے لگا۔ آہستہ آہستہ گڑھا بھرتا گیا۔

سورج نکلنے سے قبل زمین ہموار ہو گئی۔ تھکن سے چور ٹام نے بیلچہ کندھے پر اٹھایا اور نہانے کے لئے جھیل کی طرف چل پڑا۔ جس کی ساکت سطح پر سورج کی پہلی کرن کا سنہرا رنگ جھلملا رہا تھا۔

جنون

فرح انیس۔کراچی

اچانک کمرے میں آواز گونجی تمہیں ہر صورت میرا ہونا پڑے گا، ہیولہ کی آنکھیں سرخ اور انگارہ ہو رہی تھیں کہ اتنے میں دل کو دہلاتی فلک شگاف ڈراؤنی آواز نے.....

آسیبی دنیا کی ناقابل یقین خونی ڈراؤنی دل کو مبہوت کرتی لرزہ براندام کرتی کہانی

جب تک اس چہرے کو نہ دیکھوں لگتا ہے کچھ ادھورا سا ہے سیڑھی چڑھتی سحر اپنی مخصوص کھنکتی آواز میں بولی، شہاب جو چھت کی منڈیر سے لگا محویت سے آسمان کو تک رہا تھا اس کو آتا دیکھ کر اس کا حلق تک کڑوا ہو گیا پھر اس کے برابر کھڑے ہوتے ہوئے وارفتگی سے تکنے لگی جس پر وہ چڑ سا گیا اور بیزاری سے اپنا چہرہ دوسری جانب پھیر لیا۔

''کیوں اتنا کتراتے ہو؟'' وہ اس کا اچانک ہاتھ تھامتے ہوئے بولی۔

''اپنی اوقات میں رہو۔'' وہ غراتے ہوئے بولا۔

''مجھ سے فاصلے پر رہو تو زیادہ بہتر ہوگا تمہارے لئے۔'' شہاب انگلی اٹھا کر اسے وارن کرتے ہوئے بولا اور سیڑھیاں دھپ دھپ کرتے اتر گیا۔

تم سے دور رہنا میرے لئے بہت مشکل ہے تمہارا پیچھا میں کبھی نہیں چھوڑ سکتی وہ آہستگی سے اسے جاتا دیکھ کر بولی۔

سحر جمال اس کی چچازاد تھی جو اپنے ماں باپ کی اکلوتی بگڑی ہوئی اولاد تھی چچا چچی نے اس کی جائز ناجائز خواہشات پوری کرکے اس کو خودسر کے ساتھ ساتھ بدتمیز بھی بنادیا تھا وہ اپنے آگے کسی کو کچھ گردانتی ہی نہیں تھی۔

شہاب کے دو بڑے بہن بھائی تھے، بڑے بھائی بیرون ملک اپنی بیوی بچوں کے ساتھ نوکری کے سلسلے میں مقیم تھے اور بہن کی بھی شادی ہوچکی تھی سب سے چھوٹا شہاب تھا جو ایم بی اے مکمل کرنے کے بعد ایک اچھی جگہ نوکری کررہا تھا۔

سحر نے تعلیم کو انٹر کے بعد ہی خیر باد کہہ دیا تھا اس کا سارا وقت موویز اور گانے سننے میں گزر جاتا تھا۔

شہاب کو جتنی سحر سے نفرت تھی اتنی ہی سحر کو شہاب سے محبت تھی وہ جتنا اس سے دور بھاگنے کی کرتا وہ اتنا ہی اس کے نزدیک آنے کی کرتی تھی شہاب کو اس کے اس جنون سے نفرت تھی وہ چاہتا تھا اس کا سحر سے سامنا بھی نہ ہو مگر مصیبت یہ تھی کہ وہ سب ایک ہی گھر میں مل کے رہتے تھے۔

شہاب کی تو زندگی کا ایک ہی محور تھا وہ تھا آرزو کو پانا حالانکہ وہ جانتا تھا کہ اس کی یہ آرزو پوری ہونا آسان نہیں ہے مگر وہ بھی کیا کرتا کچی عمر سے اس کی آنکھیں آرزو کی ہمراہی کے سپنے بنتی آرہی تھیں۔

آرزو صدف کی بیٹی تھی صدف ان کے گھر پہلے کپڑے دھویا کرتی تھی اس وقت شہاب دس سال کا تھا جب آٹھ سالہ آرزو صدف کے ساتھ آتی تو وہ اس کے ساتھ کھیل میں مگن ہوجایا کرتا تھا اور سحر ان دونوں کے ساتھ کھیلنا بھی چاہتی تو وہ اسے ڈانٹ کے بھگادیا کرتا تھا اور دور کھڑی سحر سلگتی آنکھوں سے کھیل میں مگن آرزو اور شہاب کو دیکھا کرتی تھی۔

وقت گزرا بچپن سے جوانی آئی تو شہاب اور آرزو کی ایک دوسرے کے لیئے محبت پختہ ہوتی چلی گئی۔

من موہنی صورت کی شیریں لہجے کی مالک آرزو شہاب کی زندگی تھی تو وہیں وقت گزرنے کے ساتھ سحر کا جنون بھی شہاب کے لیئے بڑھتا چلا گیا۔

"ارے بڑے دن بعد چکر لگایا صدف تم نے" سعدیہ جو تخت پر بیٹھی سبزی بنارہی تھیں دروازے سے اندر داخل ہوتی صدف کو دیکھ کر خوشگواری سے بولی۔

ماں کی آواز پر وہیں تخت پر آنکھیں بند کیے شہاب نے پٹ سے بند آنکھیں کھول دیں اور دہلیز سے سرمئی آنچل سر پر اوڑھی آرزو کو دیکھنے لگا وہ اس کی نظروں کی تپش سے سمٹ کر ماں کے پیچھے چھپ سی گئی جس پر اس کے لب بے ساختہ مسکرادیئے۔

"بس کیا کروں باجی اب کہیں زیادہ نکلنا ہی نہیں ہوتا یہ مٹھائی دینے آئی تھی میری آرزو نے ماشاءاللہ چودہ جماعتیں پاس کرلی ہیں فرسٹ ڈویژن آئی ہے۔" صدف تفاخر سے بتانے لگی۔

"واہ بھئی بہت بہت مبارک ہو۔" سعدیہ ... سے آرزو کو گلے لگا کے مبارکباد دینے لگیں جس پر ... شرم سے گلابی پڑگئی شہاب کن انکھیوں سے اس کا گلابی پڑتا چہرہ دیکھنے لگا۔

"تمہاری بیٹی ہے بہت اچھی۔" سعدیہ آرزو کی تعریف کرتے ہوئے بولیں۔

"ہاں باجی میری بچی بہت اچھی ہے میٹرک میں تھی تب ضد کرکے میرا گھروں کا کام چھڑوا دیا لوگوں کے خود کپڑے سی کر ٹیوشن پڑھا کے گھر کا خرچ چلایا کرتی تھی اتنی کم عمری میں ہی اتنی ذمہ داریاں اٹھالی تھیں۔

صدف کو عرصہ ہوا تھا کام چھوڑے آرزو کو ناپسند تھا کہ وہ گھر گھر جاکر کام کرے۔

"بس اب تو دعا ہے باجی میری بچی کی اچھی جگہ شادی ہو جہاں اسے سکھ ہی سکھ ملے۔" صدف بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

"تم فکر کیوں کرتی ہو جتنی اچھی یہ ہے اتنی ہی

اچھی جگہ اس کی شادی ہوگی۔" سعدیہ صدف کو تسلی دیتے ہوئے بولیں۔

"ہاں ہاں فکر کیوں کرتی ہو صدف ماسی شہزادہ لینے آئے گا اسے۔" طنز سے بولتی ہوئی سحر وہیں آگئی اس کے خاص طور پر لفظ ماسی کھینچنے پر آرزو کے ماتھے پر شکنیں آگئی تھیں۔

"بری بات ایسے نہیں بولتے۔" صائقہ وہاں آتے ہوئے بیٹی کو ٹوکتے ہوئے بولیں۔

حالانکہ ان کو صدف اور اس کی بیٹی ایک آنکھ نہیں بھاتی تھی مگر جیٹھانی کے سامنے وہ اچھی بنتے ہوئے بولیں وہ چاہتی تھیں کہ سعدیہ سحر کا ہاتھ شہاب کے لیئے مانگ لیں مگر صائقہ اکثر سحر کی حرکتوں پر بھابھی کے سامنے شرمندہ ہوکر رہ جاتی تھیں۔

شہاب کو رغبت سے مٹھائی کھاتا دیکھ کر سحر کا دل جل کے خاک ہوگیا۔

"کیا گفٹ لوگی پاس ہونے پر۔" شہاب جھٹ آرزو سے بات کرتے ہوئے بولا۔ "کچھ بھی نہیں۔" وہ شرمیلے لہجے میں بولی۔ اس کے اس طرح سے بولنے پر وہ فریفتہ ہوگیا۔

"آگے کیا ارادہ ہے آرزو تمہارا۔" وہ پوچھنے لگا۔ "ماسٹرز کا ارادہ ہے میرا۔" وہ اسے بتانے لگی۔

"اچھا اور شادی کا کس سے ارادہ ہے وہ شوخ ہوا مگر دوسری جانب خاموشی چھا گئی۔" آرزو چپ کیوں ہوگئی۔

"شہاب آپ کو لگتا ہے ہماری شادی ممکن ہے۔" وہ آہستگی سے بولی۔

"کیوں نہیں ممکن۔" شہاب اس کی بات پر بولا۔

آج دیکھا تھا آپ نے سحر کیسے امی کو ماسی کہہ کر ہماری اوقات باور کرارہی تھی مانا ہم غریب ہیں پر مجھے سحر کی آنکھوں میں جو تضحیک نظر آتی ہے ناں، وہ بہت [illegible] ہے۔" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

"وہ یہ سب اس لئے کرتی ہے کیونکہ وہ جانتی ہے کہ ہم دونوں ایک دوجے سے محبت کرتے ہیں وہ چاہتی ہے کہ میں اس کا ہوجاؤں مگر یہ اس کی بہت بڑی بھول ہے شہاب نے اگر کسی سے محبت کی ہے تو وہ آرزو ہے اور آرزو کے سوا میری زندگی میں کوئی بھی نہیں ہے۔" وہ اٹل لہجے میں بولا۔

پیچھے کسی کی آہٹ محسوس کرکے شہاب پلٹا تو سحر کو کھڑا دیکھ کر اس کا خون کھول اٹھا۔

"آرزو میں تم سے بعد میں بات کرتا ہوں۔" کہہ کر اس نے کال کاٹ دی۔ "تم کو تمیز نہیں ہے دوسروں کی باتیں سنتی ہو۔" وہ غصے سے بولا۔

"تم کو تمیز نہیں ماسی کی بیٹی سے عشق لڑاتے ہو۔" وہ اس کی بات کے جواب میں بولی جس پر وہ اسے کڑے تیوروں سے اسے گھورنے لگا۔

"ایسا کیا ہے اس میں جو تم یوں دیوانے ہورہے ہو اس کے۔" وہ اس کے قریب آتے ہوئے بولی۔

"کیا میں حسین نہیں ہوں۔" وہ بیباکی سے اس کے نزدیک ہوتے ہوئے بولی۔

"نہیں تم حسین نہیں ہو تم ایک بے شرم لڑکی ہو۔" چشم تصور میں شہاب کے آرزو کا شرمایا ہوا روپ آگیا۔

"اتنا خود کو کسی کے آگے ارزاں مت کرو۔" وہ طنز سے بولتے ہوئے اسے پیچھے دھکیلتے ہوئے آگے بڑھ گیا۔

"تمہیں میرا ہونا پڑے گا چاہے اس کے لیئے مجھے کچھ بھی کرنا پڑے۔" وہ سرخ ہوتی آنکھوں کے ساتھ اس کی پشت کو دیکھ کر بڑبڑائی۔

☆......☆......☆

آرزو کا رشتہ آیا تھا جو صدف کو بھی بہت پسند آیا تھا لیکن شہاب کا پریشانی سے برا حال تھا دوسری طرف کال پر روتی آرزو نے اسے بے چین کردیا تھا۔

آفس سے گھر آکر آج شہاب نے ماں سے بات کرنے کا ارادہ کیا، سعدیہ اس کے کمرے میں چائے لے کر آئیں تو اسے مناسب موقع ملا۔

"امی مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے۔" وہ

ماں کا ہاتھ پکڑ کے بیڈ پر بٹھاتے ہوئے بولا۔ ”ہاں بولو۔“ وہ ہمہ تن گوش ہوئیں۔

”امی میں آرزو سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔“ وہ ہمت مجتمع کرتے ہوئے بولا جس پر وہ بھڑک گئیں۔

”تمہارا دماغ خراب ہے آج تو بول دیا آج کے بعد یہ بات منہ سے نہیں نکالنا ویسے بھی تمہارے بابا تمہاری سحر سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔“ ماں کی بات پر وہ اچھل گیا۔

”میں مرجاؤں گا مگر اس چڑیل سے شادی نہیں کروں گا۔“ وہ آپے سے باہر ہوتے ہوئے بولا۔ ”تمیز سے رہو۔“ شہاب سعدیہ درشت لہجے میں بولیں۔

”امی آپ جانتی نہیں سحر کس قدر بدتمیز اور بد اخلاق ہے آپ کے سامنے وہ چچی سے کتنی بدلحاظ ہوجاتی ہے سوچیں شادی کے بعد وہ آپ سے اور بابا سے بھی ایسے زبان درازی کرے گی۔“ وہ ماں سے بولا۔ جس پر وہ چپ کرگئیں ویسے وہ سحر کی زبان درازی سے بہت خائف تھیں بڑے چھوٹے کا اس میں احترام نہیں تھا۔

”امی پلیز آپ بابا سے بات کریں۔“ نہ وہ ماں کو نرم پڑتا دیکھ کر ملتجی لہجے میں بولا۔

”ٹھیک ہے میں کرلونگی تمہارے بابا سے بات پر اس خوش فہمی میں مت رہنا کہ تمہاری شادی آرزو سے ہوجائے گی۔“ وہ سختی سے بولیں۔

وہ بے بسی سے ماں کو دیکھ کر دروازہ کھول کے باہر آگیا جہاں دروازے سے سحر لگ کے کھڑی تھی اس کو دیکھ کر اس کا پارہ چڑھ گیا۔ ”کافی ڈھیٹ ہو۔“ وہ درشتگی سے بولتے ہوئے لمبے لمبے ڈگ بھرتا اپنے کمرے میں آگیا، سحر بھی تیزی سے اس کے پیچھے آئی۔

”کیا کسی نے تمیز نہیں سکھائی کہ کسی کے کمرے میں جب آیا جاتا ہے تو اجازت طلب کی جاتی ہے۔“ وہ اسے گھورتے ہوئے بولا۔

”مت کرو میرے ساتھ ایسا مرجاؤں گی میں۔“ وہ اس کی شرٹ کا کالر پکڑ کے روتے ہوئے بولی جس پر وہ بوکھلا گیا۔

”تم نے اجازت طلب کیوں نہیں کی میری زندگی میں داخل ہونے کی۔“ وہ سختی سے بولا

”تم جاؤ یہاں سے تم سمجھتی کیوں نہیں میں انسان ہوں کوئی کھلونا نہیں جس کو تم ضد کرکے مانگ لو گی۔“ وہ بری طرح سے زچ ہوتے ہوئے بولا۔

”کسی پر قابض نہیں ہوا جاتا یہ دلوں کے فیصلے ہوتے ہیں۔“ وہ نرمی سے اسے سمجھانے لگا۔

”میں کچھ نہیں جانتی میں بس اتنا جانتی ہوں کہ میں تم کو چاہتی ہوں۔“

شہاب کو اس کی خودغرضی پر بے ساختہ غصہ آیا دل چاہا اسے دو تھپڑ لگائے۔

”میں آرزو سے محبت کرتا ہوں۔“ وہ [illegible] کرتے ہوئے بولا۔

”اس ماسی کی بیٹی میں ایسا کیا ہے۔“ وہ حقارت سے بولی۔

آئندہ آرزو کے بارے میں اس طرح بات نہ کرنا وہ درشتگی سے بولا۔

”تم جاؤ یہاں سے۔“ وہ کمرے کے [illegible] طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

”میں مرجاؤں گی تمہارے بغیر۔“ وہ اس کا ہاتھ تھام کے روتے ہوئے بولی۔

”ٹھیک ہے مرجاؤ۔“ وہ سرد نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے بولا۔

سحر اس کی بات پر خاموشی سے اسے دیکھتی رہی پھر چپ چاپ کمرے سے باہر نکل گئی۔

اس کے جانے کے بعد وہ سر پکڑ کے [illegible] کچھ سوچ کے آرزو کو کال کرنے لگا۔

”ہیلو آرزو کیا تم میرے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہو۔“ وہ اس کے کال اٹھاتے ہی بولا۔

”کہاں چلنے کے لئے۔“ دوسری جانب آرزو بوکھلاتے ہوئے بولی۔

”ہم دونوں اپنا گھر چھوڑ کے چلتے ہیں۔“ وہ [illegible]

”آپ کا مطلب ہم گھر سے بھاگ جائیں۔“ آرزو اس کی بات کا مطلب سمجھتے ہوئے حیرانگی سے بولی۔

”ہاں کیونکہ میری امی کسی صورت تم سے شادی پر راضی نہیں دوسرا مجھے سحر کے بڑھتے جنون سے خوف آرہا ہے۔“ شہاب اس کی بات پر بولا۔

”نہیں میں نہیں جاسکتی آپ کے ساتھ شہاب امی کو جو مان ہے مجھ پر وہ میں کیسے توڑ دوں۔“ وہ منع کرتے ہوئے بولی۔

”ٹھیک ہے پھر بھول جاؤ مجھے۔“ وہ اس کی بات پر قطعیت سے بولا جس پر آرزو خاموش ہوگئی۔

”آرزو کیا میرے بن رہ لوگی۔“ شہاب اس کی خاموشی پر بولا۔

میں بھی نہیں رہ پاؤں گا آرزو پلیز منع مت کرو وہ اس کی خاموشی پر التجائی لہجے میں بولا۔

”ٹھیک ہے شہاب میں چل رہی ہوں۔“

”ٹھیک ہے رات ڈیڑھ بجے میں تمہارے گھر کی طرف جو روڈ ہے ادھر تمہارا انتظار کروں گا۔“ کہنے کے بعد اس نے خداحافظ کہہ کر کال بند کردی۔

”کاش امی آپ مان جاتیں تو مجھے اتنا بڑا فیصلہ نہیں کرنا پڑتا۔“ وہ اداسی سے بستر پر لیٹتے ہوئے سوچنے لگا۔

شہاب کو گھر چھوڑنے کا سوچ کے ہی دل پر بوجھ سا محسوس ہونے لگا تھا۔

ابھی اس نے آنکھیں بند ہی کی تھیں کہ شور کی آواز پر وہ گھبرا کے اٹھ بیٹھا وہ باہر آیا تو سحر کے کمرے سے صائقہ چچی کے رونے کی آواز آرہی تھی وہ گھبرا کے وہاں گیا مگر سامنے کے منظر نے اس کے پیروں تلے سے زمین نکال دی تھی۔

سحر کی پنکھے سے لٹکتی لاش اس کی کھلی آنکھیں شہاب کو خود کو گھورتی محسوس ہوئیں وہ متوحش سا ہوکر سب کو روتا دیکھ رہا تھا۔

اسے یقین نہیں آرہا تھا سحر اپنی جان ہی لے لی گی اسے اس کے جنون کی خبر تھی مگر یہ خبر نہ تھی کہ وہ اپنی جان لے بیٹھے گی۔

کسی کو نہیں پتا تھا اس نے خودکشی کیوں کی مگر شہاب اور آرزو جانتے تھے اس خودکشی کے پیچھے اس کا وہ جنون تھا جو اس کی جان لے گیا۔

☆......☆......☆

گھر میں سوگواریت کی کیفیت تھی گھر کے در و دیوار سے ٹپکتی اداسی سے شہاب کو وحشت ہورہی تھی۔

آج ان دونوں کو گھر سے چلے جانا تھا وہ رات خاموشی سے اپنا بیگ اٹھائے وہاں پہنچ گیا اور آرزو کا انتظار کرنے لگا تھوڑی دیر بعد اسے سیاہ چادر سے منہ چھپائے آرزو آتی نظر آئی وہ اسے لے کر ریلوے اسٹیشن کی جانب بڑھ گیا جہاں اس نے دوسرے شہر کی ٹکٹیں کرائی تھیں وہاں اس کا دوست اپنی بیوی کے ساتھ رہتا تھا وہاں پہنچ کر ان دونوں کا نکاح ہوا۔ نکاح کے بعد وہ دونوں وہاں سے نکل گئے اور دور دراز کے علاقے میں آگئے جہاں ان کو دو کمروں کا چھوٹا سا گھر ملا جو گزارے لائق تھا۔

کفارہ

سلطان الہند خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ نے ایک روز سوچ سمجھ کر نفلی روزہ توڑ دیا اور پھر 60 روزے رکھ کر کفارا ادا کیا۔ ہوا کچھ یوں کہ ایک بہت ضعیف شخص جو گونگا اور بہرا بھی تھا۔ بہت دور سے پیدل چل کر آپ کے لیے کھانا لایا، آپ نے بار بار سمجھایا، مگر وہ سمجھ ہی نہیں پارہا تھا کہ آپ روزے سے ہیں۔ ابھی آپ نے کھانا تناول فرمانا شروع ہی کیا تھا کہ ایک اور شخص آیا اور کہنے لگا۔ ”حضور آپ تو روزے سے تھے۔“ آپ نے ارشاد فرمایا۔ ”روزہ توڑنے کا کفارہ ہے...... مگر دل توڑنے کا کفارہ نہیں ہے۔“

(شرف الدین جیلانی۔ٹنڈوالہ یار)

"میں آج بہت خوش ہوں۔" وہ کمرے میں آتے ہوئے اس کے پاس بیڈ پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

"میں بھی بہت خوش ہوں لگتا ہے برسوں کی مراد پوری ہوگئی۔" آرزو اس کی بات پر شرماتے ہوئے بولی جس پر شہاب محبت سے مسکرا دیا۔

یہاں ان کو رہتے ہوئے دو ہفتے ہو گئے تھے اللہ اللہ کر کے شہاب کو نوکری ملی جس کی تنخواہ بہت کم تھی مگر شہاب نے صبر شکر کر کے اس نوکری کو قبول کر لیا تھا۔

☆.....☆.....☆

شام میں جب وہ آفس سے آیا تو اسے باورچی خانے میں آرزو چائے بناتی ہوئی نظر آئی وہ اس کی جانب مسکراہٹ اچھالتے ہوئے کمرے میں آ گیا ابھی وہ بیڈ پر بیٹھا موزے اتار رہا تھا کہ واش روم کا دروازہ کھلا جہاں سے آرزو نکلتی نظر آئی تو وہ سٹپٹا کر رہ گیا وہ گھبرا کے اٹھ کے باورچی خانے کی جانب بڑھا مگر وہاں کوئی نہ تھا وہ پریشان سا کمرے میں آ گیا مگر آرزو سے کچھ بولا نہیں مبادا وہ ڈر نہ جائے۔

اس رات اسے آفس کا کام کرتے ہوئے کافی دیر ہو گئی تھی آرزو کب کی سو گئی تھی کہ اچانک باہر زور زور سے دروازے پر ہونے والی دستک پر اس کی نگاہ گھڑی پر گئی جو رات کے دو بجا رہی تھی۔

اس وقت کون آ گیا وہ باہر کی جانب چل دیا دروازہ کھولتے ہی اسے محسوس ہوا کہ کوئی عورت ہے جو تیزی سے اس کے دروازہ کھولتے ہی گزری ہے پتا نہیں کون تھی وہ کندھے اچکاتا ہوا واپس کمرے کی جانب بڑھا۔

مگر کمرے کے بستر پر آرزو کو نہ پا کر وہ پریشان ہو گیا وہ فکرمندی سے باہر آ کر برابر والے کمرے میں پھر باورچی خانے میں جھانکنے لگا وہاں آرزو نہ تھی وہ پریشان ہوتا ہوا واپس اپنے کمرے میں آیا تو اسے آرزو بیڈ پر سوتی نظر آئی وہ یہ منظر دیکھ کر چکرا سا گیا، کتنی ہی دیر وہ سر پکڑے بیڈ پر بیٹھا رہا کافی دیر بعد وہ بیڈ پر لیٹ کر سونے کی کوشش کرنے لگا۔

اگلے دن شام آفس سے واپسی پر وہ آرزو کے لئے گجرے لیتے ہوئے گھر آیا تو بیڈ روم میں داخل ہوتے ہی بیڈ پر سجی سنوری بیٹھی آرزو کو محبت پاش نظروں سے دیکھنے لگا۔

"کیا بات ہے آج تو بہت خوب صورت لگ رہی ہو۔" وہ اسے آنکھوں میں سموتے ہوئے بولا اس کی تعریف پر وہ شرما سی گئی۔

"تمہارے لئے گجرے لایا ہوں۔" وہ اسے گجرے دکھاتے ہوئے بولا۔

"پہنا دیں۔" وہ اپنی کلائی آگے کرتے ہوئے بولی۔

اس سے پہلے کہ وہ گجرے پہناتا کھٹکے کی آواز پر وہ چونک کے پلٹا آرزو کو کمرے میں آتا دیکھ کر وہ اچھل گیا اور بیڈ کی طرف دیکھنے لگا جہاں اب کوئی بھی نہ تھا۔

"آرزو تم تو ابھی یہاں تھی۔" وہ خوف سے ہکلاتے ہوئے بولا۔

نہیں تو میں تو باورچی خانے میں تھی۔" اس کی بات پر آرزو بولی۔

وہ نہ سمجھ آنے والی کیفیت میں گرفتار تھا۔ کچھ نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔

اس نے دبے لفظوں میں آرزو سے پوچھا بھی کہ کیا اسے یہاں گھر میں کچھ محسوس ہوتا ہے مگر آرزو نے کہا کہ اسے تو یہاں بہت مزہ آتا ہے اور شہاب دیکھ رہا تھا جتنا وہ اس گھر میں بے سکون تھا آرزو اتنی ہی اس گھر میں خوش و خرم تھی اس کے چہرے سے چھلکتی طمانیت دیکھ کر شہاب کو حیرت ہوتی تھی کہ اسے وہ سب کیوں محسوس نہیں ہوتا۔

☆.....☆.....☆

ویک اینڈ تھا، وہ دونوں رات دیر گئے مووی دیکھتے رہے کہ اچانک بجلی چلی گئی اف کیا مشکل ہے زبردست سین تھا اس بجلی کو بھی ابھی جانا تھا شہاب بڑبڑاتے ہوئے بولا۔

آرزو باورچی خانے سے موم بتی لے آؤ

آرزو سے بولا۔

"جی لاتی ہوں۔"

تھوڑی دیر بعد آرزو موم بتی لے آئی۔

"شہاب ایک بات پوچھوں۔" آرزو اس کے پاس بیٹھی آہستگی سے بولی۔

"ہاں پوچھو۔"

"آپ کو مجھ سے کتنی محبت ہے۔" آرزو کے سوال پر شہاب کو بے ساختہ ہنسی آ گئی۔

"تم سے کس نے کہا کہ مجھے تم سے محبت ہے۔" وہ اسے چڑاتے ہوئے بولا۔

بتائیں ناں۔" پیار بھرے لہجے میں بولی۔

"تم سے محبت مجھے کتنی ہے یہ تو تمہیں بھی اندازہ نہیں وہ اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے نرمی سے بولتے ہوئے موم بتی کی روشنی میں اس کے حسین چہرے کی جانب دیکھنے لگا۔

مگر وہاں تو کوئی مکروہ چہرے کی عورت بیٹھی تھی۔ شہاب نے دہشت زدہ ہو کر اس عورت کو زور سے دھکا دیا کہ اچانک بجلی آ گئی۔

آرزو بیڈ سے گری ہوئی حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"کیا ہو گیا ہے شہاب آپ کو آپ ایسا کیوں کر رہے ہیں۔" وہ اسے کندھے سے پکڑ کے جھنجھوڑتے ہوئے بولی۔

"نہیں تم نہیں تھی یہاں کوئی اور تھا۔" وہ اس سے خوف سے کانپتے ہوئے بولا۔

"ایسا کچھ نہیں ہے اگر ایسا ہوتا تو مجھے بھی تو محسوس ہوتا۔" وہ اسے یقین دلاتے ہوئے بولی۔

شہاب اپنے دونوں ہاتھوں سے سر تھام کے بیٹھ گیا، جو کچھ ہو رہا تھا اس کی سمجھ سے باہر تھا۔

☆.....☆.....☆

شہاب کی صحت خراب رہنے لگی تھی وہ گھر آنے کے نام پر ہی اندر تک سہم سا جاتا تھا۔

پھر کافی دنوں تک سکون رہا، شہاب نے بھی سکون کا سانس لیا۔

☆.....☆.....☆

آج اتوار کا دن تھا وہ آرزو کے ساتھ بیٹھا باتیں کر رہا تھا کہ اس کے دوست کی کال آ گئی جو اسے اپنی طرف کسی کام سے بلا رہا تھا وہ آرزو کو بتا کر اس کی طرف چلا گیا واپس آتے آتے مغرب ہو گئی گھر میں وہ داخل ہوا تو گھر میں چھوٹے سے آنگن میں لگے درخت کو وہ چونک کر دیکھنے لگا مگر جب وہ اس درخت کے قریب گیا تو دہشت سے اس کے حلق سے چیخیں نکل گئیں کیونکہ درخت پر وہاں آرزو کی لاش لٹکی تھی بالکل ویسے جیسے کچھ وقت پہلے سحر کی لاش پنکھے سے لٹکی ہوئی تھی۔

"نہیں نہیں تم مجھے چھوڑ کے نہیں جا سکتی۔" وہ اس کی ٹانگوں سے لپٹ کر پھوٹ پھوٹ کے رو دیا کتنی ہی دیر وہ روتا رہا۔

"شہاب کیا ہو گیا ہے۔" پیچھے سے آتی آرزو اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتی ہوئی بولی تو وہ آنکھیں پھاڑے درخت کی جانب دیکھنے لگا جہاں اب کچھ بھی نہیں تھا۔

"تم زندہ ہو۔" وہ خوف کی زیادتی سے اٹکتے ہوئے بولا۔

"آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی۔" وہ فکرمندی سے بولی۔

"تم اب کچھ مت بولنا ہم بس آج رات یہاں سے نکل رہے ہیں۔" وہ اس سے بولا اور کچھ فیصلہ کرتے ہوئے گھر سے نکل گیا وہ ریلوے اسٹیشن کی جانب بڑھ گیا تھا۔

وہاں سے اس نے اپنے شہر کی ٹکٹیں لیں اور گھر واپس آ گیا۔

"ہم رات تک نکل رہے ہیں آرزو۔" وہ کمرے میں آتے ہوئے آرزو سے بولا جو کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی۔

"بس تیاری شروع کر دو نکلنے کی۔" وہ اس سے عجلت میں بولتے ہوئے خود بھی الماری کھول کے کپڑے بیگ میں ڈالنے لگا۔

''ہم کہاں جائیں گے۔'' آرزو بے چینی سے بولی۔

''ہم واپس گھر جائینگے، ہم اپنے اپنے گھر والوں سے معافی مانگ لینگے، یہاں اس گھر میں کچھ ہے گڑبڑ۔'' وہ بولا اور وہ نمبر جو اس نے یہاں آکر بند کردیا تھا تاکہ گھر والے اس سے رابطہ نہ کرسکے اس نے وہ سم سیل میں لگا کر نمبر آن کرلیا۔ نمبر آن کرتے ہی آرزو کے بے تحاشہ پیغامات آنے لگے وہ حیرانگی سے ان پیغامات کو پڑھنے لگا۔

☆.....☆.....☆

''مجھے معاف کردینا شہاب میں نہیں آسکتی میں اپنی ماں کا مان نہیں توڑ سکتی۔''

وہ میسج پڑھ کے چکرا گیا۔

''تم کہاں چلے گئے تمہاری امی تمہاری جدائی میں بہت بیمار ہوگئی ہیں۔''

''شہاب واپس آجاؤ آنٹی راضی ہیں ہم دونوں کی شادی پر خدارا جہاں بھی ہو واپس آجاؤ۔''

اور اسی طرح کے آرزو کے یکے بعد دیگرے پیغامات تھے اسے لگا پورا کمرہ گول گول گھوم رہا ہے پھر دو ماہ سے وہ کس کے ساتھ رہ رہا تھا۔

ڈرتے ڈرتے اس نے گردن گھمائی وہ ہنوز کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی۔

''کہا تھا ناں تمہارا پیچھا نہیں چھوڑوں گی۔'' سحر کی آواز کمرے میں گونجی تو اس کے پورے بدن میں سنسنی دوڑ گئی۔

''تم کیا سمجھے تھے میں یوں آسانی سے تم کو چھوڑ دوں گی دو ماہ سے تمہارے ساتھ آرزو کے روپ میں رہ رہی تھی۔'' اس کی بات پر شہاب کی ریڑھ کی ہڈی میں سرد لہر دوڑ گئی۔

وہ مدد طلب نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔ ''مجھے جانے دو۔'' شہاب کے منہ سے بمشکل آواز نکلی۔

''کیسے جانے دوں میں تم کو تم تو میری محبت ہو۔ آرزو کے روپ میں تو میں کب سے تمہارے ساتھ ہوں اور اس رات تم نادان کیا سمجھے وہ تمہارے ساتھ آنے والی لڑکی آرزو ہے۔'' سحر اسے دیکھ کر ہنستے ہوئے بولی۔

''تمہاری وجہ سے میں نے اپنی جان لے لی اب تم یہاں سے مر کے ہی جاسکتے ہو۔'' وہ اسے شعلہ بار نظروں سے دیکھتے ہوئے بولی۔

شہاب کو اس وقت اپنی موت صاف نظر آرہی تھی مگر اس کے دماغ میں جھماکہ ہوا اسے اس وقت یہاں سے بچ کے نکلنے کی ایک آخری ترکیب نظر آئی تو وہ اچانک زور زور سے آنکھیں بند کرکے آیت الکرسی پڑھنے لگا جس پر سامنے کھڑی سحر آرزو کی شکل میں آگئی۔

''کیا ہوگیا ہے شہاب چلیں دیر ہورہی ہے۔''

مگر وہ مزید اس کے فریب میں نہیں آسکتا تھا۔

بہت تگ ودو کے بعد وہ ادھر سے جان بچا کر نکلا۔

اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ وہ دو ماہ تک ایک گھر میں ایک روح کے ساتھ رہتا رہا ہے۔

☆.....☆

گھر پہنچا تو سعدیہ اسے خود سے لپٹا کر بے تحاشہ روئیں۔ ''ایسی بھی کیا ناراضگی تھی کہ گھر چھوڑ کر چلے گئے تم، میں نے صدف سے بات بھی کرلی ہے آرزو کے لیئے مگر تم تو ایسے گئے۔'' وہ پھوٹ پھوٹ کے رودیں۔

''اب کہیں نہیں جاؤں گا مجھے معاف کردیں۔'' وہ بھی ماں کے گلے لگ کے رودیا۔

آج شہاب اور آرزو کی شادی کو دس سال ہوگئے ہیں ان کے دو بچے بھی ہیں۔

شادی کے اوائل دنوں میں شہاب بہت خوفزدہ رہتا تھا اسے لگتا تھا کہ یہ آرزو نہیں جیسے سحر ہو مگر پھر آہستہ آہستہ اس کا خوف نکلتا چلا گیا مگر اتنے سال جانے کے باوجود وہ اس گھر میں گزارے ان دو ماہ کو جب جب سوچتا ہے تو اس کی روح تھرا اٹھتی ہے۔

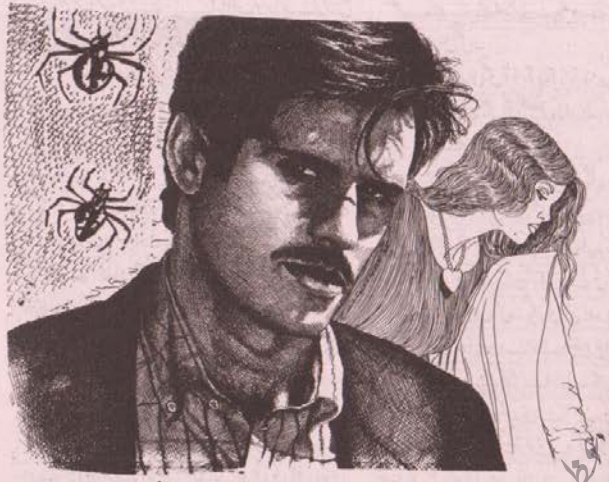

خوف نگر

فیصل ندیم ساحل۔ شیخوپورہ

اچانک آسمان پر خونی ہیولوں کا غول امڈ آیا اور پھر ان آدم خور خونی ہیولوں نے پورے علاقے کو تھس نہس کرکے رکھ دیا اور جو بھی ان کے قابو میں آیا وہ نیست و نابود ہو کر رہ گیا۔

قسمت کا مارا اگر سات سمندر پار بھی چلا جائے تو سکون نہیں ملتا، ایک سبق آموز کہانی

دروازے پر دستک ہوئی تو اندر بیٹھے ہوئے ڈائریکٹر نومی اپنی گہری سوچوں میں جو کچھ دیر پہلے کھوئے ہوئے تھے اچانک چونکے اور دستک دینے والے کو اندر آنے کا کہا۔

اسلم نامی شخص اندر آیا اور کہا سلام صاحب تو ڈائریکٹر نومی نے سلام کا جواب دیا اور پوچھا۔ آؤ اسلم بیٹھو کیسے ہو تم؟ صاحب میں تو بالکل ٹھیک ہوں آپ کے لئے ایک خوشخبری لایا ہوں۔ وہ کیا ہے؟ ڈائریکٹر نومی نے سوالیہ لہجے میں دریافت کیا۔ اسلم بولا صاحب آپ کے خوفناک سیریل کیلئے ایک بہت بڑھیا حویلی ڈھونڈی ہے۔ اسٹوری کے عین مطابق ہے۔

ارے واہ اسلم یہ تو بہت اچھا ہوا تو ہم کب شوٹنگ کرسکتے ہیں وہاں پر؟ ڈائریکٹر نومی نے پوچھا۔ صاحب میں نے سارا انتظام مکمل کرلیا ہے بس اب آپ کی دیر

ہے۔ اسلم نے کہا۔ تو ٹھیک ہے ہم کل دوپہر کو نکل پڑیں گے۔ تم ایسا کرو کہ اپنے سارے اسٹاف کو ساتھ لے کر صبح ہی صبح نکل جانا ہم بھی شام تک پہنچ جائیں گے۔

لہٰذا رات کو ڈائریکٹر نومی نے اپنی سیریل کے لئے سائن کیئے ہوئے تمام اداکاروں کو شوٹنگ کے لئے آگاہ کر دیا۔ باقی سب نے پہنچ جانے کا کہا سوائے منان کے یہ دونوں اپنے کسی اور سیریل کی ایکٹنگ میں کسی اور شہر میں گئے ہوئے تھے۔ لہٰذا ڈائریکٹر نومی نے انہیں 2 دن بعد کا ٹائم دیا اور جگہ وغیرہ کے بارے میں سب کچھ باور کرا دیا۔ خیر سارے انتظامات مکمل کرنے کے بعد ڈائریکٹر نومی ساتھی اداکاروں کے ساتھ حویلی پہنچے۔ انہوں نے حویلی کی لوکیشن دیکھنے کے بعد اسلم سے کہا واہ بھئی اسلم بہت بڑھیا بالکل ایسا ہی شاہکار چاہیے تھا (ویلڈن) چلو اب جلدی کرو اور سارا سامان تیار کرو ہمیں پہلا شوٹ آج رات کو ہی لینا ہے۔

لہٰذا سین کے مطابق ساری تیاری کی گئی۔ رات ہوتے ہی ہر طرف اندھیرا چھا گیا۔ حویلی کی ہلکی روشنی ماحول کو کافی سوگوار کر رہی تھی اور سونے پر سہاگہ تو یہ تھا کہ حویلی کسی کے زیر استعمال نہ تھی اور نہ ہی اس کے اردگرد میلوں دور تک کوئی آبادی کا نشان موجود تھا۔ مطلب یہ کہ محکمہ آثار قدیمہ کے زیر تسلط تھی یہ حویلی۔

حویلی کی پچھلے طرف غالباً یہاں رہنے والے لوگوں میں سے کسی تین کی قبریں اچھی حالت میں موجود تھیں۔ جبکہ حویلی خود بہت اچھی حالت میں موجود تھی مگر اس کی تاریخ بہت پرانی تھی اور جیسا کہ دیکھا جاتا ہے جس جگہ کوئی رہتا نہ ہوگا وہاں کچرے کے ڈھیر لگ جاتے ہیں مگر اس حویلی کو دیکھ کر ایسا نہیں لگتا تھا کہ یہ ویران ہوگی۔ بلکہ یہ تو صاف شفاف تھی جیسے کوئی آج بھی اس کی حفاظت کر رہا ہو۔

خیر رات ہوگئی اور لائبہ نامی اداکارہ کو حویلی کی چھت پر دیوار کے ساتھ ساتھ ہاتھ میں موم بتی پکڑے تقریباً 15 قدم کا فاصلہ طے کرنا تھا۔ لہٰذا سین تیاری کے بعد ریکارڈنگ ایکشن شروع ہوگیا۔ لائبہ موم بتی ہاتھ میں پکڑے سامنے کی اور چلی جا رہی تھی کہ اچانک اس کی نظر ایک بھیانک چہرے پر پڑی وہ بوڑھی عورت جس کے بال بکھرے ہوئے تھے اور نہایت بدصورت چہرہ تھا لائبہ کو اپنی طرف بلا رہی تھی۔

وہ کہہ رہی تھی آؤ، آؤ، آؤ، آؤ میری طرف چلی آؤ اور میری آنکھوں میں آنکھیں ڈالے رکھنا تاکہ تم صرف مجھے دیکھ سکو مجھے سن سکو۔

لائبہ بیچ میں اس کی اور بڑھی چلی جا رہی تھی کہ پیچھے کھڑے ڈائریکٹر نومی نے شوٹ مکمل ہوتا دیکھ کر کٹ کی آواز لگائی اور (ویلڈن) کہہ کر اسٹاف کے ساتھ باتوں میں مصروف ہوگئے۔ سین کٹ کرنے کی آواز کافی بلند تھی جو کہ سب نے سن لی تھی۔ کچھ ہی دیر بعد جب لائبہ چھت کی دیوار پر چڑھ گئی تو وہ بے خوف و خطر دیوار پر چلنے لگی۔

اچانک نیچے کھڑے اسٹاف میں سے ایک شخص بولا۔ ارے وہ لائبہ کیا کر رہی ہے؟ سب کی نظریں اس کی جانب اٹھ گئیں۔ ڈائریکٹر نومی یہ دیکھ کر کہنے لگے ارے شوٹ تو مکمل ہوگیا ہے یہ لائبہ اب کیا کر رہی ہے یہ کہنا تھا کہ ہر کوئی یہی کہنے لگا لائبہ پیچھے ہٹ جاؤ دیوار سے پیچھے جاؤ یہ کیا کر رہی ہو۔ لیکن جب سب کو کوئی بے اثر لگا تو [illegible] حیرت کا ایک اور جھٹکا لگا لائبہ اب دیوار سے نیچے کی جانب دیکھ رہی تھی۔ کچھ لوگ اسے نیچے سے آوازیں دے رہے تھے کہ لائبہ ہوش میں آؤ کیا کر رہی ہو لیکن لائبہ تو بے [illegible] اس بھیانک چڑیل کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے ہوئے اس کی طرف بڑھتی جا رہی تھی۔ وہ اسے اپنی طرف بلا رہی تھی۔ لیکن اس کے ساتھ وہ کسی اور کو دکھائی بھی نہیں دے رہی تھی سوائے لائبہ کے وہ اب بھی کہہ رہی تھی کہ آؤ۔ آؤ۔ آؤ۔ ابھی لائبہ نے اپنا ایک پاؤں نیچے گرنے کے لئے اٹھایا ہی تھا کہ اسے پیچھے سے انیس نے پکڑ لیا اور دیوار سے نیچے اتار لیا۔ وہ جیسے ہی دیوار سے نیچے اتری تو اس نے سب لوگوں کو اپنے بہت قریب تجسس کی نگاہوں سے گھورتے ہوئے پایا تھا تو پوچھنے لگی کیا بات ہے آپ سب مجھے ایسے کیوں گھور رہے ہیں۔ تو دانش نے اس سے کہا یہاں سے کودنے والی تھی لائبہ آخر کیوں؟ تو اس پر لائبہ کو چڑیل کی شکل و صورت یاد آئی اور اسے بتایا کہ وہ اسے اپنی

طرف بلا رہی تھی اور اس وقت اسے اور کسی کی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی وہ مجھے نیچے کودنے کو کہہ رہی تھی میں بے اختیار ہو چکی تھی۔

پتہ نہیں وہ کون تھی لائبہ کے ماتھے پر خوف سے پسینہ آ گیا۔ ڈائریکٹر نومی نے کہا۔ مگر لائبہ ہم نے تو یہاں کسی اور کو نہیں دیکھا تمہارے سوا پھر کیسے مان لیں کہ یہاں پر کوئی چڑیل تھی جو تمہیں بلا رہی تھی۔ اگر وہ تھی تو کہاں گئی؟ اور صرف تمہیں ہی کیوں کھائی دی باقی بھی تو اتنے سارے لوگ موجود ہیں ہم سب کو کیوں دکھائی نہیں دی وہ؟ اتنے میں وہ چڑیل ایک بار پھر لائبہ کے سامنے آئی اور کہا۔ ان سب سے کہہ دو کہ میں بہت جلد سب کو دکھائی دوں گی۔ پھر کوئی مجھے جھٹلا نہیں پائے گا۔ ہاہاہاہا۔

لائبہ نے جوں کی توں اس کی بات سب سے کہہ دی کہ وہ کہتی ہے تم سب مجھے دیکھ لو گے ضرور دیکھو گے بہت جلد ڈائریکٹر نومی نے برہمی کا اظہار کرتے ہوئے کہا لائبہ دیکھو خوامخواہ ہمیں ڈراؤ مت پلیز جاؤ سو جاؤ جا کر۔ یہ سن کر اپنے اپنے کمروں میں سونے کے لئے چل پڑے۔ مگر لائبہ انہی سوچوں میں گم تھی کہ اسے ہی کیوں وہ بھیانک چہرہ دکھائی دیا ہے؟

انہی سوچوں میں رات پھیل گئی اور چاروں طرف سے عجیب خلقت آوازیں آنا شروع ہوگئیں جو کہ سب سن رہے تھے۔ ڈائریکٹر نومی اپنے کمرے سے باہر آئے تو آوازیں ختم ہوگئیں۔ ڈائریکٹر نومی حویلی کی چھت پر جا پہنچے تاکہ پتہ چلا سکیں آوازیں کون نکال رہا ہے۔ جیسے ہی وہ چھت پر پہنچے تو ان کے پاؤں کے نیچے سے زمین نکل گئی۔ وہی چڑیل سامنے کھڑی مسکرا رہی تھی اور ڈائریکٹر نومی پر تو جیسے سکتہ طاری ہوگیا تھا۔ ان کی زبان ان کا ساتھ ہی نہیں دے رہی تھی وہ چلانا چاہتے تھے مگر چلا نہیں پا رہے تھے۔ وہ چڑیل ڈائریکٹر نومی کے پاس آ کر بولی تم ابھی سے ڈر گئے ہو تم تو بہتر سارے خوفناک ڈرامے بناتے ہو اور آج سچائی اپنی آنکھوں سے دیکھ کر تمہارے منہ سے آواز کیوں نہیں نکل رہی تم مجھے دیکھنا چاہتے تھے نا لو میں آ گئی دیکھ لو اپنی آنکھوں سے دیکھ لو مجھے جی بھر کر تم لوگوں نے حویلی میں آ کر بڑی بھول کی ہے اب پتہ نہیں کون زندہ بچے گا بھی یا نہیں۔ ہاہاہاہا۔ یہ کہہ کر وہ ہوا میں معلق ہوگئی اور ڈائریکٹر نومی سکتے کی حالت میں نیچے اتر آئے۔ انہوں نے فوراً جا کر دانش کے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹایا۔

دانش نے خود ہی دروازہ کھولا تو ڈائریکٹر نومی کو پریشان دیکھ کر اک پل کیلئے تجسس میں ڈوب گیا لیکن دوسرے ہی لمحے اس نے ڈائریکٹر نومی سے پوچھا کیا بات ہے سر؟ آپ بہت پریشان دکھائی دے رہے ہیں۔ ڈائریکٹر نومی نے بہت بار کوشش کی مگر ان کے حلق سے آواز نکلنے کو تیار ہی نہ تھی۔

لہٰذا دانش پریشانی کے عالم میں جب کچھ نہ سمجھ پایا تو وہ ڈائریکٹر نومی کو ان کے کمرے میں چھوڑ آیا۔ لیکن اسے ڈائریکٹر نومی کی بہت فکر ہو رہی تھی۔

رات کا پچھلا پہر شروع ہو چکا تھا۔ اتنے میں ڈائریکٹر نومی کے کمرے پر دستک ہوئی۔ پھر لائبہ نے دروازہ کھولا تو وہ بھی دہشت کے مارے سکتے میں آ گئی وہ پیچھے کی جانب بھاگی لیکن اس کا تو جیسے خود پر اختیار ہی نہ رہا تھا۔ آخر صبح ہوئی اور زندگی نے انگڑائی لی۔ سب لوگ اپنے اپنے کمروں سے باہر آئے سوائے ڈائریکٹر نومی کے اور لائبہ کے۔ ان دونوں کو جب باقی اسٹاف نے کافی دیر تک باہر نہ نکلتے دیکھا تو سب چہ میگوئیاں کرنے لگے۔

دانش نے سب کے سامنے کہا رات کو ڈائریکٹر نومی بہت پریشان لگ رہے تھے۔ شاید اسی وجہ سے وہ جلدی نہیں اٹھ سکے۔ میں دیکھتا ہوں انہیں۔ ناصر نے کہا چلو یار میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔ دونوں ڈائریکٹر نومی کے کمرے پر جب کافی دیر تک دستک دیتے رہے اور کوئی جواب نہ پایا تو یہ کافی پریشان سے ہو گئے تھے۔ لہٰذا انہوں نے دروازہ خود ہی کھولا اور اندر چلے گئے۔ جیسے ہی اندر ہوئے تو ان دونوں کے منہ سے دلخراش چیخ نکل گئی جسے سن کر باقی لوگ بھی دوڑے چلے آئے۔ دیکھتے کیا ہیں ڈائریکٹر نومی کی آنکھیں دہشت سے پھٹی پڑی ہیں اور ان میں سے خون بہہ گیا ہے۔

دانش کو کچھ انجانا سا شک گزرا تو وہ دوڑتا ہوا لائبہ

کے کمرے تک پہنچا وہاں پر بھی اسے یہی جھٹکا لگا لائبہ کی آنکھیں بھی پھٹی پڑی تھیں اور ان میں سے خون بہہ گیا تھا۔ رات کو اس چڑیل نے ان دونوں کو اپنی خوفناک گیت دکھا کر موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ موت کی شروعات ہو چکی تھی۔ سارے اسٹاف میں بات پھیل گئی کہ ڈائریکٹر نومی اور لائبہ پراسرار طور پر مردہ پائے گئے ہیں۔ جب کسی کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا تو دانش نے کہا مجھے تو لگتا ہے لائبہ کی بات سچ تھی یہاں پر واقعی کوئی چڑیل رہتی ہے جس نے ان دونوں کی جان لی ہے۔ یہ دہشت سے پھٹی آنکھیں اس کی موجودگی کا منہ بولتا ثبوت دے رہی ہیں۔ میرے خیال سے ہمیں جتنا جلدی ہو سکے یہاں سے نکل جانا چاہئے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ ہم میں سے کسی اور کو نقصان پہنچائے۔

چلو جلدی کرو۔ سارے اسٹاف نے دانش کی بات پر اتفاق کیا۔ لہٰذا گاڑی کا انتظام کرنے کے لئے جب دانش اور ناصر باہر گئے تو دیکھا باہر گاڑیاں موجود ہی نہیں ہیں یہ دیکھ کر انہیں حیرت کا ایک زوردار جھٹکا لگا کہ آخر گاڑیاں کہاں چلی گئی ہیں؟

یہ بات جب انہوں نے واپس آ کر باقی اسٹاف کو بتائی تو جیسے سب کو اپنے کانوں پر یقین ہی نہیں آ رہا تھا ہر ایک نے یہی کہا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے تمہیں ضرور کوئی غلط فہمی ہوئی ہوگی۔ جس پر دانش نے کہا اگر آپ سب کو میری بات پر یقین نہیں تو خود لکر دیکھ لیں تب آپ کو یقین ہو جائے گا۔

لہٰذا سب لوگ باہر دیکھنے کے لئے آئے اور گاڑیاں سچ میں وہاں پر نہ دیکھ کر گھبرا گئے اور کہنے لگے یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ تمہیں ضرور حیرت ہو رہی ہوگی ناں دانش نے کہا۔ یہ سب وہی چڑیل نے کیا۔ وہ نہیں چاہتی کہ ہم یہاں سے جائیں اسی لئے اس نے ایسی چال چلی ہے لیکن ہم ضرور جائیں گے یہاں سے دانش نے ناصر سے کہا فون کر کے اور کسی گاڑی کا انتظام کرو۔ مگر جب ناصر نے کہا کہ میرے موبائل کی بیٹری ختم ہو گئی ہے اور باقی سب لوگوں نے بھی دیکھا کہ ان کے موبائل بھی نہیں چل رہے تو حیرت نے جیسے ان کے ذہن و گمان کو جکڑ لیا۔

خیر یہ سب ڈائریکٹر نومی کے کمرے تک پہنچے تو وہاں پر کچھ دیر پہلے جو ڈائریکٹر نومی کی لاش پڑی ہوئی تھی لاش نہ دیکھ کر چلانے لگے ارے لاش کہاں گئی؟ دانش نے لائبہ کے کمرے میں دیکھا تو لائبہ کی لاش بھی وہاں سے غائب تھی۔ دانش نے کہا لائبہ کی لاش بھی غائب ہے یہاں سے۔ بلال نے کہا ارے یہ سب ہو کیا رہا ہے؟ کبھی گاڑی نہیں ہوتی کبھی موبائل نہیں چلتے سب کے کبھی لاش غائب آخر یہ سب میں پاگل ہو جاؤں گا۔ ناصر نے اسے حوصلہ دیتے ہوئے کہا گھبراؤ نہیں کچھ نہیں ہوگا فکر مت کرو بس تم صبر کرو۔

دانش نے کہا سب لاشیں ڈھونڈو ساری حویلی میں پھیل جاؤ کہاں جا سکتی ہیں لاشیں دانش اور بلال اوپر والی منزل پر چلے گئے سارا کچھ ڈھونڈنے کے بعد اچانک بلال کی نظر قبرستان کی طرف اٹھی جہاں اس نے ڈائریکٹر نومی کو اور لائبہ کو چلتے ہوئے دیکھا۔ بلال نے فوراً دانش کو آواز دی پھر جو منظر انہوں نے دیکھا وہ رونگٹے کھڑے کر دینے والا تھا۔ لائبہ اور ڈائریکٹر نومی اچانک دو قبروں پر گرے اور ان میں دیکھتے دیکھتے سما گئے۔

دانش نے بلال اور باقی اسٹاف ممبرز کو ساتھ لیا اور قبرستان کی اور بڑھنے لگے وہاں پہنچ کر دانش نے کہا ان دونوں نے انہیں اپنی آنکھوں سے قبروں میں سماتے دیکھا ہے۔ ہمیں قبریں کھودنی چاہئیں تا کہ ہم ان کی لاشیں نکال سکیں دانش نے سب کی طرف غور سے دیکھا کوئی بھی اس بات پر راضی نہ تھا سوائے ناصر کے۔ دانش نے بار ہا کہا کہ ہم انہیں ایسے ہی تھوڑی چھوڑ کر جا سکتے ہیں باقی اسٹاف ممبرز نے کہا تم لوگ جو مرضی کرو مگر ہم واپس حویلی جا رہے ہیں۔ ہمیں یہاں پر بہت خوف آ رہا ہے لہٰذا باقی حویلی آ گئے جبکہ دانش اور ناصر قبریں کھود رہے تھے۔ آخر کار شام ہونے کو تھی دانش نے ایک قبر کھودی جب قبر کے اندر دیکھا تو وہ بالکل صاف تھی یعنی قبر کے اندر کچھ بھی نہ تھا بالکل خالی تھی۔ وہ دونوں یہ سوچ کر بہت حیران ہوئے کہ آخر کہاں چلے گئے۔ بلال اور باقی سب حویلی کے ایک کمرے میں دبکے بیٹھے تھے اور جیسے جیسے شام بڑھ رہی تھی ان کے چہروں سے مسرت بھی زائل ہوتی جا رہی تھی۔

دانش نے کہا ناصر کیوں نہ دوسری قبر کھودی جائے۔ ناصر نے کہا ٹھیک ہے۔ پھر دانش نے ناصر کی مدد سے دوسری قبر کھودنا شروع کر دی۔ آخر شام ڈھل گئی اور رات نے اپنے کالے ہولناک پر پھیلا دیئے۔ ابھی یہ قبر کا دہانہ ہی کھود رہے تھے کہ حویلی میں چیخ و پکار شروع ہو گئی۔ جسے سن کر یہ دونوں حویلی کی طرف بھاگتے چلے گئے۔ وہاں جا کر پتہ چلا کہ وہ چڑیل کمرے میں داخل ہو گئی تھی۔

سب ڈر کر باہر بھاگ نکلے مگر پلوشہ کے نکلنے سے پہلے ہی کمرے کا دروازہ بند ہو گیا اور اس کے بعد اس کی دردناک چیخ سنائی دی۔ دانش نے دروازہ کھولا تو پلوشہ کی لاش پنکھے سے جھول رہی تھی اور اس کی آنکھوں سے بھی خون ٹپک رہا تھا۔ دانش نے اسے نیچے اتارا اسے بہت دکھ ہوا اس ناگہانی موت کا اب اسے یقین ہو گیا تھا کہ موت کی شروعات ہوئی تھی۔ جو وہ اپنے اختتام تک سب کو مار کر ہی پہنچے گی۔ ابھی وہ پلوشہ کی لاش کے پاس ہی بیٹھے تھے کہ چھت سے کسی کے چلانے کی آواز سنائی دی۔ سب دوڑتے ہوئے چھت پر پہنچے تو بلال چھت کی سائیڈ دیوار پر گرتا سنبھلتا چلا رہا تھا۔

دیوار کافی اونچی تھی لہٰذا دانش کے وہاں پہنچنے سے پہلے بلال کو انجانی قوت نے نیچے گرا دیا۔ بلال چیختے ہوئے بے سدھ ہو کر نیچے جا گرا اور گرتے ہی مر گیا۔ اس کے منہ سے خون بہہ نکلا بعد میں آنکھوں سے بھی خون جاری ہو گیا تھا۔ دانش جو کہ دیوار پر چڑھ گیا تھا۔

دانش نے دیکھا کہ بھیانک شکل و صورت والی چڑیل نیچے کھڑی ہنس رہی تھی۔ دانش اور ناصر دوڑتے ہوئے نیچے بلال کے پاس آئے جو خالق حقیقی سے جا ملا تھا۔ دانش نے بلال کی لاش اٹھائی اور پلوشہ کی لاش والے کمرے میں لے آیا۔ وہاں پہنچ کر دانش گر گیا۔ یعنی وہ غم سے نڈھال ہو رہا تھا اور اس سے زیادہ ناصر تھا جو پسینے میں شرابور تھا۔ پھر ان پر ایک اور آسمان گرا جب پلوشہ کی لاش بھی غائب پائی تو۔

دانش نے کہا آخر پلوشہ کی لاش اب کون لے گیا چلو باہر دیکھتے ہیں۔ وہ ابھی باہر ہی نکلے تھے کہ دروازہ خود بخود بند ہو گیا بعد میں دونوں نے مل کر دروازہ کھولا تو بلال کی لاش بھی غائب تھی۔ اب تو ان دونوں کو اپنی موت یقینی لگنے لگی تھی۔ دانش نے کہا آخر یہ سب کی لاشیں کہاں چلی جاتی ہیں؟ خیر جو بھی ہے مجھے لگتا ہے ہمیں یہاں نہیں ٹھہرنا چاہئے کسی طرح ہمیں اس حویلی سے نکل جانا چاہئے۔ ہاں میرا بھی یہی خیال ہے باقی سب تو مارے جا چکے ہیں اب ہم دونوں ہی بچے ہیں۔ اور اس کا اگلا شکار ہم دونوں میں سے کوئی ایک ہوگا۔ یہ دونوں باہر کی اور بھاگے دانش آگے تھا اور ناصر پیچھے ذرا فاصلے پر تھا یہ دروازہ کھول کر حویلی سے باہر نکلے تو سامنے گاڑی کو کھڑے پایا یہ سوچے بغیر ہی دونوں گاڑی کی اور لپکے کہ اب یہ گاڑی کہاں سے آ گئی ہے؟ دانش ڈرائیونگ ڈور کھول کر اندر بیٹھ گیا جبکہ ناصر ابھی گاڑی کے قریب ہی پہنچا تھا کہ وہ چڑیل وہاں نمودار ہو گئی دانش نے باہر نکلنا چاہا لیکن دروازہ نہیں کھل پا رہا تھا۔ ناصر نے قبرستان کی اور بھاگنا شروع کر دیا۔

چڑیل بھی اس کے پیچھے ہو لی۔ دانش نے گاڑی کا دروازہ توڑ دیا اور باہر آ گیا دانش ناصر کو بچانے کے لئے قبرستان کی طرف بھاگا وہاں پہنچ کر دانش کے قدم کسی انجانی قوت نے جکڑ لئے پھر کیا تھا ناصر کا خود پر اختیار نہ رہا اور پاس پڑی چھری سے اپنی گردن کاٹ لی پھر اس کی آنکھوں سے بھی خون آنے لگا اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ بھی قبر میں سما گیا۔

دانش نے یہ دیکھ کر پیچھے کی طرف بھاگنا شروع کر دیا۔ اب وہاں سے گاڑی بھی غائب تھی۔ دانش نے موقع کی مناسبت سے حویلی میں قیام کرنا مناسب سمجھا۔ دانش اپنی جان بچانے کے لئے محفوظ جگہ ڈھونڈ رہا تھا۔ رات اپنی ہولناکیوں کے ساتھ رواں تھی۔ کافی دیر بعد جب دانش کو یہ لگا کہ چڑیل اب چلی گئی ہے تو وہ حویلی سے اس امید پر نکلا کہ شاید وہاں اب گاڑی موجود ہو۔ اور وہ اس میں بیٹھ کر بچ جائے۔ لہٰذا وہ دبے پاؤں حویلی سے باہر آیا اس نے سامنے کھڑی مگر تھوڑی دور گاڑی کو دیکھ کر اس کی اور بڑھنا شروع کر دیا۔ جب وہ گاڑی کے قریب پہنچ گیا تو اچانک سے گاڑی کی ہیڈ لائٹ اس کے چہرے پر پڑی اور

گاڑی اپنی اسپیڈ کے ساتھ چلتی ہوئی آ کر دانش کے لگی دانش گاڑی کی اس اچانک ٹکر سے نیم مردہ ہوگیا اور وہیں گر پڑا۔

گاڑی میں آخر بار اس نے چڑیل کو دیکھا تھا۔

تقریباً 2 گھنٹے بعد جب دانش کو ہوش آیا تو اس نے اپنے آپ کو زخموں سے چور پایا۔ وہ سمجھ گیا کہ چڑیل اسے مردہ سمجھ کر چھوڑ گئی ہوگی اور اگر اسے دوبارہ پتہ چلے گا کہ وہ زندہ ہے تو وہ اسے مارنے کے لئے ضرور آئے گی۔

اس نے اٹھ کر حویلی کی طرف چلنا شروع کردیا۔ جیسے ہی وہ کسی محفوظ کمرے تک پہنچا تو دروازہ بند کر کے بیٹھ گیا۔ دانش کو اپنی موت کا یقین ہوگیا تھا کیوں کہ گاڑی سے ٹکر کی وجہ سے اسے بہت گہری چوٹیں آئی تھیں اور اب اسے لگ رہا تھا جیسے وہ کچھ پل کا مہمان ہے۔

لہٰذا اس نے کچھ سوچتے ہوئے ہمت کر کے ایک کاغذ پر اپنے ساتھ ہونے والی ساری داستان لکھ ڈالی اور اس چڑیل کے بارے میں بھی لکھ دیا۔ اس نے وہ کاغذ سامنے دیوار پر کسی طرح چپکا دیا۔ ابھی کچھ وقت گزرا ہوگا کہ حویلی میں دھواں ہی دھواں پھیل گیا۔ دانش جان گیا کہ چڑیل واپس آ گئی ہے لہٰذا سانس لینے میں مشکل کی وجہ سے اسے حویلی سے باہر آنا ہی پڑا جیسے ہی اس نے اپنے پیچھے دیکھا وہ چڑیل ہنس رہی تھی۔ دانش دوڑا اور کسی طرح قبرستان تک جا پہنچا۔ پیچھے سے چڑیل نے ایک زوردار قہقہہ لگایا تو دانش ایک قبر پر جا گرا اور نہ چاہتے ہوئے بھی چیخ و پکار کے عالم میں اس میں سما گیا۔ چڑیل نے زوردار قہقہے لگائے سب مارے گئے حویلی سنسان ہوگئی۔ آخرکار صبح نے تاریکی کو موت دی اور ایک نئے دن کا آغاز ہوا۔

دوپہر ہونے ہی والی تھی کہ منان اور سومن حویلی آن پہنچے ان کے تو وہم و گمان بھی میں یہ بات نہ تھی کہ ایسا ہوگا۔ کافی شاندار حویلی پر سیٹ لگایا ہے۔ ڈائریکٹر نومی نے منان نے سومن سے خوشگوار موڈ میں کہا۔ واقعی کافی خوبصورت ہے سومن نے کہا۔ لیکن جیسے ہی یہ دونوں گاڑی سے اتر کر حویلی کے اندر داخل ہوئے تو حویلی کو ویران پا کر حیران رہ گئے۔ ارے سامان تو یہیں پر ہے لیکن اسٹاف کہاں ہے؟ سومن نے کہا؟

ان دونوں نے کافی ڈھونڈا مگر کسی کو بھی وہاں نہ پایا۔ یہ دونوں حویلی کے سارے کمروں میں دیکھ رہے تھے کہ اچانک ایک کمرے میں منان کو وہی کاغذ دیوار پر چپکا دکھائی دیا۔ اس نے وہ کاغذ اتار کر پڑھا اور کہا اوہ میرے خدایا یہ کیا ہوگیا تبھی حویلی میں جگہ جگہ خون کے دھبے نظر آرہے ہیں۔ اس نے سومن سے کہا یہ دیکھو دانش نے ساری روداد جو یہاں ہوئی لکھ ڈالی ہے۔ اس کے ساتھ ہی منان نے کہا ہمیں اسکرپٹ ڈھونڈنا ہوگا جلدی کرو۔

آخر کوشش کرنے پر انہیں ڈائریکٹر نومی کے سیریل کا اسکرپٹ مل ہی گیا منان نے سارا اسکرپٹ پڑھنے کے بعد افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا یہ سب سچ نکلا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے اس نے سومن کو ساتھ لیا اور قبرستان کی طرف چلے گئے وہاں پہنچ کر کافی قبریں ڈھونڈنے کے بعد جو قبر دانش اور ناصر نے کھودتے ہوئے آدھی چھوڑ دی تھی اور حویلی آ گئے تھے اسے دوبارہ کھودنا شروع کردیا وہ جلد سے جلد قبر کو کھودنا چاہتے تھے لہٰذا وہ شام ہونے سے پہلے قبر کھود کر منان نے اس میں سے بالوں کا ایک گچھا نکال لیا سورج ڈوب ہی رہا تھا کہ وہاں پر وہ چڑیل آ گئی اس کے آتے ہی منان نے بالوں کے گچھے کو آگ لگا دی۔

تبھی اس چڑیل کو بھی آگ نے جلا کر بھسم کر ڈالا۔ چڑیل کے مرتے ہی منان نے سکھ کا سانس لیا۔ لیکن تم نے یہ سب کیسے کیا کیا تمہیں پتہ تھا کہ وہ ایسے مرے گی سومن نے سوال کیا۔

منان نے کہا یہ واقعہ جو پیش آیا ہے سارے اسٹاف کے ساتھ یہ وہ کہانی سچ ہوئی ہے۔ جو ڈائریکٹر نومی نے لکھی تھی اور جس کے لئے یہاں سیریل بنانے آئے تھے دانش کی تحریر اور کہانی کا اسکرپٹ ملتا جلتا تھا اور یہ کہانی مجھے پہلے ڈائریکٹر نومی نے سنائی تھی دانش کی تحریر پڑھ کر مجھے یاد آ گئی میں یہ دیکھتا تھا کہ اس چڑیل کا خاتمہ کیسے ہوگا وہ اس کے بال جلانے سے ہونا تھا اس لئے کر دیا۔

خونی گڑیا

عائشہ افضل۔ کبیر والا

بچی اپنی گڑیا کے ساتھ کھیل رہی تھی که اچانك گڑیا کے لب هلے اور گڑیا کی آواز سنائی دی، اے خوب صورت بچی کیا تم میرے ساتھ دوستی کرو گی اور اسے سننا تھا که بچی دهل کر رہ گئی.

ایک عام سی گڑیا...... کی کارستانی جس نے گھر اور محلے والوں کو...... حیران کر ڈالا تھا

ایک ضعیف آدمی لاہور کے مین بازار میں کھلونوں کا ٹھیلا لگاتا تھا۔ وہ بہت ایمانداری سے کام کرتا تھا۔ وہ صبح سے شام اس ٹھیلے پر بیٹھ کر کھلونے بیچتا تھا اور رات کو گھر جاتا تھا آج اس کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی اس لئے وہ آج شام جلدی گھر جارہا تھا اس کے راستے میں ایک قبرستان پڑتا تھا جس کے اندر سے گزر کر اس کا گھر آتا تھا آج وہ جب گھر جانے کے لئے قبرستان سے گزر رہا تو اس کی نظر ایک قبر پر پڑی جس کے اوپر ایک گڑیا پڑی ہوئی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ قبر کی جانب چل پڑا۔ قبر کے پاس جا کر اس نے قبر کے اوپر پڑی ہوئی گڑیا کو اٹھا لیا جب اس نے گڑیا کو اٹھایا تو وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ گڑیا کے جسم پر جگہ جگہ سوئیاں گڑی ہوئی تھیں۔

قبرستان کے پاس کچھ بچے کھیل رہے تھے اس

نے سوچا کہ شاید یہ گڑیا ان کی ہے۔ وہ اس گڑیا کو لے کر ان بچوں کے پاس پہنچا اور ان بچوں سے پوچھا کہ یہ گڑیا کس کی ہے۔ بچے گڑیا کو دیکھ کر کہنے لگے کہ یہ گڑیا ہماری نہیں ہے وہ بچوں کی بات سن کر پریشان ہوگیا کہ یہ گڑیا کس کی اور قبرستان میں کیوں پڑی ہے۔ پھر اس نے سوچا کیوں ناں میں اسے اپنے گھر لے جاؤں اور اسے اپنے ٹھیلے پر فروخت کے لئے رکھ دوں۔

وہ جلدی سے گھر پہنچا اور اس نے گھر پہنچتے ہی سب سے پہلے گڑیا کے اندر سے تمام سوئیاں نکالیں اور پھر اسے کپڑے سے اچھی طرح صاف کیا اس نے جب گڑیا کو صاف کرلیا تو وہ بالکل نئی لگنے لگی۔ اس نے گڑیا کو ڈبے میں رکھ دیا اور اگلے دن گڑیا کو اپنے ساتھ اپنے ٹھیلے پر رکھ کر بازار لے گیا۔

☆.....☆.....☆

محمد زبیر اپنی بیوی بچوں کے ساتھ لاہور رہائش پذیر تھا۔ اس کی لاہور کے مین بازار میں کپڑوں کی دکان تھی۔ زبیر صبح دکان پر آتا اور شام کو گھر لوٹ جاتا۔

آج وہ جب گھر گیا تو اس کی بیٹی جو چھ سال کی تھی وہ روتی ہوئی اس کے پاس آئی اور کہنے لگی۔ ''بابا مجھے گڑیا لینی ہے۔''

زبیر کی ایک ہی بیٹی تھی جو اسے بہت پیاری تھی اس لئے وہ اس کی ہر فرمائش پوری کرتا تھا آج وہ جب اس کے پاس روتی ہوئی آئی اور کہنے لگی کہ ''مجھے گڑیا لینی ہے۔'' تو زبیر اسے کہنے لگا۔

''سارہ اس میں رونے والی کیا بات ہے کل ہم دونوں بازار جائیں گے اور تمہاری پسند کی گڑیا بھی لے آئیں گے۔''

اگلی صبح دونوں باپ بیٹی بازار گئے۔ زبیر اسے کھلونوں کی بہت سی دکانوں پر لے گیا لیکن اسے کہیں سے بھی گڑیا پسند نہ آئی۔ اور اب وہ کسی اور کھلونوں کی دکان پر جارہے تھے تو سارا کی نظر ایک ٹھیلے پر پڑی جہاں اسے بہت ہی پیاری گڑیا نظر آئی اس نے اپنے ابو سے کہا ''میں نے وہ گڑیا لینی ہے۔''

اس کے ابو جلدی سے ٹھیلے کے پاس آئے اور وہ گڑیا خرید لی، اس کے پیسے ادا کر کے دونوں گھر گئے، سارہ بہت خوش تھی کہ اسے بہت ہی پیاری گڑیا مل گئی تھی۔

اس کے پڑوس میں کوئی بھی بچہ نہیں تھا جس کے ساتھ وہ کھیلتی، وہ اپنے کمرے میں جب گڑیا کے ساتھ کھیل رہی تھی تو اسے ایسے لگا جیسے گڑیا بول رہی ہے۔ اس نے سوچا کہ گڑیا کیسے بول سکتی ہے اس نے اپنا وہم سمجھ کر دوبارہ کھیل میں مگن ہوگئی۔

اسے دوبارہ گڑیا کے بولنے کی آواز سنائی دی اس نے گڑیا کی طرف غور سے دیکھا تو گڑیا سچ میں بول رہی تھی۔ پہلے تو وہ گڑیا کو بولتا ہوا دیکھ کر ڈر گئی لیکن پھر وہ ہمت کر کے گڑیا کے پاس گئی تو گڑیا اس سے کہنے لگی۔

''تم مجھ سے دوستی کرلو لیکن تم میرے بولنے کے بارے میں کسی کو نہیں بتاؤ گی۔''

''اچھا میں تمہارے بولنے کے بارے میں کسی کو نہیں بتاؤں گی تم مجھے یہ بتاؤ کہ اب ہم کون سا کھیل کھیلیں۔''

اب سارا سارا دن گڑیا کے ساتھ کھیلتی رہتی اب وہ کھانا بھی ٹھیک طرح نہیں کھاتی تھی۔ وہ اپنا سارا وقت گڑیا کے ساتھ گزارتی تھی۔

ایک دن اس کی امی اسے کھانا دینے کے لئے اس کے کمرے میں جارہی تھیں تو اس کی امی کو سارہ کے کمرے سے سارہ کے علاوہ کسی اور کے بولنے کی آواز بھی سنائی دی تو اس کی امی پریشان ہوگئیں کہ سارہ کے علاوہ سارہ کے کمرے میں اور کون ہوسکتا ہے اس کی امی اس کے کمرے میں گئیں تو اسے سارہ کے علاوہ کوئی بھی نظر نہ آیا تو انہوں نے سارہ سے پوچھا کہ ''سارہ تمہارے علاوہ کمرے میں اور کون ہے۔''

تو سارہ کہنے لگی۔ ''مما کمرے میں میرے اور گڑیا کے علاوہ کوئی بھی نہیں ہے۔''

اس کی امی اپنا وہم سمجھ کر اس کے کمرے سے چلی گئیں لیکن اب اس کی امی جب بھی اس کے کمرے کے پاس سے گزرتیں تو انہیں سارہ کے کمرے سے سارہ

کے علاوہ کسی اور کی موجودگی کا احساس ہوتا۔

سارہ کی امی کو یقین ہوگیا کہ کمرے میں سارہ کے علاوہ کوئی اور بھی ہے تو اس کی امی نے یہ بات سارہ کے ابو کو بتائی کہ ''میں جب بھی سارہ کے کمرے کے پاس سے گزرتی ہوں تو مجھے سارہ کے علاوہ کسی اور کے بھی بولنے کی آواز سنائی دیتی ہے اور اس کے کمرے میں اس کے علاوہ کسی اور کی موجودگی کا احساس ہوتا ہے اور جب میں اس کے کمرے میں جاتی ہوں تو وہاں سارہ اور گڑیا کے علاوہ کوئی بھی نہیں ہوتا۔''

یہ سن کر سارہ کے ابو کہنے لگے ''میں سارہ سے پوچھوں گا کہ کون ہے تمہارے کمرے میں۔''

یہ سن کر سارہ کی امی کہنے لگیں کہ میں نے پوچھا تھا سارہ سے تو وہ کہنے لگی کہ ''مما یہاں کمرے میں میرے اور گڑیا کے علاوہ کوئی بھی نہیں ہے۔''

سارہ کے ابو کہنے لگے۔ ''اب بہت رات ہوگئی ہے خود بھی سوجاؤ اور مجھے بھی سونے دو۔'' صبح ہوئی تو سارہ کی امی اور ابو دونوں ناشتے کے لئے ٹیبل پر آگئے تو سارہ کے ابو نے سارہ کی امی سے پوچھا کہ ''سارہ نہیں اٹھی۔''

تو اس کی امی کہنے لگیں کہ ''ابھی تو نہیں اٹھی میں اس کے کمرے میں جا کر دیکھتی ہوں۔'' یہ کہہ کر اس کی امی اس کے کمرے کی طرف چل دیں جب اس کی امی اس کے کمرے میں پہنچیں تو سارہ ابھی سوئی ہوئی تھی۔ اس کی امی نے سارہ کو اٹھانے کے لئے جب اس کے ماتھے پر ہاتھ رکھا تو وہ چیخ کر بولیں۔ ''سارہ کو تو بہت تیز بخار ہے۔'' سارہ کی امی کی چیخ سن کر اس کے ابو بھی اس کے کمرے میں آگئے اور تھرمامیٹر سے اس کا بخار چیک کیا تو ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں کیونکہ اس کا بخار 104 پر تھا۔ اس کے ابو سارہ کو اٹھا کر جلدی سے گاڑی میں ڈال کر اسپتال لے گئے اور پھر انہوں نے سارہ کا بخار ڈاکٹروں سے چیک کروایا تو ڈاکٹروں نے بخار چیک کر کے انہیں بتایا کہ یہ ٹائیفائیڈ بخار ہے۔ بچی کو ڈرپ لگانی پڑے گی تو سارہ کے ابو نے سارہ کو ڈرپ بھی لگوادی لیکن بخار کم ہونے کا نام نہیں لے رہا تھا جب ڈاکٹر سارہ کی ڈرپ الگ کرنے کے لئے گئے تو سارہ زور زور سے رونے لگی۔ تھوڑی دیر رونے کے بعد وہ بیہوش ہوگئی۔ ڈاکٹر نے سارہ کے منہ پر پانی کا چھڑکاؤ کیا تو سارہ ہوش میں آگئی اور دوبارہ رونے لگی اور رو کر دوبارہ بے ہوش ہوگئی۔

سارہ کے ابو سارہ کی یہ حالت دیکھ کر بہت پریشان ہوگئے۔

ڈاکٹر نے دوبارہ سارہ کے منہ پر پانی چھڑکا تو ہوش میں آگئی اور چیخ چیخ کر کہنے لگی کہ ''یہ مجھے مار دے گی یہ میری دوست نہیں ہے۔'' یہ کہہ کر وہ زور زور سے رونے لگی اور بیہوش ہوگئی۔

ڈاکٹر نے دوبارہ اس کے منہ پر پانی چھڑکا لیکن اس بار وہ ہوش میں نہ آئی ڈاکٹر نے بار بار سارہ کے منہ پر پانی چھڑکا لیکن پھر بھی وہ ہوش میں نہ آئی۔

6 گھنٹے گزر گئے لیکن ابھی تک سارہ کو ہوش نہ آیا۔ اب تو سارا کے دیگر رشتہ دار بھی اسپتال میں آچکے تھے۔ سارے لوگ اس کے ہوش میں آنے کی دعائیں کررہے تھے۔

آخر اللہ اللہ کر کے سارہ کو ہوش ہوگیا۔ جب وہ ہوش میں آئی تو چیخ چیخ کر کہنے لگی۔ ''یہ گڑیا مجھے مار دے

وقت کی اہمیت

اگر آپ روزانہ اپنے 1 گھنٹے کے صرف 5 منٹ ضائع کرتے ہوں تو رات دن کے درمیان آپ روزانہ 2 گھنٹے کھو دیتے ہیں۔ مہینے میں ساٹھ گھنٹے اور سال میں سات سو بیس گھنٹے ضائع ہوگئے۔ اسی سال کی عمر پانے والے لوگ اپنی عمر کے 40 سال بھی پوری طرح استعمال نہیں کرپاتے۔ اسی طرح ہر آدمی اپنے ملے ہوئے وقت کا بہت سا حصہ بے کار ضائع کردیتا ہے۔ وقت آپ کا سب سے بڑا سرمایہ ہے۔ وقت کو ضائع ہونے سے بچایئے!

(ایس حبیب خان)

گی، بابا یہ مجھے مار دے گی بابا مجھے بچالو۔"

اس کے ابو اس کے پاس دوڑ کر آئے اور کہنے لگے کہ "سارہ تمہیں کوئی کچھ نہیں کہے گا۔ میں تمہارے پاس ہوں۔" تو سارہ زور زور سے رونے لگی اور کہنے لگی کہ "بابا مجھے نہیں چاہئے گڑیا اس گڑیا کو کہیں پھینک دیں۔ میں نے نہیں بنانا اسے دوست۔"

سارہ کے چاچو اس کی یہ حالت دیکھ کر سارہ کے ابو سے کہنے لگے۔ "سارہ کا علاج ان ڈاکٹروں کے پاس نہیں ہے اسے کسی عامل کے پاس لے کر جانا پڑے گا کیونکہ مجھے لگتا ہے کہ اس پر کسی ہوائی وجود کا اثر ہو گیا ہے۔"

اس کے ابو اس کے چاچو سے کہنے لگے "مجھے بھی یہی لگتا ہے کہ اسے کسی عامل کے پاس لے جانا پڑے گا۔ سارہ کے ابو کہنے لگے کہ میں گھر کا ایک چکر لگا کر آتا ہوں پھر کسی عامل کے پاس چلتے ہیں۔"

سارہ کے چاچو اس کے ابو سے کہنے لگے۔ "گھر کیا کرنے جانا ہے تو اس کے ابو کہنے لگے کہ مجھے گھر میں موجود گڑیا کہیں دور پھینکنی ہے جو میری بچی کے لئے جان لیوا ثابت ہو رہی ہے۔"

سارہ کے چاچو اس کے ابو سے کہنے لگے "مجھے تمہاری بات سمجھ میں نہیں آ رہی کیسی گڑیا اور سارہ کو تنگ کیوں کرے گی۔"

سارہ کے ابو نے انہیں بتایا کہ میں نے سارہ کو ایک گڑیا لے کر دی۔ جس دن میں نے سارہ کو گڑیا لے کر دی اسی دن سے سارہ بے چین ہے اور سارہ کے کمرے سے سارہ کے علاوہ کسی اور کے بولنے کی آوازیں بھی سنائی دیتی تھیں اور جب بھی اس کے کمرے کے پاس سے گزرتے تھے تو سارہ کے علاوہ کسی اور کی موجودگی کا بھی احساس ہوتا تھا۔" یہ سن کر سارہ کے چاچو نے اس کے ابو کو گھر جانے سے روک دیا کہ "ہم پہلے عامل کے پاس جائیں گے۔"

"شاید ہمیں گڑیا کی ضرورت پڑ جائے۔" سارہ کے ابو اس کے چاچو سے کہنے لگے کہ ٹھیک ہے ہم پہلے عامل کے پاس چلتے ہیں۔" سارہ کے ابو اور چاچو دونوں سارہ کو لے کر عامل کے پاس چلے گئے اور انہوں نے سارہ کے ساتھ پیش آنے والا واقعہ عامل کو بتایا تو عامل کہنے لگا۔

"جب تم اس بچی کو میرے پاس لے کر آئے تھے تو میں تب ہی سمجھ گیا تھا کہ اس بچی پر کوئی ہوائی چیز مسلط ہے اور گڑیا کہاں ہے۔"

تو اس کے ابو کہنے لگے۔ "وہ تو گھر پر پڑی ہے۔"

تو عامل کہنے لگا کہ "جاؤ جلدی سے گڑیا لے آؤ تب ہی میں کوئی عمل شروع کروں گا۔"

سارہ اور اس کے چاچو عامل کے پاس ہی بیٹھے رہے اور سارہ کے ابو گھر چلے گئے اور جب گھر پہنچے اور انہوں نے گڑیا کو ڈھونڈنا شروع کیا، انہوں نے سارے گھر میں گڑیا کو ڈھونڈا لیکن انہیں کہیں بھی وہ گڑیا نظر نہ آئی۔

وہ دوبارہ عامل کے پاس پہنچے اور عامل سے کہا کہ "ہم جب صبح گھر سے آئے تھے تو گڑیا گھر پر ہی تھی اور اب میں نے سارے گھر میں گڑیا کو ڈھونڈا لیکن مجھے کہیں بھی گڑیا نظر نہ آئی۔"

یہ سن کر عامل ان سے کہنے لگا۔ "اب تم جاؤ اور جب تمہیں گڑیا مل جائے تو تم میرے پاس دوبارہ آنا۔" وہ دونوں سارہ کو لے کر گھر چلے گئے۔ وہ جب گھر پہنچے تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ سامنے ٹیبل پر گڑیا پڑی ہے۔

سارہ کے ابو نے جلدی سے گڑیا کو اٹھایا اور سارہ کے چاچو اور سارہ کو لے کر دوبارہ عامل کے پاس گئے، جب وہ عامل کے پاس پہنچے تو عامل ان سے کہنے لگا۔ "گڑیا مل گئی ہے کیا۔"

سارہ کے ابو کہنے لگے۔ "ہاں مل گئی ہے۔"

سارہ کے چاچو نے گڑیا جلدی سے عامل کو دی۔

عامل گڑیا کو دیکھتے ہی کہنے لگا۔ "اس گڑیا پر تو کالا جادو کیا ہوا ہے۔ کسی کو مارنے کے لئے۔"

عامل نے سارہ کے ابو سے پوچھا کہ "تم نے گڑیا کہاں سے خریدی ہے۔"

اس کے ابو کہنے لگے..... "میری دکان سے کچھ فاصلے پر ایک آدمی کھلونوں کا ٹھیلا لگاتا ہے اسی سے یہ گڑیا لی ہے۔"

عامل ان سے کہنے لگا کہ "مجھے ابھی اس ٹھیلے والے کے پاس لے چلو۔" سارہ کے ابو عامل کو لے کر اس ٹھیلے والے کے پاس گئے جب وہ ٹھیلے والے کے پاس پہنچے تو عامل نے ٹھیلے والے سے پوچھا کہ "تم نے وہ گڑیا کہاں سے لی ہے۔" تو ٹھیلے والا کہنے لگا۔ "کون سی گڑیا۔"

تو عامل ان اسے گڑیا دکھائی اور کہا کہ "یہ گڑیا تم نے کہاں سے لی ہے۔" یہ سن کر ٹھیلے والا کہنے لگا کہ "ایک دن میں ایک فلاں قبرستان سے گزر رہا تھا تو مجھے ایک قبر پر یہ گڑیا ملی اس گڑیا کے جسم پر بے شمار سوئیاں گڑی ہوئی تھیں قبرستان کے پاس کچھ بچے کھیل رہے تھے میں نے ان سے پوچھا کہ یہ گڑیا کس کی ہے تو وہ کہنے لگے۔

"یہ گڑیا ہماری نہیں ہے۔" تو میں اسے اپنے گھر لے آیا اور اس بچے سے سوئیاں نکالیں اور کپڑے سے اچھی طرح صاف کیا اور اپنے ٹھیلے پر بیچنے کے لئے رکھ دیا اور ان صاحب نے سارہ کے ابو کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ "انہوں نے مجھ سے یہ گڑیا خرید لی۔"

عامل سارہ کے ابو سے کہنے لگا کہ مجھے تمہارے گھر چلنا چاہئے کیونکہ اب بہت رات ہو چکی ہے ہمیں اب دیر نہیں کرنی چاہئے اب میں تمہارے گھر جا کر ہی عمل شروع کروں گا۔ وہ دونوں جلدی سے گھر پہنچے۔ گھر پہنچتے ہی عامل نے گڑیا کو اپنے سامنے رکھا اور جو گڑیا کے اندر جن تھا اسے بیدار کرنے کا عمل شروع کیا۔ جیسے ہی عمل پورا ہوا گڑیا کے اندر سے کالا دھواں نکلنا شروع ہو گیا اور پھر اس دھوئیں میں سے ایک بدشکل جن نمودار ہوا۔

عامل نے جن سے پوچھا کہ "تم اس گڑیا میں کیا کر رہے ہو۔"

تو جن کہنے لگا۔ "پہلے تم مجھے بتاؤ کہ تم مجھے اس گڑیا سے کیوں نکالنا چاہتے ہو؟"

یہ سن کر عامل کہنے لگا۔ "تم اس معصوم بچی کو نقصان پہنچا رہے ہو، اس لئے میں تمہیں اس گڑیا سے نکالنے والا ہوں۔"

یہ سن کر جن کہنے لگا۔ "میرے آقا کے پاس فلاں عورت آئی اور کہنے لگی کہ "فلاں شخص کو جان سے مارنا ہے۔ میرے آقا نے یہ کام میرے ذمہ لگا دیا اور اس گڑیا میں مجھے ڈال دیا۔ جس شخص کو مارنا تھا اس کا نام ایک کاغذ پر لکھ کر جلا دیا اور جلا کر اس گڑیا میں ڈال دیا اور بے شمار سوئیاں اس گڑیا میں پیوست کر دیں اور کہا کہ ایک دن کئی سوئیاں اس کے بازوؤں میں ڈالنا اور اگلے دن کئی سوئیاں اس کی دونوں ٹانگوں میں ڈالنا اور اس کے اگلے دن کئی سوئیاں اس گڑیا کے گلے میں ڈالنا اور اس کے اگلے دن اور سوئیاں اس کے سینے میں پیوست کر دینا۔" جیسے ہی تم یہ سوئیاں اس گڑیا کے سینے میں پیوست کرو گے تو وہ شخص اسی وقت مر جائے گا۔ ابھی تو صرف میں نے گڑیا کے بازوؤں اور ٹانگوں میں سوئیاں پیوست کی تھیں کہ فلاں شخص نے اس گڑیا کو اٹھا لیا اور جو سوئیاں میں نے اس گڑیا کے اندر ڈالی تھیں وہ نکال دیں اور اس گڑیا کو تم لوگوں کو بیچ دیا۔

میں اس بچی کو اس لئے نقصان پہنچاتا ہوں کیونکہ تم لوگوں نے مجھے میرے آقا کا کام مکمل نہیں کرنے دیا۔ اور میں کسی صورت بھی اس بچی سے الگ نہیں رہوں گا اور اس بچی کو ہلاک کر دوں گا، یہ سن کر عامل نے جن کو مارنے کا عمل شروع کیا اور جیسے ہی عمل پورا ہوا عامل نے جن کی طرف پھونک ماردی۔ جیسے ہی عامل نے جن کے اوپر پھونک ماری تو جن چیخنے لگا اور جن کو آگ لگ گئی جب اسے آگ لگی تو وہ آگ میں جل کر راکھ ہو گیا وہ جیسے ہی راکھ ہوا تو وہ آگ بھی بجھ گئی۔

اور سارہ کا بخار بھی اتر گیا۔ عامل نے گڑیا کو قبرستان میں دفن کر دیا۔ اب وہ جن اور گڑیا دونوں ہمیشہ کے لئے ختم ہو گئے تھے۔ اب سارہ بہت خوش تھی کیونکہ اب اس کے پاس وہ خونی جادوئی گڑیا نہیں تھی۔

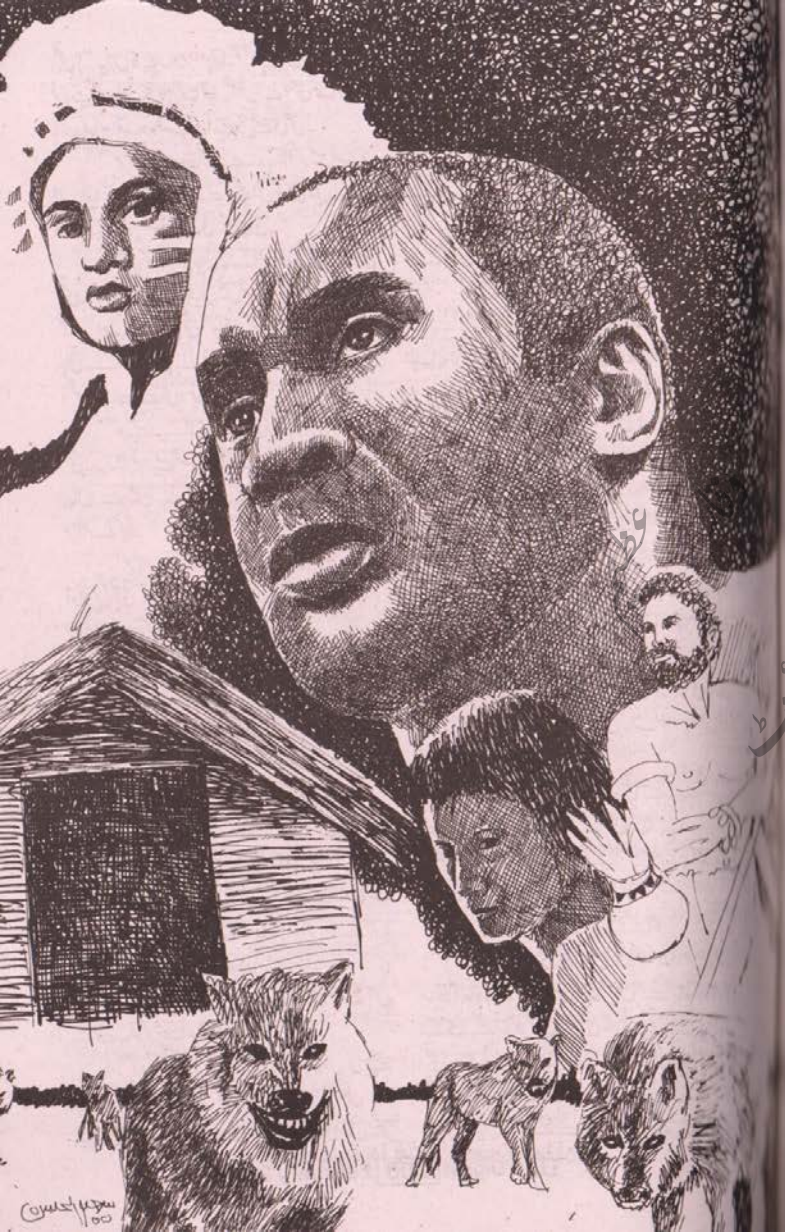

پہاڑوں کی قسم

عثمان غنی خان۔ پشاور

پل پل اور لمحہ لمحہ خوف و ہراس کے شکنجے میں جکڑتی ہوئی اور جسم و جاں پر کپکپی طاری کرتی اور خوف کی پگڈنڈی پر بل کھاتی ہوئی ناقابل یقین اور ناقابل فراموش دل دہلاتی رائٹر کے قلم سے نکلی ہوئی شاہکار کہانی۔

اکثر انسان مستی اور خرمستی کی وجہ سے موت کو گلے لگالیتا ہے دل فگار تحیر انگیز کہانی

اس پہاڑ پر زندگی کی ہر قسم کی خوبصورتی موجود تھی۔ یہاں کے لوگ اسی پہاڑ میں پاکستان بننے سے پہلے رہائش پذیر تھے۔ یہ پہاڑ کئی سو فٹ اونچا تھا۔ خوبصورتی ہر طرف سے دیکھی جاسکتی تھی۔ بادلوں کے ٹکڑے عموماً پہاڑ کے دامن میں نظر آتے۔ اور دور سے ایسا لگتا جیسے پہاڑ آسمان میں گم ہوگیا ہو۔ اس پہاڑ پر زندگی کی وہ سہولیات موجود نہیں تھیں، جو اسے آباد کردیتیں۔ یہاں بجلی ابھی تک نہیں پہنچی تھی۔ اور گیس کا کوئی تصور ہی نہیں تھا۔ مگر اس پہاڑ کے دامن میں ایک چھوٹا سا قبیلہ ابھی بھی آباد تھا۔ اس قبیلے کے روایات کچھ مختلف تھے۔ اور وہ آج بھی اپنے بڑوں کی روایات کا پالن کررہے تھے۔

شنیل نے مڑکر دیکھا، وہ پہاڑ پر کھڑی نیچے وادی کو دیکھ رہی تھی۔ وہاں اسے اکثر نیچے کھائی سے کسی کی آوازیں آتی تھیں۔ جیسے کوئی اس سے بات کرنے کی کوشش کررہا ہو۔ مگر اسے یہ اپنا وہم لگتا تھا۔ وہ ہمیشہ پہاڑ کی چوٹی تک آکر اکثر نیچے دیکھا کرتی تھی۔ اس نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ وہ کیوں آوازیں سنتی ہے۔ کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ اسے کون آوازیں دیتا ہے۔ مگر یہ آوازیں کسی لڑکے کی ہوتی تھیں۔

''سن۔۔۔!!'' ایک دم سے اسے لگا جیسے کسی نے پکارا ہو۔ وہ ایک لمحہ کے لیے بالکل ڈر گئی۔ یہ ویلی شہر سے بہت دور واقع تھی۔ اونچے پہاڑ بڑے درخت اور خوبصورت مناظر سے یہاں خوب دل بہلایا جا سکتا تھا۔ نیلے آسمان پر سفید دھندلے بادل دور سے دلکش نظارہ پیش کرنے میں کامیاب ہوجاتے تھے۔ یہاں پہاڑ کی چوٹی سے کچھ نیچے اس کا گھر تھا۔ جو پہاڑ وہاں موجود تھا وہ اس کے بزرگوں کی ملکیت تھا۔ اس پہاڑ پر اخروٹ، خوبانی، الوچے، املوک، توت، الاچی، چنار، اور بے شمار درخت تھے۔ سیب، بادام، اور ناشپاتی کے کئی چھوٹے باغ بھی موجود تھے۔ اس پہاڑ پر کئی قدرتی چشمے تھے۔ جس کی وجہ سے یہ ہمیشہ سرسبز و شاداب رہتا تھا۔ وہ نیچے کھائی کو دیکھ رہی تھی۔ اچانک کوئی اس کے پیچھے دو قدموں سے آکر کھڑا ہوگیا۔

''باؤ۔۔۔!!'' اچانک پیچھے سے کسی نے ایک دم اس کے کان میں باؤ کی آواز نکالی تو وہ اچھل کر کئی قدم پیچھے چلی گئی۔ اس کا ایک پاؤں نیچے چلا گیا۔ اس سے پہلے کہ وہ گھبرا کر کھائی میں گر جاتی۔ مضبوط ہاتھوں نے اس کو کندھے سے تھام کر اپنی طرف کھینچ لیا۔ وہ دل ہی دل میں بہت گھبرا گئی تھی۔

''شنیل۔۔۔!! تم اس کھائی میں کیا دیکھ رہی

تھی؟" یہ اس کا چچازاد عزام تھا۔ عزام یہاں سے شہر میں فروٹ کی سپلائی کا کام کرتا تھا۔ شینل نے ابھی تک دل پر ہاتھ رکھا ہوا تھا۔ وہ غصہ سے اسے دیکھنے لگی تھی۔

"عزام تمہیں پتہ بھی ہے۔۔۔!! اگر میں تمہاری اس بھیانک آواز کے ڈر سے نیچے اس کھائی میں گر جاتی تو۔۔۔!!" وہ مصنوعی غصے کی سے بولی۔

"تو یہ کہ تم مر جاتی۔۔۔!! یا شاید بچ بھی سکتی تھی۔۔۔!! مگر میرے خیال میں تم اتنی بھی قسمت کی دھنی نہیں ہو۔۔۔!! جو اتنی گہری کھائی میں گر کر بچ جاتی۔۔۔!!" عزام نے اسے دیکھا۔ وہ اپنی بڑی بڑی آنکھوں سے اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

"ویسے۔۔۔!! میں نے صرف باؤ کی آواز نکالی تھی۔۔۔!! تم ایسے غضب ناک ہو رہی ہو۔۔۔!! جیسے یہاں سے میں نے تمہیں نیچے پھینکنے والا تھا۔۔۔!!" عزام نے کہا۔

"عزام۔۔۔!! اس کھائی سے مجھے کسی لڑکے کی آوازیں آتی ہیں۔۔۔!!" شینل نے کچھ دیر بعد کہا تو عزام حیران ہو گیا۔

"کیسی آوازیں؟ کیا کوئی تمہیں پکارتا ہے؟" عزام نے اسے پسندیدہ نگاہوں سے دیکھا۔ وہ گھاٹی کے نیچے دیکھ رہی تھی۔ اس پہاڑ کے دامن پر دونوں کا گھر تھا۔ یہ لوگ پھل فروٹ کے کاروبار سے منسلک تھے۔ یہاں اسی طرح کے سینکڑوں گھر موجود تھے۔

"ہاں۔۔۔!! جیسے کوئی زور سے چیختا ہے۔۔۔!! مجھے اس کی آواز پسند نہیں آتی ہے۔۔۔!! مگر میں اس کی آواز ایک مہینے سے سن رہی ہو۔۔۔!! ایسا لگتا ہے۔۔۔!! جیسے وہ لڑکا مجھے آواز دے رہا ہو۔۔۔!!" عزام اس کی بات سن کر ہنس پڑا۔

"ویسے۔۔۔!! وہ کیا کہتا ہے؟" عزام نے اس کے قریب سرگوشیانہ انداز میں کہا۔

"وہ کچھ کہتا تو نہیں ہے۔۔۔!! مگر اس کی چیخنے چلانے کی آوازیں سنائی دیتی ہیں۔۔۔!!" شینل نے نیچے دیکھتے ہوئے کہا۔ حد نگاہ تک اسے کھائی میں کچھ خاص نظر نہیں آیا۔ وہاں سبزہ ہی سبزہ دکھائی دے رہا تھا۔

"ویسے۔۔۔!! تم کبھی کھائی میں جانا چاہو گی۔۔۔!!"

"نہیں۔۔۔!! وہاں تو کوئی آبادی ہی نہیں ہے۔۔۔!! سب کہتے ہیں۔۔۔!! وہاں جنگلی جانور ہیں۔۔۔!! اور عجیب سی وحشت ہے۔۔۔!!" یہ کہتے ہوئے شینل نے دونوں ہاتھ اپنے سینے پر باندھ لیے۔

"ہوں۔۔۔!! اس آواز کا پتہ کرنا پڑے گا۔۔۔!!" عزام نے اسے دیکھا، اچانک سامنے سے ایک میمنا آتا ہوا دکھائی دیا۔ وہ قلانچیں لگا رہا تھا۔

"ارے۔۔۔!! میرا میمنا آ گیا۔۔۔!! آج یہ پورے ہفتے کا ہو گیا ہے۔۔۔!!" شینل بکری کے بچے کی طرف دوڑ پڑی، میمنا چھلانگیں مارتا ہوا مستی میں آ رہا تھا۔ جیسے ہی شینل نے اسے پکڑنا چاہا۔ وہ اس کے ہاتھوں سے نکل کر دور ہو گیا۔ اور اسی لمحے شینل کا پاؤں پھسلا، ٹیڑھی ہو کر گرنے ہی لگی کہ عزام جو اس کے پیچھے آ گیا تھا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر شینل کو بازو سے پکڑ لیا۔ اور جھٹکا دے کر اسے اپنے قریب کر لیا۔ وہ اس کے چھاتی سے آ لگی۔ عزام کی دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہو گئیں اور شینل اس سے دو قدم دور ہو گئی اور بھاگتی ہوئی پہاڑ کے دامن کی طرف جانے لگی۔ اب عزام ہنس رہا تھا۔ اور خود سے گویا تھا۔

"یہ شینل بھی بے وقوف بناتی ہے۔۔۔!! بھلا کھائی سے اگر کوئی آواز دے بھی دیتا ہے۔۔۔!! تو بمشکل یہاں تک پہنچ سکے گا۔۔۔!!" عزام نے کندھے اچکائے۔ اور اپنے گھر کی طرف آنے لگا۔

☆......☆......☆

"شینل کی بچی چھوڑ اس میمنے کو، اور ادھر میرے ساتھ آ جاؤ۔۔۔!!" میمل نے شینل سے کہا۔ وہ بکری کے میمنے کے ساتھ کھیل رہی تھی، اور اس کو گھاس چرا رہی تھی۔ وہی قریب ہی پانی کا چشمہ تھا۔ میمل اس کی دوست تھی، وہ پانی بھرنے کے لیے چشمے پر آئی تھی۔ پہاڑ کی ساری لڑکیاں اسی چشمے سے پانی بھرنے کے لیے گھڑے

لے کے آتی تھیں۔

"میمل۔۔۔!!! ابھی تو میری شادی بھی نہیں ہوئی، تو میری بچی کہاں سے آ گئی۔۔۔!!! اور جس کام کے لیے تو آئی ہے۔۔۔!! وہ کر۔۔۔!! میں کہیں نہیں جا رہی۔۔۔!!" شینل نے میمنا کو گود میں اٹھا کر کہا۔ میمل چشمے سے گھڑا بھرا پھر منہ بنا کر چلنے لگی۔

"آئندہ۔۔۔!! تیرا کوئی کام ہوگا۔۔۔!! تو میں بھی نہیں مانوں گی۔۔۔!! تو پہاڑ پر جانے کو کہے گی۔۔۔!! تو شاید ہی کبھی تمہارے ساتھ چلی جاؤں گی۔۔۔!!" میمل نے پیچھے سے کہا۔ شینل نے میمنا کو گود سے اتارا، اور اس کی طرف دوڑتی ہوئی چلی آئی۔

"سن میمل۔۔۔!! تو تو ناراض ہو گئی ہے۔۔۔!! چل میں تیرے ساتھ جاتی ہوں۔۔۔!! کیا بات ہے؟" شینل نے اس کے سر سے گھڑا اتار کر بغل میں لے لیا۔ اب دونوں ساتھ ساتھ چل رہی تھیں۔

"تو یہ گھڑا رکھ دے۔۔۔!! اور بیٹھ میں تجھے بتاتی ہوں۔۔۔!! بات لمبی سی ہے۔۔۔!!" میمل نے ادھر ادھر دیکھا، وہ جاننا چاہتی تھی کہ کوئی اور تو اس طرف نہیں آ رہا ہے۔ مگر ان دونوں کے علاوہ وہاں کوئی نہیں تھا۔ شینل نے پانی کا بھرا گھڑا وہاں رکھ دیا، اور اس کے ساتھ پتھر پر بیٹھ گئی۔

"شینل۔۔۔!! مجھے ڈر ہے۔۔۔!! میرا باپ مجھے کراچی بھیجوا دے گا۔۔۔!!" میمل نے اسے دیکھا۔

"مگر کیوں؟" میمل نے پوچھا۔

"تمہیں پتہ نہیں ہے۔۔۔!! ہمارے اس پہاڑ سے لڑکیوں کو شہری لوگوں کے پاس اچھے داموں بیچا جاتا ہے۔۔۔!! وہ یہاں آتے ہیں۔۔۔!! جس لڑکی کو پسند کر لیں، اس کو اس کے ماں باپ سے خرید کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے لے جاتے ہیں۔۔۔!!" میمل نے پریشانی سے بتایا۔

"ہاں۔۔۔!! یہ تو ہے۔۔۔!! تیرے جانے کے بعد قسم سے میں تجھے بڑی یاد کروں گی۔۔۔!! ویسے کب تجھے کسی نے پسند کیا ہے؟ میرے خیال میں ایک ماہ سے تو اس گاؤں میں کوئی بھی انجان لوگ نہیں آئے ہیں۔۔۔!!" شینل نے کہا۔

"یار۔۔۔!! کبھی کبھار میں سوچتی ہو۔۔۔!! ہماری بھی کیا زندگی ہے؟ ماں باپ کی خدمت کرنے کے باوجود ہمیں بیچ دیا جاتا ہے۔۔۔!! ہمیں بس تھوڑا پڑھایا لکھایا جاتا ہے۔۔۔!! اور بس کچھ پڑھائی لکھائی جیسے ہی سیکھ جائے۔۔۔!! اسکول سے اٹھا دیا جاتا ہے۔۔۔!! یہاں بھی گھر والوں کی خدمت کرتے ہیں۔۔۔!! اور جو خرید لیتا ہے اس کی بھی خدمت کرتے کرتے اسی طرح زندگی سے چلے جاتے ہیں۔۔۔!! میں یہاں کسی کو پسند کرتی ہو۔۔۔!! کاش۔۔۔!! میں اسے پا سکتی۔۔۔!!" میمل نے بادلوں سے بھرے آسمان کو دیکھا اور بولی۔

"اوہ لیلیٰ کی اولاد۔۔۔!! یہاں جو کوئی عشق کرتا ہے۔۔۔!! تو اس کو وہ کبھی نہیں ملتا ہے۔۔۔!! ہم پہاڑی لوگ ہیں۔۔۔!! یہاں عشق کو حرام قرار دیا ہے۔۔۔!! ان پہاڑوں کی طرح ہمارے دل بھی پتھر کے ہیں۔۔۔!!" شینل نے اسے سمجھانا چاہا۔

"اسی لیے تو دل کرتا ہے۔۔۔!! اس پہاڑ پر کھڑے ہو کر کھائی میں چھلانگ لگا دوں۔۔۔!!" میمل نے کہا۔

"کیوں۔۔۔!!! ہو سکتا ہے؟ تمہیں لے جانے والا تمہیں بہت خوش رکھے۔۔۔!!" شینل نے اندازے سے بتایا۔

"نہیں۔۔۔!! اور میرے دل کا کیا؟ کیا میرے جذبات نہیں ہیں۔۔۔!! میرا دل کبھی نہیں مانے گا۔۔۔!! میں نے ابا سے صاف کہہ دیا ہے۔۔۔!! میں کوئی گائے یا بھینس بکری بھیڑ نہیں ہوں کہ کسی کے کھونٹے سے باندھ دو گے اور وہ مجھے ہانکتا ہوا اپنے ساتھ لے جائے گا۔۔۔!! پچھلے ماہ جو بوڑھا آیا تھا۔۔۔!! اس نے ابا سے مجھے مانگ لیا ہے۔۔۔!! اور ابا راضی ہو گیا ہے۔۔۔!! شاید وہ مجھے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے لے جائے۔۔۔!!"

"تم کسے پسند کرتی ہو؟ کیا وہ بھی تمہیں پسند کرتا ہے؟" شینل نے اس کی باتیں زیادہ سیریس نہیں لی۔ اسے پتہ تھا۔ یہ یہاں کا رواج تھا۔ جتنی لڑکی

خوبصورت ہوتی تھی، اس کی اتنے زیادہ پیسے ملتے تھے۔ شینل کی بھی بڑی دو بہنیں یہاں سے دور کسی انجانے دیس میں بھیج دی گئی تھیں۔ اس پہاڑ پر رہنے والے لوگ تعداد میں بہت کم تھے۔ مگر یہاں بہت کم ایک دوسرے سے شادیاں کرائی جاتی تھیں۔ ان کے ہاں زیادہ سے زیادہ لڑکیاں پیدا کرنے کی چاہت ہوتی تھی۔ اور اسی لیے ایک مرد کئی شادیاں کرتا تھا۔ ہر گھر میں ہر سال مختلف بیویوں سے زیادہ سے زیادہ لڑکیاں پیدا ہونے کے چاہت کرتے تھے۔ جب کبھی لڑکا پیدا ہوتا تھا، تو زیادہ خوشیاں نہیں مناتے تھے۔ جتنا ایک لڑکی کے پیدا ہونے پر منائی جاتی تھی۔ سارے قبیلے والے مل کر رقص کرتے تھے۔ اور رات تک شراب وشباب کی محفل چلتی رہتی تھی۔

''ہاں۔۔۔!! یہی تو مسئلہ ہے۔۔۔!! ورنہ اس کا ہاتھ تھام کر اس پہاڑ سے کہیں بھاگ جاتی۔۔۔!! کبھی واپس نہ آنے کے لیے۔۔۔!!'' میمل نے اداسی سے کہا۔

''ویسے۔۔۔!! تمہیں تمہارے ابا کا فیصلہ مان لینا چاہیے۔۔۔!! اسی میں بھلائی ہے۔۔۔!!'' شینل نے اسے دیکھ کر کہا۔

''ویسے شینل۔۔۔!! اگر کوئی پچاس سالہ بوڑھا تم سے شادی کرنا چاہے۔۔۔!! اور تمہارے گھر والے بھی راضی ہوں۔۔۔!! تو تم کیا کرو گی؟'' میمل نے اس کو ٹھوری سے پکڑ کر پوچھا۔

''میں چپ چاپ اس سے شادی کر کے چلی جاؤں گی۔۔۔!! کیونکہ بچپن سے ہمیں سکھایا جاتا ہے۔۔۔!! ہماری زندگی کا فیصلہ بڑوں کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔۔۔!! اور اسی لیے تو ہماری عورتوں کو خود سے دور کیا جاتا ہے۔۔۔!! تاکہ ہمارے قبیلے کے نسل میں اضافہ ہو جائے۔۔۔!! اور وہ پورے ملک میں پھیل جائے۔۔۔!!'' شینل نے کہا تو میمل نے اثبات میں سر ہلایا۔ اب وہ دونوں خاموش سی اٹھ کر جا رہی تھیں۔ شینل نے اس کی پسند نہیں پوچھی، اور میمل منتظر ہی رہی، مگر اس نے نہیں بتایا۔

☆......☆......☆

عزام کی دس بہنیں تھیں، اس کی چار مائیں تھی۔ جن میں دو مر چکی تھیں، اور دو زندہ تھی۔ اس کی چھ بہنیں شادی کے بعد ملک کے کسی نہ کسی علاقے میں بھیجی جا چکی تھیں اور وہ کبھی پلٹ کر واپس نہیں آئی تھیں۔ کتنے سال ہو گئے تھے۔ عزام پھل فروٹ کا کام کرتا تھا۔ مگر اس نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ اسے اپنے ریت رواجوں سے پیار تھا۔ اور یہاں اس پہاڑ پر بسنے والے اپنے بڑوں کے فیصلے درست اور صحیح مانتے تھے۔ ابھی اس کی چار بہنیں گھر میں تھیں، اس کے باپ نے بیٹیوں کی چاہت میں چار شادیاں اسی لیے کر رکھی تھیں۔ تاکہ اس کی نسل پروان چڑھے، اور اس کی بیٹیوں کے ذریعے موٹی موٹی رقمیں ملیں۔ عزام کی چھ کی چھ بہنیں اچھے داموں فروخت ہوئی تھیں۔ وہ سب کی سب خوبصورت تھیں۔ نیلی آنکھیں، بھورے بال، لمبے قد کاٹھ، دودھیا رنگت، تیکھے نین نقش، جیسے کہ بنانے والے نے بڑی مہارت سے بنائی تھیں۔ عزام اپنے باپ کی پہلی بیوی سے تھا۔ وہ اب نہیں رہی تھی۔ یہاں جو مرد مقامی عورت سے شادی کرتا تھا، اس کو وہ عورت شادی کی رات ہی اجازت دیتی تھی، کہ وہ بعد میں مزید کئی عورتوں سے شادی کرسکتا ہے۔ مگر شرط یہی ہوتی تھی، کہ وہ عورتیں مقامی ہوں اور اسی پہاڑ کی رہائشی ہوں۔ لیکن وہ لڑکیاں ہوں، جن کی شادیاں نہیں ہو پا رہی ہوں۔ جو عمر میں زیادہ ہوں۔ یہاں کسی بھی مرد کی ایک سے زیادہ بیویاں موجود تھیں۔ اور وہ ساری مقامی ہوتی تھیں، یہاں پسند کی شادی منع تھی، کیونکہ مرد کا دل جس عورت پر آ جاتا تھا، وہ اسی کی چاہت کا دم بھرنے لگتا تھا۔ وہ اپنی محبت کی چاہت میں بھول کر بھی دوسری شادی نہ کرتا، اور اسی ایک بیوی سے اس کی اولاد ہوتی، اس کی بیوی اس کے بچوں کی ماں ہوتی، تو وہ اپنی بیٹیوں کی شادی آسانی سے نہیں ہونے دیتی تھی۔ وہ اپنی بیٹیوں کے لیے مقامی رشتے تلاش کرنے کی کوشش کرتی، مگر یہ اتنا آسان نہیں تھا، مقامی رشتے اور اچھے رشتے اتنی آسانی سے کہاں ملتے تھے، اس میں بڑوں کے فیصلے ہوتے تھے۔ اس لیے یہاں جو کوئی بھی عشق کرتا، پیار کرتا، محبت کرتا، اسے وہ

ملتا، قبیلے والوں کو اگر پتہ چل جاتا تو وہ ان دونوں کو دور کر دیتے، یہاں عشق پر پابندی لگا دی گئی تھی۔

☆......☆......☆

میمل نے کھانا بنایا، وہ کچن سے باہر نکل آئی، اس نے دیکھا۔ اس کی ماں باہر دھوپ میں بیٹھی ہوئی آسمان کو دیکھ رہی ہے۔ یہ اپنے گھر کی اب آخری لڑکی بچی تھی۔ میمل نے آگ بجھا دی تھی۔ اور روٹی سالن پلیٹ میں نکال کر چلتی ہوئی، ماں کے سامنے رکھ دیا۔ اور ماں کے ساتھ بیٹھ گئی۔ دونوں اب ساتھ مل کر کھانا کھا رہی تھیں۔

''میمل تیرا باپ تیرا رشتہ ڈھونڈ چکا ہے۔۔۔!! کچھ دنوں میں تو یہاں سے چلی جائے گی۔۔۔!!'' ماں کی بات سن کر نوالہ اس کے منہ میں اٹک گیا۔ وہ کھانسنے لگی۔ ماں نے اس کو جلدی سے پانی کا گلاس پکڑایا تو وہ غٹاغٹ ایک ہی سانس میں پی گئی۔

''دھیان سے کھانا کھا۔۔۔!! کہیں بھاگا تو نہیں جا رہا ہے۔۔۔!!'' ماں نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

''ماں۔۔۔!! آپ ابا سے بات کیوں نہیں کرتی ہیں؟ ابھی میں شادی نہیں کرنا چاہتی۔۔۔!! اگر میں چلی گئی۔۔۔!! تو آپ دونوں کا خیال کون رکھے گا۔۔۔!!''

''ارے کتنی بار سمجھایا ہے۔۔۔!! تو شادی سے منع نہیں کر سکتی ہے۔۔۔!! ہمارا کچھ نہ کچھ ہو جائے گا۔۔۔!! ہم ایک دوسرے کا سہارا بن کر زندگی گزار لینگے۔۔۔!!'' ماں نے منہ بنا کر اسے سنایا۔

''مگر میں فی الحال شادی نہیں کرنا چاہتی۔۔۔!! وہ شخص بہت بوڑھا ہے۔۔۔!! میں ابھی اتنی بھی گئی گزری نہیں ہوں۔۔۔!! کسی بھی راہ چلتے بڈھے کے کھونٹے سے باندھ دی جاؤں۔۔۔!! اگر مجھے بیاہنا ہی ہے۔۔۔!! تو کسی لڑکے سے بیاہ کیوں نہیں دیتے۔۔۔!!'' میمل نے کھانا چھوڑ دیا۔

''ہائے لڑکی۔۔۔!! زیادہ بولنے کی ضرورت نہیں ہے۔۔۔!! تو پرایا دھن ہے۔۔۔!! تیری بہنیں تجھ سے زیادہ حسین اور خوبصورت تھیں۔۔۔!! سب کی سب نے شادیاں کر کے گھر بسا لیا ہے۔۔۔!! شادی کے بعد تیری قسمت ہے۔۔۔!! تو مہارانی بنتی ہے یا نوکرانی۔۔۔!!'' ماں نے بے رحم لہجے میں کہہ کر بڑا سا نوالہ بنا کر منہ میں ڈالا۔

''میں کھائی سے چھلانگ لگا کر جان دے دوں گی۔۔۔!! آپ ابا کو سمجھا دیجیے گا۔۔۔!! میں کوئی شادی وادی نہیں کروں گی۔۔۔!!''

''اگر تو انکار کرے گی۔۔۔!! تو تیرا ابا تجھے خود اس گھاٹی سے نیچے پھینک دے گا۔۔۔!! جب سب طے ہو چکا ہے۔۔۔!! وہ ہو چکا ہے۔۔۔!! اب تیرا انکار اقرار کچھ معنی نہیں رکھتا۔۔۔!! تو خود کو ذہنی طور پر تیار کر لے۔۔۔!!'' اماں شان بے نیازی سے پانی کا گلاس لبوں سے لگا چکی تھیں۔ وہ روتی ہوئی کمرے میں آ گئی۔

''ہائے وہ کم بخت بڈھا۔۔۔!! کچھ ماہ پہلے یہاں سیاحت کرنے آیا تھا۔۔۔!! اور اس بدبخت کی نظر مجھ پر پڑ گئی۔۔۔!! وہ یہاں کے اصولوں سے واقف تھا۔۔۔!! تبھی میرا ہاتھ ابا سے مانگا۔۔۔!! اور ابا نے بنا کچھ دیکھے بھالے رضامندی ظاہر کر دی۔۔۔!! یہاں تو بس ایسے ہی ہوتا آیا ہے۔۔۔!!'' وہ سر گھٹنوں پر دے کر بری طرح سے رو رہی تھی۔

☆......☆......☆

''آج کل میمل بالکل بھی ہمارے گھر نہیں آ رہی ہے۔۔۔!! آج تیسرا دن ہے۔۔۔!! پہلے تو ایسے کبھی نہیں ہوا۔۔۔!! میمل کا جب سے اُس منحوس بڈھے سے رشتہ طے ہوا ہے۔۔۔!! تب سے اس نے جیسے خود کو روگ لگا لیا ہے۔۔۔!!'' وہ اٹھی، اس نے دوپٹہ سر پر درست کیا۔ اور گھر سے باہر نکل آئی۔ باہر اچھی خاصی دھوپ نکلی ہوئی تھی۔ ہر طرف سورج کی تیز روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ جس میں سرسبز وشادابی نظر آ رہی تھی۔ اچانک وہ چلتے چلتے گھاٹی کے پاس آ پہنچی۔ وہاں نیچے سے کسی لڑکے کی آواز سنائی دیتی تھی۔ اور آج وہ آواز سننے کے لئے وہاں کھڑی ہو گئی۔

''کوئی ہے؟'' اچانک اس کے کانوں میں آواز آئی تو وہ تھر تھر کانپ اٹھی۔

''یہ آواز مجھے کیوں سنائی دیتی ہے؟ میرے علاوہ

کبھی کسی نے نہیں سنی ہے۔۔۔!! ورنہ اس جگہ کو لوگ آسیب زدہ قرار دے کر آنا چھوڑ چکے ہوتے۔۔۔!!'' وہ کچھ ڈری سی گئی تھی۔ کچھ دیر وہ بالکل ساکت و جامد کھڑی رہی۔ پھر اس نے کہا۔

''میں ہو۔۔۔!!'' وہ کھائی میں نیچے دیکھ کر چیخ رہی تھی۔

''میں ہوں۔۔۔!!'' اس کی آواز کی بازگشت کئی لمحوں تک سنائی دیتی رہی۔ وہ کچھ دیر تک کان لگا کر مزید سنتی رہی۔ پھر وہاں سے جانے لگی۔ اب وہ میمل کے گھر کی طرف جا رہی تھی۔ راستے میں اچانک اسے دور سے کوئی لڑکا اپنی طرف آتا ہوا دکھائی دیا۔ اس نے غور سے دیکھا۔ وہ عزام تھا۔ وہ اچھا خاصا دور تھا۔ اس لیے شینل نے اسے نظر انداز کر دیا۔ اور میمل کے گھر کا رخ کر لیا۔ اب وہ میمل کے گھر میں داخل ہو رہی تھی۔ کچھ دیر بعد اسے میمل نظر آئی، وہ بہت خفا تھی۔

''میمل۔۔۔!! کیسی ہو؟ کہاں گم ہو؟'' اس نے میمل کی توجہ حاصل کی۔

''میں بالکل ٹھیک ہوں۔۔۔!! تم کیسی ہو؟'' میمل اسے دیکھ کر خوش ہو گئی تھی۔

''تم تو جیسے گم ہو گئی ہو۔۔۔!! اب تو چشمے پر بھی نہیں آتی ہو۔۔۔!!'' شینل نے شکوہ کیا۔

''کیسے آؤں۔۔۔!! ابا نے سختی سے پابندی لگائی ہے۔۔۔!! اور میں بہت اداس ہوں۔۔۔!!'' میمل نے اس کا ہاتھ پکڑ کر تخت پر بیٹھا دیا۔

''کیوں؟ چچا ایسا کیوں کر رہے ہیں؟'' شینل نے اس کے اداس چہرے پر نگاہیں جمائیں۔

''ابا چند دن میں میری رخصتی کروا رہے ہیں۔۔۔!! سارے گاؤں میں چھوہارے بانٹ دیے ہیں۔۔۔!! میں نے ابا کو دھمکی دی تھی۔۔۔!! میں کھائی میں کود کر جان دے دوں گی۔۔۔!! شینل یہ کیسا دستور ہے۔۔۔!! لڑکی کو وداع کرنے کے بعد اس کے ماں باپ سے ہر رشتہ ختم ہو جاتا ہے۔۔۔!!'' میمل نے دکھی پن کا مظاہرہ کیا۔

''ہاں۔۔۔!! یہ تو ہے۔۔۔!! مگر ہر قبیلے کے کچھ نہ کچھ الگ رواج ہوتے ہیں۔۔۔!! ہمارے یہی رسم و رواج ہیں۔۔۔!! عزام کی بہن نشل ہماری بچپن کی دوست تھی۔۔۔!! اس کو بھی اسی رواج کے پالن نے ہم سے دور کر دیا۔۔۔!! وہ شادی کے بعد کبھی نظر نہیں آئی۔۔۔!! اس کی شادی دبئی کے کسی شیخ سے ہوئی تھی۔۔۔!! میں اسے آج تک بھلا نہیں پائی ہوں۔۔۔!!''

''مگر شینل۔۔۔!! میں یہاں اپنے قبیلے کے کسی مرد سے شادی کرنا چاہتی ہوں۔۔۔!!'' میمل نے دوپٹے کا کونا ہاتھوں میں گھمانا شروع کر دیا۔

''یہ ناممکنات میں ہوگا۔۔۔!!'' شینل نے اس کا دوپٹہ اس کے ہاتھوں سے چھڑا لیا۔

''مگر کیوں؟'' وہ تڑپ اٹھی۔

''اس لیے کہ اس قبیلے میں لڑکوں کی تعداد انتہائی کم ہے۔۔۔!! میری سب بہنوں کی بھی اسی طرح شادی ہوئی تھی۔۔۔!! جیسے تمہاری ہو رہی ہے۔۔۔!! عزام کی چھ بہنوں کی شادیاں بھی اسی طرح ہوئی ہیں۔۔۔!! اور تم دیکھنا میری شادی بھی بالکل ایسی ہی ہوگی۔۔۔!!'' شینل کی آنکھوں میں آنسو بھر گئے۔ میمل فوراً اس کے گلے جا لگی۔

''مگر شینل۔۔۔!! میں محبت کے سفر پر چل پڑی ہوں۔۔۔!! وہ کیوں میری تقدیر میں نہیں ہے۔۔۔!! نادان دل اس کو کیوں ڈھونڈتا ہے۔۔۔!! ممکن ہی نہیں ہے۔۔۔!! میں اسے بھلا دوں گی۔۔۔!! میں اس کی محبت میں یہ لمبی جدائی برداشت نہیں کر سکوں گی۔۔۔!! یہ محبت بھرا دل اللہ نے کیوں بنایا ہے؟'' میمل اس کے گلے سے لگ کر اس کے قمیص میں اپنے آنسو بہا رہی تھیں۔

''تمہارا رقیب اور کوئی نہیں ہے۔۔۔!! یہ دنیا ہے۔۔۔!! تمہیں اس جدائی کو سہنا ہوگا۔۔۔!! میں تم سے کبھی نہیں پوچھوں گی۔۔۔!! وہ کون؟ جس سے تم محبت کرتی ہو۔۔۔!!'' شینل نے اس کے کندھے پ

ہاتھ رکھا۔

''شینل میں اس کے بنا کیسے جیوں گی؟ میرا دل چاہتا ہے۔۔۔!! میں اس کو اس جہاں سے کہیں دور لے کر چلی جاؤں۔۔۔!! جہاں قبیلے والے کبھی نہ پہنچ سکیں۔۔۔!! میں چاہتی ہوں۔۔۔!! وہ ہو اور میری اپنی الگ دنیا ہو۔۔۔!! جس میں ہماری محبت کی چھوٹی سی دنیا آباد ہو۔۔۔!! جس میں اندھیرا نہ ہو۔۔۔!! جس میں خوشیاں ہوں۔۔۔!! میں جب سو جاؤں۔۔۔!! ان خوابوں میں بھی اجالا ہو۔۔۔!!'' کتنے بھل بھل آنسو ایک ساتھ اس کی آنکھوں سے گرتے چلے گئے۔

''یہ کسی بھی طرح ممکن نہیں ہے۔۔۔!! تم جو خواب دیکھ رہی ہو۔۔۔!! وہ اپنے آنکھوں سے نوچ ڈالو۔۔۔!! تمہیں پتہ تو ہے۔۔۔!! محبت جب تک ساتھ دیتی ہے۔۔۔!! جب تک دل میں ہوتی ہے۔۔۔!! زبان سے جب یہ الفاظ نکل آتے ہیں۔۔۔!! تب انسان بھٹک جاتا ہے۔۔۔!! اس منزل کی تلاش میں جس کا کوئی راستہ نہیں ہوتا ہے۔۔۔!! تم بھٹکنے سے خود کو بچا لو۔۔۔!! میمل ایسا مت کرو۔۔۔!!'' شینل نے اس کا چہرہ دونوں ہاتھ میں لے کر کہا۔

''ہاں۔۔۔!! تم ٹھیک کہتی ہو۔۔۔!! میں نے دل کی بات دل میں دبا دی ہے۔۔۔!! کبھی اس دھڑکن کو محبت کا نام نہ دیا۔۔۔!! میں محبت کا لفظ کبھی زبان پر نہیں لاؤں گی۔۔۔!!'' میمل نے ٹرانس میں کہا۔ میمل کی ماں دروازے کی اوٹ میں کھڑی ان کی باتیں سن رہی تھی۔ اور اس پر خوب لعنتیں برسا رہی تھیں۔

☆......☆......☆

عزام گھاٹی کنارے کھڑا نیچے دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ مگر اسے سبزہ ہی سبزہ نظر آ رہا تھا۔ اس نے بہت کچھ دیکھنے کی کوشش کی۔ مگر لمبے گھنے درختوں کے سوا اسے کچھ بھی نظر نہ آیا۔ تب اس نے زوردار آواز منہ سے نکالی۔

''ہاؤ۔۔۔!!'' اس کی بازگشت کچھ لمحوں تک سنائی دیتی رہی۔ پھر وہ بھی معدوم ہو گئی۔

''یہاں کوئی بھی نہیں ہے۔۔۔!! شینل مجھے بے وقوف بنانے کے لیے کہتی ہے۔۔۔!! مجھے آوازیں سنائی دیتی ہیں۔۔۔!!'' عزام نے خود سے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

اچانک اس کو اپنے پیچھے ایک میمنے کی آواز آئی تو اس نے مڑ کر دیکھا، شینل بکریوں کو ہانکتے ہوئے اسی طرف لا رہی تھی۔ اس نے دل پسند نظروں سے اس بھرپور منظر کو دیکھا۔ وہ بہت پیارا منظر تھا۔ شینل ایک میمنا گود میں اٹھائے، اسے اسی طرف لا رہی تھی۔ شینل اس کو دیکھ کر اسی طرف آ گئی۔

''یہاں کیا کر رہے ہو؟'' شینل نے پوچھا۔

''میں اس آواز کو ڈھونڈنے کی کوشش کر رہا تھا۔۔۔!! جو تمہیں سنائی دیتا ہے۔۔۔!! مگر میں نے لاکھ کوشش کی۔۔۔!! یہاں کوئی آواز نہیں آئی۔۔۔!!'' عزام نے شینل کی گود سے میمنا لے لیا۔

''عزام۔۔۔!! وہ آوازیں صرف میں سنتی ہوں۔۔۔!! پتہ نہیں جیسے کوئی مجھ سے بات کرنے کی کوشش کرتا ہے۔۔۔!! جسے میں نہیں سمجھتی۔۔۔!! جیسے وہ صرف مجھ سے کہتا ہے۔۔۔!! ایک بار میرے پاس آ کر مجھے راحت دو۔۔۔!! ایک بار آ جاؤ۔۔۔!! یہ شام بھی کل کی شام کی طرح ڈھل جائے گی۔۔۔!!'' شینل نے دل کی ترجمانی کی۔

''اوہو۔۔۔!! شینل۔۔۔!! اب تم کونسی رومانوی باتیں کر رہی ہو۔۔۔!!'' عزام نے سفید میمنا اتار کر چھوڑ دیا تو وہ زقند بھرتا ہوا چلا گیا۔

''میں سچ کہہ رہی ہوں۔۔۔!! وہ جیسے کالی رات میں ادھورا چاند ہو۔۔۔!! جس کو اپنے تارے سے لگاؤ ہو۔۔۔!! ورنہ کوئی مجھے کیوں آوازیں دے گا۔۔۔!! ویسے عزام یہ پیار بہت ظالم چیز ہے؟'' شینل میمنے کو دیکھتے ہوئے عزام کی طرف آ گئی۔

''ہاں۔۔۔!! مگر یہاں تو پیار کی باتوں پر پابندی ہے۔۔۔!! یہ دماغ کو خراب کرتا ہے۔۔۔!! وہ جو تمہیں آوازیں دیتا ہے۔۔۔!! وہ تمہارا وہم ہو سکتا ہے۔۔۔!!''

عزام نے اس کے سامنے ہاتھ لہرایا۔

''میں بھی جانتی ہوں۔۔۔!! پیار الو کا دوسرا نام ہے۔۔۔!! دل کے نام پر لوگوں کو الو بناتا ہے۔۔۔!! ویسے میسل کے آنسو مجھ سے برداشت نہیں ہورہے تھے۔۔۔!! وہ اپنی شادی سے خوش نہیں ہے۔۔۔!! وہ پچاس سالہ کھڑوس بڈھا اس کی زندگی اجیرن کردے گا۔۔۔!!! وہ کسی سے پیار کرتی ہے۔۔۔!! مگر اس کا نام بتانے سے ڈرتی ہے۔۔۔!! مگر جس دن اس کی رخصتی ہوگی۔۔۔!! میں پہاڑوں کی قسم دے کر اس سے سب کچھ اگلوالوں گی۔۔۔!!'' اس کی بات پر عزام سوچ میں پڑ گیا۔ شنیل اسے دیکھنے لگی۔

''تم کیوں بت بن کر یہاں ایستادہ ہو گئے ہو۔۔۔!!'' شنیل نے اسے ٹہوکا دیا۔

''شنیل۔۔۔!! یہاں پسند کو جرم کی طرح جسے حرام قرار دیا گیا ہے۔۔۔!! میری بہنیں، تمہاری بہنوں کی شادیاں اسی طرح انجان لوگوں سے ہوتی رہی ہیں۔۔۔!! یہاں اگر کوئی کسی کو پسند کرتا ہے۔۔۔!! وہ اسے کبھی نہیں ملتا ہے۔۔۔!! میسل جس سے بھی محبت کرتی ہے۔۔۔!! اچھا ہے۔۔۔!! وہ اس محبت کے جذبات کو زبان پر نہیں لارہی ہے۔۔۔!! یہاں اگر کوئی محبت کرے گا۔۔۔!! خاندانی مسائل جنم لینگے۔۔۔!! اور لڑکیوں کی شادیوں کا عمل رک جائے گا۔۔۔!! اور پھر ہمارے قبیلے کے نسل میں کیسے اضافہ ہوگا۔۔۔!! ہمیں یہ باتیں بچپن سے سمجھاتے آئے ہیں۔۔۔!! تم اس سے کبھی مت پوچھنا۔۔۔!!'' عزام نے شنیل سے دلی جذبات بیان کیں۔

''اچھا نہیں کہوں گی۔۔۔!! مگر وہ چلی جائے گی۔۔۔!! ساری زندگی کے لیے ہم سے دور ہو جائے گی۔۔۔!! میں دعا کروں گی۔۔۔!! دوبارہ کوئی بوڑھا سیاح اس علاقے کی کسی نوخیز لڑکی کو پسند نہ کرلے۔۔۔!! ہمارے لوگ نہ تو بڈھا دیکھتے ہیں۔۔۔!! اور نہ مریض، بس شادی کردیتے ہیں۔۔۔!!'' شنیل نے سینے پر ہاتھ باندھے۔

''اچھا تمہیں کچھ چاہیے تو نہیں۔۔۔!! میں شہر جا رہا ہوں۔۔۔!! شام یا رات تک لوٹ آؤں گا۔۔۔!!'' عزام نے اس سے پوچھا۔ اسے وہ غور سے دیکھ رہا تھا۔ سامنے کھڑے مضبوط پہاڑ کے دامن سے میسل اتر رہی تھی۔ وہ اس میں دور سے جیسے چیونٹی نظر آرہی تھی۔

''نہیں۔۔۔!! مجھے کچھ نہیں چاہیے۔۔۔!! ویسے ایک بات پوچھوں۔۔۔!!'' شنیل نے میسل پر نگاہیں گھاڑیں۔

''ہاں پوچھو۔۔۔!!'' عزام نے مسکراہٹ لبوں پر طاری کرلی۔

''تم لڑکے خوش نصیب ہوتے ہو۔۔۔!! تم لوگوں کو اپنا گھر یار چھوڑ کر جانا نہیں پڑتا ہے۔۔۔!! پتہ نہیں تم کتنے خوش قسمت ہو۔۔۔! تمہاری شادی کس سے ہوگی؟ سب کی باہمی رضامندی سے ہوگی۔۔۔!! جس میں قبیلے کے بڑے بھی کچھ نہ کہیں گے۔۔۔!!'' اس کی بات سن کر عزام ہنسنے لگا۔ اور پھر اس پر جیسے پاگل پن کا دورہ پڑا۔ وہ قہقہے لگانے لگا۔

''کیوں پاگل ہو گئے ہو؟ میں نے کچھ مذاق تو نہیں کیا ہے۔۔۔!!'' شنیل کو حیرانگی ہوئی۔

''شنیل، تم ایسا کیوں نہیں کہتی ہو کہ۔۔۔!! وہ خوش نصیب ہوگی۔۔۔!! جس کی شادی مجھ سے ہوگی۔۔۔!!'' ہنستے ہنستے اس نے شنیل سے کہا۔

''دل کی باتیں کررہے ہو۔۔۔!! دل کی باتیں کرنی نہیں چاہیے۔۔۔!! کیونکہ اس سے انسان کڑا کا کھڑا رہ جاتا ہے۔۔۔!! اور آنکھیں لڑ جاتی ہیں۔۔۔!!'' شنیل نے شرارت سے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ مارا۔ وہ حیرانگی سے اسے دیکھنے لگا۔ دونوں آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ کافی دیر گزر گئی۔ میسل اب کافی قریب آچکی تھی۔ وہ ایک چٹان پر رک کر دونوں کو دیکھنے لگی۔ وہ حیرت سے دونوں کو دیکھ کر ماتھے پر لکیروں کا جال بچھا چکی تھی۔ شنیل دل ہی دل میں گویا ہوئی۔

''مجھ سے کہتی ہے۔۔۔!! محبت دل سے نکال

دوں۔۔۔!! خود یہاں پہاڑ پر کھڑے نین لڑا رہی ہے۔۔۔!!'' میسل نے دل میں خوب تاؤ کھایا۔

''مگر منیوں کی لڑائی میں صرف دھوکہ بازی ہی ہوتی ہے۔۔۔!! محبت کرنے والے کبھی ساتھ نہیں دیتے ہیں۔۔۔!! اور قبیلے والے بھی محبت کو جرم سمجھ کر اس کی بھیانک سزا دیتے ہیں۔۔۔!!'' اس سوچ کے ذہن میں آتے ہی اس نے پلکیں جھپکیں۔ اور دل میں عجیب سی راحت اسے ملی۔ وہ دونوں کو نظر انداز کرتی ہوئی چشمے کی طرف چلی گئی۔

☆.....☆.....☆

رات میں پہاڑ پر موجود ہر گھر سے لالٹین کی روشنی نکلتی نظر آرہی تھی اور دور سے ایسا لگ رہا تھا۔ جیسے اندھیرے میں پہاڑ پر کسی نے دیے رکھ دئے ہوں۔ جس سے بہت خوبصورت سماں بن رہا تھا۔ جیسے اندھیروں میں ستاروں کی جھرمٹ آگئی ہو۔ عزام کی نیند آنکھوں سے دور تھی۔ وہ چھت پر کھڑا، یا تو آسمان کو دیکھتا۔ یا پھر اپنے ارد گرد پھیلے اس اندھیرے میں پہاڑ پر اوپر نیچے بنے گھروں کے لالٹین کی روشنیوں کو دیکھ کر خوش ہورہا تھا۔

''اگر تم ساتھ دو۔۔۔!! تو میں تمہاری آنکھوں کے سارے سپنے سچ کردوں۔۔۔!! پل بھر کے لئے تم میرا عکس ان آنکھوں میں ٹھہرنے تو دو۔۔۔!! تم میری طرف ایک بار تو آؤ۔۔۔!! تو میں تمہارے چہرے کو آنکھوں میں بھرلوں۔۔۔!! جو تمہارے دل میں بن بتائے باتیں ہیں۔۔۔!! وہ میں تم سے سارے چھین لوں۔۔۔!! اگر تم ساتھ دو۔۔۔!! میں جانتا ہوں۔۔۔!! تم بھی مجھ سے شدید محبت کرتی ہو۔۔۔!! مجھے دیکھتی ہو۔۔۔!! تو تمہاری آنکھیں روشن ہوجاتی ہیں۔۔۔!!'' عزام نے دل میں خود سے کہا۔ جب بھی وہ نیچے دیکھتا، اسے لگتا۔ وہ محبت کے دھوکہ بازی کا شکار ہورہا ہے۔ شنیل کی باتیں اس پر اثر کرنے لگی ہیں۔ اس کا دل جیسے اسی طرف مائل ہورہا تھا۔ شنیل کا چہرہ اس کی آنکھوں میں بار بار سامنے آرہا تھا۔ وہ پلکیں جھپکائے اسی چہرے کو دیکھنے میں جیسے محو تھا۔ کچھ دیر سوچنے کے بعد وہ پھر سے بولنے لگا۔

''میری آنکھوں میں اس کا چہرہ کیوں سما رہا ہے؟ کیوں اس دھوکے بازی کا شکار میں بن رہا ہوں۔۔۔!! شنیل نے کبھی بھی مجھ سے محبت کا اظہار تو نہیں کیا ہے۔۔۔!! وہ ضرور ناراض ہوگی۔۔۔!! دل کا حال کسی کو بتانے سے پہلے مجھے خود کو سنبھالنا ہوگا۔۔۔!! ورنہ ایک بہت بڑے طوفان کا سبب بن کر میری زندگی ویران کردے گا۔۔۔!!'' وہ ہنسنے لگا۔ بار بار آنکھیں بند کرلیتا۔ تو شنیل کا چہرہ سامنے آجاتا۔

☆.....☆.....☆

دوسری طرف شنیل اپنے چارپائی پر کروٹ بدلتے ہوئے سوچ رہی تھی۔ پھر وہ کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔ باہر اندھیرے میں لالٹین کی زرد نارنجی روشنیاں جیسے ستارے بن کر نظر آرہی تھیں۔

''واقعی۔۔۔!! میسل سچ کہتی ہے۔۔۔!! محبت دماغ کی ساری باتیں بھلا کر نئی دنیا کے خواب بُن دیتی ہے۔۔۔!! آسمان بالکل نیا لگتا ہے۔۔۔!! کیا میں محبت کے سفر پر نکلنا چاہتی ہوں۔۔۔!! کیوں عزام سے دل کی باتیں کرتی ہوں؟ کیوں اس کی آنکھوں میں خود کو دیکھتی ہوں۔۔۔!! اس کی خوشبو ابھی تک میرے سانسوں میں جیسے رچ بس گئی ہے۔۔۔!! میسل نے جو کچھ بھی کہا تھا۔۔۔!! سچ کہا تھا۔۔۔!! تپتی دھوپ میں محبت کا پانی نخلستان کی طرح ہوتا ہے۔۔۔!! مگر جب ہم اس دنیا کے سپنے بُن لیتے ہیں۔۔۔!! اور خوابوں کا شیش محل آنکھوں میں تعمیر کرکے اس کو آباد کرنے کے لیے پہلا قدم اٹھاتے ہیں۔۔۔!! تو وہ دھڑام سے زمین بوس ہوجاتا ہے۔ تب ہم ریزہ ریزہ ہو کر بکھر جاتے ہیں۔۔۔!! اور پھر کوئی سمیٹنے والا بھی نہیں ہوتا ہے۔۔۔!!'' شنیل بستر سے اٹھ کر کھڑکی میں کھڑی باہر دیکھ رہی تھی، اچانک ہوا کا جھونکا آیا۔ اور اس کے وجود کے آر پار ہوگیا۔ وہ جیسے ٹرانس میں آگئی۔ اس نے لالٹین اٹھایا۔ اور کمرے سے باہر نکل آئی۔ اس کے گھر والے بے سدھ سوئے ہوئے تھے۔ وہ گھر سے لالٹین ہاتھ میں پکڑے باہر نکلتی چلی گئی۔

☆.....☆.....☆

میمل اپنے گھر کے لان میں پھولوں کی کیاری کے پاس بیٹھی ہوئی اداس سی لگ رہی تھی۔ اس نے آسمان کو دیکھا، وہ تاروں سے بھرا ہوا تھا۔ مگر چاند بہت زیادہ ادھورا تھا۔ کوئی بادل نہیں تھا، نہ کوئی چاندنی تھی۔

''اے خدا۔۔۔!! اب میں دور چلی جاؤں گی۔۔۔!! اس سے جس سے میں دور جانا نہیں چاہتی۔۔۔!! اگر وہ میرا ہمدرد ہو جائے۔۔۔!! تو ہر غم ہر درد خوشی سے سہہ لوں گی۔۔۔!! وہ امید بیم جو ابھی ملا نہیں ہے۔۔۔!! اگر مل جائے۔۔۔!! تو یہ جہاں جتنا بھی ظلم و ستم کر لے۔۔۔!! میں خوشی سے سہہ لوں گی۔۔۔!! اس کی مسکراہٹ میرے جینے کی طاقت بن جائے گی۔۔۔!! اس کے سنگ جھونپڑے میں رہ لوں گی۔۔۔!! وہ بھی جنت بن جائے گی۔۔۔!! کاش وہ میرا ہمدرد ہم نوا، ہم سفر، ہم قدم، ہمدم بن جائے۔ تو ہر خوشی میری قدم چوم لے۔۔۔!!'' ابھی وہ یہ سب سوچ ہی رہی تھی کہ اچانک ایک کالی بلی نجانے کہاں سے چلی آئی۔ اور اس کے سامنے بری آواز میں فریاد سی کرنے لگی۔ ماحول میں بلی کی عجیب و غریب آواز نے دہشت سی طاری کر دی تھی۔

''شو۔۔۔!!'' اس نے انگلی منہ پر رکھ کر بلی سے کہا۔ بلی ایک دم رک گئی۔ اور اسے دیکھنے لگی۔ اب وہ دم ہلاتی ہوئی جا رہی تھی۔ اور پھر وہ اٹھ کر کمرے میں آ گئی۔ مگر بے چینی اس کے ہر انداز سے عیاں تھی۔ وہ کمرے میں بے سکونی سے یہاں وہاں چکراتی پھر رہی تھی۔

☆.....☆.....☆

رات کے اندھیرے کو لالٹین کی روشنی بھگاتی ہوئی راستہ دکھا رہی تھی، اور شنیل لالٹین کی روشنی میں باہر جا رہی تھی۔ اب وہ پہاڑ کے آخری چٹان پر موجود تھی۔ جس کے نیچے سینکڑوں فٹ گہری کھائی تھی۔ ہوا میں بہت زیادہ خنکی تھی۔ موسم بہت سرد تھا۔ اس کے ہاتھ جیسے کانپنے لگے تھے۔ مگر وہ نیچے دیکھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اگر وہ ایک قدم بھی آگے بڑھتی۔ تو وہ کھائی میں گر جاتی۔ موسم کی ٹھنڈ کی وجہ سے اس کے دانت بجنے لگے تھے۔ اس نے کھائی کی طرف دیکھنے کی ناکام کوشش کی۔ وہاں صرف تاریکی تھی۔ جس میں کچھ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ اچانک وہ مڑ کر جانے لگی۔

''سن۔۔۔!!'' ایک آواز نے اس کو ساکت کر دیا۔ لالٹین پکڑے وہ مڑ کر دیکھنے لگی۔ اس کا چہرہ واضح نظر آ رہا تھا۔

''سن رہی ہو۔۔۔!!'' اس نے قدرے زور سے کہا۔

تم آجاؤ۔۔۔!! میرے پاس آجاؤ۔۔۔!!'' اچانک ان جملوں نے اس کے کان کھڑے کر دیے۔ وہ جیسے گھبرا گئی۔

''کیسے؟'' وہ کانپ اٹھی۔ زبان سے خود بخود نکل گیا۔

''کھود کر۔۔۔!!'' اس نے آواز سنی، اس کے پیروں سے جیسے جان نکل گئی۔ کچھ قدم وہ آگے بڑھتی چلی گئی۔ پھر جیسے وہ پہاڑ کے کنارے رک گئی۔ اس کے قدموں نے آگے بڑھنے سے انکار کر دیا۔

''کیا سوچ رہی ہو۔۔۔!! آجاؤ۔۔۔!! میں تمہارا ہی انتظار کر رہا ہے۔۔۔!!'' ایک بار پھر سے اس آواز نے اسے جیسے ہوش کی دنیا میں لایا۔

''مم۔۔۔!! نہیں۔۔۔!!'' وہ جیسے گونگی بہری ہو گئی، زبان نے ساتھ دینے سے انکار کیا۔ کان سننے سے محروم ہو گئے۔ ہوا کی ہلکی سی شوشوں کی آوازیں وہ سن رہی تھیں۔ وہ مڑی، اور لالٹین کی روشنی میں راستہ دیکھتی بھاگتی چلی گئی۔ مگر آواز بدستور سنائی دے رہی تھی۔

''آجاؤ۔۔۔!! مت جاؤ۔۔۔!! واپس مت جاؤ۔۔۔!!'' مگر وہ ان سنی کر رہی تھی۔ وہ گھر میں داخل ہو گئی۔ اس نے کمرے میں جیسے پہنچ کر جیسے سکون کی سانسیں لیں۔ وہ بہت گھبرا گئی تھی۔ بار بار اجنبی آوازیں اس کے کانوں میں پہنچ رہی تھیں۔

''تم آجاؤ۔۔۔!! میرے پاس آجاؤ۔۔۔!!'' وہی آواز بازگشت کی طرح اس کے کمرے میں پھیل رہی تھی۔ وہ کمرے کے کونے میں کھڑی لالٹین ہاتھ میں پکڑے تھر تھر کانپ رہی تھی۔

☆.....☆.....☆

''میمل۔۔۔!! تو کس سے پیار کرتی ہے؟'' صبح ہی صبح شنیل نے پوچھا۔

''چھوڑ شنیل۔۔۔!! اس کو بھی نہیں پتہ جس سے میں پیار کرتی ہوں۔۔۔!!'' میمل نے اس کا ہاتھ ہٹایا۔

''بتاؤ نا۔۔۔!! میں جاننا چاہتی ہوں۔۔۔!! میں رات بھر بے چین رہی تھی۔۔۔!!'' شنیل نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

''نہیں۔۔۔!! میں نہیں بتا سکتی۔۔۔!! اور جہاں تک بے سکون رہنے کا تعلق ہے، تو وہ میں بھی تھی۔۔۔!!'' میمل نے آنسو بھری نگاہیں اس کے سامنے کیں۔

''چل اٹھ۔۔۔!! باہر چشمے پر چلتے ہیں۔۔۔!! میں تمہیں کچھ بتانا چاہتی ہوں۔۔۔!!'' شنیل اٹھ گئی، تو مجبوراً میمل کو بھی اٹھنا پڑا۔ اب دونوں گھر سے باہر جا رہی تھیں۔ پھر وہ چشمے کنارے بیٹھی ہوئی تھیں، شنیل نے چشمے کا پانی ہاتھوں سے اٹھا کر پیا۔

''تم کیا کہہ رہی تھی؟'' میمل کا دماغ ابھی تک اسی کی بات میں اٹکا تھا۔

''میں رات کو گھر سے باہر پہاڑ کے کنارے کھڑی تھی۔۔۔!! رات کو گھپ اندھیرے کے سوا کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔۔۔!! تب میں نے اس سے بات کی۔۔۔!! وہ مجھے پکار رہا تھا۔۔۔!! وہ مجھے اپنے پاس آنے کے لیے کہہ رہا تھا۔۔۔!! وہ مجھے اس کھائی میں کودنے کو کہہ رہا تھا۔۔۔!! مگر میں بھاگ آئی۔۔۔!!'' شنیل کی بات سن کر میمل قہقہے لگانے لگی۔ شنیل اسے حیرانگی سے دیکھنے لگی۔

''ایسے کیوں ہنس رہی ہو؟ کیا میں نے کوئی لطیفہ سنایا ہے۔۔۔!!''

''تم کود جاتی۔۔۔!! ایسی بہتر تھا۔۔۔!! اور یہ کل میری طرح بہت روئے گی۔۔۔!! تیری شادی بھی کسی پچاس ساٹھ سال کے بوڑھے سے کر دی جائے گی۔۔۔!!'' میمل نے اس کی آنکھوں میں دیکھ کر کہا۔

''مگر میں کسی مقامی رشتے دار سے شادی کروں گی۔۔۔!!'' شنیل نے بنا سوچے اسے بتایا۔ جس پر ایک بار پھر میمل قہقہہ لگانے لگی۔

''تم ایسا کیوں پاگلوں کی طرح قہقہے لگائے جا رہی ہوں۔۔۔!!'' شنیل کو اس کے پاگل پن پر شبہ ہونے لگا۔

''میں تمہاری سوچ پر ہنس رہی ہوں۔۔۔!! ایسا کبھی نہیں ہوگا۔۔۔!! مقامی رشتے ان لڑکیوں کو ملتے ہیں۔۔۔!! جن کے سر پر بڑے آقا کا ہاتھ ہوتا ہے۔۔۔!! جو امیر ہوتی ہیں۔۔۔!! جن کے ماں باپ کو پیسوں کی ضرورت نہیں ہوتی ہے۔۔۔!! جو اپنے شوہروں کو دوسری تیسری لڑکی سے شادی سے منع نہیں کرتی ہیں۔۔۔!!'' میمل نے اس کی آنکھیں کھولنے کی کوشش کی۔

''میمل۔۔۔!! تم نے بھی تو پیار کیا ہے۔۔۔!! مگر تم بتانے سے ڈرتی ہو۔۔۔!! تم شادی کر رہی ہو۔۔۔!! مگر ہمت نہیں ہے۔۔۔!! اپنی محبت کو حاصل تک نہیں کر سکتی ہو۔۔۔!! مگر میں بتا رہی ہوں۔۔۔!! اگر مجھے محبت ہو گئی، تو میں اسے حاصل کرنے کی کوشش کروں گی۔۔۔!!'' شنیل نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''شنیل۔۔۔!! اگر تم میری جگہ ہوتی تو کیا کرتی؟'' میمل نے جوش سے کہا۔

''میں کم از کم خاموش تو نہیں رہتی۔۔۔!!'' شنیل نے اسے دل سے کہا۔

''تو میں بھی تو خاموش نہیں ہوں۔۔۔!! گھر والوں کو صاف صاف بتا تو دیا ہے۔۔۔!!'' میمل نے بے بسی سے نظریں اٹھائیں۔

''پاگل۔۔۔!! گھر والوں کو نہیں۔۔۔!! اس سے کہہ۔۔۔!! جس کا نام تم مجھے نہیں بتانا چاہتی ہو۔۔۔!! وہی کچھ کر سکتا ہے۔۔۔!!'' شنیل نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔

''ان سے کیا ہوگا؟'' میمل حیران ہو گئی۔

''کم از کم تمہیں پچھتاوا تو کل نہیں ہوگا۔۔۔!! تم اپنی دل کی بات اس تک نہیں پہنچا سکی تھی۔۔۔!! اور اگر اس نے محبت کا جواب محبت سے دیا۔۔۔!! تو تم شادی سے پہلے اس کے ساتھ اس وادی سے بھاگ جانا۔۔۔!!'' شمینل اسے نئی راہ دکھا رہی تھی۔

''اب اس کا نام بتا بھی دو۔۔۔!! جس سے تم شدید محبت کرتی ہو۔۔۔!!'' شمینل نے اس کو جھنجھوڑا۔

''نہیں پہلے اس سے ملوں گی۔۔۔!! اگر اس نے میری محبت کا جواب مثبت دیا۔۔۔!! پھر اپنے بھاگنے سے پہلے تمہیں بتادوں گی۔۔۔!!'' میمل نے اٹھنے سے پہلے اس پر چشمے کا پانی اچھالا۔ اور بھاگتی ہوئی گھر کی طرف چلی گئی۔

''میمل کی بچی۔۔۔!! سارے کپڑے تو نے میرے گیلے کردیے ہیں۔۔۔!!'' شمینل کو بھی ہنسی آرہی تھی۔ اس نے میمل کا خراب موڈ ٹھیک کردیا تھا۔

☆......☆......☆

آج جیسے ہی بازار سے عزام فارغ ہوا۔ اس کی نظر ایک چوڑیوں کی دکان پر رک گئی۔ وہ بے اختیار اسی دکان میں جا گھسا۔ رنگین چوڑیاں کسی کاریگر نے نہایت مہارت سے بنائی تھیں۔ اس نے وہ خرید لی اور دکان سے نکل کر اب وہ اپنی وادی کی طرف جانے والی گاڑی میں بیٹھ گیا۔ کچھ دیر سفر کرنے کے بعد وہ اتر گیا۔ اب وہ پہاڑ پر جا رہا تھا۔ پہاڑ پر ان کی وادی تک جانے کے لیے کچھ راستہ نہیں تھا۔ یہاں تک آنے کے لیے لوگ پیدل ہی سفر کرتے تھے۔ وہ اپنی وادی تک پہنچ چکا تھا۔ وہ سخت لوگ تھے۔ تھکتے نہیں تھے۔ ایک جگہ پہنچ کر اس نے چوڑیوں کی آواز سنی۔ اس نے درختوں کی جھنڈ میں دیکھا۔ وہاں کوئی لڑکی پشت کرکے کھڑی تھی۔ جس کا سفید دوپٹہ ہوا سے اچھا خاصا لہرا رہا تھا۔ وہ اسے نظر انداز کرکے جانے لگا۔ اچانک لڑکی نے اپنے لمبے بالوں کو ادا سے جھٹکا۔ اور دوسرے لمحے اس کے سامنے اپنا چہرہ کردیا۔ وہ میمل کو دیکھ کر یہاں حیران سا تھا۔

''شاید میمل کچے اخروٹ توڑنے آئی ہو۔۔۔!!'' اس نے دل میں سوچا۔ مگر وہ خوب بناؤ سنگار کرکے آئی تھی۔ جیسے ہی اس نے قدم بڑھائے۔ میمل کے پازیب کی جھنکار نے اسے رکنے پر مجبور کردیا۔ وہ حیرت سے میمل کو دیکھنے لگا۔ میمل دوڑ کر اس کی طرف آگئی۔ اور ایک دم اس سے لپٹ گئی۔ وہ حیران سا پریشان سا اسے دیکھنے لگا۔

''میمل۔۔۔!! تم یہ کیا کررہی ہو؟'' اس نے میمل کو خود سے الگ کیا۔

''عزام۔۔۔!! تمہیں پہاڑوں کی قسم۔۔۔!! انکار مت کرنا۔۔۔!! میں بچپن سے تم سے محبت کرتی ہوں۔۔۔!! آج بنا کچھ سوچے سمجھے تم سے دل کا حال بیان کرنے آگئی۔۔۔!! میرے ماں باپ نے میرا رشتہ طے کردیا ہے۔۔۔!! میں تمہاری جدائی برداشت نہ کرسکوں گی۔۔۔!!'' میمل نے اس کے شانے تھام کر جذبات میں اسے سنایا۔ عزام حیرتوں کے سمندر تلے ڈوب رہا تھا۔

''میمل۔۔۔!! میں تم سے پیار نہیں کرتا۔۔۔!! میں تمہارے جذبات سے واقف بھی ہوتا۔۔۔!! تب بھی بہت پہلے تمہیں انکار کرچکا ہوتا۔۔۔!! بہتری اسی میں ہے کہ تم اپنی ماں باپ کی بات مان لو۔۔۔!!'' عزام نے بے دردی سے اس کے ہاتھ شانوں سے جھٹک دیے۔ وہ جیسے بلبلا اٹھی۔

''عزام۔۔۔!! اگر تم نے میری محبت ٹھکرائی، تو میں کود کر اس گھاٹی سے جان دے دوں گی۔۔۔!!'' میمل تڑپ اٹھی۔ اس کی آنکھوں میں بڑے بڑے آنسو تیرنے لگیں۔

''مجھے کچھ بھی فرق نہیں پڑے گا۔۔۔!!'' عزام نے نفی میں سر ہلایا۔ میمل بالکل ساکت ہوگئی۔

''ٹھیک ہے سب کو بتادینا۔۔۔!! میمل۔۔۔!! نے شادی سے انکار کرکے کھائی میں کود کر جان دے دی۔۔۔!!'' اور وہ آگے بڑھنے لگی۔ عزام ایک لمحے کے لیے بھونچکاں رہ گیا۔ وہ اس کے پیچھے ڈورنے لگا۔ اس کا دوپٹہ گھاس پر گر گیا تھا۔

عزام کو مزید تیزی سے ڈورنا پڑا۔ اب میمل، اور کھائی کے درمیان فاصلہ کم ہو رہا تھا۔ اور عزام اور میمل کا فاصلہ برقرار تھا۔ کھائی کے سر پر پہنچنے سے پہلے عزام نے چھلانگ لگائی، اور میمل کے گھنے بال اس کے ہاتھ میں آگئے۔ وہ گر گیا۔ میمل کو شدید جھٹکا لگا۔ وہ پشت کے بل گرتی چلی گئی۔ بس ایک قدم کا فاصلہ تھا۔ ایک قدم وہ مزید دیر کردیتا۔ تو میمل کھائی میں کود کر جان دے چکی ہوتی۔

عزام کی جیب سے چوڑیاں باہر نکل آئیں، عزام نے اسے بالوں سے کھینچ کر کھائی سے کئی قدم دور کردیا۔ وہ چیخ رہی تھی۔ میمل کے بال چھوڑ کر اسے کھڑا کردیا اور چوڑیاں اٹھا کر واپس جیب میں ڈال لیں۔ میمل کی نظریں انہی چوڑیوں پر اٹک گئی تھیں۔

''کیوں مجھے مرنے نہیں دیا۔۔۔!!'' میمل رونے لگی۔ اس کے آنسو جیسے عزام کے دل پر گر رہے تھے۔

''کیوں مرنے دیتا۔۔۔!! تم جو کررہی تھی۔۔۔!! وہ غلط تھا۔۔۔!! دیکھو۔۔۔!! میمل میری بات غور سے سنو۔۔۔!! میں بھی بچپن سے ہی شمینل کو چاہتا ہوں۔۔۔!! مگر ضروری نہیں۔۔۔!! وہ مجھے مل جائے۔۔۔!! کیونکہ ہم لوگ پسند کی لڑکی سے شادی نہیں کرسکتے۔۔۔!! میں نے بھی آج تک کبھی شمینل کو نہیں بتایا۔۔۔!! نہ ہی اسے جذباتی طور پر پریشان کرنے کی کوشش کی۔۔۔!!'' میمل کچھ بھی نہیں سن پا رہی تھی۔ اس کے کانوں میں بس صرف ایک ہی جملہ بازگشت بن کر گونج رہا تھا۔

''میں بھی بچپن سے شمینل کو چاہتا ہوں۔۔۔!! میں بھی بچپن سے شمینل کو چاہتا ہوں۔۔۔!!'' وہ اسے چھوڑ کر بلند آواز میں روتے ہوئے وہاں سے بھاگ کر گھر کی طرف چلی گئی۔ وہ آبلہ پا تھی۔ اس کا دوپٹہ وہیں رہ گیا تھا۔ جاتے ہوئے عزام اسے حیرانی سے دیکھ رہا تھا۔

☆......☆......☆

میمل روتے ہوئے گھر میں داخل ہوئی۔ وہ بری طرح رو رہی تھی۔ اس کی حالت کو دیکھ کر اس کی ماں نے نظر انداز کردیا۔ وہ آج گھر سے نکلتے ہوئے بھی ماں سے خوب لڑی تھی۔ ماں نے پوچھا تھا۔

''کہاں جا رہی ہوں؟'' وہ چیخ کر گرجی تھی۔

''خودکشی کرنے جا رہی ہوں۔۔۔!!'' تب بھی اس کی ماں نے اسے سیریس نہیں لیا تھا۔ اور اس کے سج دھج کو دیکھتے ہوئے کہہ دیا تھا۔ ''اتنی تیار ہوکے کوئی خودکشی کرنے تو نہیں جاتا ہے۔۔۔!!''

''آگئی۔۔۔!! خودکشی نہیں کی۔۔۔!!'' وہ کمرے میں چلی گئی۔ جب ماں نے طنز کے نشتر برسائے۔

''کرنے لگی تھی۔۔۔!! مگر کسی نے بچا لیا۔۔۔!!'' اس نے کہا۔ اور دوڑتی ہوئی کمرے میں چلی گئی۔ کمرے کا دروازہ بند کرکے وہ بستر پر اوندھے منہ جا گری۔ اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ وہی عزام کا ایک لفظ جیسے اس کے دل میں پھانس بن کر رہ گیا تھا۔ اور وہ شمینل تھا۔

''شمینل۔۔۔!! میں تم سے نفرت کرتی ہو۔۔۔!!'' وہ چادر کو ہاتھوں سے مٹھیوں میں جکڑ کر چیخی۔

''شمینل۔۔۔!! کاش مجھے پتہ نہ چلتا۔۔۔!! تو آج میں تم سے اتنی نفرت نہیں کرتی۔۔۔!! عزام نے میری محبت تمہاری چاہ میں ٹھکرا کر اچھا نہیں کیا۔ اس کا انجام بہت بھیانک ہوگا۔۔۔!!'' باہر میمل کی ماں نے اس کی دبی سی چیخیں سنیں۔ تو وہی سے چلا کر بولی۔

''اوئے بے غیرت خانہ خراب کی اولاد شادی سے پہلے جتنا واویلہ پکار کرنی ہے۔۔۔!! کرلے۔۔۔!! بعد میں یہ موقع نہیں ملے گا۔۔۔!!''

''بس کل تیرے سسرال والے آجائینگے۔۔۔!! اور اتوار کو تجھے لے جائینگے۔۔۔!!'' اس کی ماں نے الفاظ کے نشتر چلائے تو وہ روح تک جیسے چھلنی ہوگئی۔

''میں شمینل کو بتادوں گی۔۔۔!! محبت کرتی ہے۔۔۔!! مگر چھپاتی ہے۔۔۔!! میں جیسے اس کی مکاری

کو سمجھ نہیں پاؤں گی۔۔۔!! میں کوئی بچی نہیں ہوں۔۔۔!! عزام اگر میرا نہ ہو سکا۔۔۔!! تو اسے اس کا بھی نہیں ہونے دوں گی۔۔۔!! محبت اور جنگ میں سب کچھ جائز ہوتا ہے۔۔۔!! مگر نفرت میں تو ہر حد سے گزر جانا پڑتا ہے۔۔۔!! اور میں محبت کی جنگ نہیں لڑوں گی۔۔۔!! نفرت کی لڑوں گی۔۔۔!!'' وہ سوچ رہی تھی۔ اس کے اندر جیسے لاوا ابل رہا تھا۔

☆......☆......☆

وہ گھائی کنارے کھڑی نیچے دیکھ رہی تھی، وہ رو رہی تھی۔ میمل کی آنکھوں کے آنسو خشک ہو گئے تھے۔ مگر وہ سیدھا یہاں چلی آئی تھی۔ اس نے نیچے دیکھنا چاہا۔ مگر اسے گہری کھائی کے سوا کچھ بھی نظر نہیں آیا۔ وہ ڈر کر کئی قدم پیچھے ہٹ گئی۔ اب وہ واپس جا رہی تھی۔ اس نے ان آوازوں کو سننا چاہا تھا۔ جو شینل سنا کرتی تھی۔ مگر یہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ اس کا رخ شینل کے گھر کی طرف تھا۔ کچھ دیر بعد وہ جیسے ہی ان کے گھر کے سامنے پہنچی۔ اس نے شینل کو عزام کے گھر سے باہر نکلتے دیکھ لیا۔ اس کا لاوا جیسے پھٹنے کے قریب ہو گیا۔ شینل اسے دیکھ کر اپنی جگہ حیرانی سے جم گئی۔ اور پھر وہ اسی کی طرف چلی آئی۔

''میمل۔۔۔!! تم یہاں کیا کر رہی ہو؟ اور تمہاری حالت اتنی بری کیوں ہے؟'' شینل نے اس کو عجیب سے انداز میں دیکھا۔

''تم۔۔۔!! عزام کے گھر میں تھی؟'' میمل نے سرد مہری سے اسے دیکھا۔

''ہاں۔۔۔!! اس کے گھر سے اپنے برتن لانے گئی تھی۔۔۔!!'' شینل نے مسکرا کر وضاحت دی۔ میمل کی نگاہیں اس کی چوڑیوں پر جم گئیں یوں لگا جیسے اس کا دل بند ہو جائے گا۔

''یہ چوڑیاں کتنی پیاری ہیں؟ کہاں سے لیں؟'' میمل نے ان کو آنکھوں کے قریب کیا۔

''یہ مجھے کسی نے تحفے میں دی ہیں۔۔۔!! مجھے بھی بہت پسند ہیں۔۔۔!!'' شینل نے ہنس کر کہا۔ میمل اسے دیکھ کر رہ گئی۔

''شینل۔۔۔!! تم کسی سے محبت کرتی ہو؟ تحفے کوئی ایسے ہی نہیں دے دیتا۔۔۔!!'' میمل نے طنز کیا۔

''نن نہیں۔۔۔!! کچھ تحفے ایسے بھی دیے جاتے ہیں۔۔۔!! تم نے اُسے بتایا۔۔۔!!'' شینل نے بات بدلنی چاہی۔ میمل اسے کینہ توز نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

''ہاں۔۔۔!!'' اس ہاں میں اتنا درد تھا کہ شینل بھی ڈر گئی۔ وہ خاموش ہو گئی۔

''اور تمہیں پتہ ہے۔۔۔!! اس نے انکار کر دیا۔۔۔!!'' میمل نے دل کا درد زبان سے بیان کیا۔ شینل بالکل ساکت رہ گئی۔ اسے سمجھ نہیں آیا۔ وہ اس کو کیسے دلاسہ دے۔

''شینل۔۔۔!! تمہیں پتہ ہے۔۔۔!! جس کھائی سے تمہیں آوازیں آتی ہیں۔۔۔!! آج وہ آوازیں میں نے بھی سنی ہیں۔۔۔!!'' میمل نے بلا آخر بلی تھیلے سے باہر نکال ہی دی۔ شینل اس کی بات سن کر اچھل پڑی۔

''دیکھا۔۔۔!! میں سچ کہتی تھی ناں۔۔۔!! تم میری بات کا یقین نہیں کرتے تھے۔۔۔!! کیا کہہ رہا تھا؟'' شینل نے دونوں ہاتھ خوشی اور جوش سے اس کے کندھے پر رکھ دیے۔

''تمہارا نام کوئی زور زور سے لے رہا تھا۔۔۔!! وہ کہہ رہا تھا۔۔۔!! شینل آ جاؤ۔۔۔!!'' میمل نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

''آؤ۔۔۔!! چلیں۔۔۔!! اب [illegible] کر [illegible] ہیں۔۔۔!! وہ میرے بارے میں [illegible] کیا ہے؟'' شینل خوشی سے سرشار تھی۔ اس کا ہاتھ پکڑ کر چل پڑی۔ میمل نے ٹرانس کی سی کیفیت میں آگے دیکھا۔ اور اس کے ساتھ چلتی چلی گئی۔ اس کے لبوں پر خندہ سی مسکراہٹ تھی۔

وہاں کوئی نہیں تھا۔ وہ دونوں پہاڑ کے کنارے نیچے کھائی میں دیکھنے لگی۔ شینل نے کچھ دیر تک آواز سننے کی کوشش کی۔ مگر وہاں ہوا کی ہلکی سی آواز سنائی دے رہی تھی۔ کچھ بھی نہیں تھا۔ اس نے حیرت سے میمل کو دیکھا۔

''میمل۔۔۔!! یہاں تو کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی ہے۔۔۔!!'' شینل نے حیرانگی سے اسے دیکھا۔

''تم پیچھے ہٹو۔۔۔!! ابھی کچھ دیر پہلے تو میں نے سنی تھیں۔۔۔!!'' میمل نے اسے پیچھے ہٹایا۔ اور منہ نیچے کر کے جیسے کچھ سننے کی کوشش کرنے لگی۔

''کچھ سنا؟'' شینل نے اس کا ہاتھ ہلایا۔

''ہاں۔۔۔!! ابھی بھی اس کی آواز سنائی دے رہی ہے۔۔۔!! وہ کہہ رہا ہے۔۔۔!! شینل میرے پاس آؤ۔۔۔!!'' میمل نے کچھ نہیں سنا تھا۔ وہ ایسے ہی جان بوجھ کر کہہ رہی تھی۔

''مگر مجھے تو کچھ بھی سنائی نہیں دے رہا ہے۔۔۔!!'' شینل نے اس کو بازو سے پکڑ کر پیچھے کھینچ لیا۔ اور خود کھائی میں دیکھنے لگی۔ میمل نے وہاں آگے پیچھے دیکھا۔ وہاں ان دونوں کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔ کافی دیر تک غور کرنے کے بعد اچانک شینل کو واقعی میں ایک آواز سنائی دی۔

''آ جاؤ۔۔۔!! میرے پاس آ جاؤ۔۔۔!! میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔۔۔!!'' شینل نے خوشی کے مارے پیچھے کھڑی میمل کو دیکھا۔

''میمل۔۔۔!! تم ٹھیک کہہ رہی تھی۔۔۔!! میں نے بھی آواز سن لی ہے۔۔۔!!'' میمل نے کچھ نہیں سنا تھا۔ اب وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ رہی تھیں۔ وہ چونک گئی۔

''کیا سنائی دیا۔۔۔!!'' میمل نے اس سے پوچھا۔

''وہ کہہ رہا ہے۔۔۔!! میرے پاس آ جاؤ۔۔۔!! میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔۔۔!!'' شینل نے سنی آواز اس کے سامنے دہرائی۔

''تو چلی جاؤ ناں۔۔۔!!'' میمل نے انتہائی سخت لہجے میں اسے کہا۔

''میں کوئی پاگل تھوڑی ہوں۔۔۔!! جو صرف ایک آواز کے پیچھے چلی جاؤں گی۔۔۔!!'' شینل نے نفی میں گردن ہلائی۔ میمل کی آنکھوں میں اس کا عکس نظر آ رہا تھا۔

''مگر میں تو ہوں ناں۔۔۔!!'' میمل نے قہر بھرے لہجے میں کہا تو شینل کچھ سمجھ نہ پائی۔

''کیا مطلب؟ میں سمجھی نہیں۔۔۔!!'' شینل نے دوبارہ مڑ کر دیکھا۔ اب وہ کھائی میں دیکھ رہی تھی۔ اور میمل آگے پیچھے دیکھ رہی تھی۔ اس نے اچانک پیچھے دونوں ہاتھ پھیلائے۔ اور شینل کو زوردار دھکا دے دیا۔ دوسرے لمحے شینل توازن برقرار نہ رکھ سکی۔ اور کھائی میں گرتی چلی گئی اور میمل قہقہے لگا کر ہنس رہی تھی۔

''لو ہواؤں کی سیر کرو۔۔۔!! کوئی ملنے کے لیے تم سے بہت بے چین ہے۔۔۔!! تمہیں پا کر اس کو چین مل گیا ہوگا۔۔۔!!'' میمل نے گرتی شینل سے کہا۔ وہ کب کی نیچے گرتی چلی گئی تھی۔ گرتے وقت اس کی آنکھوں میں حیرانی تھی پھر وہ گھر کی طرف چلی گئی۔

☆......☆......☆

ادھر شینل کھائی میں گرتی جا رہی تھی۔ نیچے پہنچنے سے پہلے اچانک وہ کسی کی بانہوں کے حصار میں سما گئی۔ وہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ جس نے اسے تھام لیا تھا۔ مگر اسے محسوس ہو رہا تھا۔ اب وہ نیچے نہیں گر رہی تھی۔ وہ ہوا میں بالکل ساکت و جامد کسی کی بانہوں میں تھی۔ مگر اس نے حیرت سے چاروں طرف دیکھا۔ پھر وہ ڈر گئی۔ وہ اگر مزید چند فٹ نیچے گرتی، تو پتھروں سے لگ کر پاش پاش ہو جاتی۔ اس کی آنکھوں میں حیرانی تھی۔ انجانے وجود نے اسے آرام سے پتھروں پر لٹا دیا۔

''کون ہو تم؟'' اپنے حواسوں پر قابو پاتے ہی شینل نے اس سے پوچھا۔

''میں ایک جن ہوں۔۔۔!! میرا نام اسواک ہے۔۔۔!! آج سے پچاس سال قبل اسی گھپا میں ایک جادوگر نے مجھے قید کر دیا تھا۔۔۔!! اس نے شرط یہی رکھی تھی۔۔۔!! میری آزادی ایک ہی صورت میں ممکن ہو سکتی ہے۔۔۔!! اور وہ تھی۔۔۔!! کہ کوئی لڑکی مجھ سے بات کرے۔۔۔!! پچاس سال سے میں اوپر پہاڑ پر رہنے

پاکستانی پوائنٹ ڈاٹ کام

والوں کو پکارتا رہا ہوں، مگر کسی نے میری آواز کا جواب نہیں دیا۔ مجھے لگا کہ کبھی کوئی میری بات کا جواب نہیں دے گا۔۔۔!! پھر ایک دن تم نے میری آواز کو سنا۔۔۔!! جیسے ہی تم نے سنا۔۔۔!! میرے ہاتھوں کی زنجیر موم کی مانند پگھل گئی۔۔۔ دوسری مرتبہ بات کرنے پر میری زنجیریں موم بن کر پگھل گئیں۔۔۔!! بس صرف ایک بک نما کنڈا میرے گلے میں رہ گیا۔۔۔!! اور وہ پگھل نہیں رہا تھا۔۔۔!! کیونکہ اس کے لیے یہی شرط تھی۔۔۔!! کہ مجھے سننے والا پہاڑ سے کود جائے۔۔۔!! اور جیسے ہی تم پہاڑ سے کودی۔۔۔ تو میرے گلے کا بک ایک دم غائب ہو گیا۔۔۔!! اور میں آزاد ہو گیا۔۔۔!! اس لیے میں فوراً تمہیں بچانے کے لیے باہر آیا۔۔۔!! اگر میں ایک لمحے کی بھی دیری کر دیتا۔۔۔!! تو تم مر سکتی تھی۔۔۔!!"

"اور اگر تم دیری کر دیتے۔۔۔!! مجھے بچا نہ پاتے تو؟" شینل نے ڈرتے ہوئے اس سے پوچھا۔

"تو میں واپس قید ہو جاتا۔۔۔!! اور تب تک قید رہتا۔۔۔!! جب تک میں کسی دوسری لڑکی سے بات نہ کر لیتا۔۔۔!! اور پھر جب تک وہ میری آواز سن کر پہاڑ سے کود نہ جاتی۔۔۔!!" اسواک نے کہا۔

"کیا اب تم مجھے واپس پہنچا سکتے ہو؟" شینل نے نرم سے لہجے میں کہا۔

"ہاں۔۔۔!! مگر تم میری محسن ہو۔۔۔!! اگر تمہیں مجھ سے کوئی کام ہو۔۔۔!! تو تم مجھے کبھی بھی بلا سکتی ہو۔۔۔!!"

"ہاں۔۔۔!! یہ اچھا رہے گا۔۔۔!! مگر میں تمہیں کیسے بلاؤں گی؟" شینل نے آواز کی سمت دھیان لگا کر پوچھا۔

"تم میرا نام لے کر بلانا۔۔۔!! میں آجاؤں گا۔۔۔!!!" اسواک نے کہا۔

"کیا میں تمہیں دیکھ سکتی ہوں؟" شینل نے قدرے آہستہ انداز اپنایا تھا۔ کیونکہ وہ ڈر بھی رہی تھی۔

"نہیں۔۔۔!!" اسے اسواک کی آواز سنائی دی۔

"کیوں؟ مجھے تم لوگوں کو دیکھنے کا بہت شوق ہے۔۔۔!!" شینل نے اشتیاق دکھایا۔

"ابھی نہیں پھر کبھی میں تمہیں اپنا چہرہ دکھا دوں گا۔۔۔!! مگر ہمارے چہرے اتنے پیارے نہیں ہوتے ہیں۔۔۔!! کہ تم دیکھ کر خوشی محسوس کر سکو۔۔۔!!" اسواک کی آواز سنائی دی۔ شینل نے اثبات میں سر ہلایا۔

"اچھا۔۔۔!! اب تم مجھے پہاڑ کے اوپر چھوڑ آؤ۔۔۔!!" شینل نے دیکھنے کی کوشش کی، مگر اس گپھا میں اچھا خاصہ اندھیرا تھا، اچانک اسے جیسے کسی نے بچے کی طرح بانہوں میں بھر لیا۔ وہ ہوا میں معلق ہو گئی۔ اب وہ گپھا سے باہر نکل رہی تھی۔ اسواک اسے اڑائے جا رہا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ پہاڑ کے بالکل کنارے سے ابھر آئی، اس کے بال لہرا رہے تھے۔ اسواک نے اسے احتیاط سے رکھا۔ اور پھر اس سے مخاطب ہوا۔

"ابھی میں اسی دنیا میں ہوں۔۔۔!!! اگر تم کو کوئی کام ہو۔۔۔!! مجھے بلا لینا۔۔۔!! میرا نام یاد تو ہے ناں۔۔۔!!" اسواک کی آواز سنائی دی۔

"ہاں اسواک۔۔۔!!" شینل نے فوراً کہا دیا۔

"پھر ملاقات ہو گی۔۔۔!!" ہوا کا ایک جھونکا شینل کے پاس سے گزرا۔ وہ گھر کی طرف جانے لگی۔ مگر وہ الجھن میں مبتلا تھی۔ کیونکہ وہ بہت ڈر گئی تھی۔ اسے یقین نہیں آرہا تھا۔

"میمل نے مجھے پہاڑ سے نیچے دھکا دے کر مارنے کی کوشش کی۔ مگر کیوں؟" وہ الجھ گئی۔ مگر اسے کچھ سمجھ نہ آئی۔

"مگر میں بھی میمل کو بخشنے والی نہیں ہوں۔ میں اسے دیکھ لوں گی۔۔۔!!" اس نے کہا۔ اور گھر کے گیٹ سے اندر داخل ہو گئی۔ اس نے لاکھ سوچا۔ مگر اس کے کچھ میں کچھ نہ آیا۔ اب وہ کچھ اور سوچ رہی تھی۔ اسے رات کا انتظار تھا۔

☆.....☆.....☆

رات تک میمل اپنے کمرے میں چپکی پڑی رہی۔ اس کے گھر کا دروازہ جو کوئی بھی بجاتا۔ وہ سمجھتی۔ کوئی نہ کوئی شینل کو ڈھونڈتے اس کے گھر تک آ گیا ہے۔ مگر رات تک وہ الجھن کا شکار ہو گئی۔ ایک بار بھی کوئی شینل کو پوچھنے نہیں آیا۔ وہ کئی بار چپکے چپکے دروازے تک آئی۔ اسے لگا شینل کے گھر سے شور کی آوازیں آئیں گی۔ مگر ایک بار بھی ایسا کچھ بھی نہ ہوا۔

دوسری طرف شینل اپنے کمرے میں بیٹھ کر سوچ رہی تھی۔

"میں میمل کو ڈرا دوں گی۔۔۔!! وہ سمجھتی ہے۔۔۔!! مجھے مار دیا۔۔۔!! رات کے اس پہر مجھے دیکھے گی۔۔۔!!! تو مجھے میری روح سمجھ کر خوب ڈر جائے گی۔۔۔!! کیوں نہ میں اس کام میں اسواک کی مدد لوں۔۔۔!!" اس نے دل ہی دل میں خود سے کہا۔ اب اس نے اسواک کو بلانا تھا۔ شینل رات کے اندھیرے میں ہاتھ میں لالٹین پکڑے گھر سے باہر نکل آئی، اس کے سارے گھر والے خواب کے مزے لے کے سو رہے تھے۔ اس نے سفید لباس پہن رکھا تھا۔ اس نے بال کھلے چھوڑ دیے تھے۔ اس کا لباس بہت لمبا تھا۔ دوپٹہ اس نے کندھوں پر ڈال رکھا تھا۔ اس لیے اس کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔ وہ زمین سے لگ رہا تھا۔ اب وہ میمل کے گھر کے پچھلے دیوار کی طرف چلی آئی۔ اچانک اس نے اسواک کو آواز دی۔

"اسواک مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔۔۔!!" اس نے جیسے ہی کہا۔ ایک سرد ہوا کا جھونکا اس کے آر پار گزر گیا۔ اس کے کھلے بال اڑنے لگے۔ اور وہ دوپٹہ کسی جھنڈے کی طرح لہرا گیا۔

"کیا کام ہے؟" اسواک کی آواز سنائی دی۔

"مجھے میری دوست کو ہدروح بن کر ڈرانا ہے۔۔۔!! میں چاہتی ہوں۔۔۔!! تم اس کام میں میری مدد کرو۔۔۔!!" اس نے اسواک سے کہا۔

"کیسی مدد۔۔۔!!" اسواک نے پوچھا۔

میں جیسے اس دیوار کے پاس اس کے کمرے میں جاؤں۔۔۔!! جب وہ مجھے دیکھے۔۔۔ تو میں غائب ہو جاؤں۔۔۔!! کبھی گھر کے باہر اسے دکھائی دینے لگوں۔۔۔!! کبھی گھر کے اندر۔۔۔!! اور کبھی ہوا میں اسے اڑتی ہوئی نظر آؤں۔۔۔!!"

"ٹھیک ہے۔۔۔!! جیسا تم چاہتی ہو۔۔۔!! ویسا ہی ہو گا۔۔۔!!" اسواک نے کہا۔

"میں۔۔۔!! اپنا کھیل کھڑکی سے شروع کرتی ہوں۔۔۔!! یہ اس کے کمرے کی کھڑکی ہے۔۔۔!!" شینل نے کہا۔ کھڑکی کے شیشے پر دستک دی۔

میمل جو بے سدھ سی اپنے کمرے میں سوئی ہوئی تھی۔ اس نے اپنی آنکھیں کھول لیں۔ اور چاروں طرف دیکھنے لگی۔ اچانک اسے اپنے کمرے کی کھڑکی کے باہر لالٹین کی روشنی نظر آئی۔ وہاں ایک لڑکی کا ہاتھ دکھائی دے رہا تھا۔ جو شیشے پر دستک دے رہا تھا۔ میمل ڈر سی گئی۔ وہ حیران سی بستر سے اٹھی۔ اور کھڑکی کے پاس جانے لگی۔ اچانک باہر ماحول میں خوفناک سی چیخ کی آواز سنائی دی۔ وہ کانپنے لگی۔ ڈر کے مارے اس کا برا حال تھا۔ وہ پھر بھی ہمت کرتے ہوئے، کھڑکی تک چلی گئی۔

"کک کون ہے؟" اب وہاں بالکل خاموشی تھی۔ صرف لالٹین کی روشنی نظر آ رہی تھی۔ اس نے باہر دیکھا۔ تو ڈر کے مارے کانپ کر رہ گئی۔ لالٹین بنا کسی سہارے کے ہوا میں معلق نظر آ رہی تھی۔ اچانک لالٹین نے ہلنا شروع کر دیا۔ اور پھر اس کو ایک ہاتھ نظر آیا۔ جو کسی لڑکی کا تھا۔ اب وہ لڑکی دھوئیں کی مانند دھیرے دھیرے نظر آنے لگی تھی۔ مگر اس کا دھڑ نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ بنا دھڑ والی لڑکی قدم قدم اس کی طرف آ رہی تھی۔ وہ ڈر کے مارے بھاگ کے دیوار سے لگ گئی۔ اس کے پسینے چھوٹ رہے تھے۔ وہ پریشانی سے پاؤں کے بل بیٹھتی چلی گئی۔ اس کو یقین نہیں آ رہا تھا۔ وہ پریشانی سے یہاں وہاں دیکھنے لگی۔

اچانک ایک دم وہ لڑکی اس کے کمرے میں آ گئی۔ میمل کی دل کی دھڑکن زور سے دھڑکنے لگی۔ وہ

حیرانگی سے لالٹین پکڑے بنا دھڑ والی لڑکی کو دیکھ رہی تھی۔اچانک اس کا دھڑ بھی اب نمودار ہونا شروع ہو گیا۔وہ اسے دیکھ کر اچھل پڑی۔وہ شینل تھی۔وہ ہوا میں اڑ رہی تھی۔جیسے وہ کوئی روح ہو۔وہ کبھی غائب ہوتی، کبھی نظر آجاتی۔کبھی باہر گھومتی، کبھی کمرے میں ظاہر ہوجاتی۔ ایک دم سے وہ اس کے سامنے بیٹھی ہوئی ظاہر ہوگئی تو میمل چیخی۔

''شین۔۔۔!!شینل۔۔۔!!تت۔۔۔تم۔۔۔!!'' وہ کھڑی حیران لہجے میں اسے دیکھ کر بولی۔

''ہاں۔۔۔!!''شینل نے اثبات میں سر ہلایا۔اب وہ پھر سے زمین سے چند فٹ اوپر کھڑی تھی۔اور اسے غصے سے دیکھ رہی تھی۔اس کے ایک ہاتھ میں لالٹین تھی۔

''میں۔۔۔!! تم سے بدلہ لینے آئی ہوں۔۔۔!!''شینل قدم قدم اس کی طرف بڑھنے لگی۔

''مم۔۔۔!! مجھے معاف۔۔۔!!مجھے معاف کردو۔۔۔!!مجھے سمجھانے کا موقع تو دو۔۔۔!!میں بتانا چاہتی ہوں۔۔۔!!میں نے جان بوجھ کر تمہیں دھکا نہیں دیا۔۔۔!!''میمل نے اس کے سامنے ہاتھ جوڑے۔وہ پسینے میں بھیگ گئی تھی۔

''میں تمہیں اپنے پاس لے جانے آئی ہوں۔۔۔!!''اس نے میمل کی طرف ہاتھ بڑھایا۔اسے گردن سے پکڑا،اور اٹھانا شروع کردیا۔اچانک شینل اس کے ہاتھ لگتے ہی،وہ ڈر کے مارے بے ہوش ہوکر ڈھے گئی۔شینل نے اسے اٹھایا۔اور پلنگ پر ڈالا۔یہ جو کچھ ہوا تھا۔اسواک نے کیا تھا۔شینل اس کو تاسف سے دیکھ رہی تھی۔اب وہ اپنے گھر جارہی تھی۔اس نے اسواک کو واپس بھیج دیا تھا۔

☆......☆......☆

میمل کی صبح سویرے آنکھ کھل گئی۔اس نے ارد گرد دیکھا۔وہ پلنگ پر لیٹی ہوئی تھی۔رات والا خوفناک منظر اس کی نگاہوں میں گھوم گیا۔وہ کانپنے لگی۔وہ سوچنے لگی۔وہ حیران تھی کہ وہ بستر پر کیسے آگئی۔

''میں بستر پر کیسے آئی۔۔۔!!میں تو کمرے کے کونے میں بے ہوش ہوگئی تھی۔۔۔!!''اس نے اپنا سر ہاتھوں سے تھام لیا۔وہ پورے کمرے پر طائرانہ نگاہیں دوڑاتی ہوئی اٹھ گئی۔وہ کھڑکی تک آگئی۔مگر ہر طرف سکون تھا۔

''کیا رات کو شینل کی بدروح آئی تھی،یا پھر میں نے خواب دیکھا تھا۔۔۔!!''وہ حیرانگی سے کھڑکی میں کھڑی باہر دیکھ رہی تھی۔

''مگر شینل کے گھر والے کیوں خاموش تھے؟یہاں رات تک اگر جوان لڑکی گھر سے غائب ہو جائے۔۔۔!!تو بات بڑے سرکار تک پہنچ جاتی ہے۔۔۔!!مگر ابھی تک کوئی بھی نہیں آیا ہے۔۔۔!!''میمل نے حیرت سے سوچتے ہوئے کہا۔اچانک کمرے کا دروازے بجنے لگا۔وہ ایک سیکنڈ کے لیے ڈر کر اچھل گئی۔وہ دروازے کو دیکھنے لگی۔

''لگتا ہے۔۔۔!!شینل کے گھر والوں کو معلوم ہو گیا ہے۔۔۔!!''وہ مزید پریشان ہوگئی۔اور خوفزدہ نظروں سے دروازے کو دیکھنے لگی۔

''ارے۔۔۔!!اٹھ جاؤ۔۔۔!!کم بخت۔۔۔!! کل تیری شادی ہے۔۔۔!!آج آخری دن سمجھ کر میرے ساتھ گھر کے کاموں میں ہاتھ ہی بٹا لے۔۔۔!!بس کمرے میں ساری دنیا سے جیسے لڑ جھگڑ کر بیٹھ گئی ہے۔۔۔!!شادی سے پہلے لڑکیاں ماں کے پیروں سے نہیں ہٹتی ہیں۔۔۔!!''باہر سے اس کی ماں کی آوازیں آئیں۔وہ دروازہ کھول کر باہر آگئی۔اور منہ ہاتھ دھونے باتھ روم میں چلی گئی۔جب وہ باہر نکلی تو اس کی ماں چاول چن رہی تھی۔

''کل شادی ہے۔۔۔!! آج آزادی ہے۔۔۔!!یہ بھی اپنے طور پر گزار نہیں سکتی ہو۔۔۔!!''وہ بڑبڑا رہی تھی۔

''اے کیا خود سے بڑبڑ کررہی ہے؟''اس کی ماں نے کھڑے تیوروں سے گھورا۔

''ماں۔۔۔!! رات کو شینل کے گھر والے

اسے ڈھونڈنے تو نہیں آئے تھے۔۔۔!!''وہ ماں کے پاس بیٹھ گئی۔

''نہیں۔۔۔!! کیوں شینل کو کیا ہوا ہے؟''ماں چاول چھوڑ کر اسے دیکھنے لگی۔

''رات کو اس کی بدروح میرے کمرے میں آئی تھی۔۔۔!!ماں۔۔۔!!وہ مجھے مارنا چاہتی تھی۔۔۔!!مگر میں بے ہوش ہوگئی۔۔۔!!پتہ نہیں رات کو وہ کیا چاہتی تھی۔۔۔!!''اس کی بات سن کر ماں نے قہقہہ لگایا۔جیسے اس نے کوئی لطیفہ سنایا ہو۔

''مگر شینل تو زندہ ہے۔۔۔!!اس کی روح کہاں سے آگئی۔۔۔!!''اس کی ماں نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

''مگر شینل نے تو خودکشی کی تھی۔۔۔!!''وہ الجھ کر وضاحت کرنے لگی۔

''تو پاگل تو نہیں ہوگئی ہے۔۔۔!!وہ کتنی کیوں خودکشی کرنے لگی؟ورنہ اس کے گھر سے واویلے کی آوازیں آتیں۔۔۔!!''اس کی ماں نے اسے گھٹنے پر مارا۔

''مجھے لگتا ہے۔۔۔!!رات کو اس نے خودکشی کی ،اور پھر اس کی بدروح میرے کمرے میں آکر مجھے ساری رات ڈراتی رہی۔۔۔!!وہ تو میں بے ہوش ہو گئی۔۔۔!!تو اس کی بدروح چلی گئی۔۔۔!!''وہ کانپنے لگی۔اور ڈرتے ڈرتے ماں سے کہا۔

''تو نے ضرور کوئی سپنا دیکھا ہے۔۔۔!!مگر تو ایسا کر یہ سب بھول جا۔۔۔!!سپنے کونسے حقیقت کا روپ ہوتے ہیں۔۔۔!!تو یہ چاول چن۔۔۔!!میں آگ جلا کر آتی ہوں۔۔۔!!''اس کی ماں نے چنداں اہمیت اس کی بات کو نہ دی۔اور رسوئی خانے میں جا گھسی۔جب آگ جلا کر وہ باہر نکلی،تو میمل اسی طرح گم صم بیٹھی ہوئی تھی اور چاول جوں کا توں پڑا تھا۔

''کم بخت۔۔۔!!ایک کام دیا تھا۔۔۔!!وہ بھی نہ کرسکی۔۔۔!!اچھا ہے۔۔۔!!تو دفع ہوجائے اس گھر سے۔۔۔!!میری بلا سے جہنم میں جائے۔۔۔!!''ماں نے چاول اُٹھا کر اسے صلواتیں سنائی۔اور رسوئی خانے میں گھس گئی۔وہ تھر تھر کانپ رہی تھی۔اس کے ذہن پر شینل کا بدروح سوا ہوچکا تھا۔

☆......☆......☆

رات کے وقت ہر طرف اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ شینل بے چینی سے کھڑکی میں کھڑی باہر دور تک پھیلے ہوئے تاروں کو دیکھ رہی تھی۔وہ اپنے باپ کی ساری باتیں سن چکی تھی۔وہ حیران بالکل بھی نہیں ہوئی تھی،مگر وہ پریشان تھی۔وہ کچھ بھی نہیں کرسکتی تھی۔

''جس دن میرا اچھا سا رشتہ مل گیا۔۔۔!!میرا باپ میرا بوجھ سر سے اتار پھینکنے میں ایک لمحے کی دیری نہیں لگائے گا۔۔۔!! وہ جیسا بھی ہوگا۔۔۔!! لولا، لنگڑا،کانا،بہرا،بوڑھا،مرگی والا،مجھے اس کے ساتھ چلتا کردے گا۔۔۔!!''وہ خود سے بولنے لگی۔

''عزام مرد ہے۔۔۔!!وہ کچھ بھی نہیں کرسکتا ہے۔۔۔!!تو پھر میں ایک کمزور سی لڑکی کیا کرسکتی ہوں۔۔۔!!''آنسو اس کی آنکھ سے نکلا۔اور رخسار پر بہتا ہوا چلا گیا۔وہ کچھ دیر آسمان کے کالے رنگت کو دیکھتی رہی۔پھر اس نے اسواک کو بلایا۔

''اسواک مجھے تم سے ضروری کام ہے۔۔۔!!''اچانک اس کے ارد گرد سرد ہوا کے جھونکے لہرائے۔

''جی کام بتایئے۔۔۔!!''اسے اسواک کی آواز سنائی دی۔

''میں آج پھر اسی لڑکی میمل کو روح بن کر ڈرانا چاہتی ہوں۔۔۔!!جیسا اسے کل ڈرایا تھا۔۔۔!!!''اس نے کہا۔

''میرے خیال میں آپ کو ایسا نہیں کرنا چاہیے۔۔۔!!کل بھی اس لڑکی کا بے ہوش ہوجانا اس بات کا اشارہ تھا کہ اگر اسے حد سے زیادہ ڈرادیا۔۔۔!!تو شاید اس کا دل بند ہوجائے گا۔۔۔!!اور وہ مرجائے گی۔۔۔!!کل بھی اس کی ذہنی حالت خراب ہوگئی تھی۔۔۔!!اور آج بھی سارا دن وہ اسی وہم وگمان میں گزار چکی ہوگی۔۔۔!!اگر ہم اسے مزید ڈرائینگے تو اس کا

دل کام کرنا بند کردے گا۔۔۔!!'' امسواک نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

''ٹھیک ہے۔۔۔!! تم جاؤ۔۔۔!! سمجھانے اور مشورہ دینے کا شکریہ۔۔۔!!'' کچھ دیر سوچنے کے بعد شنیل نے اس سے کہا۔ اب وہاں سکون تھا۔ وہ چلا گیا تھا۔ وہ کچھ دیر کمرے میں بے چینی سے چکراتی رہیں۔ پھر کچھ سوچ کر بیٹھ گئی۔

☆.....☆.....☆

اس نے لالٹین اٹھایا۔ اس کو روشن کیا۔ اور گھر سے باہر نکل آئی۔ وہ میمل کے پاس جارہی تھی۔ اس سے ملنے، مگر آج اسے ڈرانا نہیں چاہتی تھی۔ اس سے پوچھنا چاہتی تھی۔ اسے اس کھائی میں دھکا کیوں دیا۔ وہ تیزی سے میمل کے گھر کی طرف جارہی تھی۔ کچھ دیر بعد وہ میمل کی کھڑکی کے پاس کھڑی تھی۔ اس نے شیشے پر دستک دی۔ میمل لالٹین کی روشنی میں کمرے کے کونے میں سکڑی سی بیٹھی کانپ رہی تھی۔ جیسے ہی کمرے کی کھڑکی پر دستک کی آواز آئی۔ وہ ڈر کے مارے کانپنے لگی۔

''وہ آگئی۔۔۔!! مجھے اپنے ساتھ لے جانے کے لیے۔۔۔!! وہ مجھ سے انتقام لینے آگئی۔۔۔!!'' اس کے ہونٹ کپکپا رہے تھے۔ وہ جیسے ڈر کر اٹھی۔ اچانک کھڑکی پر دستک ہوئی۔ کھڑکی کی چٹخنی نہیں لگائی تھی۔ جیسے ہی شنیل نے کھڑکی پر دباؤ ڈالا۔ وہ کھل گئی۔ اور اسی لمحے ڈر کے مارے میمل مڑ کر دیوار سے لگ گئی۔ جیسے وہ دیوار میں سما جانا چاہتی ہو۔

''میمل۔۔۔!! میں ہوں۔۔۔!! شنیل۔۔۔!! باہر آؤ۔۔۔!!'' شنیل نے اس کو دیکھا۔ وہ کانپ رہی تھی۔ وہ ڈر گئی۔ وہ شنیل کو بدروح سمجھ رہی تھی۔

''تم چلی جاؤ۔۔۔!! میں ابھی مرنا نہیں چاہتی۔۔۔!! تم بدروح ہو۔۔۔!!'' میمل نے ڈرتے ہوئے کہا۔

''میں کوئی بدروح نہیں ہوں۔۔۔!! زندہ بالکل سلامت تمہارے سامنے کھڑی ہوں۔۔۔!! تم سے ملنے آئی ہوں۔۔۔ تم سے کچھ پوچھنے آئی ہوں۔۔۔!!''

''نہیں۔۔۔!! نہیں۔۔۔!! تم بدروح ہو تم کل بھی آئی تھی۔۔۔!!'' وہ ہسٹریائی انداز میں چیخنے لگی۔

''میمل۔۔۔!! تم نے کل خواب دیکھا ہوگا۔۔۔!! میں تم سے ملنے آئی ہوں۔۔۔!! آخر تم کیوں ڈر رہی ہو۔۔۔!!'' شنیل نے منت سے کہا۔

''میرے قریب مت آؤ۔۔۔!! میں مر جاؤں گی۔۔۔!! تم تو کھائی میں گر گئی تھی۔۔۔!! تم وہاں سے کیسے بچ سکتی ہو؟'' میمل نے قدرے اس کا نرم لہجہ دیکھا، تو اپنا خدشہ بیان کردیا۔

''وہی تو۔۔۔!! تمہیں سمجھانے آئی ہوں۔۔۔!! میں کھائی میں نہیں گری تھی۔۔۔!! ایک درخت کی شاخوں میں پھنس کر بچ گئی تھی۔۔۔!! تم نے مجھے دھکا دیا تھا۔۔۔!! مگر میں نہیں گری۔۔۔!! میں درخت کی شاخوں سے لپٹ گئی تھی۔۔۔!! وہ درخت کچھ ہی نیچے اُگا ہوا تھا۔ اور میرے چیخنے پر جب تم نہیں آئی۔۔۔!! کتنی دیر میں اسی درخت پر بیٹھی چیختی رہی۔۔۔!! مدد کے لیے پکارتی رہی۔۔۔!! تب وہاں سے کسی راہ گیر امسواک نامی شخص کا گزر ہوا۔۔۔!! اس نے مجھے درخت سے اتارنے میں مدد کی۔۔۔!!'' کھڑکی کے پاس کھڑی کھڑے اس نے میمل سے جھوٹ بولا۔

''شنیل۔۔۔!! مجھے معاف کردو۔۔۔!! کل میری شادی ہے۔۔۔!!'' وہ ڈرتے ڈرتے شنیل کے پاس آگئی۔

''کیا میں کھڑکی کے راستے کمرے میں آسکتی ہوں۔۔۔!!'' شنیل نے اس سے پوچھا۔ کیونکہ میمل سہمی ہوئی بلک رہی تھی اور وہ اسے مزید ڈرانا نہیں چاہتی تھی۔

''ہاں۔۔۔!! آجاؤ۔۔۔!! ویسے بھی کل ہمیشہ ہمیشہ کے لیے میں یہاں سے چلی جاؤں گی۔۔۔!!'' میمل نے اثبات میں سر ہلایا۔ شنیل کھڑکی کے ذریعہ اندر آگئی۔

''تم نے مجھے کیوں کھائی میں دھکا دیا تھا؟'' شنیل نے اس کی آنکھوں میں دیکھ کر سوال کیا۔

''میں نہیں بتا سکتی۔۔۔!!'' میمل نے نگاہیں

نیچے کرلیں۔

''میرا جاننا بہت ضروری ہے۔۔۔!! بتادو۔۔۔!! میں جب سے بچ گئی ہوں۔۔۔!! تب سے یہ بات میرے حلق میں پھندے کی طرح اٹک گئی ہے۔۔۔!! حلق سے نکلتی ہی نہیں۔۔۔!!'' شنیل نے اس کو دیکھا۔ پھر اس کا چہرہ اٹھا کر سامنے کیا۔ میمل کے آنسو چہرے پر بہہ رہے تھے۔

''شنیل۔۔۔!! کل تم بدروح بن کے میرے پاس آئی تھی۔۔۔!!'' میمل نے وہی بات دہرائی۔

''تم نے کوئی خواب دیکھا ہوگا۔۔۔!! میں نہیں آئی تھی۔۔۔!! آج صرف اس لیے آئی ہوں۔۔۔!! کہ میں بچ جان سکوں۔۔۔!! کیونکہ اگر تم نے نہیں بتایا۔۔۔!! تو ساری زندگی پچھتاوا بن کر رہے گا۔۔۔!! کہ دشمن کی پہچان ہی نہیں کر پائی۔۔۔!!'' شنیل نے اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھ دیا۔

''شنیل۔۔۔!! جیسے جیسے میری شادی کے دن قریب آرہے تھے۔۔۔!! مجھے ڈر لگنے لگا تھا۔۔۔!! میں جیسے رخصت ہو رہی ہوں۔۔۔!! اس بات کو میں برداشت نہیں کر سکتی تھی۔۔۔!! مگر جب میں نے تمہارے بارے میں سوچا۔۔۔!! تو یہی احساس ہوا کہ آج میں محبت میں ناکام ہوگئی ہوں۔۔۔!! مجبور ہوگئی ہوں۔۔۔!! بے بس ہوگئی ہوں۔۔۔!! تو ایسا لگا کہ کل تمہارا بھی یہی حال ہوگا۔۔۔!! بس پتہ نہیں۔۔۔!! کیوں یہ خیالات میرے ذہن میں بھر گئے۔۔۔!! اور جب تم نے کہا، کہ تمہیں آوازیں سنائی دیتی ہیں۔۔۔!! تب میرے ذہن میں آیا، شاید نیچے کوئی نئی دنیا ہو۔۔۔!! تم اسی دنیا میں پہنچ جاؤ۔۔۔!! میری جیسی حالت سے بہتر ہے۔۔۔!! تم پہلے ہی یہاں سے چلی جاؤ۔۔۔!!! ورنہ کل تم بھی میری طرح رو رہی ہوگی۔۔۔!! میں تمہیں دوسری میمل نہیں بنانا چاہتی تھی۔۔۔!! میں نے صرف اور صرف تمہیں دوسری میمل سے بچانے کے لیے ایسا کیا تھا۔۔۔!!'' میمل اس کے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ مگر اس نے عزام کا ذکر گول کردیا۔

شنیل آج صبح اپنے باپ اور عزام کی باتیں سن چکی تھی۔ اس لیے کچھ دل برداشتہ سی تھی۔

''بس صرف یہی بات تھی۔۔۔!!'' شنیل نے اسے کچھ دیر رونے دیا، پھر پوچھا۔

''ہاں۔۔۔!! پہلے میں نے سوچا میں خودکشی کرلیتی ہوں۔۔۔!! مگر بعد میں تمہیں دھکا اس لیے دے دیا۔۔۔!! کیونکہ کوئی تمہیں آوازیں دیتا تھا۔۔۔!! مجھے نہیں۔۔۔!! پہاڑوں کی قسم شنیل میں سچ کہہ رہی ہوں۔۔۔!!'' میمل نے اسے جو کچھ کہا۔ وہ سوچ میں پڑ گئی۔

''ٹھیک ہے۔۔۔!! میں نے تمہیں معاف کیا۔ کل رخصتی سے پہلے میں تم سے ملنے آؤں گی۔۔۔!!'' شنیل اس سے جدا ہوگئی۔

''شنیل۔۔۔!! تم نے یہ بات کسی کو بتائی تو نہیں؟'' میمل نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔ شنیل نے نفی میں گردن ہلائی اور اپنی لالٹین اٹھا کر کھڑکی سے باہر نکل گئی۔ میمل حیران سی تھی۔

''میں نے اسے سچ کیوں نہ بتایا۔۔۔!! میں اس سے شدید نفرت کرتی ہوں۔۔۔!! عزام نے اس کی چاہ میں میری محبت ٹھکرائی ہے۔۔۔!! میں ان دونوں کو کبھی ملنے نہیں دوں گی۔۔۔!! پتہ نہیں یہ کیسے میری باتوں سے مطمئن ہوگئی ہے۔۔۔!!'' میمل نے بستر پر لیٹ کر سوچا۔

کیا شنیل اور عزام ایک ہو جائینگے؟ یا پھر میمل کی چالیں رنگ لے آئیں گی۔۔۔!!! کیا میمل اپنی محبت کو حاصل کرنے کے لیے شادی سے انکار کرکے عزام کی زندگی تباہ کر پائے گی۔ کیا امسواک کا چہرہ شنیل دیکھ پائے گی؟ امسواک کیا شنیل کی مدد کرسکے گا۔

قارئین کرام اس خوبصورت و دلکش داستان کا دوسرا اور آخری حصہ آئندہ ماہ پڑھنا نہ بھولئے گا۔۔۔!

نامکمل سوال

مرزا صہیب اکرام-لاہور

نوجوان پتھر کے بت کی طرح اپنے انجام کو دیکھ رہا تھا، اس کا ذہن معصوم تھا مگر سامنے کھڑی عجیب موت کا منظر اس کو اندر تک ہلا اور دہلا رہا تھا۔

آسیبی دنیا میں تہلکہ مچاتی اور خوف کے گرداب میں ڈولتی ہوئی..... عجیب..... کہانی

بچپن میں دیکھے گئے خواب اور بیتی ہوئی حقیقت میں زیادہ فرق نہیں ہوتا۔ دونوں پر کبھی یقین نہیں کیا جاتا۔ بچے کے تمام سچ اس پر گزرے تمام واقعات وہم قرار دے کر اس پر بیتی اذیت کو ہمیشہ نظر انداز کیا جاتا ہے۔ ماں باپ کی بچوں سے محبت کو ٹٹولنا تو گناہ کے زمرے میں آتا ہے۔ کیونکہ یہ وہ رشتے ہیں جن کی اپنائیت احساس اور پیار میں کوئی غرض شامل نہیں ہوتی۔ بچوں کے ننھے ذہنوں میں جنم لینے والے سوالوں کے تمام جوابات کا ذمہ بھی والدین کے پاس ہوتا ہے۔ جب ماں باپ ہی بچوں پر گزری ہولناک راتوں کو مذاق سمجھیں تو بچوں کی تکلیف کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔

شہروز کا بچپن عام بچوں کی طرح ہی تھا۔ بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹا، سب سے لاڈلا اور سب سے زیادہ شرارتی تو وہ تھا ہی۔ اس کے ساتھ ساتھ نین نقش کے اعتبار سے بھی وہ غیر معمولی خوبصورت اور حسین وجمیل بچہ تھا۔ اس کا دن تو سب بچوں کی طرح خوش گوار گزر رہا تھا۔ مگر اس کی رات عام بچوں کی طرح ہر گز نہیں تھی۔

جمیل انور کی نوکری ان کی تنخواہ اتنی تھی کہ ان کا گزر بسر با آسانی ہو جایا کرتا تھا۔ وہ ایک محنتی ایمان دار اور با اصول انسان تھے۔ ان کا اپنے بچوں کے ساتھ تعلق مشفیقانہ بھی تھا اور دوستانہ بھی۔ ان کی نوکری بہترین انداز میں چل رہی تھی۔ جب ان کا ٹرانسفر قصبہ اعظم گڑھ میں ہوا۔ ان کو محکمہ کی جانب سے ایک بڑا گھر ملا تھا۔ جب ان کا سامان اور ان کی کل متاع ان کے بچے اور بیوی گھر میں پہنچ رہے تھے۔ تب ان کے کانوں سے کچھ ایسی آوازیں ٹکرائیں جو اس گھر کے متعلق تھیں۔

گھر کا نقشہ قدیم طرز کا تھا۔ گھر کے گیٹ سے داخلہ کے بعد سب سے پہلے پورچ آتا۔ اس کے ساتھ داہنی طرف ایک لان آتا۔ گیراج کا خاتمہ اس دروازہ پر ہوتا جہاں سے گھر کا اندرونی حصہ شروع ہوتا۔ کمروں کا ایک جال نظر آتا۔ سب سے خاص بات آخری دو کمرے جن کی کھڑکی گھر کے پائیں باغ میں کھلتی نظر آتی۔ باغ خود کبھی باغ رہا ہوگا۔ مگر اب صفائی کے بعد بھی اس کی حالت میں خاص تبدیلی واقع نہیں ہوئی تھی۔ باغ کے ساتھ بنی دیوار اس قدر نیچی ہونے کی وجہ سے گھر کے پچھلے حصہ کا دیرانہ صاف نظر آتا۔ برگد کا درخت دن کے وقت تو چھاؤں کا ذریعہ محسوس ہوتا مگر رات کا منظر تو ایسا لگتا جیسے ہزاروں سال سے زندہ کوئی روح اپنے جھریوں بھرے وحشت ناک چہرے کے ساتھ اپنے اردگرد کے ماحول پر نحوست بن کر نازل ہونے کو تیار بیٹھی ہو۔ دور سے وہ کوئی ایسی چڑیل لگتی جس کے سارے وجود میں سینکڑوں انسانوں کا لہو شامل ہو۔

کمروں کی تقسیم کے وقت شہروز اور اس کے

سب سے بڑے بھائی کو آخری کمرہ ملا۔ شہروز کو اکثر خواب ایسے آتے جو اس کی سمجھ سے بالاتر ہوتے۔ وہ اپنے ننھے اور معصوم ذہن کو 10 سال کی عمر میں چلانے کی بھرپور کوشش کرتا مگر اس کو کبھی جواب نہ مل پاتے۔

سردیوں کی ایک رات جب ٹھنڈ اور کہر کی شدت سے انسانوں کے ساتھ ساتھ ساری کائنات رکی رکی لگ رہی تھی۔

اچانک شہروز کی آنکھ کھل گئی۔ اس کی نظر کے سامنے کھڑکی اور کھڑکی سے نظر آتا منحوس برگد صاف نظر آرہا تھا۔

جمیل انور نے یہ بات گھر کے تمام افراد سے چھپا رکھی تھی کہ یہی برگد عجیب وغریب واقعات کے لئے مشہور ہے۔

شہروز نے برگد کے درخت کی مریل شاخوں پر کوئی چیز دیکھی۔ جس پر اس کا پہلا گمان کسی انسان کا تھا۔ مگر انسان درخت پر اس طرح نہیں چڑھ سکتا ہے نہ اتر سکتا ہے۔ اچانک وہ عجیب وغریب انسان نما چیز دیوار کے اوپر چڑھ کر باغ میں اتر آئی۔ شہروز صاف دیکھ سکتا تھا وہ چیز چل نہیں رہی بلکہ ہوا میں تیرتی محسوس ہو رہی تھی۔ نوفٹ کے قریب اس کا قد انسانوں جیسا وجود مگر چہرے کے نقوش نہ سمجھ میں آنے والے ہاتھ، بڑے بڑے، پیر ٹیڑھے، بھدے اور زمین سے کچھ بلند، آنکھوں میں ایسی دہشت و ویرانگی تھی کہ جس کو دیکھ کر ننھے معصوم شہروز کا دل سہم گیا۔ کھڑکی کی سلاخوں سے وہ اس طرح گزر گیا جیسے وہاں سرے سے کبھی سلاخ رہی ہی نا ہو۔ شہروز کی سانسیں بلند ہو چکی تھیں۔ اس کا جسم ساقط ہو چکا تھا۔ اس نے پوری طاقت صرف کر کے اپنے ساتھ لیٹے بھائی کو آواز دی مگر اسکی آواز اس کے حلق سے نا نکل سکی۔ وہ ہاتھ اٹھانا چاہتا تھا مگر یہ بھی نہ ہو سکا۔ اس کے ماتھے پر سردی کے موسم میں پسینہ آچکا تھا۔ وہ عجیب چیز اب جیسے رینگ رہی تھی۔ آہستہ آہستہ اس کے پیروں کی طرف سے بستر پر چڑھ آئی۔

ڈرو مت میں تم کو کچھ نہیں کہوں گا۔ یہ آواز شہروز کے کانوں سے ٹکرائی۔ ایسا لگا جیسے ہزاروں فٹ کے گہرے کنوئیں سے بیک وقت لاتعداد انسان ایک ساتھ چیخے ہوں۔ چیخنا تو شہروز بھی چاہتا تھا مگر اس کا وجود جیسے اس کے اختیار سے ہی نکل چکا تھا۔

عجیب چیز کی کرا ہیت آمیز آواز پھر آئی۔ ”میں تم کو کچھ نہیں کہنے آیا۔ مگر یہ باغ یہ برگد یہ گھر یہ کمرہ ہمارا ہے۔ اس کو چھوڑ دو۔ یہاں میرے بچے ہیں۔ جا ادھر سے چلے جا۔ اسے خالی کردو۔ رات کا پر ہول سناٹا جب سانس کی آواز بھی دور تک سنی جاسکتی تھی۔ یہ بلا

بول رہی تھی مگر اس کو سننے کے لئے ننھے شہروز کے علاوہ کوئی نہ تھا۔ بلا کے چہرے پر غصہ نحوست مزید گہرا ہوتا چلا جارہا تھا۔

اچانک اس نے اپنا ہاتھ اٹھایا۔ شہروز کی جان نکلنے والی ہو چلی تھی۔ مگر وہ عجیب ہیبت ناک چیز واپسی کے لئے مڑ گئی۔ کھڑکی کے پاس پہنچ کر ایک لحظہ کے لئے اس نے مڑ کر دیکھا۔ اس کا چہرہ خون آلود تھا۔ پھر وہ باغ میں اتر گئی۔ شہروز کا جسم بھیگ چکا تھا۔ ان کے رونگٹے کھڑے تھے۔ وہ کب سویا یا بیہوش ہوا وہ نہیں جانتا مگر اس کی آنکھ صبح کھلی تو وہ رات کی حقیقت کو بھول نہیں پارہا تھا۔ مگر مبنی حقیقت کو ثابت کرنے کے لئے اس کے پاس کچھ نہیں تھا۔

امی جان میں نے رات باغ میں کوئی چیز دیکھی جو میرے کمرے میں آ کر بستر پر بیٹھی تھی۔ اس کا چہرہ بہت برا اور خون سے بھرا ہوا تھا۔ شہروز نے قصہ ماں کے گوش گزار کردیا۔

ماں پرانے دور کی بھوت پریت پر یقین رکھنے والی سادہ لوح خاتون تھیں۔ وہ فوری اپنے شوہر کے پاس پہنچیں اور سارا واقعہ بیان کردیا۔ جس کو سن کر وہ ہنس کر ٹال گئے۔

☆.....☆.....☆

دن تو کٹ گیا مگر رات کہاں گزرتی۔ رات کے آخری پہر اچانک شہروز ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ وہ جیسے ہی اٹھا اس کی نگہ کسی وجود سے ہوگئی۔ اس کی آنکھیں جب کھلیں تب اس نے دو خوفناک آنکھیں جن میں موت کی سی سنجیدگی اور قہر نظر آرہا تھا اسکو گھور رہی تھیں۔ وہ چیخ اٹھتا مگر اس کے بس میں تو اس کا اپنا جسم بھی نہیں تھا۔ اس کے بستر پر اس کے سامنے اس سے دو قدم کی دوری پر ایسا وحشت ناک چہرہ نظر آرہا تھا جس کو صرف دیکھ پانا بھی اس کے لئے موت کی مانند تھا۔ اس کے جسم سے جان نکلتی جارہی تھی۔ وہ بے بس پرندے کی طرح تھا جس کے پر کاٹ کر اس کو بلی کے آگے ڈال دیا جائے۔ اس عجیب مخلوق نے ہاتھ آگے بڑھا کر شہروز کا ہاتھ تھام لیا۔ اس کو اپنے برف ہاتھوں میں کسی لمس کا احساس ہوا۔ یہ آخری احساس تھا اس کے بعد اسے اگلی صبح ہوش آیا۔

اس نے وہ دن خاموشی سے گزارا۔ رات کو سوتے وقت بڑے بھائی سے اپنا مدعا بیان کیا جس نے چھوٹے بھائی کو پیار سے سلا دیا۔ مگر رات کے کسی پہر شہروز نے اپنے ماتھے پر کچھ محسوس کیا۔ وہ جلدی سے جاگا۔ اس کے چہرے سے ذرا سا اوپر وہی نحوست اس کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

شہروز کے دیکھتے دیکھتے وہ بستر سے اٹھا اور کھڑکی سے باغ میں چلا گیا۔ اس نے شہروز کو اپنے پاس آنے کا اشارہ کیا۔ شہروز مشینی انداز میں اٹھا ابھی وہ کھڑکی کے پاس پہنچا ہی تھا کہ اس کے بڑے بھائی نے اسے آواز دی۔ اچانک یہ طلسم ختم ہوگیا۔ شہروز حیران و پریشان کھڑا رہا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ وہ خوف زدہ بھی تھا اور عجیب سی کشمکش میں بھی تھا۔ بڑے بھائی نے فوری اٹھ کر اسے گلے لگایا۔ وہ صاف محسوس کررہا تھا کہ شہروز کی حالت معمول سے ہٹ کر ہے۔ وہ پسینے میں بھیگا ہوا تھا۔ اس نے بات کرنی چاہی مگر شہروز کی تو جیسے آواز کہیں کھو گئی تھی۔

اگلی صبح جب نسیم بیگم تک یہ قصہ پہنچا تو ان کا تو جیسے کلیجہ منہ کو آ گیا۔ اس کو کچھ سمجھ نہیں آرہی تھی۔ کہ بات سننے کو تیار نہیں تھا۔ بیٹے کی حالت اور یہ عجیب واقعات اس کو پریشان کئے جارہے تھے۔ جب کام والی ماسی آئی تو نسیم بیگم نے اسے پوچھا کہ کیا اس شہر میں کوئی نیک نام بابا یا فقیر ہے جو کہ اللہ والا ہو سکے۔ اس کو ایک مسئلہ درپیش ہے مگر وہ صرف نیک بزرگ کو بتانا چاہتی ہے۔ کام والی ماسی نے فوراً ہی ایک چند پتے لکھوا دیئے۔

اسکول سے واپسی پر نسیم بیگم شہروز کو اپنے ساتھ لے کر ایک بزرگ کے پاس پہنچ گئیں۔ بزرگ کے استفسار پر شہروز نے مکمل قصہ بیان کردیا۔ بزرگ نے چند عمل کرکے تسلی کے ساتھ ان کو واپس کردیا۔

شام کے وقت شہروز کھیلتا کھیلتا باغ کی جانب جا

نکلا۔ باغ اس وقت اداس اداس لگ رہا تھا۔ جیسے اس کی کوئی سہانی چیز اس سے چھن گئی ہو۔ شہروز نے پچھلی طرف کا چھوٹا دروازہ کھولا اور باہر نکل آیا۔ اس طرف اجالا بھی کم ہی آتا تھا۔ خالی اجڑے ویرانے سے آگے درختوں کے جھنڈ تھے۔ جن کی طرف کسی کا گزر نا تھا۔ میکانی انداز میں گم سم شہروز اس ویرانے کی جانب چلا جا رہا تھا جیسے کوئی انجانی طاقت اسے بلا رہی ہو۔ جب وہ درختوں کے جھنڈ کے اندر پہنچا اسے کسی کی آواز سنائی دی جیسے کوئی سرگوشی کے انداز میں کچھ بڑبڑا رہا ہو۔ وہ آواز کی جانب چل پڑا۔ تھوڑے فاصلے پر اسے ایک عجیب الخلقت بابا نظر آیا۔ جو پھٹے پرانے کپڑوں میں ملبوس تھا۔ اسکا لباس جگہ جگہ سے تار تار تھا۔ اس نے شہروز کو اشارے سے پاس بلایا۔ شہروز خاموشی سے چلتا ہوا اس کے پاس پہنچ کر بیٹھ گیا۔ اس بے شہروز کے سر پر ہاتھ رکھ کر کچھ پڑھا اور بلند آواز میں کہا جا یہاں سے۔ واپس چلا جا۔

شہروز کو جیسے ہوش آ گیا۔ وہ گردوپیش کو دیکھ کر گھبرا گیا۔ اس نے گھر کی جانب دوڑ لگا دی۔ بھاگتا بھاگتا گھر کے دروازے پر پہنچا۔ جب پلٹ کر دیکھا تو وہاں پر کوئی نفس موجود نہیں تھا۔

☆.....☆.....☆

وہ رات اور اگلی کئی راتیں پرسکون انداز میں گزر گئیں۔ پھر ایک رات جب سب لوگ شہروز کی جانب سے مطمئن ہو چکے تھے۔ اچانک شہروز جاگ اٹھا۔ باغ میں کچھ شور تھا۔ اس نے کمبل سے منہ باہر نکالا۔ کھڑکی سے باہر کا منظر صاف نظر آرہا تھا۔ شہروز خاموشی سے اٹھ کر کھڑکی کے پاس آ گیا۔ باہر وہ عجیب بلا جیسے کوئی کھیل کھیل رہی تھی۔ ایک طرف سے دوسری طرف بھاگتی پھر رہی تھی۔ اچانک اس بلا نے چھلانگ لگا کر کھڑکی پر حملہ کردیا۔ شہروز کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ مگر اس کی آواز کہیں دب چکی تھی۔ وہ خوفناک بلا اس کے سامنے سے جیسے غائب ہوگئی۔ وہ حیرت انگیز انداز میں سارے باغ میں دیکھتا رہا مگر ناکام رہا۔ وہ واپس کے

ماہنامہ ڈر ڈائجسٹ کی دستیابی

محمدی نیوز ایجنسی
لاری اڈہ میانوالی
0304-6248291

معصوم نیوز ایجنسی
اسٹیشن روڈ جھنگ صدر
PH:0300-9528023

مشتاق نیوز ایجنسی
مریم روڈ پرانا نواب شاہ
PH:0301-2306571

عوامی نیوز ایجنسی
کنگن پور ضلع قصور
0300-6119870

آصف میگزین سینٹر
منڈی بہاؤالدین

سلطان ندیم کتاب گھر
ریلوے روڈ دنیا پور ضلع لودھراں

خوشبو ڈائجسٹ سینٹر
نواب آباد واہ کینٹ

بک کارنر شوروم
بمقابل اسٹریٹ جہلم

لئے مڑا ہی تھا کہ اسکی نظر بستر پر پڑی۔ بستر پر وہ منحوس بلا براجمان تھی۔ اس کے بے رحم چہرے پر ایسی کیفیت تھی جس کو الفاظ میں ادا نہیں کیا جا سکتا۔ اس کا آدھا چہرہ بالوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے اس کے کریہہ چہرے سے خون کے لوتھڑے گر رہے ہوں۔ شہروز دھڑام سے زمین پر گرا اور بے ہوش ہو گیا۔

ماں بیٹے کی حالت دیکھ کر جان چکی تھی کہ کچھ بھی ٹھیک نہیں ہے۔ شوہر سے پھر بات ہوئی۔ بات بحث تک گئی۔ مگر نتیجہ کچھ نہ نکلا۔ ماں کا دل موم کا ہوتا تو ارادہ فولاد کا۔ ماں نے اپنے زور بازو پر انحصار کر کے بیٹے کے اس مسئلہ کو حل کرنے کا سوچا۔ اپنے بھائی کو بلا کر اس کے سامنے سارا مدعا بیان کیا۔ بھائی نے سارا احوال سنا تو ایک ہی مشورہ دیا۔ آپا اس کو فوری وادی سیرن لے جانا چاہیے۔ وہاں ایک بہت بڑے بزرگ رہتے ہیں۔ وہاں جا کر ضرور اس مسئلہ کا کوئی مثبت حل نکلے گا۔

رخت سفر باندھ کر چھ گھنٹے کے طویل سفر کے بعد بلا آخر نسیم بیگم اپنے لخت جگر کو لے کر منزل پر پہنچ گئیں۔ بابا جی تک رسائی ہوئی۔ مسئلہ بیان کیا۔ بابا جی نے بچے کو دیکھا۔ اور پھر بچے کی کہی گئی داستان پر سچ کی مہر لگا دی۔ کچھ پڑھ کر دیا۔ کچھ تعویز دیئے۔ کچھ دعائیں کیں۔ کچھ عملیات کئے۔

اگلے دن نسیم بیگم مطمئن انداز میں گھر پہنچیں۔ ان کو اب سکون تھا کہ مسئلہ حل ہو جائے گا۔

جمیل انور نے اس واقعے کو خاموشی سے سنا مگر خاص ردعمل نا دیا۔ وہ کسی گہری سوچ میں غرق تھے۔ بھوت پریت پر یقین نا ہونے کے باوجود ان کو اپنے بیٹے کی حالت تو نظر آ رہی تھی۔ شہروز دن بہ دن کمزور ہو گیا تھا۔ وہ ہر وقت سہما سہما پریشان نظر آتا۔ اس کے کھیل بند ہو گئے تھے۔ اسکی شرارتوں کی جگہ طویل خاموشی نے لے لی تھی۔

اٹھتے بیٹھتے آتے جاتے اس کو وہ منحوس بلا نظر آ جاتی۔ اس کی آنکھوں میں بے شمار سوال دیکھتا۔ کبھی انتقام کی آگ دیکھتا۔ کبھی خون دیکھتا۔ مگر یہ سب صرف اسکو نظر آتا۔

☆.....☆.....☆

ایک رات سردی اپنے عروج پر تھی۔ دھند کی چادر نے ہر چیز کو چھپا دیا تھا۔ ہاتھ کو ہاتھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ شہروز بستر پر خاموش لیٹا چھت کو گھور رہا تھا۔ جب اس نے چھت سے دیوار کی جانب کوئی سایہ رینگتے دیکھا۔ اس کا خون خشک ہو گیا۔ سایہ دیوار سے زمین پر اتر آیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے سایے نے جسم کی شکل دھار لی۔ وہی چہرہ وہ کراہیت وہ غصہ وہی نفرت شہروز کے سامنے تھی۔ شہروز بیہوش نہیں ہوا مگر اس کے رونگٹے کھڑے تھے۔ سردی میں جب جسم جم رہے تھے اس کا جسم پانی چھوڑ رہا تھا۔

وہ بلا آہستہ آہستہ چلتی یا گھسٹتی ہوئی بیڈ کے پاس آ گئی۔ اس نے جب لب کھولے تو بدبو کا ایک تھپیڑا شہروز کی ناک سے ٹکرایا۔ شہروز بس بت بنا اس منحوس بلا کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے پاؤں زمین سے یوں بلند تھے جیسے وہ محو پرواز ہو۔ مگر وہ گھبراہٹ بھی صاف محسوس ہوا تھا۔

ہاتھوں کی بناوٹ عام انسان ہاتھ سے الگ تھی۔ ہاتھ ایسے تھے جیسے گوشت کو پیس کر چھوڑ دیا گیا ہو۔ خون آلود ہاتھ گوشت کے بڑے بڑے لوتھڑے محسوس ہو رہے تھے۔ اس کا چہرہ آدھا نظر آ رہا تھا۔ مگر آدھا بھی ایسا تھا جیسے کسی نے کلہاڑی کے وار سے دو حصوں میں تقسیم کیا ہو۔ اس کے چہرے کے نظر آنے والے حصے میں ایک آنکھ نظر آ رہی تھی۔ جس سے آگ نکلتی محسوس ہو رہی تھی۔

''جو مجھے کرنا ہے وہ میں کر لوں گا۔'' اچانک اس کے کھلے منہ سے آواز نکلی۔ ایسا لگا جیسے کسی تاریک کنوئیں سے کسی کو ذبح کیا جا رہا ہو۔ آواز دور سے آتی مگر چیختی ہوئی آ رہی تھی۔

''تم میری بات سنو۔ تم سب کو وہی کرنا ہوگا جو ہوتا آیا ہے۔ ورنہ کچھ باقی نہیں بچے گا۔''

شہروز پتھر کے بت کی طرح بس اپنے انجام کو

دیکھ رہا تھا۔ اس کا ذہن معصوم تھا۔ مگر سامنے کھڑی عجیب موت کا منظر اس کو اندر تک ہلا رہا تھا۔

ایک دم ہوا کے جھونکے سے کھڑکی کے دونوں پٹ کھلے۔ کھڑکی سے کوئی اندر کودا۔ چلنے کی آواز ایسے آ رہی تھی جیسے وزنی سامان زمین پر گھسیٹا جا رہا ہو۔ ایک لمحہ بعد شہروز کے بستر کے ارد گرد دو عجیب الخلقت چیزیں کھڑی تھیں۔ ان کے ہاتھ بڑھنا شروع ہوئے۔ بڑھتے بڑھتے وہ ہاتھ شہروز کے گلے تک آ گئے۔۔

جب شہروز کو ہوش آیا۔ دن نکل چکا تھا۔ کھڑکی کھلی تھی۔ اس کو گردن سے عجیب سی گندی بدبو اس کے نتھنوں تک آ رہی تھی۔ وہ اٹھا اس نے فرش پر مختلف نشانات دیکھے۔ اس کے بستر سے گندی بساند اٹھ رہی تھی۔ وہ جلدی جلدی نہانے گیا۔ شاور کے نیچے جب وہ کھڑا ہوا۔ پانی اس کے جسم سے جب ٹکرا کر نیچے گر رہا تھا تو ایسا لگا جیسے سارے باتھ روم میں گندگی پھیل رہی ہو۔ ہر طرف گوشت کے خون آلود لوتھڑے بکھر رہے تھے۔ وہ اس سے قبل کہ چیخ مارتا۔ سب غائب ہو گیا۔ ایسے جیسے یہ سب نظر کا فریب تھا۔

نہا کر ناشتے کی میز پر آیا۔ اسکو ہر طرف سے عجیب سی گندگی کا احساس ہو رہا تھا۔ مگر وہ کچھ بھی سمجھنے سے قاصر تھا۔ ماں بیٹے کی حالات جانچ چکی تھی۔ وہ چپ چاپ اسے دیکھتی رہی۔

☆.....☆.....☆

سردیوں کی چھٹیاں تو ہو چکی تھیں۔ شہروز اس کی ماں اور سب بھائی اپنے ماما کے پاس چلے گئے۔ ایک ہفتہ مزے سے گزار کر نسیم بیگم نے گھر کی راہ لی۔

گھر پہنچی تو ایسا لگا جیسے وہ گھر صدیوں سے کبھی صاف نہیں ہوا۔ آس پڑوس کے لوگوں سے جمیل انور کا پوچھا تو پتا چلا وہ تین دن سے ہسپتال میں ہیں۔ ہر کوئی حیران و پریشان تھا۔ سب فوری ہسپتال پہنچے۔ جمیل انور کو ایک بستر پر پڑے پایا۔ وہ بیمار کمزور اور لاغر نظر آ رہے تھے۔ نسیم بیگم دل کا حال جان چکی تھی۔ اس لئے بس خاموشی سے آنسو بہاتی اپنے شوہر کے پاس بیٹھ کر ان کا ہاتھ تھام لیا۔

مم میں نہیب جانتا نسیم بیگم کیا ہوا، کیسے ہوا، میری یہ حالت کیسے ہوئی۔ میں یہاں کیسے آیا۔ مگر شہروز کی ہر بات سچ تھی۔ پھر وہ خاموش ہو گئے۔ نہ کوئی سوال ہوا نہ جواب آیا۔

دو دن بعد وہ صحت یاب ہوئے۔ فوری گھر پہنچے۔ سامان اٹھوا کر لوڈ کروا کر بچوں کو لے کر گھر سے باہر نکل آئے۔ شہروز مڑ مڑ کر دیکھ رہا تھا۔ ایک بوڑھا برگد کے پاس سے دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں صرف شہروز کو نظر آ رہی تھیں۔

جمیل انور کے ساتھ کیا گزرا یہ ایک راز رہا۔ مگر اب وہ شہروز کے مسائل کو جان چکے تھے۔ اور مسائل کا حل بھی تلاش کر چکے تھے۔ انہوں نے گھر کے ساتھ ساتھ شہر بھی تبدیل کر دیا۔

وہ مکان آج بھی کبھی کبھی آباد ہوتا ہے۔ مگر چند دن بعد پھر اس پر ویرانی ڈیرے ڈال لیتی ہے۔ بہت سے لوگوں کا جنس ان کو وہاں لے کر جاتا ہے مگر ہمیشہ سوال پہلے سے بڑھ جاتا ہے۔ ہر سوال کا جواب کبھی کسی کو نہیں مل پاتا۔ جن پر گزر گئی وہ ہمیشہ اس احساس کو اپنے اندر سمو لیتے جو ان پر بیتا ہوتا۔ مگر جو اس کرب سے نا گزرا ہوتا اس کے لئے یہ بس مذاق ہی ہوتا۔ مگر یہ کبھی رکا نہیں۔

معصوم شہروز اب جوان ہو چکا ہے مگر اس کے بچپن کے وہ تمام خواب یا حقیقتیں اس کے ذہن میں محفوظ ہیں۔ گردن کا نشان اس کے تمام درد تازہ رکھتا ہے۔ مگر اب وہ پرسکون زندگی جی رہا ہے۔ اسے نہیں معلوم وہ سب کیا تھا۔ کیا اس نے اپنی زندگی کے کچھ دن ایسی چیزوں کے ساتھ گزارے جن کا قصہ وہ کسی کو سنا بھی نہیں سکتا۔ سچ تھا یا جھوٹ وہ اس کا اپنا تھا۔ اسی لئے وہ ہمیشہ اس کے ذہن کے نہاں خانوں میں زندہ رہا۔

لئے مڑا ہی تھا کہ اسکی نظر بستر پر پڑی۔ بستر پر وہ منحوس بلا براجمان تھی۔ اس کے بے رحم چہرے پر ایسی کیفیت تھی جس کو الفاظ میں ادا نہیں کیا جا سکتا۔ اس کا آدھا چہرہ بالوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے اس کے کریہہ چہرے سے خون کے لوتھڑے گر رہے ہوں۔ شہروز دھڑام سے زمین پر گرا اور بے ہوش ہوگیا۔

ماں بیٹے کی حالت دیکھ کر جان چکی تھی کہ کچھ بھی ٹھیک نہیں ہے۔ شوہر سے پھر بات ہوئی۔ بات بحث تک گئی۔ مگر نتیجہ کچھ نہ نکلا۔ ماں کا دل موم کا ہوتا تو ارادہ فولاد کا۔ ماں نے اپنے زور بازو پر انحصار کر کے بیٹے کے اس مسئلہ کو حل کرنے کا سوچا۔ اپنے بھائی کو بلا کر اس کے سامنے سارا مدعا بیان کیا۔ بھائی نے سارا احوال سنا تو ایک ہی مشورہ دیا۔ آپا اس کو فوری وادی سیرن لے جانا چاہیے۔ وہاں ایک بہت بڑے بزرگ رہتے ہیں۔ وہاں جا کر ضرور اس مسئلہ کا کوئی مثبت حل نکلے گا۔

رخت سفر باندھ کر چھ گھنٹے کے طویل سفر کے بعد بالآخر نسیم بیگم اپنے لخت جگر کو لے کر منزل پر پہنچ گئیں۔ باباجی تک رسائی ہوئی۔ مسلہ بیان کیا۔ باباجی نے بچے کو دیکھا۔ اور پھر بچے کی کہی گئی داستان پر سچ کی مہر لگا دی۔ کچھ پڑھ کر دیا۔ کچھ تعویز دیئے۔ کچھ دعائیں کیں۔ کچھ عملیات کئے۔

اگلے دن نسیم بیگم مطمئن انداز میں گھر پہنچیں۔ ان کو اب سکون تھا کہ مسئلہ حل ہو جائے گا۔

جمیل انور نے اس واقعے کو خاموشی سے سنا مگر خاص ردعمل نا دیا۔ وہ کسی گہری سوچ میں غرق تھے۔ بھوت پریت پر یقین نا ہونے کے باوجود ان کو اپنے بیٹے کی حالت تو نظر آ رہی تھی۔ شہروز دن بہ دن کمزور ہو گیا تھا۔ وہ ہر وقت سہما سہما پریشان نظر آتا۔ اس کے کھیل بند ہو گئے تھے۔ اسکی شرارتوں کی جگہ طویل خاموشی نے لے لی تھی۔

اٹھتے بیٹھتے آتے جاتے اس کو وہ منحوس بلا نظر آ جاتی۔ اس کی آنکھوں میں بے شمار سوال دیکھتا۔ کبھی انتقام کی آگ دیکھتا۔ کبھی خون دیکھتا۔ مگر یہ سب صرف اسکو نظر آتا۔

☆......☆......☆

ایک رات سردی اپنے عروج پر تھی۔ دھند کی چادر نے ہر چیز کو چھپا دیا تھا۔ ہاتھ کو ہاتھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ شہروز بستر پر خاموش لیٹا چھت کو گھور رہا تھا۔ جب اس نے چھت سے دیوار کی جانب کوئی سایہ رینگتے دیکھا۔ اس کا خون خشک ہو گیا۔ سایہ دیوار سے زمین پر اتر آیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے سایے نے جسم کی شکل دھار لی۔ وہی چہرہ وہ کراہیت وہ غصہ وہی نفرت شہروز کے سامنے تھی۔ شہروز بیہوش نہیں ہوا مگر اس کے رونگٹے کھڑے تھے۔ سردی میں جب جسم جم رہے تھے اس کا جسم پانی چھوڑ رہا تھا۔

وہ بلا آہستہ آہستہ چلتی یا گھسٹتی ہوئی بیڈ کے پاس آ گئی۔ اس نے جب لب کھولے تو بدبو کا ایک تھپیڑا شہروز کی ناک سے ٹکرایا۔ شہروز بس بت بنا اس منحوس بلا کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے پاؤں زمین سے یوں بلند تھے جیسے وہ محو پرواز ہو۔ مگر وہ گھسٹتی بھی صاف محسوس ہوا تھا۔

ہاتھوں کی بناوٹ عام انسان ہاتھ سے الگ تھی۔ ہاتھ ایسے تھے جیسے گوشت کو پیس کر چھوڑ دیا ہو۔ خون آلود ہاتھ گوشت کے بڑے بڑے لوتھڑے محسوس ہو رہے تھے۔ اس کا چہرہ آدھا نظر آ رہا تھا۔ مگر آدھا بھی ایسا تھا جیسے کسی نے کلہاڑی کے وار سے بیچ سے دو حصوں میں تقسیم کیا ہو۔ اس کے چہرے کے نظر آنے والے حصے میں ایک آنکھ نظر آ رہی تھی۔ جس سے آگ نکلتی محسوس ہو رہی تھی۔

''جو مجھے کرنا ہے وہ میں کر لوں گا۔'' اچانک اس کے کھلے منہ سے آواز نکلی۔ ایسا لگا جیسے کسی تاریک کنوئیں سے کسی کو ذبح کیا جا رہا ہو۔ آواز دور سے آتی مگر چیختی ہوئی آ رہی تھی۔

''تم میری بات سنو۔ تم سب کو وہی کرنا ہوگا جو ہوتا آیا ہے۔ ورنہ کچھ باقی نہیں بچے گا۔''

شہروز پتھر کے بت کی طرح بس اپنے انجام کو

دیکھ رہا تھا۔ اس کا ذہن معصوم تھا۔ مگر سامنے کھڑی عجیب موت کا منظر اس کو اندر تک ہلا رہا تھا۔

ایک دم ہوا کے جھونکے سے کھڑکی کے دونوں پٹ کھلے۔ کھڑکی سے کوئی اندر کودا۔ چلنے کی آواز ایسے آ رہی تھی جیسے وزنی سامان زمین پر گھسیٹا جا رہا ہو۔ ایک لمحہ بعد شہروز کے بستر کے اردگرد دو عجیب الخلقت چیزیں کھڑی تھیں۔ ان کے ہاتھ بڑھنا شروع ہوئے۔ بڑھتے بڑھتے وہ ہاتھ شہروز کے گلے تک آ گئے۔

جب شہروز کو ہوش آیا۔ دن نکل چکا تھا۔ کھڑکی کھلی تھی۔ اس کو گردن سے عجیب سی گندی بدبو اس کے نتھنوں تک آ رہی تھی۔ وہ اٹھا اس نے فرش پر مختلف نشانات دیکھے۔ اس کے بستر سے گندی بساندھ اٹھ رہی تھی۔ وہ جلدی جلدی نہانے گیا۔ شاور کے نیچے جب وہ کھڑا ہوا۔ پانی اس کے جسم سے جب ٹکرا کر نیچے گر رہا تھا۔ اسے ایسا لگا جیسے سارے باتھ روم میں گندگی پھیل رہی ہو۔ ہر طرف گوشت کے خون آلود لوتھڑے بکھر رہے تھے۔ وہ اس سے قبل کہ چیخ مارتا۔ سب غائب ہو گیا۔ ایسے جیسے یہ سب نظر کا فریب تھا۔

نہا کر ناشتے کی میز پر آیا۔ اسکو ہر طرف سے عجیب سی گندگی کا احساس ہو رہا تھا۔ مگر وہ کچھ بھی سمجھنے سے قاصر تھا۔ ماں بیٹے کی حالات جانچ چکی تھی۔ وہ چپ چاپ اسے دیکھتی رہی۔

☆......☆......☆

سردیوں کی چھٹیاں تو ہو چکی تھیں۔ شہروز اس کی ماں اور سب بھائی اپنے ماما کے پاس چلے گئے۔ ایک ہفتہ مزے سے گزار کر نسیم بیگم نے گھر کی راہ لی۔

گھر پہنچی تو ایسا لگا جیسے وہ گھر صدیوں سے کبھی صاف نہیں ہوا۔ آس پڑوس کے لوگوں سے جمیل انور کا پوچھا تو پتا چلا وہ تین دن سے ہسپتال میں ہیں۔ ہر کوئی حیران و پریشان تھا۔ سب فوری ہسپتال پہنچے۔ جمیل انور کو ایک بستر پر پڑے پایا۔ وہ بیمار کمزور اور لاغر نظر آ رہے تھے۔ نسیم بیگم دل کا حال جان چکی تھی۔ اس لئے بس خاموشی سے آنسو بہاتی اپنے شوہر کے پاس بیٹھ کر ان کا ہاتھ تھام لیا۔

مم میں نہیب جانتا نسیم بیگم کیا ہوا، کیسے ہوا، میری یہ حالت کیسے ہوئی۔ میں یہاں کیسے آیا۔ مگر شہروز کی ہر بات سچ تھی۔ پھر وہ خاموش ہو گئے۔ نہ کوئی سوال ہوا نہ جواب آیا۔

دو دن بعد وہ صحت یاب ہوئے۔ فوری گھر پہنچے۔ سامان اٹھوا کر لوڈ کروا کر بچوں کو لے کر گھر سے باہر نکل آئے۔ شہروز مڑ مڑ کر دیکھ رہا تھا۔ ایک بوڑھا برگد کے پاس سے دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں صرف شہروز کو نظر آ رہی تھیں۔

جمیل انور کے ساتھ کیا گزرا یہ ایک راز رہا۔ مگر اب وہ شہروز کے مسائل کو جان چکے تھے۔ اور مسائل کا حل بھی تلاش کر چکے تھے۔ انہوں نے گھر کے ساتھ ساتھ شہر بھی تبدیل کر دیا۔

وہ مکان آج بھی کبھی کبھی آباد ہوتا ہے۔ مگر چند دن بعد پھر اس پر ویرانی ڈیرے ڈال لیتی ہے۔ بہت سے لوگوں کا تجسس ان کو وہاں لے کر جاتا ہے مگر ہمیشہ سوال پہلے سے بڑھ جاتا ہے۔ ہر سوال کا جواب کبھی کسی کو نہیں مل پاتا۔ جن پر گزر گئی وہ ہمیشہ اس احساس کو اپنے اندر سمو لیتے جوان پر بیتا ہوتا۔ مگر جو اس کرب سے نا گزرا ہوتا اس کے لئے یہ بس مذاق ہی ہوتا۔ مگر یہ کبھی رکا نہیں۔

معصوم شہروز اب جوان ہو چکا ہے مگر اس کے بچپن کے وہ تمام خواب یا حقیقتیں اس کے ذہن میں محفوظ ہیں۔ گردن کا نشان اس کے تمام درد تازہ رکھتا ہے۔ مگر اب وہ پرسکون زندگی جی رہا ہے۔ اسے نہیں معلوم وہ سب کیا تھا۔ کیا اس نے اپنی زندگی کے کچھ دن ایسی چیزوں کے ساتھ گزارے جن کا قصہ وہ کسی کو سنا بھی نہیں سکتا۔ سچ تھا یا جھوٹ وہ اس کا اپنا تھا۔ اسی لئے وہ ہمیشہ اس کے ذہن کے نہاں خانوں میں زندہ رہا۔

قوسِ قزح

قارئین کے بھیجے گئے پسندیدہ اشعار

خوشی بانٹی ہم تک گئی ہی نہ تھی
قسمت ہماری بنائی گئی ہی نہ تھی
پیدا ہوتے ہی تو سب چھینا گیا تھا
اچھی زندگی ہمیں دکھائی گئی ہی نہ تھی
(احسان الحق......اسلام آباد)

بھولا بھی نہیں جاتا بھلایا بھی نہیں جاتا
دنیا کے دیئے دکھ کو بھلایا بھی نہیں جاتا
مانا کہ قسمت میں ازل سے لکھا تھا دکھ
دل مان نہیں جاتا ،بہلایا بھی نہیں جاتا
(مریم ماہ منیر......لاہور)

قربتوں میں بھی جدائی کے زمانے مانگے
دل وہ بے مہر کہ رونے کے بہانے مانگے
اپنا یہ حال کہ جی ہار چکے لٹ بھی چکے
اور محبت وہی انداز پرانے مانگے
(ایس حبیب خان......کراچی)

کون کہتا ہے کہ محبت برباد کرتی ہے
ارے کوئی کرنے والا ہو تو دنیا یاد کرتی ہے
(افشاں رمضان......راولپنڈی)

تاثیر ہی الٹی ہے اخلاص کے امرت کی
ہم جس کو پلاتے ہیں وہی زہر اگلتا ہے
(انتخاب: ڈاکٹر ندیم......کھڈرو سندھ سے)

اگر رک جائے میری دھڑکن تو اسے موت نہ سمجھنا
کئی بار ایسا ہوا ہے تجھے یاد کرتے کرتے
(شرف الدین جیلانی......ٹنڈوالہ یار)

ہر شب تیری یادوں کے چراغ جلتے ہیں
بندھا کے آس وفا کی لوگ بچھڑ جاتے ہیں
دن رات خوب تماشہ ہوتا ہے عشق میں
قدم قدم پہ یوں بھی فریب ملتے ہیں
(محمد اسلم جاوید......فیصل آباد)

بچھڑنے والوں کو یہ بات کون سمجھائے
دوبارہ لوٹ کے آنے میں اک عمر لگتی ہے

نصیب اچھے نہ ہوں تو خوبصورتی کا کیا فائدہ
دلوں کے شہنشاہ اکثر فقیر ہوا کرتے ہیں
(عامر شہزاد......ننکانہ صاحب)

تیری تصویر کو سینے سے لگا کر روئے
ہم تصور میں تجھے پاس بٹھا کر روئے
تجھ کو سو بار پکارا شب تنہائی میں
اور ہر بار تجھ کو پاس نہ پاکر روئے
(محمد حنیف شاکر......بھاگووالی ننکانہ صاحب)

اک حقیقت سی فردوس میں حوروں کا جواد
حسین انسان سے نمٹ لوں تو وہاں تک دیکھوں
(افتخار احمد......پھلریاں تلونڈی)

کیسے کہہ دوں کہ مجھے چھوڑ دیا ہے اس نے
بات تو سچ ہے مگر بات ہے رسوائی کی
(عائشہ ناز......قصور)

وہ کہیں بھی گیا لوٹا تو میرے پاس آیا
بس یہی بات ہے اچھی مرے ہرجائی کی
(ساجدہ......قصور)

جس ہاتھ سے اس شوخ کی زلفوں کو چھوا تھا
چھپ چھپ کر اس ہاتھ کو ہم چوم رہے ہیں
(محمد عمران......پھلریاں تلونڈی)

آنکھوں کا ہے فریب کہ عکس جمال ہے
آتی ہے کیوں نظر تیری صورت جگہ جگہ
(محمد اسحاق انجم......گنگن پور)

ہم کو کہاں نصیب ہے تیری وفا صنم
ہر وقت سہتے آئے ہیں تیری جفا صنم
صدیوں سے سنتا آیا ہے ساحل یہ لوگوں سے
بے بے وفا، بے وفا، بے وفا صنم
(حسیب ساحل......کوٹ خیرا جھنگ)

وہ بھولتا ہے نہ دل میں اتارتا ہے مجھے
ہمیشہ مار محبت کی مارتا ہے مجھے
میں اس کا لمحہ موجود ہوں مگر وہ شخص
فضول وقت سمجھ کر گزارتا ہے مجھے
(انتخاب: شاہد عرف شمی......ڈرگ روڈ کراچی)

چاند کی دلربا چاندنی ہے کھلی کھلی
تیرے چہرے کی دلکشی ہے کھلی کھلی
میری زیست جو تجھ سے جڑی جڑی
میری خواہش کی خوبصورتی ہے کھلی کھلی
چل آ قریب تجھ کو جی بھر کے دیکھ لوں
میری زندگانی کی خوشی ہے کھلی کھلی
تجھ سے شناسا ہوئی میں جب سے
اسی پل سے دل کی دنیا ہے کھلی کھلی
میرے دل کے دلنشین باغ میں
تمہارے نام کی کلی ہے کھلی کھلی
(شاعرہ۔۔مریم ماہ منیر)

تمہیں یاد قسم سے آئیں گے
جب سامنے تیرے نہ آئیں گے
تب رونا کام نہ آئے گا
جب ہم بھی صنم مرجائیں گے
پھر روتی پھرے گی گلیوں میں
تب بھی واپس نہ آئیں گے
تیرے اشک ہمیں تڑپائیں گے
نہ پھر بھی لوٹ کے آئیں گے
تمہیں نیند صنم نہ آئے گی
تیرا چین بھی لے کے جائیں گے
جب یاد تیری ہمیں آئے گی
تیرے ظلم و ستم یاد آئیں گے
(حسیب ساحل......کوٹ خیرا جھنگ)

دل آباد کہاں رہ پائے اس کی یاد بھلا دینے سے
کمرہ ویران ہوجاتا ہے اک تصویر ہٹا دینے سے
بے تابی کچھ اور بڑھا دی ایک جھلک دکھلا دینے سے
پیاس بجھے کیسے صحرا کی دو بوندیں برسا دینے سے
ہنستی آنکھیں لہو رلائیں، کھلتے گل چہرے مرجھائیں
کیا پائیں بے مہر ہوائیں دل دھاگے الجھا دینے سے
ہم کہ جنہیں تارے بونے تھے ہم کو جنہیں سورج تھے اُگانے
آس لئے بیٹھے ہیں سحر کی، جلتے دیئے بجھا دینے سے
عالی شعر ہو یا افسانہ یا چاہت کا تانا بانا
لطف ادھورا رہ جاتا ہے پوری بات بتا دینے سے
(انتخاب: ایس حبیب خان......کراچی)

میری اداسی کا میرے چہرے سے پتا چلتا ہے
اس کی جدائی سے مجھے میرے درد کا پتا چلتا ہے
اسے اتنے دن نہ دیکھنے سے میری کیا حالت ہوگی؟
اور اس حالت میں میرے دکھوں کا کیا عالم ہوگا؟
وہ خود چلا گیا ہے میرے چہرے کی ہنسی
اور ہونٹوں کی کھلکھلاہٹ لے کے
میری تو جان کے ساتھ ساتھ پوری
کائنات ہی لٹ گئی ہے اسے جاتا دیکھ کر
میں خود پہ حیران ہوں یا پشیمان ہوں!
زبان سے تو کہتی ہوں کہ جانے دو
کچھ نہیں فرق پڑتا مجھے مگر
دل جانتا ہے نام اس کا
بس یہ کہنا چاہتی ہوں اس سے
کہ کبھی چھوڑ کے نہ جانا
تم میری جان ہو اور
جان کے جانے کے بعد ہمیشہ
موت ہی ساتھ رہتی ہے!
(کائنات رشک تنویر......لاہور)

میری کوشش، میری خواہش، میرا خواب تم ہو
میرا حسن، میری آرائش، میرا جمال تم ہو
پوچھتے ہیں لوگ مجھ سے، سوچوں کا محور ہو جو
باتوں میں ہو مہک جس کی، آنکھوں میں ہو چمک جس کی
ہاتھوں کی لکیروں میں جو بسا ہوا ہو

تقدیر کے ہر موڑ پر جو کھڑا ہوا ہو
آمد کی خبر سن کے جس کے لب لرزے ہوئے ہوں
سامنے پا کر جس کو، خوشیوں کی تال پہ
اک عجب رفتار پہ، دل دھڑکا ہوا ہو
ہر ہر نگاہ ہو جس کی منتظر ایسا وہ کون ہو
ہر گھڑی رہتی ہو فکر جس کی، جس کی یاد ستاتی ہو
پل پل اتنا تڑپاتی ہو، تنہائی میں بھی چپکے سے آجاتی ہو
ایسا کوئی ہونا تو چاہیے مگر وہ کون ہو
میری جستجو میری ستائش میرا خیال تم ہو
میری خوبصورتی میرا زیب تن میرا حجاب تم ہو
گویا ہو خوشبو گلاب کی، میں شیریں میرا فرہاد تم ہو
تم ہو تم ہو تم ہی ہو سب کچھ میرے لئے اے عطیہ!
جو پوچھتے ہیں لوگ مجھ سے، ہر اس سوال کا جواب تم ہو
(عطیہ راؤ.....نامعلوم شہر سے)

وہ میرے دل کے گوشہ نشاں میں رہتا ہے
میں سو بھی جاؤں تو میرے خوابوں کے جہاں میں رہتا ہے
اسے کیا معلوم کہ اس کی قدر کیا ہے؟
وہ میری سانسوں کے آشیاں میں رہتا ہے
میرے دل کی زمین پر اس کی محبت ہے اس قدر
کہ چاند بن کے وہ میری آنکھوں میں رہتا ہے
وہ میرے دل کے محل پر قبضہ کرکے پوچھتا ہے
بتاؤ کون تیرے دل کے مکاں میں رہتا ہے
اس کو لگتا ہے کہ اسے کوئی یاد نہیں کرتا
جس کا نام تسبیح کی طرح میری زباں پر رہتا ہے
میری نادان محبت کو دیکھ کر لوگ بھی جھک جائیں آفرین
میری قلم دل کا اس قدر سادہ بیاں سا رہتا ہے
(رابعہ آفرین.....لاہور)

آتش و خوں میں نہائے ہوئے اس منظر سے
ایک جہاں اور بنے گا اسی خاکستر سے
یوں بظاہر بڑے مخلص ہیں ہم اہل بیاں
کون کیا ہے کسے معلوم مگر اندر سے
زینت خانہ مکینوں کا ہے کردار جمیل
قدر و قیمت ہے ہر ایک سیپ کی جس گوہر سے
زلزلے زیر زمیں جو ہیں انہیں کیا کہیے
کس کو اندازہ تخریب بھلایا فکر ہے
زیب تن حسن کے بظاہر ہے تقدس کا لباس
لوگ ہیں آس لگائے اس فتنہ گر سے
اس کی بیچارگی عمر کا ہے اب تک احساس
خیریت پوچھ لی ایک روز جو ایک شوہر سے
نفرتوں نے جسے واجد کیا صحرا آثار
اس زمیں پر بھی کبھی ابر محبت برسے
(پروفیسر ڈاکٹر واجد نگینوی.....کراچی)

پہلے پاس رہ کر کہتا تھا کہ مجھے تم یاد آتے ہو
اب ہو کے جدا کہتا ہے مجھے تم یاد آتے ہو
یہ ملنا ملانا ور ہنسنا ہنسانا یوں ہی تو نہیں تھا
کہتا ہے اب خوابوں خیالوں میں مجھے تم یاد آتے ہو
بچھڑا ایسے کبھی بھول کر بھی یاد نہ کیا
بھلا کر سب کئے وعدے اب کہتا ہے مجھے تم یاد آتے ہو
وہ الہڑ پن کی شوخیاں وہ جوانی کی یادیں
یاد کرکے کہتا ہے مجھے تم یاد آتے ہو
یوں ہی گزری یادوں میں کھو کر سوچتے رہنا
اب دل کو بہلا کر کہتا ہے مجھے تم یاد آتے ہو
ہمیں اب کھو کے کہتا ہے مجھے تم یاد آتے ہو
کس کا ہو کے کہتا ہے مجھے تم یاد آتے ہو
سمندر تھا تو زور و شور سے لہریں اچھالتا تھا
اب قطرہ ہو کے کہتا ہے مجھے تم یاد آتے ہو
ظاہر کرتے تھے جب حال دل تو مسکرا دیتا تھا
اب ہی آنسو بہا کر کہتا ہے مجھے تم یاد آتے ہو
پوچھو نہ شاکر حال دل اس کی بدنصیبی کا
کہ اب سب کچھ گنوا کے کہتا ہے مجھے تم یاد آتے ہو
(محمد حنیف شاکر.....بھاگووالی ننکانہ صاحب)

گزر گئی شب غم یار بھی دل دکھانے آئے
ہجر کی راتوں میں کوئی شمع جلانے آئے
جو کہتے تھے ہم تیرے ہیں آخر ہوئے بیگانے
دل خوش فہم کو امید وفا دلانے آئے

جو خفا ہے ہم سے گزرے موسموں کی طرح
کوئی تو میرے صحن گلشن میں پھول کھلانے آئے
خاموش ہے ساری فضا تیرے جانے سے
یار بھی پرانے قرض وفا کے چکانے آئے
ٹھوکر ایسی کھائی ہم نے تیرے عشق میں جاوید
داغ جدائیوں کے پھر سے کوئی مٹانے آئے
(محمد اسلم جاوید.....فیصل آباد)

کسی کو ہم ہے وفا کا نام دیں کیوں
جرم ہو اپنا کسی کو الزام دیں کیوں
جو بے وفا کے درجے کے بھی قابل نہ ہو
پھر اس شخص کو ایسا مقام دیں کیوں
جس نے ہمیں پیار کا لمحہ بھی نہ دیا
اس کے لیے ہم زندگی تمام دیں کیوں
جاتے وقت جس نے الوداع بھی نہ کہا
ہواؤں کے ذریعے اسے پیغام دیں کیوں
پیاسا سا ہے جو اب بھی پے کے زندگی میری
اسے پھر زندگی کی آخری شام دیں کیوں
جو ہو شہزاد بے وفا ہوگا کبھی باوفا
ایسے کسی کو بے وفا کا نام دیں کیوں
(عامر شہزاد.....ننکانہ صاحب)

آگے کنواں اور پیچھے کھائی ہے
زندگی کہاں مجھے لے آئی ہے
دل بہت برہم ہے کہ
جو قاتل ہے وہ ہی تو مرہم ہے
یہ جو دکھ کی اتھاہ گہرائی ہے
عین خوشی میں کیسے پائی ہے
یار کے ہاتھ..... پیار کے ساتھ
ممکن ہوئی تنہائی ہے
کیا وقت نے یہ گھڑی دکھائی ہے
یا خود میں نے یہ بلائی ہے
کچھ سمجھ نہیں آتا
بس اتنا سمجھ میں آئی ہے
دل کھول کے جینے والوں کی
نہیں کوئی شنوائی ہے
جی جان میں بس دے آیا ہوں
کہ ہوئی بڑی مہنگائی ہے
پر ایسا نہ کہو
مل کر دنیا والوں نے
قیمت خوب لگائی ہے
چند خواب تھے میری کل ہستی
اور مانگ بڑی لگائی ہے
(شیخ معین اختر.....چنیوٹ)

نیاز عشق ہو کیونکر نہ وہ مغرور ہو جائے
جو دیوانہ تمہارے نام سے مشہور ہو جائے
الٰہی کاش میخانے کا یہ دستور ہو جائے
کہ ہر میکش مئے گلفام سے مخمور ہو جائے
اثر اے جذبہ دل کم سے کم اتنا تو پیدا کر
کہ وہ بیدرد لطف خاص پر مجبور ہو جائے
دل بیتاب کہتا ہے کہ منزل پر پہنچ جاؤں
مذاق جستجو کہتا ہے منزل دور ہو جائے
غم دوراں سے گھبرا کر تیری محفل میں آیا ہوں
وہ نغمہ چھیڑ اے مضطرب کہ دل مسرور ہو جائے
(چوہدری قمر جہاں علی پوری.....ملتان)

سرد راتوں کو میرے پاس آتی ہیں تیری یادیں
ہر شب تنہائی میں ستاتی ہیں تیری یادیں
لوٹ کر اب کبھی نہ آئے گا تیرے پاس
ہر شب یہی کہہ کر مجھے رلاتی ہیں تیری یادیں
روز و شب تجھے بھلانے کی کوشش کرتا ہوں
تیرا نام لے کر تڑپاتی ہیں مجھے تیری یادیں
جب کبھی بجھ جاتا ہے تیرے پیار کا دیا
مجھ سے پوچھے بغیر اسے جلاتی ہیں تیری یادیں
فلک بھلانا چاہتا ہوں جس صورت کو
ہر شب وہی صورت دکھاتی ہیں تیری یادیں
(فلک زاہد.....لاہور)

☆☆

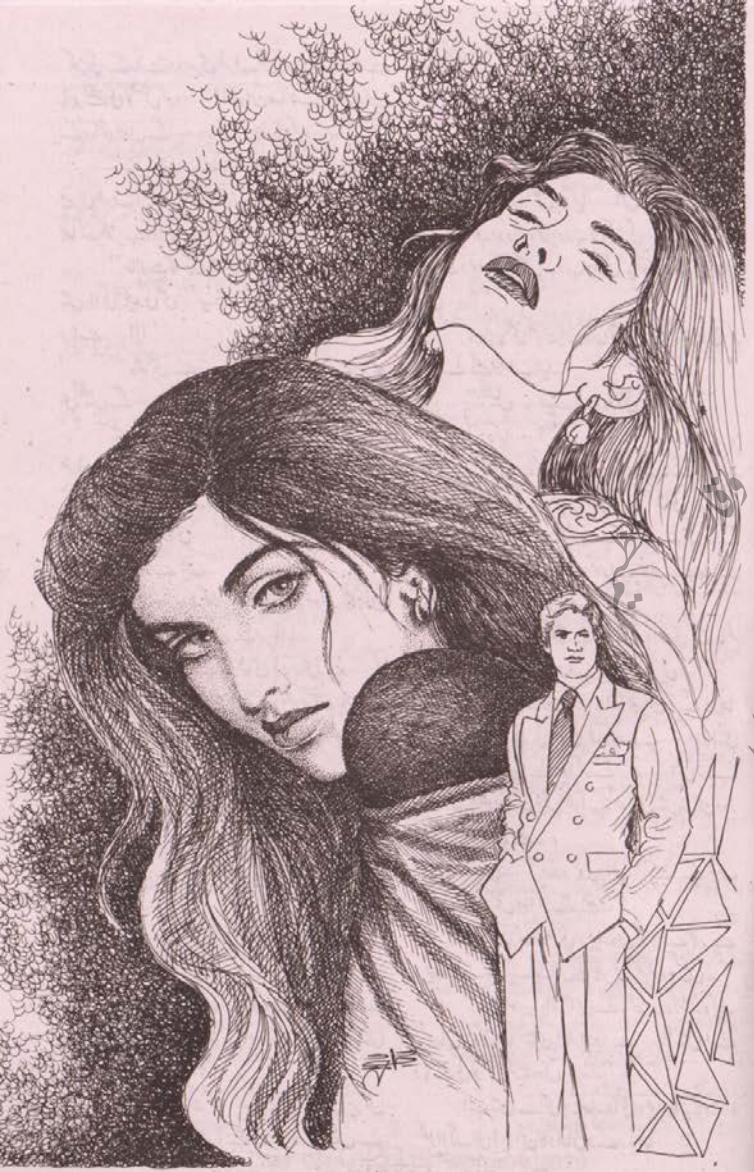

جان لیوا

راشد نذیر طاہر

آخری قسط

برس ہا برس سے پراسرار قوتوں کو مسخر کرنے کے لئے سرگرداں انسانوں کی پراسرار ہولناک داستان حیرت، قدم قدم پر سحر جادو اور عملیات کی حیرت انگیز مناظر پڑھنے والوں کو انگشت بدنداں کرکے اچنبھے میں ڈال دیں گے، ایک بالکل نئے طرز کی حیرت ناک دلوں پر دھشت طاری کرتی کہانی۔

ایک نادیدہ اور پراسرار ہستی کی ہولناک روداد دلوں کی دھڑکنیں تیز کرنے والا سلسلہ

میں نے گھوم کر جبران کی طرف دیکھا، اس نے فوراً ہی جیب میں ہاتھ ڈال کر ریوالور نکال لیا۔

پھر اس نے مجھے اشارہ کیا۔ فوراً ہی شامی بولی۔

''ٹھہرو..... میں چھپ جاتی ہوں.....!!''

''کہاں.....؟''

''ساتھ ہی باتھ روم ہے.....!!'' وہ آہستہ سے بولی۔ ''میں جانتی ہوں کہ یہ وہی لوگ ہیں.....!!''

یہ کہہ کر اس نے کمرے کے سرے پر موجود ایک چھوٹا سا دروازہ کھولا اور اس میں گھس گئی۔

ایک بار پھر زور سے دستک دی گئی۔

''بولو تم کون ہو.....؟ جواب دو.....!!'' میں نے پھر پکارا۔

عین اسی وقت ایک عجیب اور بھیانک قسم کی آواز گونج کر رہ گئی۔ یہ آواز ایسی تھی جیسے کسی جانور کا نرخرہ کاٹ دیا گیا ہو اور پھر اس سے جو آواز پیدا ہوتی ہے، یہ ہو بہو ایسی آواز تھی۔

سدو کا چہرہ دھواں دھواں سا ہو گیا۔ وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔ ''اوہ..... یہ کس کی گردن گئی.....؟''

میں خاموش رہا، فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا کہ کیا کروں.....!! ادھر ایک بار پھر دستک ہوئی۔

''کھول دو شکیل.....!!'' جبران سامنے آ گیا: ''میں دیکھ لیتا ہوں۔ تم دروازہ کھول دو.....!!''

اس کی عقابی آنکھیں دروازے پر جمی ہوئی تھیں..... میں نے باآہستگی دروازہ کھول دیا..... ہلکی ہلکی سی چرچراہٹ کے ساتھ یہ بھاری دروازہ کھلتا چلا گیا۔

اگلا لمحہ انتہائی کرب انگیز تھا۔ خود جبران کی آنکھیں پھٹ گئیں۔ سامنے فرش پر دور دور تک سرخ اور گاڑھا خون پھیلا ہوا تھا.....!!

''یہ..... یہ خون کہاں سے آیا.....؟'' سدو بوکھلا کر پیچھے ہٹتا ہوا بولا۔

میں بھی گم صم سا تھا، جبران نے قدم آگے بڑھائے۔ لیکن یہاں اتنا راستہ نہیں تھا کہ وہ خون سے بچ کر باہر نکل سکتا۔

یہ راہداری دور دور تک سنسان پڑی تھی۔ ادھر کمرے میں خالہ شوریٰ اور سائبا کی حالت بھی قابل دید تھی.....!!

میں نے کچھ سوچ کر دروازہ بند کر دیا..... پھر میں سدو سے مخاطب ہوا۔

''سدو.....!! شامی کو بھی بلا لو.....!! تم لوگ

کھڑکی کے راستے دوسری طرف نکل کر اس عمارت سے باہر نکلنے کی کوشش کرو.....!! جبران صاحب بھی تم لوگوں کے ساتھ ہوں گے..... جاؤ..... جلدی کرو.....!!"

"یہ کیا کہہ رہے ہو؟ جبران نے حیرت سے میری طرف دیکھا۔ "کیا تم یہ دیکھ رہے ہو کہ ہم لوگ بھاگ کھڑے ہوں.....؟"

"حالات کا یہی تقاضا ہے.....!!" میرے لہجے میں بلا کی سنجیدگی تھی: "یہ مجھے سخت قسم کا شیطانی چکر لگ رہا ہے.....!!!"

"کچھ بھی ہے.....!! ہم لوگ یہاں سے ساتھ ہی نکلیں گے.....!!" جبران نے زور دے کر کہا۔

میں کچھ کہنے ہی والا تھا کہ سدو اس دروازے کی طرف بڑھ گیا، جہاں شامی گھسی تھی۔

اس نے دروازے پر دستک دی اور آواز لگائی: "میڈم شامی.....!! باہر نکل آؤ..... ہم لوگ یہاں سے نکل رہے ہیں۔"

لیکن دروازہ نہ کھلا..... سدو نے سوالیہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔ میں نے سر ہلایا۔

"میرا خیال ہے کہ شامی ڈر رہی ہے.....!! شاید وہ سمجھ رہی ہے کہ دشمنوں نے ہم پر قابو پالیا ہے اور اب وہ ہمارے ذریعے شامی کو باہر نکلوا رہے ہیں.....!!"

"ہاں..... یہ ممکن ہے.....!!" جبران نے سر ہلایا۔

پھر اس نے کونے میں سمٹی ہوئی سائبا کو اشارہ کیا۔

"مس سائبا.....!! تم ذرا شامی کو باہر نکالنے کی کوشش کرو.....!!"

سائبا فوراً ہی اٹھی اور اس نے دروازہ بجاتے ہوئے بلند آواز میں کہا: "سنو شامی! باہر کوئی نہیں ہے..... تم نکل آؤ.....!!"

لیکن دروازہ نہ کھلا، اب میری پیشانی پر بل پڑ گئے۔ میں کچھ سوچ کر آگے بڑھا اور پھر میں نے ایک جھٹکے سے دروازہ کھول دیا.....!!

دوسرا لمحہ حیرت انگیز تھا..... باتھ روم خالی تھا..... اس میں شامی تو کیا..... کسی بکری کا بچہ بھی موجود نہیں تھا.....

میں اندر داخل ہوگیا..... اس چھوٹی سی جگہ میں نہ تو کوئی اور دروازہ تھا اور نہ ہی کھڑکی..... بس چاروں طرف دیواریں تھیں۔ اب سوال یہ تھا کہ شامی کہاں گئی.....؟"

جبران بھی کم حیران نہیں تھا..... پھر کچھ سوچ کر اس نے مجھے مخاطب کیا۔

"شکیل..... ایک بات ہوسکتی ہے.....!!"

"وہ کیا.....؟"

"ممکن ہے کہ یہاں سے کسی تہہ خانے کا راستہ نکلتا ہو۔" جبران نے خیال ظاہر کیا۔ "شامی نے کچھ عرصہ یہاں گزارا ہے۔ ممکن ہے کہ اس نے تہہ خانے کے بارے میں معلوم کرلیا ہو اور اب خوف کے مارے وہ اس میں جا کر چھپ گئی ہو.....!!"

"ہاں..... ہوسکتا ہے۔" میں روا روی کے عالم میں بولا: "لیکن وہ تہہ خانہ اب کیسے ڈھونڈیں.....؟"

"میں دیکھتا ہوں.....!!" جبران آگے بڑھا: "یہ پرانی طرز کی بنی ہوئی عمارت ہے..... اور ایسی عمارتوں میں تہہ خانے ہوا کرتے تھے..... اس زمانے کے لوگ جنگلوں کے پیش نظر اپنے گھروں میں زمین دوز کمرے بنواتے تھے۔"

"ہاں....." سدو بول اٹھا: "پہلے کے لوگ بڑے دور اندیش ہوا کرتے تھے۔"

جبران باتھ روم کی دیواروں کو بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔ پھر ایک جگہ اس کی نظریں جم کر رہ گئیں۔

"یہ دیکھو.....!!" اس نے ہاتھ سے اشارہ کیا۔ "یہاں چوکور سا نشان ابھرا ہوا ہے.....!! میں اسے دبانے کی کوشش کرتا ہوں.....!!"

اب میں نے بھی دیکھا۔ واقعی دیوار کا یہ چھوٹا سا ٹکڑا الگ ہی ڈیزائن کا دکھائی دے رہا تھا.....!!

جبران نے اس نشان کی طرف ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ سدو بول اٹھا:

"ایک منٹ.....!!"

"کیا ہوا.....؟" جبران اس کی طرف گھوما۔

"مجھے..... ڈر لگ رہا ہے.....!!" سدو نے عجب کہی۔

"کیا مطلب.....؟" جبران نے اسے گھورا: "ان عورتوں کے سامنے تم ایسی بات کہہ رہے ہو.....؟"

"ہاں.....!!" سدو سنجیدگی سے بولا: "میں ان ہی کی وجہ سے کہہ رہا ہوں۔"

"کیا مطلب.....؟"

"بس میرا دل کہہ رہا ہے کہ تہہ خانے کا دروازہ اگر یہی ہے، تو اسے بند ہی رہنا چاہئے..... پہلے ان دونوں عورتوں کا تحفظ کیا جائے..... بعد میں کچھ کرتے ہیں.....!!"

"میرا خیال ہے کہ سدو ٹھیک ہی کہہ رہا ہے۔" میں بھی بول اٹھا۔

جبران نے چند لمحے کچھ سوچا اور پھر ایک طویل سانس لے کر بولا:

"ٹھیک ہے..... تم لوگوں کی مرضی.....!!"

پھر وہ گھوما ہی تھا کہ "شرر" کی آواز گونجی اور باتھ روم کی دیوار میں ایک خلا نمودار ہوگیا.....!!

ٹھنڈی ہواؤں کے جھونکے اس خلا سے آتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے.....!!

"یہ ہوا.....!!" جبران نے لمبی سانس کھینچی: اس کا مطلب یہ ہے کہ تہہ خانے کا یہ راستہ باہر کی طرف نکلتا ہے.....!! چلو.....!! موقع اچھا ہے..... ادھر سے ہی فرار کا راستہ اختیار کرتے ہیں.....!!"

"اور اس خون کا کیا کرنا ہے جو دروازے پر پھیلا ہوا ہے؟" سدو نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

"پاگل ہوگئے ہو.....!!" جبران جھنجھلایا: "کیا اسے بھی ساتھ لے کر چلو گے؟"

"میں کچھ اور کہنا چاہتا ہوں۔"

"کیا.....؟"

"اس تہہ خانے میں اترنا خطرے سے خالی نہیں ہے۔"

"اگر یہی سوچتے رہے، تو پھر ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے رہیں گے بلکہ مارے بھی جاسکتے ہیں.....!! نہ جانے یہ سب کیا چکر ہے..... اگر قدرتی طور پر فرار کا راستہ آ گیا ہے تو پھر نکل چلو.....!!"

"یہ چوہے دان بھی ثابت ہوسکتا ہے.....!!" سدو نے گویا آگاہ کیا۔

جبران بھنا اٹھا اور تہہ خانے کی طرف قدم بڑھاتا ہوا بولا۔

"پھر تم لوگ یہاں رکو..... میں جاتا ہوں.....!!"

یہ کہہ کر اس نے آؤ دیکھا اور نہ تاؤ..... آگے بڑھ کر وہ اسی تہہ خانے میں اتر گیا..... اس خلاء میں اندھیرا تھا، جلد ہی جبران سب کی نگاہوں سے اوجھل ہو چکا تھا۔

سدو کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا..... پھر اس نے سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھا:

"اب کیا کریں.....؟"

"ہمارے پاس فی الحال یہی 'سستہ' ہے۔" میں نے طویل سانس لی۔ "میرا خیال ہے کہ کوئی اور بیرونی راستہ اختیار کرنا درست نہیں.....!!"

"چلو پھر..... اتر جاؤ.....!!" سدو نے سر ہلا کر کہا: "جو مقدر میں ہوگا، وہ دیکھا جائے گا.....!!"

اور پھر مجھ سمیت سب ہی تہہ خانے کی طرف بڑھنے لگے..... سب سے پہلے میں نے سدو کو اشارہ کیا، اس کے ساتھ ہی خالہ شوریٰ اور سائبا بھی نیچے اترنے لگیں۔

سب سے آخر میں، میں تھا، اور پھر جیسے ہی میں نے فرش چھوڑ کر تہہ خانے میں پاؤں رکھے، عین اسی وقت میرے عقب میں ایک زوردار دھماکہ ہوا۔

سب ہی اچھل پڑے..... میں جلدی سے گھوما،

تہہ خانے کا دروازہ بند ہو چکا تھا..... یعنی دیوار اب برابر تھی.....!!

☆.....☆.....☆

اندھیرا..... گہرا اندھیرا.....!! ہاتھ کو ہاتھ بھائی نہیں دے رہا تھا..... بس ٹھنڈی ہواؤں کے جھونکے تھے، جو جسموں سے ٹکرا رہے تھے۔

میں نے ہاتھ سے اندھوں کی طرف ٹٹولا اور اپنے ساتھیوں کو پکارنے لگا۔ ''میں ادھر ہی ہوں.....!!'' سدو کی آواز ابھری: ''اور میرا خیال ہے کہ خالہ شوریٰ اور سائبا میرے قریب ہیں.....!!''

''خوب.....!!'' میرے منہ سے نکلا: ''تم کہاں ہو سائبا.....؟''

''آپ کے قریب.....!!'' سائبا کی آواز ابھری: ''میں نے خالہ کا ہاتھ تھاما ہوا ہے.....!!''

''سدو..... کیا تمہارے پاس کوئی ٹارچ نہیں ہے.....؟''

''وہی دیکھ رہا ہوں.....!!'' سدو کی آواز آئی۔ ''لو..... مل گئی.....!!''

ان الفاظ کے ساتھ ہی میرے اردگرد روشنی ہوگئی..... اب میں نے دیکھا کہ جبران کے علاوہ باقی تینوں میرے قریب موجود تھے۔ اور ابھی دور تک سیڑھیاں نیچے جاتی ہوئی دکھائی دے رہی تھیں..... ان سیڑھیوں کے بعد ایک بار پھر اندھیرے کا راج تھا.....!!''

''یہ جبران صاحب کہاں غائب ہو گئے.....؟'' میرے منہ سے نکلا۔

''وہ بہت جلدی میں تھے.....!! بھاگ نکلے.....!!'' سدو نے کہا۔

''وہ ایسا بندہ نہیں ہے جو ساتھ چھوڑ جائے..... خیر.....!! یہاں سے نکلے تو پھر باہر ضرور ملاقات ہوگی.....!!''

''اب کیا کرنا ہے.....!!''

''آگے بڑھو.....!!'' میں نے کہا: ''لیکن ایک دوسرے کے ہاتھ تھام کر رکھو۔ خیال رہے کہ کوئی جدا نہ ہو.....!!''

سیڑھیوں سے اترنے کے بعد ہمارے قدموں کے نیچے فرش تھا، اب میں ان لوگوں کے ساتھ آگے بڑھ رہا تھا۔

ہواؤں کے جھونکے اب بھی چہرے سے ٹکرا رہے تھے، اور عجیب سی تازگی کا احساس ہو رہا تھا.....!!

اس فرش کے دونوں جانب تھوڑے فاصلے پر دیواریں تھیں، گویا یہ تہہ خانہ کسی سرنگ کی طرح تھا.....!!

ٹارچ کی روشنی میں اسی طرح سب کے قدم آگے بڑھتے رہے..... اچانک ہی کچھ فاصلے پر روشنی کی کرنیں پھوٹتی ہوئی محسوس ہوئیں.....!!''

میں چونک سا گیا.....

''یہ..... یہ کیا ہے.....؟'' اس بار سائبا کی آواز گونجی تھی۔

''مقتل گاہ.....!!'' سدو نے لقمہ دیا۔

''کیا مطلب.....؟'' سائبا نے حیرت سے پوچھا۔

میں نے سدو کو گھورا تو اس نے سختی سے اپنے ہونٹ بھینچ لئے۔ پھر میں جلدی سے بولا۔

''یہ شاید باہر نکلنے والے راستے کی روشنی ہے.....!!''

''اوہ.....!!'' سائبا کی آواز میں اطمینان تھا۔

''دھوکا تو مت دو.....!!'' سدو نے میرے کان میں سرگوشی کی۔ ''بیرونی حصے کی روشنی ایسی نہیں ہو سکتی.....!!''

''خاموش.....!!'' میں نے ہونٹوں پر انگلی رکھ دی۔ ''ہراساں کرنے سے بھی کیا حاصل ہوگا..... تسلی کی بات پھر بھی فائدے مند ہوتی ہے.....!!''

اور پھر جلد ہی وہ روشنی ہمارے قریب آ گئی.....!! اب میں نے دیکھا کہ ہمارے سامنے ایک دیو ہیکل دروازہ موجود تھا، یہ روشنی اسی کے اوپر سے پھوٹ رہی تھی۔

اچانک ہی ایک آواز چاروں طرف سے گونجتی ہوئی محسوس ہوئی۔ ''جان لیوا اپنے دوستوں کو خوش آمدید کہتا ہے.....!! اندر آ جاؤ.....!!''

میں تو ہزاروں میں بھی اس کھنک دار آواز کو پہچان سکتا تھا۔ ہاں..... یہ آواز سو فیصد جان لیوا کی تھی۔

☆.....☆.....☆

ہاں..... میرا دیرینہ دوست اور دیرینہ دشمن جان لیوا.....!! جو ہمیشہ سے مجھے زک بھی پہنچاتا ہوا آیا تھا اور کئی بار میرے قدموں میں آسانیاں بھی ڈھیر کر چکا تھا..... مشکلوں اور پریشانیوں سے مجھے چھٹکارا دلانے والا جان لیوا کبھی کبھار خود میری جان کا وبال بھی بن جایا کرتا تھا.....!!

آج پھر اس کی آواز میری سماعت سے ٹکرائی تھی اور کئی قسم کے اندیشے میرے ذہن میں کلبلانے لگے تھے.....!!

سائبا اور خالہ شوریٰ کے چہروں پر پریشانی اور حیرت کا ملا جلا امتزاج دکھائی دے رہا تھا..... البتہ سدو کی حالت قابل دید تھی..... وہ آہستہ سے بولا:

''دیکھا..... آ گئے ناچو بے دان میں!!''

میں نے اسے کوئی جواب نہیں دیا..... چاروں طرف دیکھتے ہوئے ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا:

''کہاں ہو جان لیوا.....؟ سامنے آؤ.....!!!''

''یہ دروازہ تمہارے لئے ہے آقا.....!!''

اس کے لہجے میں نرماہٹ تھی: ''اپنے ساتھیوں سمیت اندر آ جاؤ.....!! میں تمہارا منتظر ہوں.....!!''

میں نے سدو وغیرہ کی طرف ایک نگاہ ڈالی اور بولا:

''میرے ساتھ کچھ اور لوگ بھی ہیں.....!!

ایک قہقہہ بلند ہوا اور پھر کہا گیا:

''کہو تو ان سب کے نام گنوا دوں..... چلے آؤ..... بس جلدی کرو.....!!''

میں نے اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا اور اس دروازے سے اندر داخل ہو گیا۔ اوہ..... کیا حسین و جمیل منظر تھا..... چاروں طرف بہاروں کا سماں تھا۔ چھوٹی چھوٹی سی گلیاں دکھائی دے رہی تھیں، جن میں پھولوں کی کیاریاں بڑے قرینے سے سجی ہوئی تھی..... ان کیاریوں کی روش ایسی تھی کہ درمیان سے راستہ نکل کر آگے بڑھ رہا تھا..... فضاء میں عجیب سی مسحور کن خوشبوئیں بکھرتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں..... جن کی خوشبو سانسوں کو معطر کر رہی تھیں.....!!

ان پھولوں کی روش کے ساتھ ہی کچھ فاصلے پر ایک گول سا مینار بنا ہوا تھا..... جس کے چاروں طرف سے روشنی کی کرنیں پھوٹ رہی تھیں۔

ایسا لگ رہا تھا جیسے یہ کوئی چھوٹا سا تاج محل ہو..... ہاں.....!! ''یہ..... یہ تو پریوں کا دیس لگ رہا ہے.....!!'' سدو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھتے ہوئے بولا: ''ہم کہاں آ گئے؟''

''یہ وادیٔ طلسم ہے.....!!'' جان لیوا کی آواز قریب سے آتی ہوئی محسوس ہوئی۔ ''اور میں اپنی اس سلطنت میں اپنے دوستوں کو خوش آمدید کہتا ہوں..... بڑھتے چلے آؤ..... میں اپنے محل میں تمہاری راہ دیکھ رہا ہوں۔''

''محل.....!!'' سدو کے منہ سے نکلا: ''اوہ.....!!!''

میں اس وقت کسی طرف متوجہ نہیں تھا، میں تو اس چھوٹے سے عظیم الشان محل کی طرف دیکھ رہا تھا..... جس سے عجیب قسم کا جلال اور ہیبت ٹپک رہی تھی۔

اسی طرف قدم بڑھاتے ہوئے میں نے بلند آواز میں کہا:

''جان لیوا.....!! میرا ایک ساتھی کہاں ہے؟''

''پریشان نہ ہو.....'' فوراً ہی جواب ملا: ''وہ خواب گاہ میں آرام کر رہا ہے..... بھلا آقا کے ہم نواں ہوں اور جان لیوا ان کا خیال نہ کرے..... ایسا نہیں ہو سکتا.....!!''

جلد ہی ہم لوگ اس محل کے دروازے پر موجود

تھے۔ عین اسی وقت خادم ٹائپ کے دو خوب صورت سے نوجوان باوردی لباس میں نمودار ہوئے اور انہوں نے سر کو خم کرتے ہوئے ہمیں اندر جانے کا اشارہ کیا.....!!

اوہ.....!! یہ سب کیا تھا..... کون سا گورکھ دھندا تھا.....؟ کہیں میں کوئی خواب تو نہیں دیکھ رہا تھا.....

میں نے بادشاہوں کی بہت سی کہانیاں پڑھی تھیں، جن میں دربار اور شاہی تخت و تاج کا ذکر جا بجا ملتا تھا.....!! لیکن آج میں اپنی آنکھوں سے کسی بادشاہ کے دربار میں داخل ہو رہا تھا.....!!

ہاں.....!! یہ شاہی دربار ہی تو تھا..... جہاں عین وسط میں ایک خوب صورت اور قیمتی جواہرات سے جڑا ہوا تخت موجود تھا.....!! اس تخت کے سامنے چند کرسیاں بھی رکھی دکھائی دیں.....

سامنے ایک حیرت انگیز منظر میرا منتظر تھا!! اس تخت پر جان لیوا پرنس والے روپ میں بیٹھا ہوا شاندار انداز میں مسکرا رہا تھا۔ اس کے سر پر نہایت حسین تاج چمک رہا تھا.....!!

لیکن یہ سب اتنا حیران کن نہیں تھا، جتنا کہ میں اس ہستی کو دیکھ کر ہکا بکا رہ گیا، جو جان لیوا کے عقب میں کھڑی ہوئی مور کے بڑے سے پنکھے کے ذریعے جان لیوا کو ہوا جھل رہی تھی.....!!

وہ ہستی کوئی اور نہیں بلکہ شامی تھی.....!! ہاں۔ شامی۔

☆.....☆.....☆

جان لیوا کی مسکراہٹ اور بھی گہری ہوگئی، پھر وہ اٹھ کر کھڑا ہوا اور دونوں ہاتھوں سے چند تالیاں بجاتے ہوئے بولا:

''میں ایک بار پھر اپنے مہمانوں کا استقبال کرتا ہوں.....!!''

پھر اس نے صوفوں کی طرف اشارہ کیا:

''بیٹھ جاؤ آقال..... اپنے ساتھیوں سے بھی کہو کہ آرام کریں..... تم لوگ کافی دور سے چلتے ہوئے آرہے ہو.....!! میں ہر بات سے آگاہ ہوں۔''

سب بتوں کی طرح خاموش کھڑے تھے، میں نے انہیں اشارہ کیا اور سب صوفوں پر بیٹھ گئے۔

''اب تم سناؤ آقال.....!!'' جان لیوا دوبارہ بیٹھتے ہوئے بولا: ''وادیٔ طلسم کا یہ سفر تمہیں کیسا لگا.....؟''

''میں شاید کوئی خواب دیکھ رہا ہوں.....!!'' میں بڑبڑایا۔

''نہیں آقال.....!!'' جان لیوا سنجیدہ ہوگیا: ''تم اس وقت ایک جیتی جاگتی دنیا میں موجود ہو..... تم اسرار اور رموز کو کیا جانو..... تم تو ابھی صرف طفل مکتب ہو..... میں نے سیکڑوں سال دیکھے ہیں اور تم ابھی چند ہی گھڑیوں کی عمر گزارے بیٹھے ہو.....!!''

''یہ بات تو ٹھیک ہے۔'' میں نے سر ہلایا: ''اب یہ بتاؤ کہ یہاں بلانے کا مقصد کیا ہے..... اور یہ شامی تمہارے ساتھ کیوں نظر آرہی ہے؟''

''یہ شامی.....!! جان لیوا ہنسا: ''یہ تو میری باندی ہے۔ کنیز ہے.....!!! اسے میں نے بس تم لوگوں کو یہاں بلوانے کے لئے پیغام رساں بنا کر بھیجا تھا.....!!''

''اوہ.....!!'' میں نے طویل سانس لی: ''تو یہ بات تھی.....!!''

''ہاں آقال.....!!'' اس نے سر ہلایا۔

شامی کے چہرے پر بدستور ہلکی سی مسکراہٹ تھی اور وہ ہنوز پنکھا جھل رہی تھی۔

''پھر جان لیوا نے کھنکھارتے ہوئے گلہ صاف کیا اور بولا۔

''تم اس تخت پر مجھے تنہا دیکھ رہے ہو؟''

''ہاں.....!!'' میرے منہ سے نکلا۔

''تو میں اس تنہائی کو ختم کرنا چاہتا ہوں۔'' جان لیوا کے چہرے پر اداسی پھیل گئی۔ ''مت پوچھو کہ اکیلے پن کے یہ لمحات جان لیوا کے لئے کتنے جان لیوا ہوتے ہیں..... میں اپنی یہ تنہائی اور اداسی ختم کرنا چاہتا

ہوں.....!!''

''میں سمجھا نہیں.....'' میرے لہجے میں الجھن تھی۔

''سمجھا تا ہوں.....'' جان لیوا مسکرایا۔

لمحہ لمحہ اس کے چہرے کے تاثرات بدل رہے تھے، وہ پل میں کچھ دکھائی دیتا اور پل میں کچھ..... میں غور سے اس کی ایک ایک حرکت نوٹ کر رہا تھا۔

اچانک ہی جان لیوا سائبا کی طرف متوجہ ہوا اور سرسراتے ہوئے لہجے میں بولا۔

''مجھے اس تخت پر ایک حسین سی شہزادی کی ضرورت ہے.....!! اور میری دلی خواہش ہے کہ میں سائبا کو اپنے اس محل کی رانی بناؤں.....!! تمہارا کیا خیال ہے آقال.....؟''

☆.....☆.....☆

میرے تو بدن کا یہ حال تھا کہ کاٹو تو لہو نہ نکلے..... جان لیوا نے جو کچھ کہا تھا۔ وہ الفاظ کسی بم کی طرح میرے ذہن سے ٹکرائے تھے.....!!

میں ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا، طیش کے عالم میں میرا برا حال تھا میں بری طرح جان لیوا کو گھورنے لگا۔

میرے برعکس جان لیوا کی مسکراہٹ اور ابھی گہری ہوگئی، پھر وہ بولا: ''کیا ہوا آقال.....؟ تم اتنے غصے میں کیوں آگئے.....؟''

''تم نے سائبا کا نام کیوں لیا.....؟''

''کیا تمہیں برا لگا؟''

''صرف برا نہیں..... بلکہ بہت ہی برا.....!!''

میرا لہجہ زہر خند تھا۔

''اوہ.....!!'' جان لیوا کے منہ سے نکلا: ''پھر تو مجھے سخت افسوس ہے کہ سائبا کو اپنی ملکہ بنانے کا فیصلہ اٹل ہے.....!!''

''سائبا اب میری زندگی کی ہم سفر ہے.....!!'' میں نے کہا۔ ''اور شاید تم اس بات سے اچھی طرح واقف ہو جان لیوا.....!!''

''ہاں..... میں جانتا ہوں.....!!'' اس نے سر ہلایا: ''لیکن میں مجبور ہوں آقال..... بہت مجبور..... کیونکہ میں نے اب تک اتنی حسین لڑکی نہیں دیکھی.....!! میں اس پر جب سے ہی فریفتہ ہوں، جب میں نے اسے بستی میں دیکھا تھا..... اس وقت مجھے ہرگز یہ اندازہ نہیں تھا کہ تم اسے اپنی زندگی میں لانے کا فیصلہ کرلو گے.....!!''

''چلو..... اب تو تمہیں پتا چل گیا.....!! میں نے جواب دیا۔

''ہاں.....'' جان لیوا بولا: ''لیکن اب بہت دیر ہو چکی ہے..... اب سائبا میری ہے..... اسی کی وجہ سے میں نے وادیٔ طلسم کو تم پر ظاہر کر دیا ہے.....!!''

''میرا وہ ساتھی کہاں ہے، جو ہم سے پہلے تہہ خانے میں اترا تھا:'' میں نے بات کا موضوع بدل دیا۔

میری بات سنتے ہی جان لیوا نے تالی بجائی اور بلند آواز میں بولا:

''آقال کے ساتھی کو ہمارے روبرو حاضر کیا جائے.....!!''

فوراً ہی عقب میں لگا ہوا پردہ ہٹا اور کسی نے جبران کو دھکا دے کر سامنے کر دیا۔

لیکن..... کیا یہ وہی جبران تھا.....؟ اف.....!! کیا حال تھا اس کا.....!! اس کے بال بکھرے ہوئے تھے اور چہرے پر جگہ جگہ زخموں کے نشان موجود تھے، جن سے خون رس رہا تھا.....!!

اس کی ناک سے بھی خون بہہ کر ہونٹوں پر جم گیا تھا، میں تڑپ کر آگے بڑھا اور چلا کر بولا:

''جان لیوا.....!! یہ تم نے کیا کیا.....؟ تم..... تم نے ظلم کی انتہا کر دی.....!! میں..... میں تم سے بدلہ لوں گا.....!! ہاں..... تمہیں جبران کے ان زخموں کا حساب دینا ہوگا.....!!''

میری بات سن کر جان لیوا نے ایک زوردار قہقہہ لگایا اور پھر بولا:

''تم..... تم مجھ سے بدلہ لو گے.....؟''

''ہاں جان لیوا.....!!'' میرے لہجے میں نفرت تھی: ''تم ہمیشہ سے ہی دھوکا دیتے ہوئے آرہے ہو.....تم نے دوستی کی قسم کھائی.....تم نے اپنے جرائم کی بار بار معافی مانگی.....لیکن تم ہمیشہ اپنے قول سے پھر گئے.....!! تم مکار ہو.....فریبی ہو.....تمہاری گردن پر نہ جانے کتنے معصوم لوگوں کا خون ہے.....!!''

''اب تم اپنی بکواس بند کردو آقال.....!!''

جان لیوا کا لہجہ سرد ہوگیا.....''تم ان سب کے سامنے میری بے عزتی کررہے ہو.....!!''

''تم اپنی عزت تو پہلے سے ہی کھو چکے ہو جان لیوا.....!!'' میں نے کہا۔

''کیا کہنا چاہتے ہو.....؟'' جان لیوا نے مجھے گھورا۔

اب مسکرانے کی باری میری تھی، لیکن میری مسکراہٹ میں طنز کا عنصر بھی شامل تھا۔ پھر میں آہستہ سے بولا:

''میں ابھی دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کردوں گا.....!! فیصلہ خود بہ خود ہوجائے گا.....لیکن اس سے پہلے میں اپنے اس ساتھی کا پوچھنا چاہتا ہوں.....تم نے جبران کے ساتھ ایسا کیوں کیا.....؟''

''میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا.....!!'' وہ لاپروائی سے بولا: ''یہ ذرا ہوشیاری دکھا رہا تھا.....جب اس نے اپنے ہتھیار سے مجھ پر گولی چلائی، تو وہ گولی کسی دھماکے کی طرح خود اسی کے چہرے کو جھلسا گئی.....اس سے پوچھ لو کہ کیا میں نے اپنے ہاتھوں سے اس کا کچھ بگاڑا ہے.....؟''

اب میں جبران کی طرف لپکا.....اس کی آنکھیں نیم وا تھیں، میں نے اسے دونوں ہاتھوں سے تھام لیا اور اس سے مخاطب ہوا۔

''جبران صاحب.....!!! کیا ہوا.....؟ یہ کیا ہوگیا.....؟''

''آں.....!!'' وہ چونکا۔

پھر اس نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر میری طرف دیکھا اور پھر اس کے ہونٹ ہلے:

''شکیل.....شکیل.....میں.....'' اس کا جملہ پورا نہ ہوسکا.....یک بیک اس کا جسم لہرایا اور وہ فرش پر ڈھیر ہوگیا.....!!

میں اس پر جھپٹا، سدو سے بھی اب رہا نہ گیا، وہ بھی دوڑتا ہوا میرے قریب آگیا۔

میں نے جھک کر جبران کو ٹٹولا، اور پھر دھک سے رہ گیا۔ وہ بے ہوش تھا۔

میری آنکھوں میں خون اتر آیا، میں نے جان لیوا کی طرف دیکھا اور چیخ اٹھا:

''جان لیوا.....میں تمہیں چھوڑوں گا نہیں.....میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گا.....!!''

''تم.....تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے آقال.....!!'' وہ حقارت سے بولا: ''تم صرف طفیل مکتب ہو.....جان لیوا کو زیر کرنے کے لئے صدیوں پر محیط تجربہ چاہئے.....اگر تم دس بار بھی مر کر دوبارہ زندہ ہوجاؤ گے، تب بھی تم جان لیوا کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے.....!!''

''اگر یہ بات ہے، تو پھر میدان میں آجاؤ.....!!'' میں نے اسے للکارا۔ ''یا تو آج میں تمہیں ختم کردوں گا، یا پھر تم مجھے دفن کردینا.....!!''

''ٹھیک ہے.....!!'' جان لیوا کچھ سوچ کر بولا: ''لیکن میری ایک شرط ہے۔''

''مجھے تمہاری کوئی شرط منظور نہیں ہے.....!!'' میں نے کہا: ''بس تم اب میدان میں آجاؤ.....میں تم پر حملہ کررہا ہوں.....اب خود کو سنبھالو۔''

☆.....☆.....☆

جان لیوا پر میرے جملے کا کوئی اثر نہیں ہوا، اس کا دھیان کسی اور ہی طرف تھا۔

ادھر میں ایک بار پھر جبران کی طرف متوجہ ہوگیا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں اور وہ لمبی لمبی سانسیں لے رہا تھا۔

میں نے اسے ہلا جلا کر کئی بار پکارا، لیکن اس میں کوئی حرکت نہیں ہوئی، اب میں پھر سے جان لیوا کی طرف متوجہ ہوا۔

''تم کسی شرط کی بات کررہے تھے.....!!''

''ہاں.....لیکن تم تو سننا ہی گوارا نہیں کررہے.....!!'' جان لیوا نے طنز کیا۔

''میں سنوں گا.....!! لیکن میری بھی ایک شرط ہوگی.....!!''

''مجھے منظور ہے.....!!'' جان لیوا فوراً بولا۔

''تم اپنی شرط بتاؤ.....!!''

''سائبا کو میرے حوالے کردو.....!!'' جان لیوا نے کہا: ''میں اسے تمہاری اجازت کے بغیر بھی حاصل کرسکتا ہوں.....لیکن میں چاہتا ہوں کہ اس میں تمہاری رضامندی بھی شامل ہو.....!!''

''کیا تم یہ بات نہیں جانتے کہ میں سائبا کو اپنی زندگی میں شامل کرچکا ہوں؟'' میں نے اسے گھورا۔

میری بات سن کر جان لیوا مسکرایا اور بولا:

''جانتا ہوں.....لیکن بہت سی باتوں سے تم بھی واقف نہیں ہو۔ ان کے بارے میں اگر میں نے تمہیں بتادیا تو شاید تم اسی جگہ حیرت کا بت بن کر رہ جاؤ.....!!''

''میں ضرور سننا چاہوں گا.....!!'' میں نے سر ہلایا۔ ''لیکن اس سے قبل میرے دوست جبران کی حالت ٹھیک کرو.....!!''

''تم اس کی فکر مت کرو.....!!'' جان لیوا لاپروائی سے بولا: ''یہ بہت سخت جان ہے.....!!'' اس کا کچھ نہیں بگڑے گا.....''

''اچھا.....!!'' میں نے ایک طویل سانس لی: ''اب تم یہ بات بھی بتادو، جو میرے لئے حیرت کا پہاڑ ثابت ہوگی.....!!''

''ٹھہرو.....!!'' جان لیوا نے کہا: ''بہت سے راز سب کے سامنے نہیں کھولے جاتے۔ میں ایک تجویز پیش کررہا ہوں.....!!''

''کون سی تجویز.....؟''

''کیا تم واقعی مجھ سے مقابلہ کرنا چاہتے ہو.....؟''

''ہاں.....!!'' میں نے جواب دیا۔

''ٹھیک ہے.....!! تو پھر میں ان سب کو شامی کے حوالے کردیتا ہوں۔ سائبا بھی اسی کے پاس رہے گی.....ہم میں سے جو بھی جیت گیا، وہ شامی سے رابطہ کرے گا.....!! یوں سمجھ لو کہ جیسے کسی مقابلے کے لئے جج کے پاس جیتنے والے کا انعام رکھا ہوتا ہے.....!!

''شامی تو تمہارا ہرکارہ ہے۔'' میں نے اعتراض کیا: ''اگر میں جیتا، تو پھر شامی کو کہاں ڈھونڈوں گا؟''

''اگر تم جیت گئے، تو سب کچھ ختم ہوجائے گا.....!!'' جان لیوا کا انداز عجیب سا تھا: ''اور تمہارا انعام تمہیں خود ہی مل جائے گا.....!!''

میں نے چند لمحوں کے لئے جان لیوا کی باتوں پر غور کیا، اور پھر آہستہ سے بولا:

''ٹھیک ہے.....مجھے منظور ہے.....!!''

☆.....☆.....☆

ابھی میرے منہ سے یہ الفاظ نکلے ہی تھے کہ چاروں طرف سے دھواں سا اٹھنے لگا۔

لیکن اس دھوئیں میں ایسا کچھ نہیں تھا کہ میرا دم گھٹنے لگا۔ بس یہ دھواں چاروں طرف پھیلتا چلا گیا اور پھر سب کچھ میری نگاہوں سے اوجھل ہونے لگا.....!!

سائبا، سدو، جبران اور خالد شوریٰ..... یہاں تک کہ خود جان لیوا اور اس کا تخت و تاج بھی اسی دھوئیں کی لپیٹ میں آگیا.....!!

''جان لیوا.....!! سدو.....!! سدو.....

سائبا.....!!'' بے اختیار میرے منہ سے آوازیں بلند ہونے لگیں.....لیکن مجھے کسی نے جواب نہیں دیا۔

آہستہ آہستہ دھواں خود ہی چھٹتا چلا گیا۔ ایک بار پھر میری آنکھیں سامنے کا منظر دیکھنے کے قابل ہوئیں تو میں نے جان لیوا کو اپنے سامنے موجود پایا.....لیکن.....لیکن.....یہ وہ جگہ تو نہیں تھی.....!!

''ہاں.....!! نہ یہاں میرے ساتھی تھے اور نہ ہی وہ محل..... بس یہ ایک چٹیل اور سنگلاخ میدان تھا.....!! جس میں دور دور تک دھوپ پھیلی ہوئی تھی.....!!

جان لیوا کے ہونٹوں پر ایک قاتلانہ سی مسکراہٹ تھی، وہ ٹٹولنے والی نگاہوں سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔ پھر اس کے ہونٹ ہلے۔

''بولو آقال.....!! مقابلے کی جگہ پسند آئی؟''

''ہم..... کہاں ہیں جان لیوا.....؟''

''ایک میدان میں.....!! جہاں آج فیصلہ کن جنگ ہوگی.....!!''

''میں تیار ہوں.....!!'' میں نے آہستہ سے کہا: ''اب تم بتاؤ..... جو کچھ تم اس وقت کہنا چاہ رہے تھے.....!! اور ہاں..... میرے ساتھی کہاں گئے؟''

''وہ سب محفوظ ہیں.....!!'' جان لیوا بولا: ''اب سنو.....!! میں نے سائبا کو حاصل کرنے کے لئے برسوں انتظار کیا ہے..... مجھے یہ بات معلوم تھی کہ وہ تمہارے ہی ذریعے مجھے حاصل ہوسکتی ہے..... یہی وجہ تھی کہ میں نے تمہیں اب تک زندہ رکھا.....!! میں نے اپنی طاقت کے ذریعے بھی کئی موقعوں پر تمہاری مدد کی تھی..... مجھے بس تم کو اس بستی میں لے کر آنا تھا، جہاں سائبا کا وجود تھا.....!! اس تمام معاملے کے لئے میں نے جتنے پاپڑ بیلے ہیں..... ان سے خود میں ہی واقف ہوں.....!!''

میں حیران رہ گیا..... جان لیوا نے اس وقت کچھ انہونی سی باتیں کی تھیں..... یہ کس طرح ہوسکتا تھا کہ وہ سائبا کے لئے پہلے سے ہی تیار بیٹھا ہو.....!!

''شاید تمہیں یقین نہیں آرہا.....!!'' جان لیوا بولا: ''لیکن یہ سچ ہے کہ سائبا کو میں اس وقت سے جانتا ہوں کہ جب وہ چھوٹے بچوں کے ساتھ کھیلا کرتی تھی اور اس کے ننھے ننھے ہاتھوں میں مٹی کے کھلونے ہوتے تھے..... میں صرف اس کے جوان ہونے کا انتظار کررہا تھا..... اس کے ساتھ ہی مجھے تمہاری بھی ضرورت تھی، کیونکہ میں اپنے طور پر اسے وادیٔ طلسم میں نہیں لاسکتا تھا..... اس لئے میں نے تمہارے ذریعے سے یہ کام بخوبی کروالیا.....!! اگر میں خود سے اسے یہاں لے کر آتا، تو شاید سائبا کی جان کو خطرہ لاحق ہوسکتا تھا.....!! لیکن اب تمہارے ذریعے اسے یہاں لانے کے بعد میں اسے وادیٔ طلسم کی ملکہ بنا سکتا ہوں..... اور مجھے یقین ہے کہ میرا یہ خواب ضرور پورا ہوگا.....!!''

''ہاں..... تم مجھے مار کر اپنا مقصد ضرور پورا کرسکتے ہو.....!!'' میں نے سر ہلا کر کہا۔ ''مجھے افسوس ہوگا آقال..... بہت افسوس ہوگا.....!!'' جان لیوا کا لہجہ واقعی کافی غمزدہ تھا: ''تم میرے ایسے دشمن ہو کہ میں کبھی تمہیں بھول نہیں سکوں گا۔''

''چلو..... میں کسی کو تو یاد رہوں گا.....!!'' میں مسکرایا: ''وہ تم ہی سہی.....!!''

''آؤ..... اب تم مجھ پر حملہ کرو.....!!'' جان لیوا کا لہجہ بدل گیا۔

پھر اس نے دونوں ہاتھوں کو پھیلا دیا..... وہ مجھے مقابلے کی کھلی دعوت دے رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

میں جان لیوا کی طرف پوری طرح متوجہ تھا..... اس میں تو کوئی شک نہیں تھا کہ جان لیوا میرا ازلی دشمن تھا..... ہاں.....!! اس نے میری پچھلی نسلوں کا خاتمہ کیا تھا..... اور اب یہ میرے مستقبل کو بھی تاریک بنانا چاہتا تھا.....!!

دفعتاً ایک خیال میرے ذہن میں کوندے کی طرح لپکا، خود جان لیوا نے بھی مجھے چونکتے ہوئے دیکھ لیا تھا، وہ پوچھ بیٹھا۔

''کیا ہوا آقال.....؟''

''مجھے ایک بات اور بتاؤ گے؟''

''ہاں..... پوچھو.....!!''

''سائبا واقعی تمہاری محبت ہے یا پھر تم میری محبت پر ڈاکہ ڈالنا اپنا حق سمجھتے ہو.....؟''

میری بات سن کر جان لیوا کا چہرہ تاریک سا

ہوگیا..... نہ جانے کتنی دیر تک وہ گم صم ہی رہا، پھر اس کے ہونٹ ہلے:

''یہ..... یہ تم نے کیا سوال کیا ہے.....؟''

''کیوں.....؟ اس کے جواب میں کیا مضائقہ ہے.....!!''

''اب میں تمہیں صاف صاف بتا دینا چاہتا ہوں.....!!'' جان لیوا نے طویل سانس لے کر کہا۔ ''اگر تم ابھی سائبا سے دست بردار ہوجاؤ تو میں یہ مقابلہ شروع ہونے سے پہلے ہی ختم کرنے کو تیار ہوں.....!!''

''تم سائبا سے خود شادی کروگے؟''

''نہیں.....!!'' وہ مجھے گھورتے ہوئے بولا: ''میں ہر اس عورت کو تم سے دور کرنے کی کوشش کروں گا، جو تمہارے قریب ہونے کا ارادہ کرے گی۔''

یہ سن کر مجھے حیرت ہوئی۔ میں نے پوچھا:

''آخر..... اس کی کیا وجہ ہے.....؟''

''یہ میں تمہیں نہیں بتا سکتا.....!!'' جان لیوا نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

وقت آگیا تھا کہ میں اب اپنے اوپر مسلط ہونے والے اس عذاب کو یا تو ختم کردوں، یا پھر خود ہی اس کے آگے فنا ہوجاؤں.....!!

چنانچہ میں نے جان لیوا کی طرف قدم بڑھا دیئے..... جلد ہی میں اس کے پھیلے ہوئے ہاتھوں میں اپنے ہاتھ ڈال چکا تھا.....!!

لیکن مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں نے دہکتی ہوئی آگ میں اپنے ہاتھ ڈال دیئے ہوں.....!!

میرے حلق سے ایک تیز قسم کی کراہ بلند ہوگئی.....!! جان لیوا میرے بہت قریب تھا۔ پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ میں اس کے چہرے پر دوڑنے والی رونق اور بشاشت کو محسوس نہ کرتا.....!!

سخت تکلیف کے عالم میں مجھے صاف دکھائی دے رہا تھا کہ جان لیوا میری تکلیف پر بے حد خوش تھا.....!!

دفعتاً اس کے حلق سے ایک بلند اور انتہائی بھیانک قسم کا قہقہہ بلند ہوگیا.....!!

مجھے یوں محسوس ہونے لگا جیسے جان لیوا کے جسم سے پھوٹنے والی یہ آگ آہستہ آہستہ مجھے اپنی لپیٹ میں لے رہی ہے.....!!

میں نے اپنی طاقت کا پورا زور لگا کر اپنا ہاتھ چھڑانے کے لئے ایک زوردار جھٹکا مارا، لیکن یہ مجھ سے ممکن نہ ہوا، جان لیوا کی گرفت آہنی تھی۔

آگ کی تپش اب آہستہ آہستہ میرے پورے وجود کو اپنی گرفت میں لے رہی تھی..... مجھے اب اپنا انجام قریب دکھائی دے رہا تھا.....!!

آقال قبیلے کا آخری چشم و چراغ بھی اب اپنے نسلی دشمن کے ہاتھوں شکست کھانے کے لئے تیار تھا..... ہاں.....!! مجھے اب اپنی کمزوری اور کم ہمتی کا احساس ہو رہا تھا.....!!

میں اس عفریت کے آگے واقعی طفل مکتب تھا.....!! لیکن پھر اچانک ہی میرے داہنے کان میں کسی نے سرگوشی کی:

''سنو شکیل..... !! بیٹا.....!! تم وہ وظیفہ یاد کرو، جو میں نے تمہیں قبرستان میں سکھایا تھا..... جلدی سے وہ وظیفہ دہراؤ..... وقت بہت کم ہے..... جلدی کرو.....!!''

یہ آواز سو فیصد رحیم بابا کی تھی..... میں نے موت کے دہانے پر کھڑے ہو کر زندگی کا راستہ تلاش کرنے کی اس آخری امید کو پوری طرح اپنے ذہن میں دہرایا.....!!

اور پھر..... وہ ورد خود بہ خود ہی میری زبان سے جاری ہوگیا۔ یہاں تک کہ میری آواز بلند ہونے لگی۔

جان لیوا نے بری طرح چونک کر میری طرف دیکھا اور ڈپٹ کر بولا: ''یہ..... یہ تم کیا کر رہے ہو.....؟ خاموش ہوجاؤ.....!!''

میں بدستور اپنے کام میں مگن رہا..... اسی وقت میں نے محسوس کیا کہ میرے وجود سے اٹھنے والی دہک

میں کمی آنے لگی ہے.....!! دوسری طرف جان لیوا کی آنکھوں میں غصہ خون کی طرح اتر آیا تھا۔

اس نے اپنے دونوں ہاتھوں سے میرے جسم کو جھنجھوڑ ڈالا:

"چپ ہو جاؤ آقال.....!! ورنہ اس کا انجام اچھا نہ ہوگا.....اپنی زبان کو بند کرلو.....!!"

میں اب اتنا بے وقوف نہیں تھا..... چنانچہ میرا ورد جاری رہا.....اب میں نے محسوس کیا کہ جان لیوا کی گرفت اب ڈھیلی پڑتی جارہی ہے.....!! اور پھر اس نے مجھے زور سے دھکا دے کر چھوڑ دیا۔ وہ اب تیزی سے پیچھے ہٹ رہا تھا۔

"اسے بھاگنے مت دینا شکیل.....!!" رحیم بابا کی سرگوشی میرے کان میں گونجی۔ اسے خود سے دور مت ہونے دو.....اور ورد جاری رکھو.....!!"

میں نے یہی کیا.....اب وہ پیچھے ہٹ رہا تھا اور میں اس کی طرف تیزی سے قدم بڑھا رہا تھا.....!!

"ہاں.....پھونک دو اس پر.....جلا کر راکھ کردو اس کو.....!!" سرگوشی پھر میرے کان میں گونجی۔

میں نے پھونک مار دی..... جان لیوا حیرت انگیز طور پر اچھلا اور دور جا گرا.....میں بھی اسی طرف لپکا اور ورد اس پر پڑھ پڑھ کر پھونکتا رہا..... اب وہ فلا بازیاں کھانے لگا تھا.....جلد ہی بھیانک قسم کی گھنگھار آوازیں اس کے حلق سے برآمد ہونے لگیں۔

جیسے اس کے جسم پر کسی نے آرا چلا دیا ہو..... اور جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کردیئے ہوں.....!!

اور پھر اچانک ہی جان لیوا کا وجود چھوٹا ہوتا چلا گیا.....اس کا قد گھٹ رہا تھا.....ایک ایک انچ وہ جیسے زمین میں دھنستا جارہا تھا.....

میں حیرت سے آنکھیں پھاڑے اپنا ورد جاری رکھتے ہوئے اس کی طرف متوجہ تھا.....!!

آہستہ آہستہ اس کی ہیئت ایک چوہے کے برابر ہوگئی..... یہ ننھا سا جان لیوا بالکل بونا لگ رہا تھا.....!! اس کی جسامت مشکل سے بالشت بھر کی ہوگی.....!!

اچانک ہی اس کا بالشت بھر کا جسم لرزا اور جان لیوا کی جگہ اب وہاں ایک سیاہ رنگ کا پرندہ اپنے پروں کو پھڑ پھڑا رہا تھا.....!!

یہ پرندہ عقاب سے ملتا جلتا تھا.....!! اچانک ہی اس نے اپنے پروں کو پوری طرح کھولا اور اس نے اڑان بھرلی.....!!

وہ فضا میں جا کر میری نگاہوں سے اوجھل ہوگیا..... میں اندازہ نہیں کرسکا تھا کہ وہ کس سمت گیا ہے.....!! اس نے چشم زدن میں ہی اڑان لی تھی.....!!

میں اب اس لق ودق صحرا میں اکیلا کھڑا تھا..... اس پرندے کے فضا میں غائب ہوتے ہی میری آنکھوں کے آگے اندھیرا سا چھانے لگا.....!!

پھر میں اپنے حواسوں پر قابو نہ رکھ سکا اور..... اسی زمین پر گر کر ڈھیر ہوگیا.....!!

میں بے ہوش ہو چکا تھا.....!!

☆.....☆.....☆

مجھے ہوش آیا، تو کوئی مجھ پر جھکا ہوا تھا، میں نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھول دیں.....

اور پھر میں جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گیا، مجھ پر جھک کر میرے ماتھے کو پیار سے دبانے والا کوئی اور نہیں بلکہ سائبا تھی.....!!

"اوہ.....!!" سائبا کی خوشی سے بھرپور آواز ابھری: "آپ کو ہوش آ گیا؟"

"ہاں....." میں چونکا: "وہ..... وہ کہاں گیا.....؟"

"کون.....؟" سائبا حیرت سے بولی.....!!"

وہ ٹٹولنے والے انداز میں مجھے دیکھ رہی تھی.....!! پھر وہ جلدی سے بولی:

"کیا آپ بھائی جبران اور سدو کو پوچھ رہے ہیں.....؟"

"ہاں.....!!" میں جلدی سے بولا: "میں انہیں بھی پوچھ رہا ہوں.....لیکن میں کہاں ہوں.....؟"

اب میں نے چاروں طرف دیکھا، یہ یقیناً کسی

ہاسپٹل کا کمرہ تھا.....جس میں ایک بیڈ پر میں لیٹا ہوا تھا.....

"آپ.....اسپتال میں ہیں.....!!"

"اچھا.....کیوں.....؟" میں نے ہونقوں کی طرح پوچھا۔

"جب ہم لوگ گاڑی میں بیٹھ کر شہر کی طرف جارہے تھے.....تو اچانک ہی آپ کی طبیعت خراب ہوگئی تھی.....اس لئے جبران صاحب آپ کو ایک قریبی علاقے کے اسپتال میں لے آئے ہیں.....!!"

"کیا.....؟" میں چونک اٹھا۔

یہ تو بالکل نئی بات تھی.....جبکہ میں ان سب کے ساتھ ہی اس پرانے ریسٹ ہاؤس کے تہہ خانے میں اترا تھا۔

"میں ان دونوں کو بلا کر لاتی ہوں۔" سائبا اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ بے چارے باہر بیٹھ کر آپ کے ہوش میں آنے کے منتظر ہیں.....!!"

یہ کہہ کر سائبا باہر نکل گئی، جلد ہی اس کی واپسی ہوئی تو نہ صرف وہ دونوں اس کے ہمراہ تھے، بلکہ ایک عدد ڈاکٹر بھی یونیفارم پہنے ہوئے ان کے ساتھ ہی کمرے میں داخل ہوا۔

"خوب.....!!" تو آپ کو ہوش آ گیا..... بڑی خوشی کی بات ہے، ورنہ چھ گھنٹے کی یہ طویل بے ہوشی ہم سب کے لئے تشویش کا باعث تھی.....!!"

☆.....☆.....☆

ایک بار پھر سفر کا آغاز ہو چکا تھا، جو کچھ ہوا تھا..... وہ میرے لئے تو ہرگز کوئی خواب نہیں تھا..... البتہ میرے ساتھیوں کے لئے اس میں کوئی حقیقت بھی نہیں تھی.....!!"

ان سب کا ایک ہی بیان تھا کہ ہم لوگ جبران کی وین میں سفر کررہے تھے اور اچانک ہی میری طبیعت بگڑ گئی تھی.....

نہ تو کوئی جان لیوا سے واقف تھا، نہ ہی شامی کو کسی نے دیکھا تھا اور نہ ہی وادی طلسم کے بارے میں کسی کو معلومات تھیں.....!!!

اور پھر سدو نے میرے کندھے پر ہاتھ مار کر کہا۔

"تم نے اکیلے اکیلے کوئی خواب دیکھ لیا.....اور اب ہمیں بھی ایسے ہی کسی خواب کے چکر میں ڈالنے کی کوشش کررہے ہو.....!! ارے بھائی.....!! ہم لوگ تو گاڑی میں جاگ رہے تھے..... اب ہمارے دولہا میاں کو ہی نیند آ گئی تو اس میں ہمارا کیا قصور.....!!"

میں نے بختی سے اپنے ہونٹ بھینچ لئے.....اب کوئی بات کرنا فضول ہی تھا..... یہ ضرور کوئی اور چکر تھا.....جس کے بارے میں مجھے کوئی دانا اور ہاں دیدہ شخص ہی بتا سکتا تھا.....!!

یہ ایک چھوٹا مگر خوب صورت سا گاؤں تھا، جہاں کھانا وغیرہ کھانے کے بعد ایک بار پھر سفر کی ٹھہری تھی۔

گاڑی کے روانہ ہونے سے پہلے جبران نے مجھ سے پوچھا تھا۔

"تمہاری طبیعت اب ٹھیک ہے نا.....؟"

"جی..... جی بالکل.....!! میں فرسٹ کلاس ہوں.....!!" میرا لہجہ کچھ پھیکا پھیکا سا تھا.....

جبران نے غور سے میری طرف دیکھا اور پھر سر ہلا کر بولا:

"خیر..... جب ہماری بھابھی کے ہاتھوں کا کھانا کھانے کو ملے گا، تو سب کچھ ٹھیک ہوجائے گا..... اور ہاں.....شادی تمہارے ماموں کے گھر سے ہوگی اور ولیمہ میرے گھر سے ہوگا.....ڈن.....!!"

☆.....☆.....☆

یہ چھوٹا سا قافلہ ماموں کے گھر پہنچ گیا، مجھے قدرے حیرت ہوئی تھی، کیونکہ رحیم بابا اس طرح میرے منتظر تھے، جیسے انہیں ہماری آمد کا پوری طرح علم ہو.....!!

گھر کی صفائی ستھرائی کا کام جاری تھا، دوسری طرف کچن میں ملازم جوڑا کھانے بنانے میں مصروف

تھا...... مرغن غذاؤں کی خوشبو پورے گھر میں مہک رہی تھی۔

میں نے رحیم بابا سے بغل گیر ہوتے ہوئے پوچھا:

''ماموں کہاں ہیں......؟''

''حسب معمول شہر سے باہر......'' وہ مسکرائے: ''لیکن اسی ہفتے صاحب جی کی واپسی ہوجائے گی......!! مجھے وہ یہی بتا کر نکلے تھے......!!''

''ممانی بھی ساتھ ہوں گی......؟''

''ظاہر ہے......!!'' وہ سر ہلا کر بولے: ''ان کا یہ چکر کاروباری سلسلے میں ہی تھا، لیکن ساتھ ساتھ سیر و تفریح بھی ہوجائے گی...... اسی لئے بیگم صاحبہ کو بھی ساتھ لے گئے ہیں......!!''

''ایک بات پوچھوں رحیم بابا......؟'' میں کچھ سوچ کر بولا۔

انہوں نے قدرے مسکراتے ہوئے میری طرف دیکھا اور آہستہ سے بولے:

''نہیں......!!''

''کیا مطلب......؟'' میں چونکا۔

وہ پھر مسکرائے اور بولے۔

''ہاں شکیل بیٹا...... کیونکہ تم جو کچھ پوچھو گے، وہ میں جانتا ہوں...... نہا دھو لو...... پھر کھانا کھانے کے بعد بیٹھ کر آرام سے بات کریں گے......!!''

جبران اور سدو نے اجازت چاہی تو رحیم بابا نے انہیں روک لیا اور بولے:

''ابھی آپ لوگ نہیں جاسکتے...... میں نے کھانا بنوایا ہے...... وہ کون کھائے گا......؟ پھر مجھے کچھ کہنا بھی ہے...... میں ضروری سمجھتا ہوں کہ آپ دونوں بھی اس چھوٹی سی محفل کا حصہ بنیں......!! اس کی بھی ایک خاص وجہ ہے......!!''

''وہ کیا......؟'' جبران نے بے ساختہ پوچھا۔

رحیم بابا کافی پراسرار دکھائی دے رہے تھے، انہوں نے سر ہلایا اور بولے۔ میں جب اپنی بات شروع کروں گا، تب ہی سب کچھ سامنے آجائے گا......!!''

☆......☆......☆

کھانا بے حد لذیذ اور ذائقے سے لبریز تھا، جبران تعریفیں کرتے کرتے تھک نہیں رہا تھا۔

اس کے بعد سب لوگ ڈرائنگ روم میں آکر بیٹھ گئے...... اب چائے کا دور چلا اور اس وقت رحیم بابا نے اعلان کرنے والے انداز میں کہا۔ ''میں آپ سب کو ایک چھوٹی سی کہانی سنانا چاہتا ہوں۔ اس کہانی کا آغاز عاملوں کے خاندان آقال سے ہوا......

آج سے تین نسلوں قبل جس عامل نے اس راستے پر قدم رکھا تھا، وہ شکیل کے پردادا تھے۔ انہوں نے کئی علوم پر عبور حاصل کیا تھا۔ اسی دوران انہیں ایک جن کی خبر ملی...... انہیں اس جن کے بارے میں ان کے موکلوں نے ہی بتایا تھا...... اس جن کو قابو میں کرنے کے لئے شکیل کے پردادا نے ایڑی چوٹی کا زور لگادیا، کیونکہ وہ جن بہت زبردست اور طاقتوں کا سرچشمہ تھا......

آخر کار پردادا کی ہار ہوئی اور وہ شکست کھا گئے۔ لیکن وہ اپنے بیٹے کو اس جن کے بارے میں آگاہ کرچکے تھے۔ چنانچہ ان کے دنیا سے رخصت ہونے کے بعد شکیل کے دادا اور پھر والد صاحب کا ٹکراؤ بھی اس جن سے ہوا۔ لیکن ان دونوں کو بھی شکستِ فاش کا سامنا کرنا پڑا۔

ادھر...... وہ جن اب اس خاندان کا خاتمہ چاہتا تھا...... اور اس کے لئے اس نے ایک انوکھی صورت نکالی۔ اس نے ایک طرف تو شکیل سے دوستی گانٹھی اور دوسری طرف اس کی یہ کوشش رہی کہ شکیل ادھر ادھر کے معاملات میں الجھ کر اپنی زندگی کے بارے میں کوئی فیصلہ نہ کرسکے اور اس کا بھی وقت پورا ہوجائے...... نہ شکیل کسی لڑکی سے کوئی تعلق رکھے گا اور نہ ہی اس کی نسل آگے بڑھ سکے گی...... کیونکہ اس جن کو آقال قبیلے کے عاملوں کے وار بھی سہنے پڑتے تھے۔ چنانچہ اس نے سوچا کہ نہ رہے گا بانس اور نہ بجے گی بانسری۔

یہی وجہ ہے کہ جب شکیل نے سائبا کا ہاتھ تھامنے کی کوشش کی، تو وہ تڑپ اٹھا اور اس نے تم لوگوں کے گرد اپنے طلسم کا جال بچھادیا...... یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ شکیل نے سب کی نگاہوں سے اوجھل ہوکر اس جن سے باقاعدہ مقابلہ کیا اور یوں جان لیوا کو شکست فاش ہوئی......!!''

یہ کہہ کر رحیم بابا خاموش ہوگئے، ڈرائنگ روم میں موت کا سا سناٹا طاری ہوگیا...... ہر کسی کو چپ لگی تھی اور وہ آنکھیں پھاڑ کر رحیم بابا کو دیکھ رہے تھے۔

پھر رحیم بابا دوبارہ مجھ سے مخاطب ہوئے۔

''کیا میں غلط کہہ رہا ہوں......؟''

''نہیں رحیم بابا......!!'' میں نے اقرار کیا: ''میں تو خود حیران تھا کہ اس سے مقابلہ کرتے ہوئے جب مجھے ہوش آیا تو میں ہاسپٹل کے ایک کمرے میں تھا......!!''

''ہاں...... کیونکہ یہ روحانی مقابلہ تھا......!!'' وہ سر ہلا کر بولے۔ پھر انہوں نے کچھ سوچ کر کہا۔

''اچھا...... اب یہ بتاؤ کہ آخر میں کیا ہوا تھا......؟''

''جان لیوا نے کسی پرندے کی شکل اختیار کرلی تھی......!!''

یہ سن کر رحیم بابا کے ہونٹوں پر ایک آسودہ سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ اور وہ بولے:

''ٹھیک ہے...... کیونکہ وہ پرندہ میرے پاس آچکا ہے......!!''

''کیا مطلب......؟'' مجھ سمیت کئی آوازیں کمرے میں ابھریں۔

☆......☆......☆

رحیم بابا نے فوری طور پر کوئی جواب نہیں دیا تھا...... آج وہ ایک انوکھے ہی روپ میں نظر آرہے تھے۔ ہم سب کی بے چینی عروج پر تھی اور وہ اس کیفیت سے محظوظ ہوکر مسکرا رہے تھے......!!

پھر ان کے ہونٹ ہلے:

''ہاں...... وہ پرندہ اب ایک پنجرے میں قید ہے...... میں نے اسے اپنے کمرے میں رکھا ہوا ہے......!! آؤ...... میں دکھاتا ہوں......!!''

سب ہی جلدی سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ حتیٰ کہ سائبا اور خالہ شورٹی نے بھی تیزی دکھائی تھی......!!

میرے چہرے پر بے اختیار مسکراہٹ دوڑ گئی...... یہ چھوٹا سا قافلہ اب سرونٹ کوارٹر کی طرف جارہا تھا......!!

رحیم بابا نے اپنے کمرے کا دروازہ کھولا، فوراً ہی میری نظر اس پنجرے پر پڑی جو سامنے موجود الماری کے اوپر رکھا ہوا تھا......!!

میں چونک اٹھا، یہ وہی پرندہ تھا...... جو مقابلے کے دوران سامنے آیا تھا اور آخر میں جان لیوا نے اس کا روپ اختیار کیا تھا۔

''وہی...... ہو بہو وہی ہے۔'' میرے منہ سے نکلا: ''ہاں...... یہ وہی پرندہ ہے رحیم بابا......!!''

''ہاں شکیل بیٹا......!!'' رحیم بابا نے سر ہلایا: ''یہ جان لیوا ہے......!! وہی جان لیوا...... جو تمہارے خاندان کے لئے ناسور بنا ہوا تھا۔ لیکن اب یہ بالکل بے ضرر ہے......!! ہاں...... بالکل بے ضرر......!! کسی معصوم پرندے کی طرح۔

سب ہی خاموشی سے اس پرندے کو دیکھ رہے تھے...... ہر کوئی سوچ میں گم تھا...... خود میں بھی اس ماضی میں چھلانگ لگا چکا تھا۔ جہاں میرا دشمن اس حد تک طاقتور تھا کہ اسے زیر کرنا ممکن نہیں تھا اور اب وہ ایک پنجرے میں قید تھا......!!

☆......☆......☆

ایک نئی زندگی کا آغاز ہونے والا تھا۔ میں زندگی میں کبھی اتنا خوش نہیں ہوا تھا، دل میں مسرتوں کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا...... سائبا نہ صرف حسین تھی، بلکہ اپنی عادات و اطوار میں بھی یکتا تھی......

جبران نے مجھے اپنے گھر پر آنے کی دعوت دیتے ہوئے رخصت چاہی۔

پھر سدو بھی اپنے گھر چلا گیا تھا..... اب میرے ساتھ رحیم بابا تھے..... وہ سائبا سے باتوں میں مصروف تھے، اور میں اس پرندے کی طرف متوجہ تھا..... جو اپنی لال لال آنکھوں سے مجھے گھورنے لگا تھا۔ وہ پنجرے میں ادھر ادھر ٹہل لگا رہا تھا.....!!

''کیا دیکھ رہے ہو شکیل بیٹا.....!!'' رحیم بابا اچانک ہی میری طرف متوجہ ہو گئے۔

''بس یونہی.....!!'' میں زبردستی مسکرایا: ''مجھے وہ وقت یاد آ رہا ہے، جب میں جان لیوا کی انگلیوں پر ناچتا تھا.....!!''

''بس یہ وقت وقت کی بات ہے۔'' وہ بھی مسکرائے۔ ''اگر تم چاہو تو اب جان لیوا خود تمہاری انگلیوں پر ناچ سکتا ہے.....!!''

سائبا نے بھی غور سے ان کی طرف دیکھا تھا۔

عین اسی وقت پرندہ اپنے پنجرے میں زور زور سے اپنے پروں کو پھڑ پھڑانے لگا۔ وہ اب رحیم بابا کی طرف دیکھ رہا تھا۔

رحیم بابا کے ہونٹوں پر مسکراہٹ ابھر آئی۔ میں الجھے ہوئے انداز میں ان سے مخاطب ہوا۔

''میں سمجھا نہیں.....!!''

''اس کی سرکشی ختم ہو گئی۔'' وہ بولے: ''یوں سمجھ لو کہ اب یہ اس جن کی طرح ہے، جو الہ دین کو چراغ کی شکل میں ملا تھا۔ اب اگر تم چاہو تو اس سے اپنی مرضی کا کام لے سکتے ہو..... اس کی ہر صلاحیت تمہارا دفاع کرے گی..... اور تمہارے تابع ہو گی.....!!''

''کیا ہم اس پر یقین کر سکتے ہیں؟'' میں نے پوچھا۔ ''کیونکہ یہ تو سدا کا دھوکے باز ہے..... مکار ہے.....!!''

''اب ایسا نہیں ہو گا.....!!'' وہ بولے: ''جان لیوا کا وہ دور ختم ہو چکا جب یہ خود ساختہ تھا..... جب تم اپنے ہاتھوں سے اس کا پنجرہ کھولو گے تو اس کی یہ آزادی، تمہاری غلامی میں تبدیل ہو جائے گی..... اس کے بعد تم اسے کسی بھی روپ میں ڈھل جانے کا حکم دے کر اپنے ساتھ رکھ سکتے ہو.....!!''

میں نے چند لمحے سوچا اور پھر نفی میں سر ہلا کر بولا:

''نہیں رحیم بابا.....!! میں اب تھک چکا ہوں..... میں اب زندگی کو غیر معمولی نہیں بنانا چاہتا..... میں اب سائبا کے ساتھ سادہ سی زندگی گزارنا چاہتا ہوں.....''

میری بات سن کر رحیم بابا نے سر ہلایا اور خاموش ہو کر کسی گہری سوچ میں ڈوب گئے۔

سائبا غور سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔

☆.....☆.....☆

جبران نے مجھے اپنے آفس میں بلوایا تھا، میرے وہاں پہنچتے ہی اس نے گرما گرم چائے سے میری تواضع کی اور پھر بولا:

''اب کیا ارادہ ہے؟''

''میں..... سمجھا نہیں.....!!''

''سمجھاتا ہوں..... پہلے یہ بتاؤ کہ شادی کے بعد کہاں رہائش کرو گے؟''

میں نے ایک طویل سانس لی اور بولا:

''حویلی میں.....!!''

''اوہ..... اچھا.....!!''

''جی جبران بھائی۔'' میں نے سر ہلایا: ''وہ میرے پرکھوں کی نشانی ہے۔ زمانہ قدیم سے ہی وہ میرے آباؤ اجداد کے ہم قدم رہی، اور اب میرے حصے میں آئی ہے۔ میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ میں اس کی ویرانی کو ختم کر دوں گا..... اس میں خوشیوں کی بہاریں لے کر آؤں گا، اسے آباد کروں گا..... میں یہ بھی سوچ رہا ہوں کہ سدو کو بھی شادی کے بعد اپنے ساتھ ہی رکھ لوں..... ذرا اس حویلی میں رونق آ جائے گی۔''

''ٹھیک ہے.....'' جبران نے سر ہلایا۔ ''میں حویلی میں صفائی ستھرائی کا کام شروع کروا دیتا ہوں..... اب یہ بتاؤ کہ تم ذریعہ معاش کے بارے میں کیا سوچ رہے ہو.....؟''

''میں قاسم ماموں کے ساتھ مل کر بزنس کروں گا.....''

''یہ بھی اچھا خیال ہے..... اگر تمہیں بہتر لگے تو میں تمہیں اپنے ہی آفس میں لگوا دوں گا..... تمہاری ڈیوٹی بس آفس ہی کی حد تک محدود رہے گی.....!! گھر سے آفس اور آفس سے گھر.....!! ساتھ ساتھ تم بزنس بھی کر سکتے ہو۔''

یہ سن کر میں خوش ہو گیا۔ پھر میں نے اسے رحیم بابا کی پیش کش کے بارے میں بھی بتا دیا۔

وہ سوچ میں ڈوب گیا اور پھر تھوڑی دیر بعد اس نے کہا۔

''اگر تم چاہو تو اس طرح تم جان لیوا کو اپنے تابع کر کے اس کے ذریعے اصلاحی کام بھی کر سکتے ہو..... تم معاشرے میں موجود جرائم اور چاروں طرف پھیلی ہوئی ناانصافی کے خلاف محاذ قائم کر سکتے ہو..... بہر حال میں تمہارے ساتھ ضد ہرگز نہیں کروں گا..... تمہاری زندگی ہے..... اسے جس طرح چاہو گزارو..... خود اپنے طور پر فیصلہ کرو.....!!''

میں نے کوئی جواب نہیں دیا تھا..... جبران دوبارہ بولا:

''میں تمہیں ایک خاص بات تو بتانا بھول ہی گیا۔''

''کون سی بات.....؟'' میں چونکا۔

''سُرلاش کا ذہنی توازن بگڑ گیا.....''

''سُرلاش.....؟''

''ارے کیا بھول گئے..... جس نے انسانوں کو جانور بنانے کا ٹھیکہ لے لیا تھا.....!!''

''اوہ..... اچھا..... ہاں..... یاد آیا.....!!''

''وہ اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھا ہے.....!!''

''کس طرح.....؟''

''بس اتنا معلوم ہوا کہ وہ عملیات کے چکر میں پڑ گیا تھا..... اس کا ہر کام الٹا ہوتا ہے..... وہ جو بھی کرتا ہے، اس کی گہرائی میں اتر جاتا ہے..... چنانچہ اسی چکر میں اس نے کوئی عمل کیا ہو گا، جو کسی غلطی کے باعث خود اسی کے لئے نقصان دہ ثابت ہوا.....''

''اوہ.....!!'' میرے منہ سے نکلا۔

پھر مجھے سُرلاش کے الفاظ یاد آ گئے، جو اس نے مجھ سے کہے تھے۔ میں نے جبران سے کہا۔

''یہ شاید میری وجہ سے ہوا ہے۔''

''تمہاری وجہ سے کیوں؟''

''سُرلاش نے مجھے جادوگر کا خطاب دے کر کہا تھا کہ اب وہ ساحری میں مہارت حاصل کر لے گا اور پھر مجھ سے مقابلے کے لئے ایک دن میرے سامنے ضرور آئے گا، تاکہ اپنی شکست کا بدلہ لے سکے..... آہ..... بے چارہ.....!!''

جبران خاموش ہی رہا.....

☆.....☆.....☆

شادی کی تیاریاں اپنے عروج پر تھیں، اور پھر سونے پر سہاگہ یہ ہوا کہ قاسم ماموں بھی نئی ممانی کے ہمراہ واپس آ گئے۔

گھر میں ایک رونق کا سا سماں ہو گیا۔ نئی ممانی کی عمارت بہت اچھی تھی وہ سائبا سے اور مجھ سے اس طرح گھل مل گئیں جیسے برسوں کی شناسائی ہو۔

ادھر سدو نے بھی اعلان کر دیا کہ وہ بھی جلد ہی شادی کا مہورت رکھنے والا ہے..... اس کی والدہ نے اسے ''عندیہ'' دے دیا تھا.....!!

شادی میری ہو رہی تھی اور میرے یہ تمام واقف کار اس طرح اس کی تیاریوں میں مصروف تھے کہ جیسے یہ خود ان کی اپنی شادی ہو۔

ابھی مجھے حویلی میں جانے کی اجازت نہیں تھی، قاسم ماموں نے کہا تھا۔

''شادی کے بعد کچھ دن تم میرے ساتھ ہی رہو گے.....!!''

''جیسے آپ کی مرضی ماموں.....!!''

''ہاں..... ابھی الحال تو یہ خیال اپنے ذہن سے نکال دو کہ تم حویلی میں جاؤ گے.....!!''

"جو حکم.....!!"

"اور ہاں ایک بات تو میں نے تم سے کہی نہیں.....!!" وہ مسکراتے ہوئے بولے۔

"جی.....فرمائیں.....!!"

"تم نے بیگم تو بہت زبردست چنی ہے.....میں تمہاری پسند کا قائل ہوگیا.....تم دربدر کی ٹھوکریں کھا کھا کر اسی کو ڈھونڈتے پھر رہے تھے.....؟"

میں نے ایک جان دار قسم کا قہقہہ لگایا اور بولا:

"شاید آپ کا خیال بالکل درست ہے.....!!"

"ہاں.....میں ٹھیک کہہ رہا ہوں.....مجھے ایسا ہی لگتا ہے.....!!"

"بس.....یہ تو قسمت ہے ماموں.....!! ورنہ مجھے یہ اندازہ کب تھا کہ وہ ایک بستی میں بیٹھ کر میرا انتظار کر رہی ہے.....!!"

☆.....☆.....☆

بادل کے ساتھ ساتھ بستی کے کئی اور لوگ بھی میری شادی میں شریک ہوئے تھے۔

اور پھر جبران نے وعدے کے مطابق نہ صرف سائبا کو اپنے گھر سے رخصت کیا بلکہ جہیز کے طور پر اس نے کافی سامان بھی سائبا کو دیا تھا۔

یوں لگ رہا تھا جیسے سائبا اس کی سگی بہن ہو۔ میرے لاکھ انکار کے باوجود بھی جبران نے مجھے ڈانٹتے ہوئے کہا تھا۔

"بھئی تم بیچ میں دخل مت دو.....سائبا میری بہن ہے اور یہ میرا اور اس کا معاملہ ہے.....تم کون ہوتے ہو درمیان میں کودنے والے.....؟ بھلا بتاؤ.....!!"

اس کا خلوص دیکھ کر میری آنکھ میں نمی اتر آئی.....اب مجھے ایسا لگا تھا کہ میری زندگی کو حاصل ملا ہے.....اب وہ وقت آیا ہے کہ میں محبتیں سمیٹ سکوں.....قدرت نے بہت کچھ لے کر مجھے بہت کچھ دے دیا تھا.....!!

قاسم ماموں کی کوٹھی بھی کسی دلہن کی طرح سجی ہوئی تھی۔ جب ہماری کار احاطے میں داخل ہوئی تو چاروں طرف سے پھولوں کی پتیوں کی برسات ہوگئی.....!!

رات گئے تک گھر کے اندر ہنگامہ مچا رہا.....ہر طرف امنگیں تھیں، خوشیاں تھیں اور سب سے زیادہ خوب صورت چھیڑ چھاڑ تھی.....ذومعنی جملوں سے مجھے اور سائبا کو نوازا جا رہا تھا۔

اور پھر ان لوگوں کو مجھ پر رحم آ گیا.....جو کمرہ میرے لئے سجایا گیا تھا.....اب اس میں میرے اور سائبا کے علاوہ کوئی نہ تھا۔

یہ خلوت کے لمحات کافی صبر آزما انتظار کے بعد میسر آئے تھے۔ چنانچہ میں نے کمرے کا دروازہ لاک کیا اور سائبا کے قریب آ کر بیٹھ گیا۔

اس کے چہرے کا گھونگھٹ اٹھاتے ہوئے نہ جانے کیوں میرا دل دھک دھک کرنے لگا۔

وہ اپنی جگہ پر سمٹ سی گئی۔ میں نے اس کا گھونگھٹ اٹھایا تو ایسا لگا جیسے کمرے میں چودھویں کا چاند جھلملا گیا ہو.....!!

کتنی حسین تھی سائبا.....!! میں شاید الفاظ میں اپنی شریک حیات کی تعریف نہ کر سکوں.....

"سائبا.....!!"

"جی.....!!"

"تم.....تم بہت خوب صورت ہو.....!!"

"جی.....!!"

"میں خوش نصیب ہوں کہ تم مجھے ملیں.....!!"

"آپ سے زیادہ خوش نصیب تو میں ہوں.....!!"

"یہ گھڑیاں عمر بھر کی یادگار ہیں.....!!"

"جی ہاں.....!!"

"کیا تم میرے ساتھ خوش رہو گی؟"

"بہت زیادہ خوش ہوں.....میں آپ کے علاوہ کسی اور کا تصور بھی نہیں کر سکتی.....!! میں.....میں آپ سے ایک بات کہنا چاہتی ہوں.....!!"

"ہاں.....بولو.....!!"

سائبا نے چند لمحے خاموشی سے مجھے دیکھا اور پھر آہستہ سے بولی:

"رحیم بابا نے آپ سے جو کچھ کہا تھا.....میں اس کے لئے رضامند ہوں.....!!"

"کیا مطلب.....؟"

"مجھے فخر ہوگا کہ آپ انسانیت کے کام آئیں.....آپ کا تعلق اب مجھ سے جڑا ہے.....اور جب آپ لوگوں کی مدد کریں گے تو اس میں میرا بھی پورا پورا حق ہوگا.....!!"

"صاف صاف کہو.....تم کیا کہنا چاہتی ہو.....!!" میں نے الجھن آمیز انداز میں اس کی طرف دیکھا۔

سائبا نے ایک طویل سانس لی اور پھر بولی۔

"میں آپ کے اس دشمن سے ابھی زیادہ واقف نہیں ہوں.....میں نے رحیم بابا سے آپ کی غیر موجودگی میں اسی موضوع پر کافی دیر بات کی تھی۔ چنانچہ میں نے سوچا کہ آپ اگر اپنے دشمن کو آزاد کر کے اسے اپنے مطابق ڈھال سکتے ہیں تو آپ ایسا ضرور کریں.....اور اس کے ذریعے سے پریشان حال لوگوں کی مدد کریں....."

"تم تو کافی عقل مندی کی باتیں کر رہی ہو۔" میں نے اسے گھورا: "لگ ہی نہیں رہا کہ تم وہی سائبا ہو.....!!"

"ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔" وہ مسکرائی۔

"بس میرے دل میں یہ خیال آیا اور میں نے آپ سے کہہ دیا.....ہوسکتا ہے کہ قدرت بھی یہی چاہ رہی ہو.....!!"

"لیکن اس راہ میں مشکلوں کا انبار ہے.....!!"

"مشکلوں کے بعد ہی آسانی نصیب ہوتی ہے.....!!"

"اگر میں نے اس کام کا بیڑا اسنبھالا تو میں اکثر تم سے دور ہی رہا کروں گا۔ کیونکہ پھر در در کی خاک بھی چھاننی پڑتی ہے۔"

"دوریوں کے بعد جو نزدیکیاں آتی ہیں، وہ بہت خوب صورت ہوتی ہیں۔" سائبا مسکرا کر بولی۔

میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا، کیا یہ وہی بستی میں رہنے والی سائبا تھی.....؟

میں نے ایک طویل سانس لی اور بولا:

"اس کا مطلب یہ ہے کہ تم اس کام کے لئے رضامند ہو.....؟"

"بالکل.....!!" وہ بولی۔

"میں گھر سے بھی غائب رہا کروں گا.....!!"

"کوئی بات نہیں.....!! میں انتظار کیا کروں گی.....!!"

"میں مشکلوں میں بھی پڑوں گا.....!!"

"میری دعائیں آپ کے ساتھ ہوں گی.....!!"

"اس کام میں جان بھی جوکھوں میں ڈالنی پڑتی ہے.....!!"

"جان تو امانت ہے.....!!"

"خوب.....تو پھر مجھے اب سوچنے دو.....!!" میں نے مسکراتے ہوئے کہا: "جیسے ہی میں نے کوئی فیصلہ کیا، میں سب سے پہلے تم کو آگاہ کروں گا۔"

"ٹھیک ہے میرے سرتاج.....!!" وہ بھی جواباً مسکرائی۔ "آپ کی ناں بھی میری خوشی ہے اور آپ کی ہاں بھی میرے لئے حرف آخر ہے۔ میں آپ کے ساتھ جڑنے کے بعد ہر حال میں خوش ہوں.....!!"

☆.....☆.....☆

میں اسے بھی اپنے ساتھ حویلی میں لے آیا ہوں.....!! یعنی جان لیوا کو.....!!

وہ ایک خوب صورت سے پنجرے میں حویلی کے ہی ایک کمرے میں موجود ہے.....!!

مجھے جبران نے اپنے ہی آفس میں نوکری پر لگوا دیا ہے.....میں فرض شناسی سے اپنے تمام فرائض بہ خوبی انجام دے رہا ہوں.....

سدو آج بھی میرا دوست ہے..... میرا نہایت مخلص اور دیرینہ دوست.....!! اس کی بھی جلد ہی شادی ہونے والی ہے.....!! میں نے اس کے سلسلے میں بھی جبران سے بات کی ہے..... جلد ہی سدو بھی کسی اچھی نوکری پر فائز ہو جائے گا.....!!

جبران آج بھی ہیروں کی وادی کا تذکرہ کرتا ہے..... اس کا کہنا ہے کہ اگر مقدر میں ہوا، اور زندگی میں کبھی فرصت کے طویل لمحات میسر آئے تو اس وادی کا قصد ضرور کریں گے.....!!

ممکن تھا کہ ہیروں کی وادی کا واقعی کوئی وجود ہوتا..... ویسے اطلاعات کے مطابق تو وہ صرف ایک فرضی داستان ہے..... جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے..... کیونکہ اگر کسی وادی کا وجود ہوتا تو اب تک کوئی نہ کوئی سر پھرا وہاں پہنچ کر اس کا راز کھول چکا ہوتا.....!!

☆.....☆.....☆

قارئین کرام.....! میری طویل داستان یہاں ختم ہو رہی ہے.....!!

کیا میں وہ کام کروں، جو میری بیوی سائبا اور رحیم بابا کی خواہش ہے.....؟ یا پھر میں اسی طرح معمولی سے انداز میں اپنی بقیہ زندگی گزار دوں.....؟

اپنی نئی اور طویل ولرزہ خیز داستان کا آغاز کرنے میں مجھے صرف جان لیوا کا پنجرہ کھولنے کی دیر ہے.....!!

اس صورت میں ظاہر ہے کہ میں میدانِ عمل میں قدم رکھ دوں گا اور پھر جان لیوا کے ساتھ مل کر ایک نئی داستان رقم کروں گا، جس میں دشمنیاں بھی ہوں گی، چالبازیاں بھی وجود میں آئیں گی اور ہنگاموں کا ایک نیا اور انوکھا دور شروع ہو جائے گا.....!!

میں جہاں ظالم وڈیروں، لالچی جاگیرداروں، بے درد حاکموں اور سحر کرنے والے جادوگروں سے ٹکراؤں گا..... وہیں مجھے اپنی طاقت اور حکمت عملی سے انہیں منہ توڑ جواب بھی دینا ہوگا.....!!

جان لیوا کی آزادی کا مطلب یہ ہوگا کہ میری زندگی ایک بار پھر ہنگامہ پرور اور پراسرار قسم کے واقعات سے لبریز ہو جائے..... میں پھر سے میدانِ عمل میں کود پڑوں.....!!!

میں اب خود بھی اس پرندے کا عادی ہو چکا ہوں، اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ میں اس سے مانوس ہوں..... جان لیوا بھی اس حویلی کے ایک فرد کی طرح ہمارے ساتھ ہے.....!!!

میں اکثر اس کی آنکھوں میں اداسی کے ساتھ ساتھ پچھتاوا بھی صاف محسوس کرتا ہوں..... جب وہ اپنے پروں کو پھڑ پھڑا کر زور سے اپنی گردن کو جھٹکے دیتا ہے، تو مجھے یوں لگتا ہے جیسے وہ اس وقت کو یاد کر رہا ہو کہ جب اس نے مقابلے کے میدان میں قدم رکھا تھا.....!!

رحیم بابا نے پس پردہ رہ کر جو کام سرانجام دیا تھا، وہ ناقابل یقین تھا.....!! خاموشی اور پردہ پوشی کے ساتھ انہوں نے ایک سرکش کو کیفر کردار تک پہنچا دیا تھا.....!!

ایک رات میں نیند سے بیدار ہوا تو پسینے سے میرا جسم شرابور تھا..... اسی وقت سائبا بھی جاگ گئی تھی۔ اس نے میری تیز سانسوں کی آواز سنی تو تڑپ کر بولی۔

''کیا ہوا.....؟ آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟''

''ہاں..... میں ٹھیک ہوں.....!!'' میں مسکرایا۔

''کیا ہوا آپ کو.....؟'' اس نے میرے ماتھے سے پسینہ پونچھا۔

''کچھ نہیں.....!! شاید کوئی خواب دیکھ لیا تھا.....!!

''کیسا خواب.....؟''

''میں نے اسے ٹالا: ''اب یاد نہیں۔''

میں نے سائبا کو مزید کچھ نہیں بتایا اور اپنے آپ میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مگن ہو گیا۔

(ختم شد)

Pakistanipoint